MAHS412CCT

ہندوستان کی معاشی تاریخ

1757 تا 1964

Economic History of India

1757 – 1964

ایم۔اے۔تاریخ

(چوتھا سمسٹر)

مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Course: Economic History of India, 1757-1964
ISBN: 978-81-980312-7-3
First Edition: November 2024

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Publication	:	2024
Copies	:	1100
Price	:	230- (The price of the book is included in the admission fee of distance mode students)
Copy Editing	:	*Vidya Vachaspati* Shaik Mahaboob Basha, Programme Coordinator–History CDOE, MANUU, Hyderabad Dr. Syed Meer Abul Hussain, Asst. Professor of History (C), CDOE, MANUU, Hyderabad Mr. Mohd Aasim, Asst. Professor of History (C), CDOE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Prof. of Urdu (C), CDOE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	S.R. Towers (India) Private Limited, Guntur, Andhra Pradesh.

Economic History of India, 1757-1964
for
M.A. History 4th Semester

On behalf of the Registrar, Published by:
Centre for Distance and Open Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad – 500 032 (TG), Bharat
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing from the publisher (registrar@manuu.edu.in).

مدیر اعلیٰ

(Chief Editor)

پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین
سابق صدر شعبہ تاریخ وثقافت
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Prof. S.M. Azizuddin Husain
Former Head
Department of History & Culture
Jamia Millia Islamia, New Delhi

مدیر

(Editor)

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
پروگرام کوآرڈی نیٹر، تاریخ
مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Vidya Vachaspati
Shaik Mahaboob Basha
Programme Coordinator – History
Centre for Distance and Open Education
MANUU, Hyderabad

مدیر زبان

(Language Editor)

ڈاکٹر محمد اکمل خان
اسسٹنٹ پروفیسر، اردو (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی
مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Mohd. Akmal Khan
Assistant Professor of Urdu (C) /
Guest Faculty
Centre for Distance and Open Education
MANUU, Hyderabad

مجلس ادارت
(Editorial Board)

Prof. Mushtaq Ahmad Kaw
Former Head, Department of History
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر مشتاق احمد کاؤ
سابقہ صدر شعبہ تاریخ
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Prof. Perwez Nazir
Centre for Advanced Studies
Department of History,
Aligarh Muslim University Aligarh

پروفیسر پرویز نظیر
سینٹر فار ایڈوانسڈ اسٹڈیز
شعبہ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

Prof. Alauddin Khan
Head, Department of History
Shibli National College,
Azamgarh

پروفیسر علاؤالدین خان
صدر، شعبہ تاریخ
شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ

Prof. Danish Moin
Department of History
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر دانش معین
شعبہ تاریخ
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Syed Meer Abul Hussain
Assistant Professor of History (C) /
Guest Faculty
CDOE, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر سید میر ابوالحسین
اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی
مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم،مانو، حیدرآباد

Mr. Mohd Aasim
Assistant Professor of History (C) /
Guest Faculty
CDOE, MANUU, Hyderabad

محمد عاصم
اسسٹنٹ پروفیسر،تاریخ (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی
مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم،مانو، حیدرآباد

Dr. Khursheed Ahmad Bhatt
Assistant Professor of History (C) /
Guest Faculty
Lucknow Campus, MANUU, Lucknow

ڈاکٹر خورشید احمد بٹ
اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ (کانٹریکچول)/ گیسٹ فیکلٹی
لکھنؤ کیمپس، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، لکھنؤ

کورس کوآرڈی نیٹر

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا

اسسٹنٹ پروفیسر (تاریخ)، مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

مصنفین	**اکائی نمبر**
• پروفیسر پرویز نظیر	اکائی 1،2،3،4،5،6،7،8،9،10،11،12
• محمد عاصم	اکائی 13
• ڈاکٹر سید میر ابوالحسین	اکائی 14
• محمد وسیم	اکائی 15

پروف ریڈرس

اول	:	محمد عاصم
دوم	:	سید میر ابوالحسین
فائنل	:	شیخ محبوب باشا

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	8
پیغام	ڈائرکٹر	9
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	10
بلاک I	**نوآبادیاتی معیشت اور زراعتی بندوبست**	
اکائی 1	بنگال کی فتح، ''سامراجیت کا مدافعتی نظریہ'' اور برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا قیام	13
اکائی 2	دولت کی نکاسی اور اس کا طریقہ کار، ضخامت اور اثرات	33
اکائی 3	مستقل بندوبست: مقاصد، عمل درآمد اور اس کے اثرات	55
اکائی 4	رعیت واری اور محل واری بندوبست اور اس کے نتائج	72
بلاک II	**زراعت، مقامی صنعتیں، تجارت اور کاروبار**	
اکائی 5	زراعت کی تجارت کاری: عوامل اور اثرات	100
اکائی 6	انیسویں صدی میں عدم صنعت کاری کا مسئلہ	116
اکائی 7	عدم شہر کاری	134
اکائی 8	بیرونی تجارت کی بدلتی نوعیت: 1813 اور 1833 کا چارٹر ایکٹ	150

بلاک III	ریلوے، سنچائی اور جدید صنعتوں کا ارتقا	
اکائی 9	ریلوے کی آمد: معاشی اور سیاسی اغراض؛ ریلوے کے سماجی-معاشی نتائج	165
اکائی 10	سینچائی منصوبے اور نہریں	192
اکائی 11	قحط سالی: اسباب اور نتائج	210
اکائی 12	جدید صنعتوں کی نشوونما	232
بلاک IV	برطانوی اور آزاد ہندوستان میں معاشی پالیسیاں	
اکائی 13	کاشتکاری قوانین	256
اکائی 14	زمینی اصلاحات	267
اکائی 15	پلاننگ کمیشن آف انڈیا 1951 اور پنج سالہ منصوبے	279
نمونہ امتحانی پرچہ		296

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر ان شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے کلیسائے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25 ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیمِ قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی طریقۂ تعلیم کو پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں ۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر فاصلاتی طرز تعلیم کو متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم سے ہوا اور 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم (Regular Courses) کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔

ملک میں تعلیمی نظام کو بہتر انداز سے جاری رکھنے میں یو جی سی کا مرکزی کردار رہا ہے۔ فاصلاتی تعلیم (ODL) کے تحت جاری مختلف پروگرام UGC-DEB سے منظور شدہ ہیں۔ UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کر کے فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ (Dual Mode University) ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق Credit Based Credit System (CBCS) نظام متعارف کرایا گیا اور خود اکتسابی مواد (Self-Learning Material) از سرِ نو، جس میں یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کیا گیا ہے۔

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ سترہ (17) کورسز چلا رہا ہے۔ ساتھ ہی تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ متعلمین کی سہولت کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک موجود ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑہ میں ایک ایکسٹنشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 160 سے زیادہ متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ای میل اور وہاٹس ایپ گروپ کی سہولت فراہم کی گئی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ پچھلے دو سال سے ریگولر کاؤنسلنگ کے علاوہ ایڈیشنل ریمیڈیل آن لائن کاؤنسلنگ مہیا کی جارہی ہے تاکہ طلبا کے تعلیمی معیار کو بلند کیا جاسکے۔ امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو عصری تعلیم کے مرکزی دھارے سے جوڑنے میں مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔ آنے والے دنوں میں تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت مختلف کورسز میں تبدیلیاں کی جائیں گی اور امید ہے کہ یہ فاصلاتی نظام کو زیادہ مؤثر و کارگر بنانے میں مددگار ثابت ہوگی۔

پروفیسر محمد رضاءاللہ خان

ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

کورس کا تعارف

پیارے طلباء! آداب۔ کورس 'ہندوستان کی اقتصادی تاریخ، 1757-1964' میں خوش آمدید۔ عمومی طور پر یہ، انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے قیام سے لے کر ہندوستان کی آزادی کے تقریباً دو دہائی بعد تک کی جدید ہندوستان کی معاشی تاریخ ہے۔ اس میں آپ سمجھیں گے کہ کس طرح انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے اپنائی جانے والی مختلف معاشی پالیسیوں نے ہندوستانی معیشت کو تباہ کر دیا۔ برطانوی حکومت کی طرف سے متعارف کروائی جانے والی مختلف زمینی مالگزاری کی پالیسیاں، محصولاتی نظام وغیرہ نے ہندوستان کی دولت کو پوری طرح سے نچوڑ لیا۔ آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ ہندوستان کی صنعتوں کی زوال اور برطانیہ کی صنعتی ترقی ایک ساتھ ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں، برطانیہ کا صنعتی انقلاب ہندوستان کی صنعتوں کی تباہی کے ذریعے ممکن ہوا۔ جدید ذرائع نقل و حمل، جیسے ریلوے کے تعارف نے بھی ہندوستانی وسائل کا بڑے پیمانے پر استحصال کیا۔ تاہم، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے ہندوستانیوں کو فائدہ بھی ہوا۔

یہ کورس آپ کو یہ سمجھنے میں بھی مدد دے گا کہ ہندوستان میں بڑے پیمانے پر غربت، نوآبادیاتی حکومت کی بے رحمانہ پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ آزادی کی پہلی دو دہائیوں میں، ہندوستان نے کچھ حد تک معاشی خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ابھی بہت کچھ کیا جانا باقی ہے۔ یہ کورس آپ کو کچھ سوالات اٹھانے میں مدد دے گا: کیا ہندوستانیوں کا استحصال ختم ہو گیا ہے؟ اگر نہیں تو اب کون ان استحصال کر رہا ہے—خود ہندوستانی یا غیر ملکی؟ کیا ہندوستان نے واقعی اقتصادی آزادی حاصل کر لی ہے؟ کیوں ابھی تک ہندوستان میں غربت برقرار ہے؟ کیوں ہندوستان ابھی بھی ترقی پذیر ممالک کی فہرست میں شامل ہے؟ کیوں ہندوستان انسانی ترقی کے اشاریے (HDI) میں اتنے نچلے پائیدان پر ہے؟ آپ خود سے پوچھ سکتے ہیں کہ آیا آپ بھی استحصال شدہ زمرے میں آتے ہیں؟

حالیہ دور تک، تاریخ کو بادشاہوں اور شہنشاہوں کے عظیم کارناموں / بداعمالیوں کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ ملکائیں بھی زیادہ تر اپنے عظیم مردوں کے تعلق کی وجہ سے ظاہر ہوئیں۔ دوسرے لفظوں میں، تاریخ کو بادشاہوں اور ریاستوں، شہنشاہوں اور سلطنتوں، کے ناموں کی ایک لمبی فہرست سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ان کے ذریعے لڑی جانے والی جنگوں اور ان کی محبوباؤں وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل تھا۔ مختصراً، تاریخ کا مطلب سیاسی تاریخ تھا اور بدقسمتی سے یہ سوچ عام لوگوں کے ذہنوں پر ابھی بھی حاوی ہے۔ عام لوگ، محنت کش عوام، جو اصل تاریخ ساز تھے، شاید ہی کبھی تاریخ کے ڈرامے میں نظر آئے۔ لیکن، اب تاریخ کے بارے میں نقطہ نظر بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے اور اسی لیے تاریخ لکھنے کا طریقہ بھی بدل گیا ہے۔ عام لوگ بشمول مرد و خواتین، نے تاریخ میں اپنے حصے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب تاریخ کی توجہ حکمرانوں سے رعایا کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ جیسا کہ تیلگو شاعر سری سری (سری رنگم سری نواس راؤ) نے اپنی نظم میں مناسب طریقے سے بیان کیا ہے، اب مورخین اس کی کھوج کرنا چاہتے ہیں اور 'تاریخ کے اندھیرے میں دبی پڑی سب کہانیوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ پوچھنے لگے کہ دریائے نیل کی تہذیب میں عام زندگی کیسی تھی اور تاج محل کی تعمیر میں پتھر ڈھونے والے قلی کون تھے اور سلطنتوں کے باہمی جنگوں میں عام لوگوں کی بہادری کیسی تھی۔ ناوہ ڈولی گنتی کی تھی چڑھ بیٹھا جس پر راجا، اس کے واہک کلی کون تھے؟' یہ بے حد ضروری ہے کہ تاریخ کا مطالعہ عام لوگوں کے نقطۂ نظر سے کیا جائے۔ مشہور ادیب جارج اورویل نے تاریخ کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ: 'جو ماضی کو قابو کرتے ہیں وہی مستقبل کو قابو کرتے ہیں: جو حال کو قابو کرتے ہیں وہی ماضی کو قابو کرتے ہیں۔' ممتاز مورخ پروفیسر کے ایس ایس شیشن نے زور دیا کہ 'تاریخ کا سماج سے وہی رشتہ ہے جو یادداشت کا فرد سے ہے۔' ودیا واچسپتی ایس ایم باشا کے مطابق جو ماضی کو اچھے سے سمجھتے ہیں، وہ حال کو بہترین طریقے سے سمجھ سکتے ہیں؛ اور اسی طرح ماضی کو اچھے ڈھنگ سے سمجھنے کے لیے حال کا گہرا علم ضروری ہے۔

UGC-DEB کی ہدایات کے مطابق، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے خود اکتسابی مواد لکھنے کے لیے بہترین مصنفین کو راغب کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ یہ نہ صرف آپ کی تعلیمی کارکردگی کے لیے کارآمد ثابت ہوگا بلکہ مختلف مسابقتی امتحانات کو اعتماد کے ساتھ دینے کے قابل بھی بنائے گا۔ ہم شعبہ تاریخ، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم میں، آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ کورس میں ایک بار پھر خوش آمدید۔ میں آپ کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا

کورس کوآرڈی نیٹر

ہندوستان کی معاشی تاریخ

1757 تا 1964

Economic History of India

1757 – 1964

اکائی 1۔ بنگال کی فتح، 'سامراجیت کا مدافعتی نظریہ' اور برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا قیام
(Conquest of Bengal 'Defensive Theory of Imperialism' and Establishment of English East India Company's Rule)

اکائی کے اجزاء

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 یورپی کمپنیوں کی ہندوستان میں آمد

1.2.1 پرتگالی

1.2.2 ہالینڈ

1.2.3 انگریز

1.2.4 فرانسیسی

1.3 تجارتی بالادستی کے لیے جدوجہد

1.4 ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج اور اس کی وجوہات

1.5 پلاسی کی جنگ اور بنگال کی فتح

1.6 بکسر کی جنگ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا قیام

1.7 الہ آباد کا معاہدہ

1.8 نوآبادیاتی نظام کا قیام اور اس کے مختلف مراحل

1.9 بنگال کی فتح سے متعلق مختلف نظریات

1.10 اکتسابی نتائج

1.11 کلیدی الفاظ

1.12 نمونہ امتحانی سوالات

1.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید (Introduction)

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد ثقافتی اور تجارتی زندگی میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یورپ میں تجارتی انقلاب نے بین الاقوامی تجارت کو فروغ دیا جس کی وجہ سے تجارتی سرگرمیوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیااور دولت کمانے کی ہوس نے ممالک کے حکمرانوں کو اپنے جانباز و بہادر نوجوانوں کو سمندری سفر پر نئے راستے اور نئی دنیااور تجارت کے نئے امکانات کو تلاش کرنے کے لیے روانہ کیا۔اسی طرح افریقہ براعظم کے سب سے نچلے جنوبی سرے، راس امید (Cape of Goodhope) کی دریافت نے یورپ اور مشرقی ایشیا کی تجارتی سرگرمیوں میں انقلاب پیدا کردیا۔ واسکوڈاگامانے اس سرگرمی کو مزید تحریک دی اور یورپی ہندوستان اور مشرقی ایشیاسے منافع بخش تجارت کرنے لگے۔زیادہ منافع کے لالچ نے یورپی ممالک کو سیاسی غلبہ قائم کرنے پر اکسایا تاکہ تجارتی بالادستی قائم کرکے زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جاسکے۔ برطانیہ نے یورپ کی اپنی حریف کمپنیوں کو ہندوستان کی سرزمین سے جنگی یا پھر اپنی بحری قوت کا دبدبہ دکھاکے بے دخل کردیا۔ اس طرح انہوں نے پلاسی اور بکسر کی جنگ میں ہندوستانی حکمرانوں کو شکست دے کر اپنی سیاسی تسلط قائم کرلیا۔اس نے صنعتی انقلاب کے بعد بازار کی تلاش اور خام مال کی فراہمی کے پیشِ نظر ہندوستانی ریاستوں کو جنگ یا پھر دوسرے سیاسی حربوں کے ذریعہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس طرح1856ءتک پورے ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ہندوستان پر انگریزوں کی فتح کے متعلق مورخین نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے تبصرہ کیاہے۔انگریزوں کی فتح اوراس کے وجوہات اوراس سے متعلق نظریات کااس باب میں تفصیلی اور تنقیدی جائزہ پیش کیاگیاہے۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعدآپ

- اس بات کا جائزہ لے سکیں گے کہ کس طرح یورپی ممالک نے ہندوستان سے تجارت کا آغاز کیا۔
- ان عوامل کا تجزیہ کرسکیں گے کس طرح برطانیہ نے اپنے حریف ممالک کی کمپنیوں کو ہندوستان کی سرزمین سے بے دخل کرکے اپنی بالادستی قائم کرلی۔
- پلاسی و بکسر کی جنگ کے وجوہات اور نتائج پر تبصرہ کرسکیں گے۔
- انگریزوں کی فتحیابی اور کامرانی کی وجوہات کا تنقیدی جائزہ پیش کرسکیں گے۔
- ان عوامل اور وجوہات پر روشنی ڈال سکیں گے جس کی بدولت نوآبادیاتی نظام قائم ہوسکا۔

1.2 یورپی کمپنیوں کی ہندوستان میں آمد (Arrival of European Companies in India)

پندرہویں صدی میں جغرافیائی اختراعات نے تجارتی سرگرمیوں کو کئی گنا بڑھادیاکیونکہ یورپ کے لوگوں کی نئی دنیااور نئے سمندری راستوں کی تلاش کی جستجونے ان کو کئی محاذپر کامیابی عطاکی۔یورپی مہم جوؤں کواپنی مقامی حکومت کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ان کے پاس طاقتور بحری بیڑہ بھی تھا جس کی مدد سے یورپی مہم جوؤں نے نئی دنیااورنئے راستے تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ یورپی تجارتی

کمپنیوں کو ہندوستان کی دولت اور قیمتی اشیا کی معلومات تھیں، اسی لیے کہ بہت پہلے سے ہی ہندوستان سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ رومیوں کے زوال کے بعد مشرقی تجارت پر عربوں کی بالادستی قائم ہو گئی کیونکہ وہ تاجر قوم کے ساتھ ساتھ جہازرانی میں بھی ماہر تھے۔ ہندوستان ۔یورپ کی تجارت بحر عرب، خلیج فارس اور بحراحمر سے ہو کر گذرتی تھی۔ یورپی ممالک نے تجارتی امکانات کے پیشِ نظر اپنی بحری قوّت کو بہت مضبوط کر لیا۔اسی کے ساتھ یورپ کے تجارتی بورژوا طبقے نے اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کر دیا اور ان کے لیے غیر ملکی تجارت دولت کے حصول کا سب سے بہتر ذریعہ بن گیا۔اسی منصوبہ کے تحت پرتگالی مصالحہ کی تلاش میں ہندوستان آئے۔ ان کی پیروی کرتے ہوئے ڈچ، انگریز اور پھر فرانسیسیوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔

1.2.1 پرتگالی (Portuguese)

نئی دنیا اور نئے راستے کی تلاش میں ایک پرتگالی جہازراں اور مہم جو واسکوڈاگاما(Vasco Da Gama)افریقہ کے جنوبی سرے سے گذر کر 21 مئی 1498ء کو ہندوستان کے مغربی ساحل پر آباد کالی کٹ پہنچا۔ عبدالماجد نامی ملّاح نے اس جہاز کو بخوبی ہندوستان کے ساحل تک پہنچنے میں مدد کی۔ واسکوڈی گاما جب مالابار ساحل پر اترا تو کالی کٹ کے حکمراں زمورن نے اس کا استقبال کیا۔اس مہم نے یورپ سے ہندوستان تک سمندر کے راستے براہِ راست رسائی فراہم کی اور اسی کے ساتھ پرتگالی طاقت کی بنیاد اور استحکام کا آغاز ہوا۔ اس نے پرتگال کو مشرق سے مصالحہ جات کی منافع بخش تجارت میں قدم رکھنے کا موقع دیا۔ 13 ستمبر 1500 کو پرتگالی جہازراں پیڈرو الواریس کیبرال (Pedro Alvares Cabral)کالی کٹ پہنچا اور ایک فیکٹری قائم کی جو ہندوستان میں پہلی یورپی فیکٹری تھی۔اس کے بعد الفانسو ڈی البقرق(Afonso de Albuquerque)کی قیادت میں پرتگالیوں نے 1510 میں عادل شاہی حکمراں سے گوا جیسے اہم ساحلی علاقہ چھین کر اپنی موجودگی کو مضبوط کیا۔ انہوں نے دکنی حکمرانوں کے آپسی اختلاف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کر کے گوا کو اپنا صدر مقام بنالیا ساتھ ہی ملاکا، ہرمز، اور دیو جیسے مقامات پر کنٹرول حاصل کر کے بحرِ ہند میں تجارتی راستوں پر تسلط قائم کیا۔ پرتگالیوں نے جدید بحری ٹیکنالوجی، مؤثر سفارتکاری، اور عسکری حکمت عملیوں کا استعمال کرتے ہوئے تجارتی مراکز اور قلعے تعمیر کیے۔ ان کی جارحانہ توسیع کی پالیسی کے ساتھ مقامی آبادی کو عیسائیت میں تبدیل کرنے کا مشنری جوش بھی شامل تھا، جس سے ان کا کنٹرول مزید مضبوط ہوا۔ سولہویں صدی کے وسط تک، پرتگالیوں نے ایک مضبوط تجارتی اور انتظامی ہیئت قائم کر لی تھی، جس نے ساحلی ہندوستان کے ثقافتی اور اقتصادی منظر نامے کو متاثر کیا۔اس دوران انہیں مقامی حکمرانوں اور یورپی حریفوں کی مزاحمت کا بھی سامنا بھی کرنا پڑا۔

1.2.2 ولندیزی (Dutch)

بحری تجارت پر پرتگالیوں کی بالادستی کافی وقت تک قائم رہی۔ اسی دوران 1595ء میں ایک ڈچ باشندے، جان ہائیگھن واں لینشوٹن(Jan Huyghan Van Linschoten) جو چھ سال تک گوا میں مقیم رہا، نے اپنی کتاب میں ہندوستان کی بے پناہ دولت کا تذکرہ کیا جس سے متاثر ہو کر دیگر یورپی ممالک نے ہندوستان کی تجارت سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے گوا پر پرتگالیوں کی

کمزور گرفت کا بھی تذکرہ کیا جس سے حوصلہ پاکر ہالینڈ (Netherland) کے تجار نے ہندوستان کا رُخ کیا اور پرتگالیوں کی تجارتی بالادستی کو ختم کر کے اپنی بالادستی قائم کر لی۔ ہالینڈ کے باشندوں (ولندیزی/ڈچ) نے سترہویں صدی کے پہلے نصف میں لینسشوٹن کی کتاب کی جانکاری سے حوصلہ پاکر ہندوستان میں اپنی تجارتی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ولندیزی تاجر مصالحہ کے علاوہ نیل، کپاس، افیون، شیشا، شورہ وغیرہ بھی ہندوستان سے لے جا رہے تھے۔ انہوں نے بنگال میں چنچوڑا کے مقام کو اپنا مستقر بنایا۔

1.2.3 انگریز (British)

لینسشوٹن کی کتاب کا ترجمہ جب انگریزی زبان میں ہوا تو انگریزوں نے حوصلہ پاکر ہندوستان سے تجارتی تعلق استوار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگریزوں کی سرگرمیوں کو اس وقت مزید تقویت ملی جب رالف فچ (Ralph Fitch) ہندوستان آیا اور اس نے یہاں کی منافع بخش تجارت کا تذکرہ کیا۔ برطانوی تاجر ولندیزی تاجروں کی کامیاب تجارتی مہم سے نالاں تھے اور انہوں نے اپنی تجارتی محاذ آرائی شروع کر دی۔ 31 دسمبر 1600ء کو ملکہ برطانیہ ایلزبتھ اول نے ایک چارٹر کے ذریعہ ایک برطانوی تجارتی ادارہ، برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو مشرق سے تجارت کرنے کے لیے 15 سال کا اجازت نامہ جاری کر دیا۔ شاہی چارٹر حاصل کرنے کے بعد کمپنی نے ہندوستان میں اپنی کارروائیاں شروع کیں۔ ابتدا میں، اس کا قیام مسالوں کی منافع بخش تجارت میں پرتگالیوں اور ڈچوں کے ساتھ مسابقت کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ کمپنی 1608 میں ہندوستان پہنچی اور 1613 میں سورت میں اپنا پہلا تجارتی مرکز قائم کیا۔ ہندوستان کے ساتھ اس کے ابتدائی تعلقات کپڑے، مسالوں اور دیگر اشیاء کی تجارت سے وابستہ تھے، جو مقامی حکمرانوں کے ساتھ اتحاد اور معاہدوں کے ذریعے ممکن ہوئے۔ برطانوی کمپنی نے 1609 میں ولیم ہاکنز (William Hawkins) کو مغل بادشاہ کے نام لکھے ایک خط کے ساتھ آگرہ بھیجا، تاکہ وہ برطانوی کمپنی کے لیے ہندوستان میں تجارتی حقوق حاصل کر سکے، لیکن پرتگالیوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ 1615 میں ایک اہم پیش رفت اس وقت ہوئی جب برطانوی شہنشاہ جیمس اول کے سفیر سر تھامس رو نے مغل شہنشاہ جہانگیر سے تجارتی مراعات حاصل کیں، جس سے کمپنی کو اپنی جڑیں مزید مضبوط کرنے کا موقع ملا۔ 1661ء میں پرتگالیوں نے بمبئ کو اپنی شہزادی کی برطانوی حکمراں چارلس دوم سے شادی کے جہیز میں برطانیہ کے سپرد کیا تھا اور شہنشاہ برطانیہ نے ایک علامتی رقم 10 پاؤنڈ کے بدلے بمبئ کو کمپنی کے حوالے کر دیا۔ 1698ء میں جاب چارناک (Job Charnock) نے تین گاؤں جس کی زمینداری انگریزوں کو ملی تھی، وہاں کلکتہ شہر آباد کیا۔ بنگال میں یہی شہر ان کا صدر مقام بنا۔ کلکتہ میں انگریزوں نے برطانیہ کے بادشاہ ولیم سوم کے نام منسوب کرتے ہوئے اپنے صدر مقام کا نام فورٹ ولیم رکھا۔ 1700ء میں بنگال ایک علیحدہ پریسیڈنسی بن گیا اور سر آئیر کوٹ اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ تاہم، اورنگ زیب کے عہد تک انگریز ہندوستان میں مضبوطی سے اپنا قدم جمانے میں ناکام رہے، لیکن انہوں نے مغل حکمرانوں سے فرمان حاصل کر کے محدود سطح پر تجارتی فائدے حاصل کیے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد سیاسی انتشار اور کمزور مغل حکمرانوں کا فائدہ اٹھا کر اپنی تجارتی بالادستی قائم کرنے کی کوششیں تیز کر دی گئیں۔ اورنگ زیب کے بعد کمزور مغل حکمرانوں کے دور میں جانشین/علاقائی ریاستوں کا ظہور ہونے لگا اور بنگال بھی مرشد قلی خاں کی قیادت میں ایک خود مختار ریاست کے طور پر اُبھرا۔ 1715ء میں انگریزوں کا ایک سفارتی مشن جان سورمن (John Surmen) کی قیادت میں

فرخ سیر کے دربار میں پہنچا، جس میں ایک سرجن ہیملٹن بھی تھااور اس نے مغل بادشاہ کی بیماری کا علاج کیا، جس کے نتیجے میں مغل شہنشاہ نے 1717ء کا فرمان جاری کر کے کمپنی کو بغیر محصول دیئے تجارت کرنے کا حق دے دیا، جسے ہم 'دستک' کے نام سے جانتے ہیں۔اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے مدراس، دکن، کرناٹک وغیرہ کے حکمرانوں سے بھی آزاد تجارت کا حق حاصل کر لیا۔ بمبئی میں مراٹھااور پرتگالیوں کے مابین مسلسل جنگ اور کانہوجی انگریا کے حملوں سے بھی انتشار کی صورت حال تھی لیکن انگریزوں کی فوجی قوت کے بدولت بمبئی میں بھی ان کی تجارتی بالادستی قائم ہو گئی۔

1.2.4 فرانسیسی (French)

فرانسیسیوں نے بھی سولہویں صدی کے ابتدائی ایام سے مشرقی دنیا سے تجارتی تعلق قائم کرنے کی رفتار تیز کر دی۔ لیکن ہالینڈ کے تجار اپنی تجارتی بالادستی کے پیشِ نظر فرانسیسیوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ فرانسیسی وزیر رشلو نے مشرقی دنیا کی تجارتی امکانات کے پیشِ نظر تجارت کو فروغ دینے پر کوشاں ہو گیا۔ فرانس کے شہنشاہ لوئی چہاردہم نے تجارتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ لوئی کے دوسرے وزیر کولبرٹ نے اپنے ملک کی معیشت کو بہتر بنانے کی غرض سے سمندری تجارت کو فروغ دینے کی پُرزور حمایت کرتے ہوئے اس نے فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد 1664ء میں ڈالی اور اس طرح فرانسیسی کمپنی نے 1668ء میں سورت میں اپنی پہلی فیکٹری قائم کی۔ گولکنڈہ کے سلطان سے اجازت نامہ حاصل کر کے فرانس نے مسولی پٹنم میں دوسری فیکٹری قائم کی۔1674ء میں فرانسیسیوں نے پانڈیچیری حاصل کر لیا جو تجارت اور سیاست کے نکتہ نظر سے بہت اہم تھا۔ بنگال میں فرانسیسیوں نے 1692ء میں نواب شائستہ خاں کی اجازت سے چندر نگر میں اپنی فیکٹری قائم کر کے اس کو اپنا صدر مقام بنالیا۔ لیکن یورپ میں فرانس کی جنگی مصروفیات کی وجہ سے ڈچ تاجروں نے پانڈیچیری کی تجارتی اہمیت کے بدولت اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن یورپی معاہدہ کے تحت ہالینڈ نے پانڈیچیری کو فرانسیسیوں کو لوٹا دیا۔ 1701ء میں پانڈیچیری فرانسیسی کمپنی کا صدر مقام بن گیا۔ فرانکوئس مارٹن(Francois Martin) پہلا گورنر بنا۔اس نے پانڈیچیری میں فورٹ سینٹ لوئی کی تعمیر کو مکمل کروایا۔ مارٹن کے بعد ڈوپلے فرانسیسی کمپنی اور ہندوستان میں اس کے مقبوضہ علاقہ کا گورنر بن کر آیا۔ لیکن فرانسیسی، برطانوی حکومت کی بحری فوج کے سامنے نہ ٹک سکے۔ مزید برآں فرانسیسی کمپنی کو فرانسیسی حکومت کا مکمل تعاون بھی نہیں تھا۔ سیاسی اور تجارتی بالادستی کے تنازعہ اور جنگ میں فرانسیسی کمپنی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یورپ کی پرتگالی، ڈچ، انگریزی اور فرانسیسی کمپنیوں کا قیام ہندوستان میں اس لیے ممکن ہو سکا کیونکہ یورپ کی بحری قوّت بہت مضبوط تھی۔ دوسری بات یہ کہ ہندوستان کے حکمرانوں کی آپسی نااتفاقی اور خانہ جنگی نے یورپی کمپنیوں کو اپنی تجارتی اور پھر سیاسی بالادستی قائم کا موقع فراہم کیا۔ سب سے پہلے پرتگالیوں نے اپنی نوآبادیت قائم کی اور ان کو مصالحہ اور کالی مرچ کی تجارت سے خوب منافع ہوا۔ ہالینڈ کے تجار نے مصالحہ اور سوتی کپڑوں کی تجارت کو فروغ دیا۔ ڈچ کمپنی نے پرتگالیوں کو تجارت سے دستبردار کرنے کے لیے ان کے بحری بیڑہ اور ان کے رہائشی علاقوں پر حملہ شروع کر دیااور ولندیزیوں نے جلد ہی اپنی فوقیت قائم کر لی۔ یورپی کمپنیوں کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے تجارت کا حجم کئی گنا بڑھ گیا۔ تجارتی سرگرمیوں میں کافی توسیع ہوئی۔

1.3 تجارتی بالادستی کے لیے جدوجہد (Struggle for the Commercial Supremacy)

برطانیہ اور فرانس کے مابین سیاسی جنگ بالادستی قائم کرنے اور علاقائی حدود کی وسعت کے نتیجے میں تھی جو صدیوں پر محیط تھی۔ ہندوستان میں جب ان دونوں ملکوں کی تجارتی کمپنیوں کا قیام عمل میں آیا تو یہاں بھی حریفانہ جنگ اور تنازعہ دیکھنے کو ملا۔ تجارت کرنے کی غرض سے برطانوی اور فرانسیسی کمپنیاں ہندوستان آئیں لیکن یہاں کی منافع بخش تجارت نے ان کو ہندوستانی علاقوں پر قبضہ کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی اور یہ دونوں کمپنیاں خود بخود ہندوستانی سیاست میں مداخلت کرنے اور اپنے مفاد کو آگے بڑھانے میں برسرپیکار ہوگئیں۔ صنعتی انقلاب اور تجارتی نظریہ زر (Mercantilism) کے نظریات سے متاثر ان کمپنیوں کا مقصد زیادہ سے زیادہ منافع کمانا تھا۔اس کے لیے ضروری تھا کہ یورپ کی دیگر کمپنیوں کو تجارتی میدان سے بے دخل کر دیا جائے تاکہ تجارت پر اجارہ داری قائم ہو سکے اور بازار پر بالادستی قائم کر کے من مرضی سے یہ کمپنیاں یہاں کی اشیاء کو خرید کر یوروپ کے لیے خام مال فراہم کر سکیں اور وہاں کی فیکٹریوں کی بنی اشیاء کو من مانے داموں پر یہاں فروخت کر سکیں، جس سے یورپی کمپنیوں کا منافع کئی گنا بڑھ جاتا تھا۔ بازار اور تجارت پر بالادستی قائم کر کے منافع کمانے کے لیے ضروری تھا کہ اس ملک پر سیاسی غلبہ قائم کرے اور اپنا اقتدار قائم کریں،اس کے تحت دونوں کمپنیوں نے پہلے توڈچ اور پرتگالی کمپنیوں کو مقابلہ سے باہر کر دیا یا توپھر ان کے تجارتی سرگرمیوں کو ایک مخصوص علاقہ تک محدود کر دیا۔

ہندوستان میں اینگلو۔فرنچ رقابت اس وقت شدّت اختیار کر گئی جب یورپ میں آسٹریا کی جانشینی کی جنگ شروع ہوئی۔اسی سے پہلی کرناٹک کی جنگ کا آغاز ہوا۔1746ء میں شروع ہو کر 1748ء تک چلی یہ جنگ فیصلہ کن ثابت نہیں ہوئی۔ تجارتی بالادستی کی جنگ کے ساتھ حیدرآباد اور کرناٹک میں جانشینی کی جنگ نے ان دونوں کمپنیوں کو پھر آمنے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ اگرچہ یہ جنگ بھی فیصلہ کن نہیں تھی لیکن انگریزوں کی حکمت عملی اور جنگی قوّت کا مظاہرہ بخوبی سامنے اُبھر کر آیا۔ تیسری کرناٹک کی جنگ پہلی جنگ کی طرح یورپ میں ہفت سالہ جنگ کی شروعات کے نتیجے میں شروع ہوئی۔ فرانسیسیوں کی طرف سے کاؤنٹ ڈی لیلی اور برطانوی فوج کی قیادت سرآئیر کوٹ کر رہے تھے۔ یہ جنگ فیصلہ کن ثابت ہوئی کیونکہ 1761ء میں ونڈی واش کی جنگ میں انگریزوں نے اپنی بحری قوّت اور ڈپلومیسی کی مدد سے فرانسیسی کمپنی کو شکست دی۔ یورپ میں 1763ء کے پیرس معاہدہ کے تحت اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں کی فتح اور فرانسیسیوں کی ہار کے وجوہات پر مورخین نے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے۔ان کا اتفاق ہے کہ عمدہ بحری بیڑہ، بہتر معاشی حالات اور برطانوی کمپنی کی اعلیٰ قیادت کی وجہ سے برطانیہ نے فرانس کے مقابلہ اس جنگ میں فتح حاصل کی۔ فرانسیسی کمپنی کی شکست نے اس کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔ انگریزوں کا کرناٹک اور حیدرآباد میں اثر ورسوخ بڑھ گیا۔اس فتح سے قبل انگریزوں نے 1757 میں بنگال فتح کر لیا تھا اور بنگال کی فتح نے ہی کرناٹک جنگ کی کامیابی کی راہ ہموار کی۔ کرناٹک میں انگریزوں نے بہت دولت اکٹھا کر لی جو مستقبل کے جنگی اخراجات پر خرچ کرنے میں کام آئی۔

1.4 ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج اور اس کی وجوہات (Rise of East India Company and Its Reasons)

برطانیہ کی آئینی تاریخ میں میگنا کارٹا 1215، پٹیشن آف لائٹس 1628 اور بل آف رائٹس 1689 کی بہت اہمیت ہے۔اس نے

برطانیہ کو جمہوری اور پارلیمانی ملک بننے میں مدد کی۔ اس طرح چودھویں صدی میں ایک 'پسماندہ زرعی ملک' اٹھارہویں صدی کے آخر میں ایک سیاسی اور معاشی قوّت بن کر دنیا کے نقشہ پر اُبھرا۔ ہسپانوی ارمڈا (جنگی بیڑا) کو 1588ء میں شکست دے کر اور اپنی نوآبادیاتی توسیع کے ذریعے برطانیہ، ایک عظیم ملک بن گیا۔ بقول مورس کولس برطانوی اپنی 'اوالعزمی، حوصلہ اور جانبازی کی وجہ سے 'ایک عظیم سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ 'فتح کے جذبہ' نے برطانوی عوام کو نیا حوصلہ دیا۔ تجارتی انقلاب نے سرمایہ داری کو جنم دیا اور اس نے بورژوا طبقہ کو پیدا کیا اور اس طبقہ کے چند لوگوں کے ہاتھ میں دولت جمع ہونا شروع ہوگئی۔ انہوں نے دولت اور دوسرے ذرائع کو استعمال کر کے صنعتی ترقی کو فروغ دیا جو آگے چل کر صنعتی انقلاب کی شکل میں رونما ہوا۔

تجارتی انقلاب کے نتیجے میں تجارت بڑے وسیع پیمانے پر ہونے لگی۔ اس کی وجہ سے بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی ضرورت پڑی اس طرح کئی تاجروں نے ایک ساتھ مل کر ایک ریگولیٹیڈ کمپنی قائم کی۔ اس طرح The English Company of Marchant Adventurers وجود میں آئی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی (English East India Company)، اسی کمپنی سے وجود میں آئی۔ اس کے بعد یہ، سترہویں صدی میں زیادہ سرمایہ اور زیادہ تاجروں کے اشتراک سے ایک جوائنٹ اسٹاک کمپنی میں تبدیل ہوگئی۔ بعد ازاں اسے چارٹرڈ کمپنی کا درجہ ملا جس کو اپنے ملک کے حکمراں سے تجارت کرنے کے لیے اجازت نامہ (Charter) ملتا تھا۔ سترہویں صدی تجارتی نظریہ زر یا پھر تجارتی تحفظاتی پالیسیوں کا عہد تھا جہاں ہر یورپی ملک برآمد کو فروغ اور درآمد کی حوصلہ شکنی کی پالیسی پر عمل پیرا تھا تاکہ ملک کے لیے زیادہ سے زیادہ زر مبادلہ مل سکے۔ اس طرح دولت اکٹھا کرنے کی ہوڑ لگی ہوئی تھی۔ اس کے بعد آزاد تجارت (Free Trade) یا *Laissez-fair* کا دور آیا اور ایڈیم اسمتھ نے اپنی کتاب *The Wealth of Nations* میں اس نظریہ کی حمایت کی تھی۔ اس فلسفہ نے تجارتی سرگرمیوں کو مزید وسیع تر کر دیا۔ غیر ملکی تجارت دولت اکٹھا کرنے کا ایک اہم ذریعہ بن گیا۔

برطانیہ کے تجارتی سرمایہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں آئی اور برطانیہ کی انجمن تجار (Guilds) کا تعاون اور سرپرستی شامل تھی۔ اسی اثنا میں کمپنی نے 31 دسمبر 1600ء کو ملکہ الزابتھ اول سے ہندوستان میں تجارت کرنے کا 15 سالہ شاہی فرمان حاصل کرلیا۔ یہ کمپنی کا سب سے بڑا کارنامہ تھا جس نے کمپنی کو ہندوستان میں آزادانہ طور پر تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر 1651ء میں جہازرانی قوانین (Navigation Acts) نے برطانوی کمپنی کو مزید تجارتی اختیارات سونپ دیئے۔ سر جوشیا چائلڈ کی قیادت میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مزید ترقی کے منازل طے کئے اور مشرقی ایشیا سے تجارت کے خصوصی حق کے لیے جوشیا نے بہت اہم کردار نبھایا۔ لٰہذا مشرق کی مصنوعات کی مانگ بڑھنے لگی اور ہندوستان سے یورپی تجارت فروغ پانے لگی اور یہ اتنا منافع بخش تھا کہ یورپ کا تاجر بورژو طبقہ، تجارتی سرگرمیوں میں منافع کمانے کی غرض سے مصروف ہوگیا۔ جس نے منظم کمپنی کے فروغ اور ضرورت کو شدّت سے محسوس کیا تاکہ تجارت کو منظم طریقے سے چلایا جائے۔ ہندوستان کی منتشر سیاست اور غیر متحد معاشرہ نے یورپی کمپنیوں کو تجارت اور پھر سیاست پر اپنی بالادستی قائم کرنے کا موقع فراہم کیا۔

1.5 پلاسی کی جنگ اور بنگال کی فتح (Battle of Plassey and the Conquest of Bengal)

مغلیہ سلطنت کے زوال نے مغلوں کے ماتحت صوبوں کے گورنروں اور دیگر ریاستوں کو خود مختار ہونے کا موقع فراہم کیا۔ صوبہ بنگال کے دیوان مرشد قلی خاں نے بھی سیاسی انتشار اور مرکزی قیادت کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مرشد قلی خان کی سیاسی تنظیم نو اور معاشی اصلاحات کے بدولت صوبہ بنگال ایک خوشحال صوبہ بن گیا۔ ان کے بعد علی وردی خاں نے بھی معاشی ترقی میں اضافہ کیا اور صوبہ میں سیاسی استحکام کے لیے اہم منصوبوں پر کام کیا پھر ان کے جانشین سراج الدولہ نے بھی اپنے پیش رو حکمرانوں کے اصلاحات کو جاری رکھا۔

انگریز ابتدائی ایّام سے ہی پر امن تجارت کی وکالت کرتے تھے اور جب تک مغل حکمراں طاقتور رہے، انگریزوں نے ان کی ماتحتی اور اجازت سے تجارتی سرگرمیوں کو محدود حد تک جاری رکھا۔ انہوں نے اپنی پہلی فیکٹری 1633ء میں اڑیسہ کے ہری ہر پور میں قائم کی، پھر مغل گورنر سے وقتاً فوقتاً مراعات حاصل کر کے تجارت کرتے رہے۔ بنگال میں انہوں نے ہگلی اور قاسم بازار میں اپنی فیکٹریاں اور قلعے قائم کر لیے۔ قاسم بازار کے افسر جاب چارنوک نے 1698ء میں کلکتہ شہر بسایا۔ 1696ء میں انگریزوں کی قلعہ بند فیکٹری فورٹ ولیم کے نام سے تعمیر ہوئی۔ مرشد قلی خاں، انگریزوں کے منافع بخش تجارت اور خوشحالی سے نالاں تھا۔ اس نے انگریز کمپنی کو بھی ہندوستانی تاجروں کی طرح چنگی ادا کر کے تجارت کرنے پر مجبور کیا۔ 1713ء میں اس نے کمپنی کی مراعات کو ختم کر دیا۔ انگریزوں نے جان سرمن کو مغل شہنشاہ فرخ سیر کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تاکہ دوبارہ آزاد تجارت کی اجازت مل جائے۔ اس نے بہت کامیابی کے ساتھ فرخ سیر سے 1717ء کا فرمان جاری کروالیا جس سے انگریزوں کو بغیر محصول ادائیگی کے بنگال میں تجارت کرنے کا حق (دستک) حاصل ہو گیا۔ اس کے عوض انگریزوں نے مغل شہنشاہ کو محض 3 ہزار روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس سے بنگال کے حکمرانوں کی آمدنی بہت متاثر ہوئی۔ انہوں نے اعتراض جتایا لیکن انگریزوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ علی وردی خاں نے بھی انگریزوں کو قانون کے تحت تجارت کرنے پر مجبور کیا لیکن سراج الدولہ کی تخت نشینی کے بعد نواب اور انگریزوں کے تعلقات میں محصول کی ادائیگی اور قلعہ بندی کو لے کر شدید دشمنی دیکھنے کو ملی۔ سراج الدولہ کے نواب بننے پر کمپنی کے افسر اعلیٰ، روجر ڈریک (Roger Drake) نے قدیم روایت کے مطابق نواب کو نہ تو مبارکباد دی اور نہ ہی تحفہ و نذرانہ پیش کیا۔ یہ بات نواب کو بہت ناگوار گذری۔ علی وردی خاں کے زمانے سے ہی انگریزوں نے باغیانہ اور جارحانہ روش اختیار کرنی شروع کر دی تھی۔ پلاسی کی جنگ کی تیسری اہم وجہ یہ تھی کہ نواب سراج الدولہ کی جانشینی کو پورنیہ کے شوکت جنگ اور ڈھاکہ کی گھسیٹی بیگم (مہرالنساء) نے چیلنج کر دیا اور کمپنی کے حکام نہ صرف ان کی سرپرستی کر رہے تھے بلکہ ان کو بغاوت پر بھی اکسا رہے تھے۔

یورپی کمپنیوں نے آپسی تنازعہ اور مراٹھوں کے پے در پے حملوں کی وجہ سے اپنے صدر مقام کی نواب سے اجازت حاصل کئے بغیر قلعہ بندی کرنا شروع کر دی۔ نواب سراج الدولہ نے اس عمل کو اپنی خود مختاری پر حملہ تصور کیا اور یورپی کمپنیوں کو قلعہ بندی روکنے کا حکم دیا۔ فرانسیسی اور ڈچ کمپنی نے نواب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قلعہ بندی روک دی لیکن انگریزوں نے، جو اب قدرے طاقتور ہو گئے تھے

نواب کے حکم عدولی کرتے ہوئے قلعہ بندی کو جاری رکھا جس کو نواب نے اپنے اقتدار اعلیٰ پر حملہ قرار دیا۔ قلعہ بندی کے علاوہ 1717ء کا فرخ سیر کا فرمان بھی دراصل نواب اور انگریزوں کے مابین جھگڑے کی بنیاد بنا۔ اس فرمان نے انگریزی کمپنی کو بنگال میں بغیر محصول ادا کئے تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ دوسرے اس فرمان کے تحت کمپنی کو اپنے تجارتی سامان کو بغیر محصول ادائیگی کے لیے گزارنے کے لیے 'دستک' یا پاس جاری کرنے کا حق دے دیا۔ بعد میں کمپنی کے ملازمین بھی اس کا غلط استعمال کر کے بغیر محصول ادا کئے اپنی نجی تجارت کرنے لگے۔ نواب کے بار بار اعتراض کرنے پر بھی انگریزوں کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اس کے علاوہ راج بلبھ کا معاملہ بھی تنازعہ کا باعث تھا۔ وہ ڈھاکہ کا نائب گورنر تھا اور گھسیٹی بیگم کا ایجنٹ تھا۔ سراج الدولہ نے اس کو رشوت خوری کے الزام میں گرفتار کرا دیا۔ اس کا لڑکا کرشن بلبھ دولت لے کر کلکتہ بھاگ آیا جس کو انگریزوں نے پناہ دی۔ سراج الدولہ نے اس پر اعتراض جتایا لیکن انگریزوں نے بحفاظت اس کو کلکتہ سے نکال دیا۔ ان وجوہات کی بنا پر سراج الدولہ نے انگریزوں کو سبق سکھانے کے لیے قاسم بازار پر حملہ کر دیا۔

سراج الدولہ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے انتظامی اور معاشی اصلاحات پر توجہ مبذول کر رہا تھا۔ نواب انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین سے بنگال حکومت کے قوانین پر عمل کرنے اور محصول ادا کرنے پر زور دے رہا تھا۔ انگریزوں نے نافرمانی کی۔ سراج الدولہ نے اس کے نتیجے میں قاسم بازار میں واقع فورٹ ولیم پر حملہ کر دیا اور اس کو 15 جون 1756ء کو محصور کر دیا بالآخر کمپنی کا گورنر راجر ڈریک ہتھیار ڈال کر بھاگ نکلا۔ راجر ڈریک نے بھاگ کر جزیرہ فلٹا میں پناہ لی۔ دیگر حکام اور ہول ویل نے خود سپردگی کر دی۔ سراج الدولہ فتح کے بعد جشن منانے کے لیے مرشد آباد چلا گیا۔ کلکتہ میں اومی چند نامی افسر نے تمام قیدیوں کو 20 جون 1756ء کو ایک چھوٹے سے کمرے جن کی تعداد 146 بتائی جاتی ہے، قید کر دیا۔ اگلے دن 23 بچ سکے اور باقی فوت کر گئے۔ بچنے والوں میں ہول ویل بھی تھا جس نے یہ پوری کہانی بنائی جس کو 'بلیک ہول ٹریجڈی' کہا جاتا ہے۔ اس کا مقصد سراج الدولہ کو مجرم قرار دینا اور اس کو اس واقعہ کے لیے موردالزام ٹھہرانا تھا۔ قومی مورخین نے سراج الدولہ کو اس کے لیے ذمہ دار ٹھہرانے کو سراسر غلط قرار دیا اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ ایسے چھوٹے کمرے میں 146 قیدیوں کو بیک وقت رکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ہم عصر مورخ غلام حسین طباطبائی نے اس واقعہ کو غیر اہم سمجھتے ہوئے سیر المتاخرین میں ذکر تک نہیں کیا ہے۔ کلکتہ کا نام علی نگر رکھ دیا گیا اور مرہٹوں کے حملے کے ڈر سے سراج الدولہ نے مجبور ہو کر انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا جسے علی نگر کا معاہدہ کہا جاتا تھا۔ انگریزوں کو تجارت کرنے اور قلعہ بندی کی اجازت مل گئی۔ ان کو سکے ڈھالنے کی بھی اجازت مل گئی لیکن انگریزوں نے مارچ 1757ء میں فرانسیسی صدر مقام پر حملہ کر کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ سراج نے مخالفت کی، انگریزوں نے سراج کو گدّی سے ہٹانے کا عزم کر لیا۔

انگریزوں کے معاندانہ روّیہ کی وجہ سے جنگ ناگزیر ہوگئی اور دونوں فوجیں پلاسی کے میدان جو مرشد آباد سے جنوب میں 20 میل دوری پر ایک پرگنہ تھا، میں آمنے سامنے ہوئیں۔ یہ جنگ 23 جون 1757ء کو شروع ہوئی جس میں انگریز بہت جلد فتح یاب ہوگئے۔ یہ غیر مساوی جنگ تھی کیونکہ ایک طرف سراج الدولہ جیسا غیر تجربہ کار اور پرجوش نوجوان تھا تو دوسری طرف کلائیو جیسا تجربہ کار، دوراندیش اور منظم شخص تھا جس نے ایک منظم چال بچھا رکھی تھی۔ اس نے نواب کی منظم فوج میں اختلاف پیدا کر کے اس کے اعلیٰ فوجی افسروں سے

سودے بازی کر لی تھی۔ جنگ شروع ہونے کے بعد صرف نواب کے دو فوجی افسر میر مدن اور موہن لال نے جنگ میں شرکت کی، باقی میر جعفر جس کو انگریزوں نے اپنی فتح کی صورت میں بنگال کا نواب بنانے کا سنہرا خواب دکھایا تھا،اس کے ساتھ یار لطف خاں، رائے درلبھ میدان جنگ میں محض تماشائی بنے رہے۔ جنگ میں شرکت نہ کرکے انہوں نے انگریزوں کی بڑی حمایت کی جس کا کلائیو نے خود اعتراف کیا تھا۔اس جنگ کے نتائج بقول مالیسن اتنے عظیم اس قدر جلد اور اس قدر مستقل ثابت ہوئے۔اسی لیے اس کو کچھ مورخین 'انقلاب' سے تعبیر کرتے ہیں۔ نبین چند سین نے پلاسی کی جنگ کو ہندوستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب کہا تھا۔ کے۔ایم۔ پانیکر نے اس جنگ کو ایک سودے بازی سے تعبیر کیا تھا کیونکہ میر جعفر اور بنگال کے مال دار بنیوں نے بنگال کو انگریزوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔

میر جعفر کو بنگال کا نواب منتخب کر کے تاج پوشی ہوئی لیکن میر جعفر کو اس نوابی کے لیے بہت بڑی قیمت چکانی پڑی جس کی وجہ سے خزانہ خالی ہو گیا۔ زرتاوان، تحفہ تحائف، رشوت اور نذرانہ کی شکل میں انگریزوں نے میر جعفر سے خوب دولت اکٹھا کی۔ 24 پرگنہ کی زمینداری بھی حاصل کر لی۔ایسی لوٹ کھسوٹ کو مورخین نے 'پلاسی گہن' سے تعبیر کیا۔ مورخین سے اس کا تخمینہ کئی ملیّن لگایا ہے۔ پلاسی کی لوٹ کے بدولت ان کو برطانیہ سے اب تجارت کے لیے دولت لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ لوٹ، تجارت سے منافع اور مالگزاری سے حاصل شدہ آمدنی کو سرمایہ کاری (Investment) کہا جانے لگا اور اسی سے ہندوستانی اشیا خرید کر برطانیہ کو بھیجا جاتا اور انگریز کئی گنا منافع کماتے تھے اور اس منافع کا کوئی فائدہ ہندوستان کو نہیں ملتا۔ پلاسی کی جنگ سے ہی 'دولت کی نکاسی' کی ابتدا ہوئی۔ پلاسی کی جنگ نے ہندوستانی حکمرانوں کی فوجی اور سیاسی کمزوریوں کو بے نقاب کر دیا۔اس جنگ نے یہ بھی ثابت کر دیا گیا کہ مستقبل میں ہندوستان کا حکمراں کون ہوگا۔اس جنگ نے پورے ہندوستان پر انگریزوں کے قبضہ کی راہ ہموار کر دی۔

1.6 بکسر کی جنگ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا قیام

(The Battle of Buxar and Establishment of the East India Company Rule)

میر جعفر ،انگریز حکمرانوں کو اس وقت تک قابل قبول رہے جب تک اس نے ان کی بے جا جائز اور ناجائز مانگوں کو پورا کیا۔ خزانہ خالی ہونے کی صورت میں قرض بڑھتا رہا۔ فوج کو تنخواہ دینے کے لیے خزانہ میں پیسہ نہیں تھا۔ اندرونی خلفشار نے سیاسی حالات کو مزید پیچیدہ بنا دیا تھا۔ کرناٹک جنگ، پلاسی کی جنگ میں فتح اور ڈچوں کی شکست نے انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام کی حوصلہ افزائی کی۔اب وہ بہت قومی ہو چکے تھے۔ کلائیو کے جانے کے بعد ہنری ونسٹارٹ(Henry Vansittart) جولائی 1760ء میں گورنر بنا۔ وہ بھی جارحانہ پالیسی جاری رکھتے ہوئے میر جعفر سے مالی تقاضہ کرتا رہا جبکہ تجارتی نقصانات، بغاوت اور سیاسی انتشار کے بدولت بنگال کی معاشی خستہ حالی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور نواب اب کمپنی کے مالی تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر تھا۔ لہٰذا کمپنی نے اس کو نوابی سے دستبردار کر کے میر قاسم سے ساز باز کر کے اس کو نواب بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ انگریزوں نے میر جعفر کی کمزور قیادت اور آرام پسندی کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے اسے بنگال کی گدی سے دستبردار کر کے 1760ء میں میر قاسم کو بنگال کا نواب مقرر کر دیا جو میر جعفر کا داماد تھا۔ میر قاسم باصلاحیت حکمراں

تھااس نے سیاسی استحکام اور معاشی ترقی کے پیش نظر کئی اصلاحات کیں۔ فوج کواز سرِ نو تشکیل کیا۔ان اصلاحات کو برطانوی کمپنی نے شک کی نظر سے دیکھنا شروع کیا کیونکہ کمپنی کی نظر میں میر قاسم کی ان اصلاحات کا مقصد اپنی فوجی قوّت اور معاشی طاقت کو مضبوط کرنا تھا۔ میر جعفر کی طرح میر قاسم نے بھی کمپنی اور اس کے حکام کو کافی بیش بہا تحفہ اور قیمتی نذرانہ پیش کیا۔اس نے بردوان، مدناپور اور چٹّا گاؤں کی زمینداری انگریزوں کے حوالے کر دی۔ دستک کے غیر قانونی استعمال سے یورپی تاجروں اور برطانوی ایجنٹوں کو فائدہ ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے میر قاسم نے سبھی کے لیے محصول کے بغیر تجارت کی اجازت دے دی۔ اس پر کمپنی نے احتجاج کیا اور پھر دوبارہ میر جعفر کو بنگال کا نواب بنادیا۔ میر قاسم نے انگریزوں کے خلاف مغل شہنشاہ شاہ عالم اور اودھ کے نواب شجاع الدولہ سے اتحاد قائم کر کے انگریزوں کے مخالف محاذ آرائی شروع کر دی۔ میر قاسم کو انگریزوں نے کئی مقامات پر شکست دی۔ وہ پٹنہ ہوتے ہوئے اودھ کے علاقہ میں پناہ گزیں ہوا۔ پانی پت کی تیسری جنگ کے بعد شجاع بہتر حالت میں تھے کیونکہ انہوں نے احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دیا تھا اور مراٹھوں کی طاقت کمزور ہو گئی تھی۔ شاہ عالم نے بھی اودھ میں پناہ لی ہوئی تھی اور اس اتحادی افواج نے بکسر کی طرف رخ کیا جہاں برطانوی فوج میجر ہکیڑ منرو کی قیادت میں پہنچی اور بالآخر 22 اکتوبر 1764ء کی بکسر کی مشہور جنگ ہوئی۔

بکسر کی جنگ کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ خود مختاری کا اہم مسئلہ تھا کہ کمپنی یا پھر نواب خود مختار ہے۔ کیونکہ پلاسی کی جنگ کے بعد اگرچہ کمپنی بلاواسطہ طور پر بنگال پر قابض تھی اپنے کو خود مختار سمجھتی تھی، اس کی پوزیشن کو بنگال کے نواب میر قاسم نے چیلنج کیا۔ دوسری اہم وجہ شاہ عالم کی تھی کہ وہ کس کی زیر نگرانی میں رہیں گے۔ تیسری اہم وجہ رام نارائن کو انگریزوں نے تحفظ فراہم کرایا جس پر نواب برہم ہوا کیونکہ بنگال کی حکومت کی نظر میں وہ معاشی بدعنوانی کے لیے قصوروار تھا۔ چوتھا سب سے اہم مسئلہ تجارت کا تھا کیونکہ فرخ سیر نے 1717ء میں جو فرمان جاری کیا تھا اس نے کمپنی کو بنگال میں محصول ادا کیے بغیر تجارت کرنے کی اجازت دی تھی، لیکن بعد میں کمپنی کے حکام غیر قانونی طریقے سے دستک حاصل کر کے اپنی نجی تجارت کو اس فرمان کے تحت تجارت کر رہے تھے۔ یہ تجارت چونکہ بدعنوانی پر مبنی تھا اس لیے بنگال حکومت کو محصول نہ ملنے کی صورت میں معاشی خسارہ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جس کی میر قاسم بار بار مخالفت کرنے آیا تھا۔ پھر اس نے تنگ آکر ہندوستانی اور غیر ملکی تاجروں کو بغیر محصول کے تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ جس پر انگریزوں نے اعتراض کیا۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی اقتدار اعلیٰ اور معاشی وجوہات کی بناء پر جنگ ناگزیر ہو گئی اور بالآخر 22 اکتوبر 1764ء کو جنگ کا آغاز ہو گیا۔

چونکہ یہ جنگ پٹنہ سے 20 کلومیٹر مغرب میں واقع بکسر کے مقام پر ہوئی تھی، اس لیے اس کو بکسر کی جنگ کہا جاتا ہے یہ جنگ ایسٹ انڈیا کمپنی اور میر قاسم، شجاع الدولہ اور شاہ عالم کی متحدہ فوج کے مابین ہوئی۔ متحدہ فوج کی مجموعی تعداد تقریباً 50 ہزار تھی اور کمپنی کی فوج تقریباً 8 ہزار لوگوں پر مشتمل تھی۔ لیکن بکسر کی جنگ پلاسی کے برخلاف ایک باقاعدہ جنگ کہی جاسکتی ہے۔ پلاسی کی جنگ کو مورخین سازشی اور تفرقہ بازی اور ساز باز قرار دیتے ہیں، لیکن بکسر کی جنگ میں متحدہ محاذ کو ہیکٹر منرو نے شکست دے کر اپنی فتح کا اعلان کیا۔ متحدہ محاذ کے ہارنے کی وجہ مختلف بتائی جاتی ہیں۔ مثلاً متحدہ محاذ میں آپسی تفرقہ بازی تھی باہمی ہم آہنگی کی کمی تھی۔ میر قاسم تجربات اور صلاحیتوں کے باوجود اعلیٰ فوجی کمانڈر نہیں تھا۔ یورپی کرائے کے فوجیوں پر انحصار نے اس کی فوجی قوّت کو کمزور کر دیا تھا۔

بکسر کی جنگ میں انگریزوں کی فتح تاریخی اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل تھی۔اس جنگ نے ہندوستانی حکمرانوں کی سیاسی بصیرت اور فوجی قوت کو انگریزوں کے سامنے بے نقاب کر دیا تھا۔ پلاسی کی جنگ نے اقتدار کو ٹرانسفر کیا لیکن بکسر جنگ نے انگریزوں کو حکمرانی کا حق عطا کر دیا۔ پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کی شکست سازش کا نتیجہ تھی لیکن بکسر کی جنگ میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بغیر کسی سازش کے انگریز فاتح بن کر سامنے آئے۔ شجاع الدولہ ایک تجربہ کار حکمراں ہونے کے باوجود شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے تجربہ کار اور فاتح کے خلاف جنگ میں انگریزوں کی فتح سے کمپنی کی سیاسی حیثیت اور عظمت میں اضافہ ہوا۔ شکست کے بعد میر جعفر کو بنگال کا حکمراں بنا کر انگریزوں نے الہ آباد کی صلح کی۔اس صلح نامہ کے تحت تین مختلف حکمرانوں سے الگ الگ معاہدہ پر دستخط کروا کر انگریزوں نے وہ سبھی سیاسی اور معاشی مراعات حاصل کر لیں جس کے وہ خواہاں تھے اور بنگال پر اپنا تسلط قائم کر کے دوہری انتظامیہ (Dual Governance) کی داغ بیل ڈالی جو تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ 1773 کے ریگولیٹنگ ایکٹ (Regulating Act) کے پاس ہونے تک چلتا رہا۔

1.7 الہ آباد کا معاہدہ (Treaty of Allahabad)

مئی 1765ء میں کلائیو دوبارہ بنگال کا گورنر بن کر واپس آیا اور الہ آباد کا معاہدہ عمل میں آیا۔ پہلا معاہدہ مغل بادشاہ شاہ عالم کے ساتھ 12 اگست 1765ء کو ہوا۔اس کی مندرجہ ذیل شرائط تھیں۔

1. کٹرا اور الہ آباد کو اودھ کے نواب شجاع الدولہ سے لے کر شاہ عالم کو دے دیا گیا۔
2. مغل بادشاہ شاہ عالم نے انگریزوں کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی تفویض کر دی۔
3. اس کے عوض کمپنی نے شاہ عالم کو 26 لاکھ روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔
4. شمالی سرکار اور موجودہ کرناٹک کی جاگیر بھی شاہ عالم نے انگریزوں کو دے دی۔

اس کے علاوہ انگریزوں نے شاہ عالم سے بہت سی مراعات حاصل کر لیں۔اس کا نام استعمال کر کے انہوں نے اور بھی کئی فائدے حاصل کئے۔ دوسرا معاہدہ 16 اگست 1765ء کو اودھ کے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ ہوا جس کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں:

1. شجاع الدولہ کو اودھ دے دیا گیا۔
2. اس کے بدلے میں نواب شجاع الدولہ نے 50 لاکھ روپیہ قسطوں میں کمپنی کو دینے کا وعدہ کیا۔
3. کٹرا اور الہ آباد نواب سے لے کر شاہ عالم کو دے دیا گیا۔
4. نواب نے انگریزوں کو چنار کا قلعہ دے دیا۔
5. راجہ بلونت سنگھ کو غازی پور اور بنارس کی جاگیر دے دی گئی اور اس نے انگریزوں کی ماتحتی قبول کر لی۔
6. اودھ میں بغیر محصول ادا کئے ہوئے آزاد تجارت کی مکمل آزادی مل گئی۔
7. اودھ میں ایک ریذیڈنٹ (برطانوی نمائندہ) رکھنے کے لیے نواب کو مجبور ہونا پڑا۔اس معاہدے سے انگریزوں کو بے پناہ سیاسی

اور معاشی فائدے حاصل ہوئے۔

تیسرا معاہدہ بنگال کے نواب سے ہوا اور اس کی شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

1. اس معاہدے کے تحت انگریزوں نے شاہ عالم سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی اختیارات حاصل کر لیے اس کا مطلب ہے انگریزوں نے صوبہ بنگال کی مالگزاری وصول کرنے کا حق حاصل کر لیا۔
2. اس معاہدے کے تحت نظامت کی ذمہ داری نواب کے پاس تھی، اس کے لیے انگریزوں نے نواب کو 53 لاکھ روپیہ سالانہ عطا کرنے کا وعدہ کیا۔ یہی دوہرا نظام کہلایا۔

انگریزوں نے بڑی ہوشیاری اور دانشمندی سے ذمہ داری کو اقتدار سے الگ کر دیا مثلاً نواب کے پاس ساری ذمہ داریاں تھیں مگر کمپنی کے پاس پیسہ اور اقتدار تھا۔ اس صورتحال میں بنگال میں سیاسی انتشار، معاشی خسارہ اور سماجی افراتفری پھیل گئی۔ انتظامیہ منتشر ہوگئی کیونکہ نواب کے پاس ذمہ داری تھی اختیارات نہیں اور کمپنی کے پاس اقتدار تھا مگر ذمہ داری نہیں۔ لہٰذا نہ تو کمپنی اور نہ ہی نواب کو انتظامی اُمور اور معاشی اصلاحات میں کوئی دلچسپی رہی۔ اس کا نتیجہ بنگال کی سیاست اور معیشت پر براہِ راست اثر پڑا اور معیشت کے تینوں شعبے زراعت، تجارت اور صنعت زوال کا شکار ہوگئے۔ اس سیاسی انتشار کو روکنے اور معاشی استحکام کے لیے کمپنی نے ریگولیٹنگ ایکٹ پاس کیا تاکہ اصلاحات لاکر تمام شعبوں میں ترقی کے امکانات کو روشن کیا جائے۔ اس طرح کمپنی اقتدار اعلیٰ پر قابض ہوگئی اور رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے ہندوستانی ریاستوں پر قابض ہوکر 1856ء تک پورے ملک پر اپنی خودمختاری قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

1.8 نوآبادیاتی نظام کا قیام اور اس کے مختلف مراحل

(Establishment and Different Stages of Colonialism)

برطانوی نوآبادیاتی نظام نے ہندوستان میں تین مختلف مراحل میں اپنی بالادستی قائم کی۔ تینوں مراحل میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان پر برطانوی نوآبادیات نے جداگانہ خودمختاری قائم کی۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں ان تینوں مرحلوں میں انگریزوں کی پالیسی، نظریات اور نتائج اور لوگوں کا ردِ عمل بھی جداگانہ تھا۔ ہر دور کی اپنی سیاسی، معاشی اور ثقافتی خصوصیات تھیں جو ایک دوسرے کو جدا کرتی ہیں۔

پہلا مرحلہ: تجارتی نظریہ زر کا دور (First Phase: Age of Mercantilism, 1757 – 1813)

اس دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اغراض و مقاصد میں ہندوستان کی تجارت پر بالادستی قائم کرنا, منافع کمانا اور یہاں سے لگان وصول کرکے اس کو تجارت کے لیے استعمال کرنا تھا۔ اس دور کی اہم خصوصیت مندرجہ ذیل تھیں:

1. ہندوستان کے اقتدار پر براہِ راست قابض ہوکر اس کے ذرائع کو اپنے فائدہ کے لیے استعمال کرنا تھا۔ اس میں لوٹ کھسوٹ کا عنصر غالب تھا۔

2. برطانیہ میں درآمدات کم سے کم کرنا تھا۔

3. ہندوستان میں انتظامیہ، مقنّنہ، ثقافت اور معیشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

دوسرا مرحلہ: آزاد تجارت کا دور (Second Phase: Period of Laissez Faire, 1813 – 1860)

اس دور کو آزاد تجارت کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس نظریہ کو ایڈم اسمتھ نے اپنی مشہور تصنیف ''ویلتھ آف نیشنس'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور تجارت کو آزادانہ طور پر کرنے کی پُرزور وکالت کی تھی۔ اس دور کے اہم خصوصیات مندرجہ ذیل تھیں:

1. اس دور میں برطانیہ نے اپنی صنعتی قیادت کے پیشِ نظر نوآبادیاتی ہندوستان کی انتظامیہ اور معاشی پالیسی کو منظم کرنے کی ترجیح دی۔
2. برطانیہ نے ہندوستان کو ماتحت تجارتی ساجھیدار بناکر اس کی قدرتی وسائل کو برآمد کرنے اور برطانیہ سے مشین سے بنی اشیاء درآمد کرنے پر زور دیا۔
3. نوآبادیاتی ہندوستان کی معیشت، سیاست، سماج، انتظامیہ، ثقافت اور نظریات، جدیدیت اور ترقی کے نام پر تبدیل کرکے اس کا استحصال کرنے کی کوشش کی۔

تیسرا مرحلہ: مالیاتی سامراجیت (Third Phase: Finance Imperialism, 1860 – 1947)

نوآبادیاتی نظام کا یہ دور بھی بہت اہم تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں جو مطالعہ کا دلچسپ موضوع ہیں:

1. صنعتی انقلاب کے بعد صنعتی ملکوں کے درمیان نئے بازار کے حصول اور بالادستی کے قیام کے لیے شدید جدوجہد کا دور تھا۔
2. اس دور میں صنعت یافتہ ممالک نے جمع سرمایہ کو نوآبادیاتی ممالک میں بھیجنا شروع کیا اور اس سرمایہ کو ہندوستان میں سرمایہ کاری کرکے برطانیہ نے اپنے سرمایہ کو منافع بخش جگہ لگاکر فائدہ اٹھایا۔ مثلاً ریلوے کی تعمیر، بینکنگ، بیما وغیرہ۔
3. نوآبادیات میں ایک آزادانہ پالیسی اپناکر انتظامیہ کو مزید ترقی یافتہ بنانے کی کوشش شامل تھی۔

ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام اور اس کے استحکام کے نکتہ نظر سے مورخین نے اس کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور کمپنی کا عہد کہلاتا ہے جو 1757ء سے شروع ہوکر 1857ء تک قائم رہا۔ دوسرا دور برطانوی شہنشاہیت کا عہد کہلاتا ہے اس میں 1857ء کی غدر کی ناکامی کے بعد تاج برطانیہ نے ہندوستان کو براہِ راست اپنے زیرِ اقتدار لانے کا اعلان کیا۔

1.9 بنگال کی فتح سے متعلق مختلف نظریات

(Various Theories Related to the Conquest of Bengal)

اگرچہ برطانیہ کو کئی مرتبہ فوجی شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سفارتی تعلقات میں بھی ناکامی ہاتھ آئی پھر بھی کئی وجوہات کی بناء پر بالآخر فاتح بن کر سامنے آئے اور بنگال سے لے کر پورے ملک پر قابض ہوگئے۔ ان کی کامیابی کے وجوہات کا تجزیہ مورخین نے تاریخی ماخذ کی روشنی

میں کیا ہے۔

1. اوّل انگریزوں کے پاس جدید قسم کے فوجی ساز و سامان موجود تھے، ساتھ ہی ان کو جنگی مہارت اور بین الا قوامی سطح پر جنگوں کا وسیع تجربہ بھی تھااور دور تک مار کرنے والے اسلحوں نے ان کو جیت دلانے میں بہت مدد کی۔
2. دوم :انگریزوں کی فوج میں ڈسپلن تھی، انگریزی فوج میں شامل ہندوستانیوں کو انہوں نے ٹریننگ دے کر اور جدید اسلحوں سے لیس کر کے عمدہ فوجی بنادیا تھا، جنہوں نے انگریزوں کی ماتحتی میں خوب بہادری سے لڑ کر انگریزوں کو فاتح پانے میں خوب مدد کی۔اسی کے ساتھ برطانیہ میں علوم حربی(Military Sciences) کی ترقی نے بھی جنگ کے آداب کو بالکل تبدیل کر دیا تھا۔
3. سوم :انگریزوں کے پاس اعلیٰ تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوجی اور سول قیادت تھی۔ کلائیو، وارن ہیسٹنگز، ویلزلی اور ڈلہوزی وغیرہ جیسے کمانڈر اور حکمراں تھے اور وہ جن کو ثانوی نوعیت کی قیادت بھی حاصل تھی، مثلاً آئیر کوٹ اور آرتھر ویلزلی وغیرہ جو صف اول کے کمانڈر تھے جو ناکامی کے بعد بھی قیادت سنبھالنے کے اہل تھے اور اپنی فوج کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں بیش بہا تعاون دیا۔ہندوستانیوں کے پاس بھی اعلیٰ قیادت تھی مثلاً حیدر علی، ٹیپو سلطان، نظام الملک، مادھو راؤ سندھیا، نانافڑنویس اور رنجیت سنگھ جنہوں نے فوجی قیادت کو بخوبی نبھایااور انگریزوں کو کئی جگہ مغلوب بھی کیا۔ باحوصلہ اور پر عزم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو فوجیوں کی وفاداری بھی حاصل تھی۔ لیکن ثانوی سطح کی قیادت کا ہندوستانی حکمرانوں کے پاس فقدان تھا۔جب اوّلین قیادت ناکام ہو جاتی یا شہید کر دیے جاتے تو ثانوی قیادت میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوتی۔ 'ہندوستانی حکمرانوں کی فتح ان کی نجی فتح ہوتی تھی جبکہ انگریزوں کی فتح برطانیہ کی فتح تصور کی جاتی تھی' اسی لیے پرسی ول اسپئر (Percival Spear)اس کو ایک نظریاتی جنگ بھی قرار دیتے ہیں۔
4. چہارم: ان کی فتح کی جو ایک اہم وجہ تھی وہ انگریزوں کی مضبوط معاشی بنیاد تھی۔انہوں نے تجارت اور اس سے حاصل آمدنی سے اپنی جنگوں کے لیے وسائل فراہم کیا جبکہ ہندوستانی حکمرانوں، ٹیپو سلطان کو چھوڑ کر دیوالیہ پن کا شکار ہو چکے تھے اور انگریزوں کی مضبوط معاشی بنیاد کی طرح ان کے پاس پیسہ کا شدید فقدان تھا جس نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ کرناٹک کی جنگ میں فتح یابی نے انگریزوں کے قدموں میں دولت کا انبار لگادیا ٹھیک اسی طرح پلاسی اور بکسر کی جنگ نے ان کو مضبوط معاشی بنیاد فراہم کیا جو ان کو مزید جنگوں کو جیتنے میں معاون و مددگار ثابت رہا۔
5. پنجم :انگریز ایک طرف اپنے ملک کی قومی عظمت کے لیے لڑ رہے تھے تو دوسری طرف ہندوستان میں کسی قومی جذبہ کے فقدان نے ان کی صفوں میں اتحاد اور متحدہ محاذ کے قیام کو ناکام بنادیا۔
6. ششم :انگریز سونا، شان و شوکت اور خدا' ('Gold, Glory and God')کے نعرہ سے سرشار تھے اور 'سفید نسل کے بوجھ' ('White Man's Burden')کی نظریاتی بالادستی کے تحت دنیا کو تہذیب یافتہ بنانے کی مشن پر اپنے آپ کو مامور سمجھتے ہوئے دنیا کو فتح کرنے نکلے تھے۔ اس طرح 'تہذیبی مشن' ('Civilising Mission')کے نعرے نے ان کو دنیا پر سیاسی کنٹرول قائم کرنے سے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کا حوصلہ بخشا۔انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اشاعت کو بھی فوقیت دی تا کہ شکست خوردہ ممالک کو اپنی نو آبادیات بنا کر عیسائیت کو فروغ دے سکیں تا کہ ان کی حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو سکے۔

ہندوستان کی برطانوی فتح کے بنیادی طور پر دو نظریات ہیں جس کو مورخین نے موضوع بحث بنایاہے۔ پہلا نظریہ برطانوی سامراجیت پسند(Imperialist)مورخین اور دانشوروں کا ہے جن کا خیال ہے کہ ہندوستان کی فتح دراصل بلاسوچے سمجھے یا بغیر کسی منصوبہ کے عمل میں آئی۔اس نظریہ کے تحت یہ کہاجاتاہے کہ انگریزہندوستان میں تجارت کی غرض سے آئے تھے۔ان کا مقصد منافع کمانے سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی بھی علاقائی فتوحات کا عزم نہیں تھا۔وہ ہندوستان کے کسی بھی حصہ پر قبضہ کے خواہاں نہیں تھے۔وہ اپنا منافع جنگوں پر ضائع نہیں کرناچاہتے تھے۔سیاسی انتشار نے انہیں ہندوستان کی سیاست میں مداخلت کرنے پر مجبور کیا۔وہ ایسا ہر گز نہیں چاہتے تھے جان سیلے(John Seeley)اور جان مارشل(John Marshall)اس نظریہ کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔ مارشل کہتاہے کہ 'ہندوستان میں علاقائی سامراجیت کا قیام نہ ہی منصوبہ بند تھااور نہ ہی برطانیہ کے اشارے پر تھا۔' جان سیلے نے اس سے مختلف خیال پیش کرتے ہوئے کہاکہ ہندوستان پر برطانوی حکومت محض ایک 'حادثاتی سلطنت' تھی۔انہوں نے برطانوی توسیع کو اتفاقات اور واقعات کے سلسلے کا نتیجہ قرار دیا، جہاں انگریزوں نے اپنے تجارتی مفادات کے تحفظ کی کوشش میں سلطنت قائم کی۔ سامراجیت کے مدافعانہ نظریہ کے حامل مورخین بھی اس کی حمایت کرتے ہیں ان کا ماننا ہے کہ فرانسیسیوں کو ہندوستان سے بدر کرنااور اپنی تجارت کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے انگریزوں کو ایسا کرناپڑا۔کچھ مورخین یہ بھی مانتے ہیں کہ انگریزوں کا علاقائی فتوحات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا بنیادی مقصد اپنے آپ کو 'ہنگامہ خیز سرحد' ('Turbulent Frontier')سے تحفظ فراہم کرناتھا۔

اس فہرست میں ایک اور مورخ پی جے مارشل(P. J. Marshall) بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی تصنیف *Bengal: The British Bridgehead: Eastern India, 1740–1828* میں ہندوستان میں برطانوی سامراج کا گہرائی سے تجزیہ پیش کیاہے۔اس کتاب میں انہوں نے برطانوی سامراج کے قیام بالخصوص بنگال میں برطانوی اقتدار کی ترقی اور انتظامی کنڑول کا تفصیلی مطالعہ کیاہے۔انہوں نے بنگال میں انگریزی اقتدار کے قیام پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے بہت سے اہم نتائج اخذ کیے ہیں۔ان کے مطابق ہندوستان میں برطانوی سامراج کا آغاز فوجی اور سیاسی فتح سے زیادہ معاشی اور انتظامی اثر ورسوخ میں اضافے کا عمل تھا۔ان کا خیال تھاکہ انگریزوں نے ہندوستان میں مستقل سامراج قائم رکھنے کے بجائے اپنے معاشی فائدے کے لیے طاقت کا استعمال کیا۔مارشل اس کتاب میں بتاتے ہیں کہ کس طرح انگریزوں نے بتدریج بنگال میں اپنا تسلط قائم کیاجو مکمل طور پر منصوبہ بند نہیں تھا، لیکن انگریزوں نے تجارتی اور معاشی فوائد کو یقینی بنانے کے لیےاقتدار اور انتظامیہ میں مداخلت شروع کی۔اس کتاب ے ذریعے مارشل نے اپنے 'غیر متوقع حکومت' کے نظریہ کو تفصیل سے بیان کیاہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں برطانوی سامراج کی ترقی غیر متوقع واقعات کا نتیجہ تھی۔اس خیال کے لیےانہوں نےچند خاص نکات کی طرف اشارہ کیاہے،جو مندرجہ ذیل ہیں:

1. **سامراج کی غیر متوقع ترقی:** مارشل کے مطابق، برطانوی سامراج کی توسیع ایک منصوبہ بند عمل نہیں تھا، بلکہ حالات کے مطابق تیار ہوا۔ابتداء میں انگریزوں کا مقصد صرف تجارتی منافع کمانا تھانہ کہ سامراج قائم کرنا۔انہوں نے اسے ایک ''غیر ارادی سامراج'' ے طور پر دیکھا، جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال میں بڑھتے ہوئے سیاسی اور معاشی بحرانوں کا فائدہ اٹھایااور آہستہ آہستہ اقتدار پر قبضہ

کر لیا۔

2. **ہندوستانی سماج کے ساتھ ہم آہنگی:** مارشل نے یہ بھی کہا کہ ابتدائی دور میں برطانوی حکمران ہندوستانی سماج، ثقافت اور انتظامی ڈھانچے سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کر رہے تے۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ انگریزوں نے ابتداء میں ہندوستانی شاہی ریاستوں کے ساتھ معاہدہ اور سفارتی تعلقات کے ذریعے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کی۔ وہ مقامی حکمرانوں اور روایتی سماجی نظام کو برقرار رکھتے ہوئے حکومت کر رہے تھے۔

3. **معاشی استحصال پر زور:** مارشل کا خیال تھا کہ انگریزوں کا اصل مقصد معاشی فائدہ تھا۔ اس لیے انہوں نے بنگال میں دیوانی حقوق کے ذریعے محصولات پر کنٹرول حاصل کیا۔ ان کے مطابق انگریزوں نے بنگال کی معاشی دولت کو اپنے ملک کی صنعتی ضروریات پوری کرنے کے لیے استعمال کیا۔ انہوں نے مقامی صنعتوں کو کمزور کر کے برطانیہ سے درآمدات کی حوصلہ افزائی کی۔

4. **ہندوستانی اقتدار پر گرفت کی ترقی:** مارشل کا خیال تھا کہ پلاسی اور بکسر کی جنگوں نے انگریزوں کو بنگال میں ایک مضبوط پوزیشن پر پہنچا دیا، لیکن ان کے پاس ہندوستان میں مستقل سامراج قائم کرنے کا کوئی فوری منصوبہ نہیں تھا۔ مارشل کے مطابق انگریزوں نے اقتدار پر اپنی گرفت برقرار رکھنے کے لیے ہندوستانی حکومت کے ساتھ کچھ معاہدے کیے اور براہ راست کنٹرول کے بجائے بالواسطہ کنٹرول کا راستہ منتخب کیا۔

5. **ثقافتی اور انتظامی مداخلت:** مارشل کا مشاہدہ ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز تک ہندوستان میں براہ راست برطانوی مداخلت میں اضافہ ہوا۔ اگرچہ ابتدائی طور پر اس نے ہندوستانی رسم و رواج اور ثقافت میں مداخلت نہ کے برابر کیا، لیکن بعد میں اس نے محسوس کیا کہ اقتدار کو مستقل کرنے کے لیے ہندوستانی معاشرے پر زیادہ کنٹرول ضروری ہے۔ اس پالیسی کے تحت اس نے ہندوستانی نظامِ تعلیم، عدالتی نظام اور انتظامی ڈھانچے میں اصلاحات کے نام پر مداخلت شروع کر دی، جس سے ہندوستانی معاشرے میں مستقل برطانوی اثر و رسوخ قائم ہو گیا۔

اس طرح مارشل کا خیال ہے کہ برطانوی سامراج کا ارتقا ایک پہلے سے طے شدہ حکمت عملی نہیں تھی بلکہ بتدریج معاشی اور انتظامی کنٹرول میں اضافے کا نتیجہ تھی۔ اس نے اس کی تعریف ایک 'بے ساختہ سامراج'('Spontaneous Empire') سے کی، جہاں حالات کے مطابق انگریزوں نے ہندوستانی معاشرے کو ڈھال کر اپنے معاشی مفادات کی تکمیل کی اور اسی عمل میں سامراج قائم کیا۔

دوسرے نظریہ کے حامی مورخین کا خیال ہے کہ انگریز اگرچہ تجارت کرنے آئے اور یہاں کی منافع بخش تجارت سے فائدہ کے پیشِ نظر تجارت پر بالادستی کے قیام کی جستجو میں لگ گئے۔ تجارت پر بالادستی قائم کرنے کے لیے سیاسی کنٹرول ضروری تھا لہٰذا انہوں نے ایک منصوبہ کے تحت ہندوستان کی علاقائی خود مختاری اور یہاں کے حکمرانوں کی آزادی کو پامال کرتے ہوئے جنگ اور دوسرے سیاسی حربوں کا استعمال کر کے اس ملک پر قبضہ کیا جو ہندوستانیوں کی نظر میں ایک غاصبانہ عمل تھا اور استحصال کی پالیسی پر مبنی تھا۔ انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ ان کو ایک بازار چاہیے تھا اور نو آبادیات سے خام مال۔ صنعتی انقلاب نے ان کی پالیسی کو مزید تقویت بخشی اور وہ 1856ء تک ایک ناقابل

تسخیر طاقت بن گئے اور پورے ملک پر ان کی حکمرانی قائم ہوگئی۔اس کو اور تفصیل سے سمجھنے کے لیے ہم کچھ مورخین کے اظہارِ خیال کو مندرجہ ذیل دیکھ سکتے ہیں:

اے کے گھوش(A.K. Ghosh)کا خیال تھا کہ انگریزوں نے تجارتی سرگرمیوں کا فائدہ اٹھا کر ہندوستانی معیشت اور سماج کو کمزور کیا۔انہوں نے دلیل دی کہ بنگال میں برطانوی تسلط، معاشی استحصال پر مبنی تھا جس نے مقامی صنعتوں کو تباہ کر دیا۔اس طرح کا تبصرہ بپن چندر(Bipan Chandra)نے بھی کیا۔انہوں نے اسے 'معاشی استعمار'('Economic Colonialism')کی مثال سمجھا، جہاں انگریزوں نے ہندوستانی وسائل کو اپنی صنعتی ترقی کے لیے استعمال کیا۔اس طرح ہندوستانی معیشت کمزور ہوئی۔

اس طرح ہم ان مختلف مورخین کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بنگال میں برطانوی اقتدار کا قیام ہندوستانی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا جس نے پورے ہندوستان پر برطانوی سامراج کی توسیع کی بنیاد ڈالی۔ پلاسی اور بکسر کی فتح، شہری حقوق اور معاشی استحصال نے برطانوی حکمرانی کی معاشی اور انتظامی بنیاد کو مضبوط کیا۔انگریزوں نے ہندوستانی باشاہوں کے ساتھ سفارت کاری، تخریب کاری اور اقتصادی کنڑول کی پالیسیوں کا استعمال کیا، جس سے وہ آہستہ آہستہ ہندوستان کی سب سے طاقتور قوت بن گئے۔

1.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

جب یورپی ممالک کو ہندوستان کی بیش بہا دولت کی جانکاری ہوئی تو انہوں نے ہندوستان سے تجارت کرنے کا عزم کر لیا۔ کیپ آف گڈ ہوپ کی کھوج نے واسکوڈی گاما کو ہندوستان پہنچنے میں مدد کی۔ پرتگالی، ڈچ، انگریز اور فرانسیسی باشندوں نے تجارت شروع کی پھر ان تجارتی کمپنیوں کے درمیان بالادستی کی جنگ شروع ہوگئی جس میں انگریز اپنی بحری قوت، مضبوط معاشی حالت اور قابل سیاسی قیادت کی وجہ سے دوسرے یورپی ممالک کو ملک بدر کرنے یا پھر محدود علاقے میں تجارت کرنے کی اجازت دینے میں کامیاب ہوسکے۔ 1757ء کی پلاسی کی جنگ نے ہندوستانی حکمرانوں کی کمزوری کو اُجاگر کر دیا اور پلاسی کی جنگ نے انگریزوں کی سیاسی اور فوجی بالادستی کے ساتھ بے پناہ دولت ان کے قدموں میں ڈال دی۔ پھر متحدہ محاذ کو بکسر کی جنگ میں شکست دے کر بنگال پر اپنی خود مختاری قائم کر کے کمپنی کی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔

ہندوستان میں نوآبادیاتی نظام کا قیام کے تین مراحل کا تذکرہ مورخین نے کیا ہے۔ جس سے تینوں اَدوار کی خصوصیات کے تناظر میں ان تینوں مراحل میں سامراجیت کے اغراض ومقاصد اور سیاسی، معاشی اور ثقافتی پالیسی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔اسی کے ساتھ انگریزوں کی جارحانہ اور ہندوستانی ریاستوں کی غصب کرنے کی پالیسی کے بارے میں جانکاری ملتی ہے۔ برطانوی سامراجیت کی سیاسی اور معاشی پالیسی میں تبدیلی کو سمجھنے کے لیے مورخین نے کمپنی کا عہد اور شہنشاہیت کا عہد میں بھی پورے دَور کو تقسیم کر کے مطالعہ کی کوشش کی۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ برطانوی کمپنی جو تجارت کی غرض سے آئی تھی،اس نے یہاں کی منافع بخش تجارت اور دولت دیکھ کر پورے ملک پر سیاسی قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور انہوں نے 'تقسیم کرو حکومت کرو' کی پالیسی پر عمل کر کے کوئی دوسو سال حکومت کی۔

1.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

بالادستی	:	برتری، فوقیت
دستبردار	:	اپنے حق کو چھوڑنا، اقتدار یا حکومت چھوڑ دینا، علیحدہ کرنا
منافع بخش	:	فائدہ دینے والا، سود مند
سیاسی غلبہ	:	سیاسی جیت، فتح، بالادستی، برتری، تسلط
سرمایہ	:	دولت
مراعات	:	رعایت
ریذیڈنٹ	:	برطانوی نمائندہ
سیاسی خلفشار	:	سیاسی افراتفری، بدنظمی

1.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. واسکوڈی گاما کب ہندوستان پہنچا؟
2. بمبئی برطانیہ کے کس بادشاہ کو پرتگالیوں نے جہیز میں دیا تھا؟
3. کلکتہ میں انگریزوں نے اپنے صدر مقام کا کیا نام رکھا تھا؟
4. آسٹریا کی جانشینی کے بدولت ہندوستان میں کس جنگ کا آغاز ہوا؟
5. وینڈی واش کی جنگ کن کے درمیان ہوئی۔
6. پلاسی کی جنگ کب ہوئی۔
7. بکسر کی جنگ میں تین حکمراں کون کون تھے؟
8. کس معاہدے کے بعد انگریزوں نے دیوانی اختیارات حاصل کر لیے؟
9. علی نگر کا معاہدہ کس کس کے مابین ہوا تھا؟
10. الہ آباد کا معاہدہ کب ہوا تھا؟

1.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کرناٹک جنگ کے اسباب اور نتائج پر مختصر نوٹ لکھیے۔
2. تاریخ میں پلاسی کی جنگ کی اہمیت اور اس کے نتائج کا تذکرہ کیجیے۔

3. بکسر کی جنگ سے قبل سیاسی حالات اور جنگ کے اسباب پر نوٹ لکھئے۔

4. نوآبادیاتی نظام کا قیام اور اس کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالیے۔

5. بنگال کی فتح سے متعلق دانشوروں کے خیالات پر تبصرہ کیجیے۔

1.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. یورپی کمپنیوں کی ہندوستان میں آمد کا تفصیلی جائزہ لیجئے۔

2. ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج کے وجوہات کا تجزیاتی جائزہ پیش کیجیے۔

3. ہندوستان یا بنگال میں برطانیہ سامراجیت کے قیام میں مختلف مورخین کے نظریات کا تجزیہ پیش کریں۔

1.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bandyopadhyay, Sekhar, *From Plassey to Partition*: *A History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2009.
2. Banerjee-Dube, Ishita, *A History of Modern India*, Cambridge University Press, New Delhi, 2014.
3. Chandra, Bipan, *History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2014 (first pub. 2009).
4. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
5. Dube, Ishita Banerjee, *A History of Modern India*, Cambridge University Press, New Delhi, 2019.
6. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
7. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
8. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
9. Roy, Tirthankar, *The East India Company*: *The World's Most Powerful Corporation*, Allen Lane/ Penguin, New Delhi, 2012.
10. Sarkar, Sumit, *Modern India, 1885–1947,* Macmillan, Madras, 1983.
11. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
12. Tharoor, Shashi, *An Era of Darkness*: *The British Empire in India*. Aleph, 2016.
13. Wilson, Jon, *India Conquered*: *Britain's Raj and the Chaos of Empire*, Simon and Schuster, London and New Delhi, 2017.

اکائی 2۔ دولت کی نکاسی اور اس کا طریقہ کار، ضخامت اور اثرات

(The Drain of Wealth and its Mechanism, Magnitude and Effects)

اکائی کے اجزاء

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 دولت کی نکاسی اور اس کا مفہوم

2.3 دولت کی نکاسی کی ابتدا

2.4 دولت کی نکاسی کے اسباب

2.5 دولت کی نکاسی کا طریقہ کار

2.6 دولت کی نکاسی کا تخمینہ

2.7 دولت کی نکاسی کے متعلق مورخین کے خیالات

2.8 دولت کی نکاسی کے معاشی اثرات

2.9 دولت کی نکاسی کے نتائج اور ہندوستانی معاشرے پر اثرات

2.10 اکتسابی نتائج

2.11 کلیدی الفاظ

2.12 نمونہ امتحانی سوالات

2.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

2.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

2.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید (Introduction)

دولت کی نکاسی، اس منظم عمل کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کے تحت نوآبادیاتی دور میں خاص طور پر برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی اور بعد ازاں برطانوی حکومت کے تحت، ہندوستان کی دولت اور وسائل برطانیہ منتقل کیے گئے۔ یہ اقتصادی واقعہ، ہندوستان کو غربت کی طرف دھکیلنے اور برطانیہ کی صنعتی واقتصادی ترقی کو مہمیز دینے میں ایک اہم کردار ادا کرتا رہا۔ دولت کی نکاسی کا طریقہ کار، استحصالی اقتصادی پالیسیوں، تجارتی عدم توازن، اور نوآبادیاتی انتظامیہ کے تحت نافذ کردہ غیر منصفانہ مالگزاری نظام پر مبنی تھا۔ اس نکاسی کا حجم حیرت انگیز تھا، جو سالانہ لاکھوں پاؤنڈز تک پہنچتا تھا، جس نے ہندوستان کے اضافی وسائل کو نکال کر اس کی اقتصادی ترقی کو روک دیا۔ اس نقصان نے مقامی صنعتوں اور زراعت کی ترقی کو نہ صرف محدود کیا بلکہ پورے برصغیر میں غربت اور بے روزگاری میں بھی اضافہ کیا۔ دولت کی نکاسی کے طریقہ کار، حجم اور اثرات کو سمجھنا نوآبادیاتی حکمرانی کے وسیع تر اثرات کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ یہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کی جڑوں کو بھی واضح کرتا ہے، جہاں دادابھائی نوروجی اور آر۔ سی۔ دت جیسے رہنماؤں نے اس استحصال کو بے نقاب کیا اور اقتصادی انصاف اور خودمختاری کی وکالت کی۔

2.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد

- دولت کی نکاسی اور اس کے معنی اور مفہوم کے بارے میں جان سکیں گے۔
- دولت کی نکاسی کی ابتدا اور اس کے اسباب کے متعلق جانکاری ہو سکے گی۔
- دولت کی نکاسی کی نوعیت اور طریقہ کار کے بارے میں معلومات ہو سکے گی۔
- دولت کی نکاسی کے تخمینہ اور اس کے متعلق مورخین کے خیالات کے متعلق واقفیت حاصل ہو گی۔
- دولت کی نکاسی کے منطق جدید مورخین کے خیالات کا تفصیلی جائزہ لے سکیں گے۔
- دولت کی نکاسی کے نتائج اور ہندوستانی معاشرے پر اس کے اثرات پر بحث کر سکیں گے۔

2.2 دولت کی نکاسی اور اس کا مفہوم (Drain of Wealth and Its Meaning)

دولت کی نکاسی سے مراد ملکی دولت اور قیمتی اشیا اور وسائل کی ہندوستان سے برطانیہ کو منتقلی تھی جس کے بدلے میں ہندوستان کو زر مبادلہ کے طور پر معاشی، تجارتی اور کوئی مادی فائدہ نہیں مل پا رہا تھا۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی میدان میں غیر متوقع تبدیلیاں رونما ہوئیں جس نے ہندوستان کی معیشت اور سماجی زندگی کو ناقابل یقین حد تک متاثر کیا۔ معاشی میدان میں دولت کی نکاسی ایک نیا تصور تھا۔ قومی دانشوروں کی نظر میں دولت کی نکاسی ہی ہندوستان کی غربت اور بدحالی کی اصل وجہ تھی۔ جدید دور کے مورخین نے اس کو موضوع بحث بنایا اور اس کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کر کے اس کے منفی اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا اور یہی معاشی

قوم پرستی کی بنیاد ثابت ہوئی۔ دانشوروں میں دادا بھائی نوروجی کا نام سر فہرست آتا ہے۔ وہ پہلے سیاسی مفکر ہیں جنھوں نے ہندوستان کی غربت و افلاس کی وجوہات کا تفصیلی مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی بنیادی وجہ دولت کی نکاسی ہے۔ انہوں نے 'دولت کی نکاسی کے نظریہ' کو اپنی کتاب *Poverty and Un-British Rule in India* میں پیش کیا۔ دادا بھائی نوروجی نے 'دولت کی نکاسی کو تمام خرابیوں اور ہندوستانی غربت کی جڑ کہا۔' اس کے بعد نہ صرف قوم پرست رہنماؤں بلکہ غیر ملکی دانشوروں نے بھی اس نظریہ کا مطالعہ کیا اور اس کے اسباب و نتائج پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

2.3 دولت کی نکاسی کی ابتداء (The Beginning of Drain of Wealth)

ہندوستان میں یوروپی بحیثیت تاجر آئے تھے اور منافع بخش تجارت ان کا بنیادی مقصد تھا۔ وہ لوگ ہندوستان اور مشرقی ایشیا سے بہت سی اشیا مثلاً سوتی کپڑے، مسالحہ، قیمتی پتھر وغیرہ یورپ لے جاتے اور اس سے منافع کماتے۔ ان اشیا کی خرید کے لیے وہ برطانیہ سے بلین (سونا چاندی) لاتے تھے۔ اس طرح ہندوستان کو زر مبادلہ کی شکل میں بہت بڑی دولت حاصل ہو جاتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ادائیگی کا توازن (Balance of Payment) ہندوستان کے موافق تھا۔ اس کی وجہ سے ہندوستان میں خوشحالی تھی۔ ہندوستان اٹھارہویں صدی میں ایک برآمد کرنے والا ملک تھا، اس کے بدلے میں اس کو خوب مال و زر حاصل ہوتا تھا۔ مورخین کا اندازہ ہے کہ پلاسی کی جنگ سے قبل کے 50 سالوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانی مصنوعات کی درآمد کے لیے کوئی 20 ملین پونڈ ہندوستان کو ادا کیے تھے۔ برطانوی تاجر، صنعتکار اور سیاسی رہنما بلین کی برآمد کے شدید ناقد تھے۔ برطانوی پارلیمنٹ میں سیاستدانوں نے ہندوستانی درآمدات کی بلین میں ادائیگی پر سخت تنقید کی اور اس کو روکنے کے لیے سخت تجاویز پیش کیں۔ وہ ہندوستانی مصنوعات جس کی برطانیہ میں بہت زیادہ مانگ تھی، اس پر پابندی عائد کرنے کے لیے حکومت نے سخت اقدامات کیے۔ کئی قانون بھی پاس کیے۔ ہندوستانی مصنوعات کی استعمال پر پابندی عائد کر دی گئی۔ استعمال کرنے والوں کو سزا دی گئی یا جرمانہ لگا دیا گیا۔ پلاسی کی جنگ کے بعد جہاں ایک طرف سیاسی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہیں معاشی میدان میں اہم پیش رفت ہوئی۔ ہندوستانی تجارت پر انگریزوں کی مکمل بالادستی قائم ہو گئی۔ برطانیہ میں کمپنی پر اپنی مالیت سے تجارت کرنے کا دباؤ بڑھنے لگا۔ لہٰذا ایسٹ انڈیا کمپنی برطانیہ سے بلین لانے کے بجائے ہندوستان میں وسائل اکٹھا کر کے تجارت کو فروغ دینے میں سرگرداں ہو گئی۔ کمپنی نے مندرجہ ذیل تین طریقوں سے فاضل سرمایہ اکٹھا کر لیا۔

اول - زمینی محصول کے نفاذ سے منافع۔

دوم - تجارت پر اجارہ داری سے منافع۔

سوم - سرکاری حکام کی جبریہ وصولی اور غیر واجب کثیر مطالبہ۔

مذکورہ بالا تینوں طریقے سے حاصل شدہ سرمایہ کو انگریز سرمایہ (Investment) کہتے تھے اور ہندوستانی مصنوعات کو خرید کر برطانیہ برآمد کرنے لگے۔ اب ان کو برطانیہ سے بلین لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس تجارت سے حاصل منافع بھی انگریزوں کو ہی ملتا

اور ہندوستانی کسی بھی طرح اس منافع سے مستفیض نہیں ہو پاتے تھے۔ غرض یہ کہ پلاسی کی جنگ کے بعد ہندوستانی وسائل کا انگریزوں نے بہت ہی منظم طریقے سے استحصال کرنا شروع کر دیا۔ دولت کی نکاسی بھی انگریزوں کی منظم پالیسی کا حصہ تھی۔

2.4 ہندوستانی معیشت کے استحصال کے تین مراحل

(Three Stages for the Exploitation of the Indian Economy)

سب سے پہلے مارکسی مؤرخ آر۔پی۔دت (R.P. Dutt) نے ہندوستان میں سامراجیت کی تاریخ کو 3 مرحلوں میں تقسیم کر کے ان کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان تینوں مراحل میں ہندوستانی معیشت کا استحصال مختلف طریقہ سے ہوا اور ملک غربت کا شکار ہوتا چلا گیا۔

اول: تجارتی نظریہ زر کا اصول (First: Mercantilism, 1757 – 1813)

اس دور میں انگریزوں کی اوّلین ترجیح تجارت پر اجارہ داری قائم کرنی تھی اور دوسرے محصولات کا استعمال کرنا تھا۔ اس دور میں معاشی لوٹ کا عنصر بہت غالب تھا۔ برطانیہ سے درآمدات کی عدم موجودگی تھی۔ ہندوستانی نوآبادی کی انتظامیہ، تہذیب اور معیشت میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پہلے مرحلہ میں تجارت میں سرکار کی مداخلت بہت زیادہ تھی۔ یورپی ممالک نے تجارتی نظریہ زر کا اصول اپنا رکھا تھا جس کی رو سے برآمد کرنے کی آزادی تو تھی لیکن درآمد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ نظریہ دراصل تحفظ پسندانہ پالیسی پر مبنی تھا۔

دوم: عدم مداخلت کا عہد (Second: Laissez Faire, 1813 – 1860)

اس دور کو آزاد تجارت کا عہد بھی کہا جاتا ہے۔ پہلے دور کے برخلاف کل برطانوی تاجروں کو نوآبادی سے تجارت کرنے کی اجازت دے دی گئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری ختم کر دی گئی اور اسے انتظامیہ تک محدود کر دیا گیا۔ اس دور میں کمپنی انتظامیہ کی پالیسی کو تبدیل کرنے اور معاشی پالیسی کو برطانیہ کے فوائد کے پیش نظر وضع کرنے کی حمایت کر رہی تھی۔ ہندوستان کو ثانوی تجارتی شریک کار ملک بنانے کی کوشش ہو رہی تھی تاکہ برطانیہ کے صنعتی انقلاب اور مزدور طبقہ کو، ہندوستانی خام مال برآمد اور برطانیہ سے تیار شدہ مال درآمد کیا جا سکے۔ ہندوستان کی معیشت، سیاست، انتظامیہ، سماج اور تہذیب اور نظریہ کو مکمل طور پر تبدیل کرنے کی کوشش چل رہی تھی تاکہ صنعتی برطانیہ کے مفاد کے لیے ہندوستان کے استحصال کو ممکن بنایا جا سکے۔

سوم: معاشی سامراجیت کا عہد (Financial Imperialism, 1860 – 1947)

تیسرا اور آخری عہد بہت ہی اہم تھا کیونکہ اس عہد میں معاشی اور سیاسی اعتبار سے غیر متوقع تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس عہد میں صنعتی ممالک میں نوآبادیات کے حصول کے لیے شدید جدوجہد کا آغاز ہوا۔ تاکہ ان کو بازار کے طور پر استعمال کیا جا سکے اور خام مال حاصل کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ صنعتی ممالک یا سرمایہ داروں نے اضافی سرمایہ کو نوآبادیت میں منتقل اور برآمد کرنا شروع کر دیا تاکہ ترقی کے نام پر نوآبادیات کا اپنی مرضی کے مطابق استحصال کیا جا سکے۔

سامراجیت کی تاریخ کے ان تینوں مرحلوں میں انگریز، ہندوستان کی دولت کو برطانیہ برآمد کرنے کی ایک نئی پالیسی پر عمل پیرا رہے اور بڑی مقدار میں یہاں کی دولت برطانیہ لے گئے جس کی وجہ سے ہندوستان جیسا خوشحال ملک سے غربت کا شکار ہو کر تباہ ہو گیا۔ اسی غربت کی وجہ کو جاننے کے لیے دادا بھائی نوروجی نے سامراجیت اور ہندوستان کی معیشت کا مطالعہ کیا تو ہندوستان کی غربت کی وجوہات ان پر آشکار ہوئیں اور انہوں نے دولت کی نکاسی کا نظریہ پیش کیا جو مستقبل کے مورخین اور سیاستدانوں کے لیے جنگ آزادی کے دوران مباحثہ کا ایک اہم موضوع بن گیا۔

2.5 دولت کی نکاسی کے اسباب (Causes for the Drain of Wealth)

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت (1757-1857) میں برطانوی حکومت کا ہندوستانی معیشت پر بہت گہرا اثر پڑا۔ ملک کی زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت پر برطانوی حکومت کی جن پالیسیوں کے منفی اثرات مرتب ہوئے، ان میں دولت کی نکاسی بہت نمایاں اور قابل ذکر ہے۔ ہندوستان میں برطانوی نوآبادیت کے مندرجہ بالا تینوں مراحل میں دولت کی نکاسی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہندوستان غریب سے غریب تر ہوتا چلا گیا۔ دولت کی نکاسی کے اسباب پر بھی مورخین نے دلچسپ مباحثہ کیا ہے۔ دادا بھائی نوروجی کے علاوہ دوسرے دانشوروں نے بھی دولت کی نکاسی کے اسباب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ دولت کی نکاسی کی سب سے اہم وجہ ہندوستان پر برطانوی حکومت کے قیام اور جبری تسلط کو مانا جاتا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو جب ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک سے بے پناہ تجارتی فائدہ کا اندازہ اور تجربہ ہوا تو اس نے اس تجارت پر اجارہ داری قائم کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ اجارہ داری قائم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ یورپ کے دیگر ممالک مثلاً فرانس، پرتگال، ہالینڈ، اسپین کو اس تجارتی میدان سے نکال دیا جائے۔ برطانوی کمپنی سفارتکاری اور جنگوں کے ذریعہ اپنی حریف کمپنیوں کو ہندوستانی تجارتی میدان سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔ ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک میں سیاسی بالادستی کے ساتھ تجارتی اجارہ داری قائم ہو گئی۔

پلاسی کی جنگ کی فتح نے ہندوستان پر نہ صرف برطانوی تسلط کے قیام کی راہ ہموار کی بلکہ اس کو یقینی بھی بنا دیا۔ بنگال کی دولت اور اس کے محاصل پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ بکسر کی جنگ میں فتح اور تین ہندوستانی طاقتوں کی مشترکہ شکست نے انگریزوں کو اپنی حکومت قائم کرنے کا حوصلہ عطا کر دیا۔ پھر 1765ء میں انگریزوں نے بے بس مغل حکمراں شاہ عالم سے دیوانی اختیارات حاصل کر لیے۔ اس طرح برطانوی سیاسی اور معاشی غلبہ نے ملکی معیشت کی استحصال کا راستہ بھی ہموار کر دیا۔ دادا بھائی نوروجی نے چھ وجوہات بتائی ہے جن کی وجہ سے دولت کی نکاسی کا اصول نافذ ہوا، جن میں کچھ مندرجہ ذیل ہے:

- ہندوستان میں غیر ملکی حکمرانی اور انتظامیہ
- معاشی ترقی کے لیے ضروری پیسہ اور محنت غیر ملکی لائے تھے، لیکن غیر ملکیوں نے ہندوستانیوں پر زیادہ توجہ نہیں دی۔
- تمام برطانوی شہریوں کے انتظامی اور فوجی اخراجات ہندوستان ادا کرتا تھا۔

- ہندوستان اندرونی اور بیرونی طور پر تعمیرات کا بوجھ اٹھا رہا تھا، وغیرہ۔
- حکام کو رشوت، تحفے اور نذرانے وغیرہ

2.6 بنگال کی معاشی لوٹ کھسوٹ (Economic Plunder of Bengal)

1757ء کی پلاسی کی جنگ کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی خصوصیات کے علاوہ سیاسی دلچسپی میں بہت اضافہ ہوا۔ کمپنی اب محض ایک تجارتی ادارہ نہیں تھی بلکہ اس کے عزائم نے اس کو تجارتی، فوجی اور سیاسی ادارہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ بنگال میں کمپنی بادشاہ سازی کے عمل میں ملوث ہو چکی تھی۔ بنگال کا نواب کون بنے گا کمپنی بہادر طے کرتی تھی۔ بنگال میں سراج الدولہ کو ہٹا کر میر جعفر اور اس کو ہٹا کر میر قاسم کو بنگال کا نواب بنانے میں اس نے اہم کردار ادا کیا جس کو مورخین نے پلاسی کا انقلاب بھی کہا ہے کیونکہ ہر نئے نواب نے کمپنی کے سول اور فوجی حکام کو بے تحاشہ رقم انعام و اکرام کی شکل میں دیا۔ کمپنی کے حکام کی ذہنیت، برطانوی مورخ ولیم کوپر کے مطابق (William Cooper) 'کسی صورت اور جلد از جلد امیر ہونے' کی بن گئی تھی، جس نے ان کو معاشی لوٹ کھسوٹ پر آمادہ کر دیا۔ کورٹ آف ڈائریکٹر (Court of Directors) کے ممبر اور کمپنی کے شیئر ہولڈرس (Shareholders) کی بھی زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی ذہنیت نے اس لوٹ کھسوٹ کے بازار کو مزید گرم کر دیا۔ ایک برطانوی مؤرخ کے مطابق پلاسی کی جنگ نے ایک 'واضح اور بے شرم لوٹ' کے دور کا آغاز کر دیا۔ آر۔ سی۔ دت کے مطابق 1765-1757 کے مابین کمپنی کی حکومت نے صرف بنگال سے چھ ملین پونڈ اسٹرلنگ اکٹھا کر لیا۔ مالگزاری وصول کرنے کے حق کی نیلامی کر کے، غیر قانونی طریقے سے دستک فروخت کر کے حکام نے بے پناہ دولت اکٹھا کی۔ رشوت کا بازار گرم تھا۔ کمپنی کے ملازمین نے قیمتی اور نادر تحائف کا مطالبہ کر کے خوب پیسہ جمع کیا۔ جنگ کے بعد کئی شکل میں میر جعفر سے پیسے کا مطالبہ کیا اور اس کے بار بار کے ان تقاضوں کی وجہ سے خزانہ خالی ہو گیا۔ پھر میر قاسم کو نواب بنا کر اسی طریقہ سے پیسہ ہڑپنے کی کوشش کی جس کو مورخین نے 'پلاسی کی لوٹ' (Plassey Plunder) سے تعبیر کیا ہے۔ بنگال کا محصول جو ایک اندازے کے مطابق 1764 سے لے کر 1771 تک چار ملین پونڈ بنتا تھا، اس کو ناجائز طریقے سے انگریزوں نے ہڑپ لیا۔ ایڈم اسمتھ () نے ہندوستان سے یکطرفہ مال وزرا اور اشیا کی برطانیہ منتقلی کو 'لوٹ' سے تعبیر کیا تھا۔ دولت کی نکاسی کے وجوہات میں برطانوی سول اور فوجی حکمرانوں کے اخراجات کو برداشت کرنا بھی شامل تھا۔ غیر ملکوں میں نوآبادیات کو قائم کرنے کے لیے جنگی جدوجہد کے لیے بھی ہندوستانی دولت کا استعمال ہوتا تھا۔ 1813ء کے چارٹر ایکٹ سے آزاد تجارت کے نظریے سے انگریزوں کو زیادہ فائدہ ہوا کیونکہ ہندوستان برطانوی مصنوعات کی ایک بہت بڑی منڈی بن گیا۔ ہندوستان ایک برآمداتی ملک سے درآمدتی ملک بن گیا۔

2.7 دولت کی نکاسی کا طریقہ کار (Mechanism for the Drain of Wealth)

ہندوستان پر بیرونی حملوں کو ہم دو زمروں میں تقسیم کر سکتے ہیں، پہلا سکندر، محمود غزنی، شہاب الدین غوری، تیمور، نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی اور دوسرے انگریزی حملے۔ کمپنی اور ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں ان دونوں گروہوں کے حملے میں کچھ بنیادی اختلاف بھی پائے جاتے

ہیں۔ مثلاً پہلا گروہ ہندوستان پر حملہ کرتا ہے اس کو لوٹتا ہے تباہ کرتا ہے۔ اور یہاں کی دولت کو اکٹھا کر کے اپنے آبائی وطن کو واپس ہو جاتا ہے۔ ان کا حملہ پنجاب اور دہلی کے علاقوں تک محدود رہتا ہے۔ کچھ شاہی خاندان ان کے حملوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ حملے وقتی تھے۔ اس کے برخلاف برطانوی آمد اور ان کی حکومت نے پورے ہندوستان کی معاشی' سیاسی اور سماجی زندگی کو متاثر کیا اور انہوں نے سیاسی بالادستی قائم کر کے اس کو منظم اور مسلسل طریقے سے لوٹا۔

جس طرح ہندوستان پر غیر ملکی جیسے انڈو۔ گریک، ساکا، کشان، عرب، ترک افغان اور مغل حکمراں بھی آئے۔ اسی طرح انگریزوں نے بھی آکر حکومت قائم کی۔ لیکن اس میں نئی بات کیا تھی؟ پہلا گروہ ہندوستان آیا اس نے اپنی حکومت قائم کی اور ہندوستان کو اس نے اپنا مسکن بنالیا۔ یہاں کی کمائی ہوئی دولت کو یہیں خرچ کیا۔ پیسہ ملک میں رہا۔ روزگار کے مواقع فراہم کئے۔ انہوں نے ملک کی زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دیکر ملک کی خوشحالی میں اضافہ کیا۔ اس کے برخلاف انگریزوں نے ہندوستان کو کبھی بھی اپنا مسکن تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے معاشی مفاد کے پیش نظر کبھی بھی یہاں کی صنعت و حرفت کو فروغ دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ایسی پالیسی بنائی جس سے موجودہ صنعت تباہی کا شکار ہوئی۔ تجارت کو مفاد کا ذریعہ بنایا۔ زرعی محصول کی استحصال کی پالیسی سے خوب دولت اکٹھا کیا اور ہندوستان کو ایک بڑی منڈی اور خام مال کے بخشنے حصول کا ذریعہ بنا کر اس کا پورا استعمال کیا۔ غرض یہ کہ برطانوی حکومت کی معاشی اور حقیقی مفاد اور اس کو تقویت بخشنے والی مختلف پالیسیاں ملک سے دولت کی نکاسی کے لیے ذمہ دار تھیں۔ آر۔ سی دت نے ہندوستان کے معاشی استحصال کے بارے میں لکھا ہے کہ ''دنیا کے دوسرے حصوں میں مقبوضات حاصل کرنے پر برطانوی قوم خود بھی لاکھوں کروڑوں روپئے خرچ کر چکی تھی لیکن ہندوستان میں خود ہندوستانیوں کے روپئے سے سلطنت قائم کی گئی تھی۔ جنگیں لڑی گئی تھیں اور ملک کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک تجارتی کمپنی نے سلطنت قائم کی تھی جنگیں لڑی گئی تھیں۔ ملک کا نظم و نسق سنبھالا گیا تھا۔ ایک تجارتی کمپنی نے سلطنت قائم کی تھی اور دو نسلوں تک اس سلطنت کی آمدنی سے منافع حاصل کرتی رہی تھی۔'' پورا منافع برطانیہ منتقل ہو رہا تھا۔ آر۔ سی دت کا خیال ہے کہ 1792 سے لیکر 1838 تک ایک تخمینہ کے مطابق 2 کروڑ 8 لاکھ 57 ہزار پاؤنڈ کمپنی کی آمدنی تھی جسے برطانوی حکومت نے مختلف طریقوں سے استعمال کیا۔

اگر طریقہ کار پر غور کیا جائے تو انگریزی حکومت نے ہندوستان کی دولت کو مختلف طریقوں اور راستوں سے برطانیہ بھیجا یا پھر اپنے مفاد پر خرچ کیا۔ مورخین نے دولت کی نکاسی کے طریقہ کار پر مباحثہ کیا ہے اور اپنے رائے کا اظہار کیا ہے۔ معاشی نکاسی کے مندرجہ ذیل اجزا تھے جس کو ہم دو مختلف زمروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا واضح طور پر دکھائی دینے والا مثلاً تحفہ تحائف، رشوت، منافع وغیرہ، اور دوسرا مخفی نکاسی مثلاً تنخواہ، پنشن، بھتہ اور گھریلو اخراجات وغیرہ۔

دولت کی نکاسی کا سب سے اہم جز، انگریز ملازمین کی تنخواہ، آمدنی اور بچت کی برطانیہ کو ترسیل تھی۔ اس کے علاوہ پنشن اور بھتہ بھی تھے جس کی ادائیگی برطانیہ میں سبکدوش انگریزی ملازمین کو کی جاتی تھی۔ 1813ء کے بعد دولت کی نکاسی زیادہ تر گھریلو اخراجات

(Home Charges)میں کی جاتی تھی۔ ہندوستان کے نظم و نسق چلانے کے لیے برطانیہ میں رکھے گئے ہندوستانی افسران جیسے سیکریٹری آف اسٹیٹ(Secretary of State) کی تنخواہ اور اخراجات کو بھی عموماً گھریلو اخراجات میں شامل سمجھا جاتا تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی سے پہلے گھریلو اخراجات ہندوستان کی اوسط آمدنی کا 12 فیصد تھے۔ بغاوت کو کچلنے اور انتظامیہ کو موثر بنانے پر خرچ مزید بڑھ گیا اور گھریلو اخراجات 1858ء سے لیکر 1901ء تک بڑھکر 240 فیصد ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد گھریلو اخراجات میں مزید اضافہ ہوا اور ایک اندازے کے مطابق یہ ہندوستان کی اوسط آمدنی کا 40 فیصد ہو گیا جو کہ دولت کی نکاسی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ گھریلو اخراجات کے زمرے جو مندرجہ ذیل تھے:

1. ایسٹ انڈیا کمپنی کے شیئر ہولڈرز کو منافع، دولت کی نکاسی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ایک چارٹرڈ کمپنی تھی۔ اس میں لوگوں کے حصص تھے، اس پر کمپنی ان کو ہر سال منافع دیتی تھی۔ منافع کی یہ رقم ہندوستان کی آمدنی سے ادا کی جاتی تھی۔
2. غیر ملکوں سے حاصل عوامی قرضوں پر سود۔ ایسٹ انڈیا کمپنی پر عوامی قرضہ لگاتار بڑھتا جارہا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق یہ 70 ملین پونڈ اسٹرلنگ ہو گیا تھا۔ یہ قرض کمپنی نے بیرون ملک میں نوآبادیات کے حصول اور ہندوستانی ریاستوں کو قبضہ کرنے کے لیے مسلسل جنگوں اور انتظامی استحکام کے صرفہ کے لیے لیا تھا۔ یہ عوامی قرضہ 1900ء میں حیرتناک طور پر بڑھکر 224 ملین پونڈ ہو گیا تھا۔ ان میں سے کچھ قرضہ تو منافع بخش اور عوامی بہبود پر استعمال کے لیے مثلاً ریلوے، آبپاشی اور عوامی منصوبوں کے لیے لیا گیا تھا۔ بہر صورت اس قرض کو ہندوستا کی آمدی سے ہی چکایا جانا تھا۔ تھیوڈر موریسن(Theodore Morrison) نے اپنی کتاب 'اکونامک ٹرانزیشن ان انڈیا'(*Economic Transition in India*) میں عوامی قرضوں کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس کی افادیت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے لکھا ہے کہ ریلوے میں سرمایہ کاری سے ملک میں روزگار کے مواقع میسر ہوں گے اور نیز صنعتی ترقی میں مدد ملے گی۔ اسی طرح اسے امید تھی کہ غیر ملکی سرمایہ کو آبپاشی کے منصوبہ پر سرمایہ کاری کرکے زراعت کے میدان میں انقلابی تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ موریسن کا خیال تھا کہ یہ قرضے معمولی سود پر حاصل کیے گئے تھے۔ دوسری جانب قوم پرست رہنماؤں کا خیال تھا کہ ریلوے کی تعمیر اور آبپاشی کا نظام انگریزوں نے اپنے تجارتی مفاد کے پیش نظر کیا تھا۔ ملک کی سیاست اور معیشت پر انگریزوں کی گرفت بہت مضبوط ہونے کی وجہ سے ریلوے ہندوستان میں صنعتی ترقی لانے میں ناکام رہا، کیونکہ ریلوے کے تمام ساز و سامان برطانیہ سے درآمد کیے جاتے تھے۔ ریلوے نے بجائے روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے سوتی کپڑے کی صنعت اور مقامی دستکاری کو تباہ کر کے بے روزگاری میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا۔ کارل مارکس بھی ریلوے کی ابتدا اور اس کی تعمیر سے ہندوستان میں جدید صنعتی ترقی اور روزگار کے لیے پرامید تھا لیکن اس کی پیشن گوئی بھی صحیح ثابت نہ ہو سکی۔
3. شہری اور فوجی اخراجات اور برطانیہ میں ہندوستانی انتظامیہ کے اخراجات۔ لندن میں قائم انڈیا آفس کے اخراجات کے علاوہ سول اور ملیٹری حکام کی تنخواہیں ان کی پنشن اور چھٹی بھتہ وغیرہ بھی ہندوستانی آمدنی سے ادا کی جاتی تھی جو ایک خطیر رقم تھی۔ اس کے علاوہ سول اور ملیٹری یا پھر بحری شعبہ کی ضروریات کی چیزوں کی خریداری پر جو پیسہ خرچ ہوتا اس کی ادائیگی ہندوستان کی آمدنی سے ہوتی تھی۔
4. غیر ملکی سرمایہ کاری پر سود کی ادائیگی بھی ہندوستانی خزانہ سے ہوتی تھی۔ اگرچہ اس کا استعمال انگریز حکومت اپنی توسیع پسندانہ پالیسی کے

تحت کے جانے والی جنگوں اور حکومت کے قیام کے بعد اس کے استحکام پر ہی کیوں نہ خرچ کرتے تھے۔ غیر ملکی سرمایہ جو عوامی قرضوں کی شکل میں ہندوستان آتا تھا، اس کا استعمال انگریز اپنی معاشی منصوبوں کے تحت کرتے تھے۔ ان کو ہندوستان کی صنعتی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اپنے معاشی مفاد کا تحفظ ان کا اصل مقصد تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بینکنگ، اشورنس اور جہاز رانی کے مد میں بھی کافی اخراجات ہوتے تھے۔ انگریز اس کی بھی ادائیگی قومی آمدنی سے کرتے تھے۔ لہٰذا دولت کی نکاسی کا جو سلسلہ پلاسی کی جنگ کے بعد شروع ہوا وہ ہندوستان کی آزادی تک چلتا رہا۔ اور اس میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، جس سے ہندوستان کی معاشی اور صنعتی ترقی سست روی کا شکار ہو گئی۔

2.8 دولت کی نکاسی اور اس کا تخمینہ (Drain of Wealth and Its Estimate)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں دولت کی نکاسی کا نظریہ سب سے پہلے دادا بھائی نوروجی نے پیش کیا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک مقالہ 'England's Debt to India' جس کو 2 مئی 1867ء میں ایسٹ انڈیا ایسوسیشن کی کانفرنس میں پیش کیا تھا، میں برملا کہا تھا کہ ہندوستان کی اوسط آمدنی کا ایک چوتھائی حصہ برطانیہ کو نکاسی کی شکل میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس موضوع پر کئی مضامین لکھے اور دولت کی نکاسی کے مختلف پہلوؤں کو انگریزوں کے سامنے پیش کیا۔ ان کی پیروی کرتے ہوئے مہادیو گووند راناڈے (Mahadev Govind Ranade) نے 1872ء میں پونا کے ایک جلسہ میں بولتے ہوئے کہا تھا کہ ہندوستان کی قومی آمدنی کا ایک تہائی حصہ کسی نہ کسی طریقہ سے برطانیہ منتقل ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کے مشہور و معروف دانشور اور *Economic History of India* کے مصنف رومیش چندر دت (Romesh Chunder Dutt) نے واضح طور پر کہا کہ ہندوستان کی قومی آمدنی کا نصف حصہ ہندوستان سے باہر چلا جاتا ہے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ہندوستان کی دولت دوسروں کو فائدہ پہنچا رہی ہے۔ اس کے بعد قوم پرست رہنماؤں اور دانشوروں نے اس کو موضوع بحث بنا کر عوام کو ہندوستانی معیشت کی تباہی سے آگاہ کیا اور اس کے خلاف منظم تحریک چلانے پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس نے بالآخر 1896ء میں اس نظریہ کو تنظیمی طور پر قبول کر کے اپنے ایجنڈہ میں شامل کیا۔

حقیقی دولت کی نکاسی کا تخمینہ لگانا تو بہت مشکل ہے۔ لیکن معاشی ماہرین، مورخین اور دانشوروں نے دولت کی نکاسی کا محققانہ تخمینہ لگایا ہے۔ لیکن زیادہ تر تخمینے ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں کیونکہ مختلف دانشوروں نے مختلف طریقہ اور مختلف دورانیہ میں اپنی سہولت کے حساب سے استعمال کیا ہے۔ سب سے پہلے ہم پلاسی کی لوٹ پر نظر ڈالتے ہیں۔ برطانوی دارالعوام (House of Commons) کی سیلیکٹ کمیٹی (Select Committee) نے کمپنی کے نواب سے جو تحائف حاصل کیے اس کا تخمینہ ایک اندازے کے مطابق 12 لاکھ 38 ہزار پانچ سو پونڈ کے قریب تھا۔ 1760ء میں میر قاسم کو نواب بنایا گیا۔ اس نے انگریزوں کو بیش بہا تحفہ سے نوازا جس کی قیمت ایک اندازے کے مطابق تقریباً دو لاکھ پاؤنڈ تھی۔ اس کے علاوہ اس نے بردوان، مدناپور اور چٹاگاؤں کی زمینداری بھی عطا کر دی۔ 3 سال بعد میر قاسم کو ہٹا کر میر جعفر کو 1763ء میں بنگال کا نواب بنایا گیا۔ اس نے 5 لاکھ پاؤنڈ کا انعام اور تحفہ اس کے بدلے عطا کیا۔ اس کے انتقال کے بعد

اس کا بیٹا نجم الدولہ تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی 2 لاکھ 50 ہزار پاؤنڈ کے تحفہ اور انعام سے کمپنی کے حکام کو نوازا۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان کی ایک تہائی دولت برطانیہ منتقل کر دی گئی۔ پلاسی کی لوٹ میں کلائیو نے نجی طور پر 2 لاکھ 34 ہزار پاؤنڈ، واٹسن نے 1 لاکھ پاؤنڈ اور کونسل کے دوسرے ارکان نے 50 ہزار سے 80 ہزار پاؤنڈ کی رقم اکٹھا کر کے برطانیہ بھیج دیا۔

دانشوروں نے دو طریقوں سے دولت کی نکاسی کا حساب لگایا ہے۔ اور اسی وجہ سے تخمینہ میں فرق نظر آتا ہے۔ پہلا ہے اصلی لاگت (Prime Cost) اور دوسرا ہے قیمت فروخت (Sale Cost)۔ اگر ہم کمپنی کے سرکاری ذرائع سے نکاسی کی بات کریں تو یہ بنگال، بہار اور اڑیسہ سے 1779ء تک ایک پیمانہ کے مطابق 7 لاکھ 37 ہزار 651 پاؤنڈ تھی۔ اور دوسرے پیمانے کے مطابق 8 لاکھ 23 ہزار 407 تھی جبکہ اس وقت ایک پاؤنڈ کی قیمت دس روپیہ تھی۔ ہولنڈن فریر نے ایک عشرے 1783-84 سے لیکر 1792-93 تک دولت کی نکاسی کا تخمینہ تقریباً 127 ملین پاؤنڈ سالانہ تجویز کیا ہے۔ اس کے برخلاف دادابھائی نوروجی نے 12 ملین پاؤنڈ سالانہ دولت کی منتقلی کا حساب لگایا ہے۔ اس کے علاوہ دادابھائی نوروجی نے تین مختلف تخمینے بھی عوام کے سامنے پیش کیے ہیں۔ دادابھائی نوروجی نے 1867ء کے لیے نکاسی کی رقم کا اندازہ 8 ملین پاؤنڈ سالانہ لگایا ہے۔

	1870ء	12
	1905ء	34
جی وی جوشی	1880ء	25 کروڑ
ڈی وی واچا		30 سے 40 کروڑ سالانہ لگایا ہے۔
چارج ونگٹ	1835ء سے لیکر 1851ء تک	42 کروڑ
ولیم ڈگبی نے	1757ء سے لیکر 1815ء کے لیے نکاسی کی رقم کا اندازہ تقریباً 500 سے لیکر 1000 ملین پاؤنڈ لگایا ہے۔	
ہولڈن فریر	1779ء سے لیکر 1790ء	2 ملین
ہولڈن فریر	1801ء	470 ملین
دادابھائی نوروجی	ابتدا سے لیکر 1860ء تک	1500 ملین
آر سی دت	1860ء سے لیکر 1900ء	22 ملین
وی۔آئی یاوبلوؤ	1930ء	130 سے لیکر 140 ملین

وی آئی یاوبلوؤ ایک طرف تو دولت کی نکاسی کا اندازہ 130 سے لیکر 140 ملین پاؤنڈ لگاتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی کہتا ہے کہ یہ رقم اتنی خطیر تھی کہ اگر اس کا استعمال ہندوستان میں جدید صنعتکاری کے لیے کیا جاتا تو بھلائی اسٹیل پلانٹ، جو سوویت روس کی مدد سے بنایا گیا تھا اس طرح کے 3 پلانٹ اتنی دولت کی لاگت سے بنائے جا سکتے تھے۔ جو ہندوستان میں لوہا اور اسٹیل کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کر سکتا تھا۔ دیوانی اختیار حاصل کرنے کے بعد کمپنی نے بہت زیادہ محصول وصول کیا مثلاً 1762-63 میں بنگال سے 64 لاکھ روپیہ کی وصولی ہوئی جبکہ

1765ء میں اس میں کئی گنااضافہ ہو کر یہ رقم 147 لاکھ ہو گئی۔ایک دوسرے تخمینہ کے مطابق بنگال کا محصول 66-1765 میں 252 کروڑ روپئے سے بڑھ کر 80-1779 میں 357 کروڑ ہو گیاآر۔سی۔دت نے تخمینہ لگایا کہ کمپنی کے ملازمین نے 1857 لیکر 1765 تک 6 ملین پاؤنڈ غیر قانونی طور پر وصول کیا۔اس طرح ہندوستان، دولت کی نکاسی سے نہ صرف اپنی سرمایہ ضائع کر رہا تھا بلکہ معاشی اور بالخصوص صنعتی ترقی سے بھی محروم ہو رہا تھا۔ایک اندازہ کے مطابق ہندوستان کی مجموعی ملکی پیداوار کا 9 فیصد حصہ بطور خراج کے ملک سے باہر جا رہا تھا۔

2.9 دولت کی نکاسی کے متعلق مورخین کے خیالات

(Historian's Approaches to the Drain of Wealth)

1838ء میں رابرٹ مونٹگومری مارٹن (Robert Montgomery Martin) نے لکھا تھا کہ 'اگر برطانیہ سے مسلسل اور مجموعی اعتبار سے اتنی دولت کی نکاسی ہوئی تو وہ بھی جلد تباہ و برباد ہو جائے گا' جان شور (John Shore) لکھتا ہے کہ: 'انگریزوں کا بنیادی اصول یہ رہا کہ ہندوستانی قوم کو ہر حال میں اپنے مفادات کے تابع رکھنا چاہئے۔ہندوستانیوں کو ہر اس وقار کے منصب اور عہدے سے محروم رکھا گیا جس کو قبول کرنے کے لیے چھوٹی سے چھوٹی حیثیت کے کسی انگریز کو آمادہ کیا جاسکے۔' جان سولیون (John Sullivan) بھی 'ہندوستان کے لوگوں کو ملک کے اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھنے' کا ذکر کرتا ہے۔سول اور فوجی یورپی حکام پر برطانوی سرکار ملک کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ خرچ کرتی تھی جو دولت کی نکاسی کی ایک اہم وجہ تھی۔1832ء میں ہاؤس آف کامنس کی سلیکٹ کمیٹی میں سر جون مالکم (Sir John Malcolm) نے کہا تھا کہ 'ہندوستان کے لوگوں کو خود اپنے ہی ملک میں اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھا جاتا ہے اور دوسرے اس ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ ملک کے باہر بھیجا جاتا ہے' جو سراسر ناانصافی تھی اور جس نے ہندوستان کی معاشی ترقی کے لیے درکار وسائل سے اسے محروم کر دیا۔قوم پرست رہنماؤں کا خیال ہے کہ اگر ہندوسانیوں کو ملازمت میں شراکت دے دی جائے تو دولت کی نکاسی کے عمل پر قدغن لگایا جاسکتا تھا اور بڑھتی غربت کا کچھ حد تک ازالہ کیا جاسکتا تھا۔

دادابھائی نوروجی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہندوستانی محصول بہت ہی رجعت پسندانہ تھا۔ہندوستان میں 1876ء میں ٹیکس کا بوجھ 1453 فیصد تھا جبکہ اسی دوران برطانیہ میں یہ 6592 فیصد تھا۔دادابھائی نوروجی کا ماننا ہے کہ دولت کی نکاسی میں بھیجی گئی، ٹیکس سے حاصل شدہ دولت کو اگر ہندوستان میں خرچ کیا جاتا تو پیسے کا دوران (circulation) ملک کے اندر ہی ہوتا۔اس سے ضروری اشیا کی خرید کی مانگ بڑھتی، تجارت فروغ پاتی اور زراعت اور صنعتی ترقی بھی ہوتی، جو سرمایہ کے فقدان کی وجہ سے ناممکن ہو گئی۔ برطانوی سیاستدانوں کا ماننا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں امن وامان قائم کیا جس کی بنیاد پر ہی دوسرے تمام شعبوں میں ترقی ممکن ہو سکی۔ قوم پرست سیاستدانوں کا خیال تھا کہ اس کے بدلے میں ہندوستان کو نہ صرف قیمت ادا کرنی پڑی بلکہ بہت زیادہ قیمت چکانی پڑی۔ برطانوی سیاستدانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہندوستانی مورخین نے اس کو ضرورت سے زیادہ مبالغہ آرائی سے پیش کیا۔ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ہندوستان نے اس کی بدولت بہت کچھ حاصل کیا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ عوامی قرضوں اور اس کے سود کی ادائیگی کے مد میں نکاسی بہت زیادہ تھی لیکن انگریز یہ

تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی بدولت ہندوستان میں ناقابل یقین حد تک ترقی ہوئی اس نے خوشحالی میں اضافہ کیا نہ کہ غربت کو بڑھاوا دیا۔ غیر ملکی سرمایہ سے ریلوے کی تعمیر، آبپاشی منصوبہ کی شروعات، شجر کاری کی صنعت اور صنعتی عزائم کی ابتدا ہوئی جو یقیناً خوش آئند پہلو تھا۔ تیسری اہم بات جس کو انگریز دانشوروں نے تنقید کا نشانہ بنایا وہ تھا گھریلو اخراجات۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ گھریلو اخراجات اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا بتایا جاتا ہے۔ اس کے عوض میں دنیا کے لائق اور ذہین ترین لوگوں نے اپنی خدمات ہندوستان کو دیں اور لوگوں کے رفاہ کے لیے بھی بے لوث خدمات انجام دیں۔ جدید انتظامیہ نے، ملک کو اندرونی خلفشار سے بچا کر اندرونی و بیرونی تحفظ فراہم کیا جس کے بغیر کوئی معاشی ترقی ممکن نہیں تھی۔

دادا بھائی نوروجی نے ناقدین کے تمام نکتوں کی مخالفت کی اور اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ انہوں نے واضح طور پر بتایا کہ قوم پرست رہنماؤں نے دولت کی نکاسی کی تعریف اور اس کا تخمینہ لگانے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ انہوں نے انگریزوں کے اس خیال کو خارج کر دیا کہ ہندوستانی، تجارت کے توازن اور ادائیگی کے توازن میں تفریق کرنے میں ناکام رہے۔ ہندوستانیوں کے لیے خدمات اگر فائدہ کا سودا تھا تو ٹھیک تھا، اگر نہیں تو دادا بھائی نے اس کو قابل اعتراض بتایا۔ ہندوستانی قوم پرست رہنماؤں نے انگریزوں کے اس دعویٰ کو کہ غیر ملکی قرض اور اس پر سود کی ادائیگی نے ملک کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کیا، کی مکمل تردید کر دی کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ اگر ہندوستان سے دولت کی نکاسی نہیں ہوتی تو دوسرے ملک سے قرض لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ دولت کی نکاسی نہیں ہوتی تو خود ہندوستان، ریلوے کی تعمیر کی سرمایہ کاری میں خود کفیل تھا۔ ریلوے سے انگریزوں کو ہندوستانیوں کے مقابلے زیادہ فائدہ حاصل ہوا۔ غیر ملکی قرضہ استحصال کا باعث بنا جس کی وجہ سے ٹیکس بہت بڑھا دیے گئے۔ قوم پرست رہنماؤں نے جدید تعلیم پر پیسہ خرچ کرنے کی مہم چلائی۔ دادا بھائی نوروجی نے انگریزوں کی برطانیہ سے دولت کی نکاسی کی مخالفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ ہندوستانی مصنوعات کی ادائیگی کے لیے جب کمپنی بلین لاتی تھی اس کے خلاف پارلیامنٹ میں جم کر مخالفت ہوئی۔ ٹھیک اسی طرح برطانیہ سے اٹلی کو دولت کی نکاسی کی بھی انگریز تاجر سیاست داں اور صنعتی طبقے نے تنقید کا نشانہ بنایا۔ انگریزوں کا کہنا ہے کہ ہندوستانیوں کو انگریز ملازمین نے اپنی مختلف خدمات پیش کر کے ان کو خود کفیل بنایا۔ ہندوستانی رہنماؤں نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے ہندوستان کے غیر معاشی نقصانات مثلاً اخلاقی نکاسی اور دانشورانہ خسارہ اور مہارتی تجربات نے ہندوستانیوں کو سوچنے سمجھنے کی قوت سے محروم کر دیا اور ہندوستانیوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا۔

2.10 دولت کی نکاسی کے ہندوستانی معیشت پر اثرات

(Impact of the Drain of Wealth on Indian Economy)

ہندوستان پر انگریزی حکومت کے قیام کے فوراً بعد ہی دولت کی نکاسی کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ منظم طریقے سے اس کی شروعات پلاسی کی جنگ سے ہوئی۔ ہندوستانی علاقوں کی فتوحات کے ساتھ دولت کی نکاسی کی رفتار بھی بڑھتی گئی۔ ہندوستان کی دولت کو انگریزوں نے مختلف طریقے سے برطانیہ بھیجنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے برطانیہ میں اس کے مثبت نتائج پیدا ہوئے۔ مورخین کا خیال ہے کہ نوآبادیات بالخصوص ہندوستان سے درآمد شدہ دولت نے برطانیہ میں دولت جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور برطانیہ میں صنعتی انقلاب ممکن ہو سکا۔ اس

کے بر خلاف ہندوستان کی معیشت پر اس کے منفی اثرات پیدا ہوئے اور اس نے ملک کی ترقی میں منفی کردار ادا کیا۔ جس کی وجہ سے ملک میں سرمایہ کاری نہیں ہو سکی اور اس کی بدولت زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت یکساں طور پر زوال کا شکار ہوئی جس نے ملک کی معیشت کو بری طرح متاثر کیا۔ ملک میں غریبی اور مفلسی حد سے زیادہ بڑھنے لگی۔

دادا بھائی نوروجی پہلے ہندوستانی ہیں جنہوں نے نہ صرف دولت کی نکاسی کا نظریہ پیش کیا بلکہ اس کے تمام منفی اثرات کا بہت ہی تفصیل سے تجزیہ بھی پیش کیا جس کے بعد ہندوستانی مورخین اور دانشوروں نے اور قومی رہنماؤں نے دولت کی نکاسی اور اس کے اسباب و نتائج کا مطالعہ کیا۔ اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں دادا بھائی نوروجی کا مطالعہ بہت وسیع تھا جس کو انہوں نے اپنی مشہور کتاب *Poverty and Un-British Rule In India* میں قلمبند کیا ہے۔ دولت کی نکاسی کے اثرات کے متعلق ان کا واضح بیان یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزی کے حکومت کے قیام کے بعد ملک میں بڑھتی غربت اور معاشی مفلوک الحالی کے لیے دولت کی نکاسی ہی سب سے اہم اور حقیقی وجہ تھی۔ دوسری تمام وجوہات ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

دادا بھائی نوروجی کی پیروی کرتے ہوئے بہت سے قومی رہنماؤں نے بھی ہندوستان میں بڑھتی ہوئی غربت کے لیے دولت کی نکاسی کو ہی مورد الزام ٹھہرایا۔ دادا بھائی نوروجی کے بعد ایم جی رانا ڈے، آر سی دت، گوپال کرشن گوکھلے اور جی وی جوشی نے دولت کی نکاسی کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اس کے اہم اور نقصان دہ نتائج کا تجزیہ کیا ہے۔ انیسویں صدی میں صحافیوں نے دولت کی نکاسی کے مضر اثرات کو موضوع بحث بنایا مثلاً امرت بازار پتریکا اور مولوی محمد باقر کے مشہور دہلی اردو اخبار نے اس کو موضوع بحث بنایا۔ دہلی اردو اخبار نے تو 1857ء کی جنگ آزادی اور غدر کے لیے دولت کی نکاسی کو ایک اہم وجہ بتایا۔ بعد میں انڈین نیشنل کانگریس نے بھی دادا بھائی نوروجی کے خیال کی حمایت کرتے ہوئے دولت کی نکاسی کو ہی ہندوستان کی غربت کی اصل وجہ بتائی۔

دولت کی نکاسی کے مضر اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے مورخین اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی بدولت ہندوستان نہ صرف دولت سے محروم ہوا بلکہ سرمایہ سے بھی محروم ہو گئے جو کسی بھی ملک کی ترقی کا ضامن ہوتا ہے۔ دولت کی نکاسی کے بدولت ہندوستان اپنے مجموعی سرمایہ سے محروم ہو گیا۔ بپن چندرا نے دولت کی نکاسی کو ملک کے لیے اقتصادی طور پر تباہ کن کو اور مصیبت خیز بتایا ہے۔ ''اخراجات سے بچی ہوئی دولت کسی بھی ملک کے لیے سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی سرمایہ کو حکومت بنیادی ترقی کے لیے استعمال کرتی ہے۔ معیشت کے ہر شعبہ میں سرمایہ کاری کے ذریعہ ہی ترقی کی رفتار میں تیزی آتی ہے۔ لیکن دولت کی نکاسی کی بدولت ہندوستان اس اضافی سرمایہ سے محروم ہو گیا جس کی وجہ سے ترقی کی رفتار سست ہو گئی اور معیشت اپنی پٹری سے اتر گئی۔ قومی پیداوار سست روی کا شکار ہو گئی یا پھر جامد ہو گئی۔ اور ملک میں غریبی بڑھنے لگی۔ جس نے ہر طبقہ کو اس حد تک متاثر کیا کہ ملک میں قحط آنے کے بعد ایک بڑی آبادی لقمہ اجل بن جاتی تھی۔

بپن چندر (Bipan Chandra) مزید لکھتے ہیں کہ ہندوستانی رہنما اس بات کے قائل تھے کہ ملک کی دولت کی غیر ملکوں میں نکاسی کا عوام الناس کی آمدنی اور روزگاری پر بہت مضر اثر پڑتا ہے۔ انہوں نے اس بات کی مزید وضاحت کی ہے کہ اگر یہ دولت ملک میں خرچ

کی جاتی تو ملک میں روزگار مہیا ہوتا اور لوگوں میں خوشحالی آتی۔ لیکن دولت کی نکاسی نے ملک کی معیشت کو مختلف انداز سے متاثر کیا جس سے ملک کی معیشت تباہ و برباد ہو گئی۔ رومیش چندر دت کا خیال ہے کہ ملک میں وصول کیا گیا ٹیکس اگر ملک میں خرچ ہوتا ہے تو پیسہ ملک کے اندر ہی عوام کے درمیان گردش کرتا ہے جس سے تجارت، صنعت اور زراعت سبھی کی آبیاری ہوتی ہے، جس کا کسی نہ کسی شکل میں عوام کو ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر ملک کا وصول شدہ ٹیکس ملک کے باہر جاتا ہے تو ملک کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نقصان ثابت ہوتا ہے جس سے نہ تو ملکی تجارت اور نہ ہی صنعت کو فروغ مل پاتا ہے۔ اور نہ ہی عوام کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے۔ انگریزوں سے قبل مغل حکمرانوں نے ہندوستان کو اپنا ملک تسلیم کر لیا تھا۔ سریندر ناتھ بنرجی اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مغلوں نے لگان اور دیگر ٹیکس عوام سے وصولی کر کے اس رقم کو پھر سے ملک کی ترقی پر ہی خرچ کر دیا جس کا فائدہ بہر حال ہندوستانی عوام کو ہی حاصل ہوا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مغلوں نے صنعت و حرفت کو فروغ دیا جس سے عوام کی خوشحالی میں اضافہ ہوا۔

رومیش چندر دت نے ایک بنگالی شاعر کا حوالہ دیتے ہوئے بہت واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ ٹیکس زمین کی اس نمی کی مانند ہے جس کو سورج سوکھ کر بارش کی شکل میں زمین کو زرخیز کرتی ہے لیکن ہندوستان کی سرزمین سے نمی سوکھ کر غیر ملکی زمین کو زرخیز کرتی ہے۔ رومیش چندر لکھتے ہیں کہ مغل اور افغان حکومت انگریزی حکومت سے کہیں زیادہ بہتر تھی۔ مغلوں نے شاندار قلعے اور محل تعمیر کروائے اور پُر تعیش زندگی پر اصراف نے ملک میں دستکاری اور پیشہ ورانہ ہنر کو فروغ دیا جس کی وجہ سے تجارت اور صنعت کی ترقی ہوئی اور عوام کو روزگار ملا اور ملک میں خوشحالی آئی۔ ٹیکس سے حاصل شدہ آمدنی کو ملک کی ترقی کے لیے خرچ کیا جاتا ہے جس سے ملک کی معیشت ترقی کرتی ہے اور لوگوں کو روزگار کے مواقع ملتے ہیں۔ انگریزوں کے پیش رو مغل حکمرانوں نے ہندوستان کو اپنا تسلیم کر لیا، انہیں جو بھی آمدنی حاصل ہوتی تھی وہ اسی ملک میں ہی خرچ کر دیتے۔ یہیں کی بنی چیزوں کو استعمال کرتے تھے جس کی وجہ یہاں کی تجارت اور صنعت فروغ پا رہی تھی۔ لیکن انگریزوں نے ہندوستان کو کبھی بھی اپنا ملک تسلیم نہیں کیا اور ہمیشہ وہ برطانیہ کی بنی ہوئی اشیاء استعمال کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور آمدنی خواہ وہ تجارت سے ہو یا پھر تنخواہ سے ہو برطانیہ بھیج دیتے تھے جو دولت کی نکاسی کا ایک اہم ذریعہ تھی۔ یہ ہندوستان کے لیے بہت نقصاندہ ثابت ہوا۔ دادا بھائی نے اپنی تحریروں میں انگریزی حکومت کو اس بات کے لیے مستقل تنقید کا نشانہ بنایا کہ دولت کی نکاسی کی بدولت ہندوستان کے اس سرمایہ سے ساتھ دھو بیٹھا ہے۔ جو ملک کی ترقی میں خرچ کیا جا سکتا تھا۔ جو تمام ہندوستانیوں کے لیے مفید ثابت ہوتا۔

قومی رہنماؤں نے یہ تسلیم کیا کہ دولت کی نکاسی نے ملک میں سرمایہ کی ذخیرہ اندوزی (Accumulation of Capital) کو نقصان پہنچایا ہے۔ ملک سے دولت کی نکاسی نے ملکی سرمایہ اندوزی کو حد درجہ موقوف کر دیا۔ جس کی وجہ سے معاشی سرگرمیاں کمزور پڑ گئیں۔ دادا بھائی نوروجی نے 1871ء میں سیلیکٹ کمیٹی کے سامنے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ 'برطانیہ میں محصول شدہ ٹیکس کی مالیت کا 7 کروڑ پونڈ ملک کی ترقی پر خرچ ہوتا ہے کیا فائدہ براہ راست عوام تک پہنچ جاتا ہے۔ ملک کی ترقی بھی اسی سرمایہ پر منحصر ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس ہندوستان میں مالگزاری سے محصول شدہ رقم جس کا تخمینہ 5 کروڑ پونڈ ہے، اس میں سے تقریباً 12 کروڑ پونڈ یا اس سے زیادہ برطانیہ چلا جاتا ہے۔ جو ملکی سرمایہ کا بہت بڑا نقصان ہے اور اس طرح قومی پیداوار میں روز بروز کمی واقع ہوتی جا رہی ہے۔'

دادا بھائی نوروجی نے ویلبی کمیشن(Welby Commission) کے سامنے اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ملکی معیشت دولت کی نکاسی کی بدولت ہی سرمایہ کے ذخیرہ سے محروم ہو رہی ہے۔ اپنے اس بیان پر قائم رہتے ہوئے انہوں نے کمیشن کو یہ باور کیا کہ اگر ہندوستان کی دولت کو بطور ہدیہ برطانیہ برآمد نہیں کیا گیا ہوتا تو ہندوستان میں سرمایہ جمع ہونے کا موقع بخوبی ملتا۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ دولت کی نکاسی نے نہ صرف موجودہ قومی بچت کو کم کیا ہے بلکہ موجودہ موروثی قومی سرمایہ میں تخفیف کا باعث بھی ہے۔ دادا بھائی نوروجی نے اپنے ناقدین کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ ہندوستان کی حکومت کے سرکاری محکموں میں بڑھتی یورپی باشندوں کی تعداد نے دولت کے نکاسی کے عمل کو تیز تر کر دیا۔ دادا بھائی نوروجی نے اس کو کم کرنے کے لیے مقامی ہندوستانی باشندوں کی ملازمت میں تعداد بڑھانے کی تجویز پیش کی۔ اس سے ملک کا سرمایہ کو بچایا جاسکتا تھا اور اس کو زراعت اور صنعت میں سرمایہ کاری کر کے ان شعبوں کو فروغ دیا جاسکتا تھا۔ 12 فروری 1895ء کو برطانوی دارالعوام میں بولتے ہوئے دادا بھائی نوروجی نے کہا تھا کہ سرمایہ کو بہت نقصان ہوا اور ملک وسیع پیمانے پر غربت کا شکار ہو گیا اور نکاسی کی بدولت برطانیہ کو بہت فائدہ ہوا۔

دادا بھائی نے ایک دوسری جگہ دولت کی نکاسی کے نقصان کو بتاتے ہوئے لکھا کہ نکاسی کی وجہ سے ملک میں کسی طرح سرمایہ کو جمع نہیں ہونے دیا گیا۔ رومیش چندر دت نے 1901ء میں دولت کی نکاسی کے مضر اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ دولت کی نکاسی اور اس کے نتائج کو بیان کرنا مشکل ہے۔ پرس کے مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اس کے بدولت کرہ ارض کا ایک ایک خوشحال ملک دیکھتے دیکھتے غربت و افلاس کا شکار ہو گیا۔ ہندوستان قحط اور بھوک کی زد میں آگیا۔

دادا بھائی نوروجی کی طرح دوسرے مورخین مثلاً جی وی جوشی(G.V. Joshi) بھی دولت کی نکاسی کو ملکی سرمایہ کے زیاں کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ مجموعی قومی پیداوار کا نصف حصہ ملک سے باہر برطانیہ کو چلا جاتا تھا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ کچھ سالوں بعد انہوں نے اپنی پہلی قیاس آرائی کی مزید نئے مآخذ کی روشنی میں نظر ثانی کرتے ہوئے بتایا کہ مجموعی قومی آمدنی کا ایک تہائی حصہ غیر ملکوں کے صرفے میں چلا جاتا ہے جس کا ہندوستان کو کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ صریحاً یہ ملکی دولت کا زیاں ہے۔ جس کی وجہ سے ملک میں اکٹھا نہیں ہو پاتا۔ ایم۔ جی راناڈے وسائل اور سرمایہ کی نکاسی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی قومی اثاثہ کا ایک تہائی حصہ کسی نہ کسی شکل میں برطانیہ کو بھیج دیا گیا جو یقیناً بہت بڑا نقصان تھا۔

قومی رہنماؤں نے دولت کی نکاسی کا اثرات کا مختلف سطح پر مطالعہ کر کے اپنے نظریات پیش کئے۔ اس سلسلے میں ڈی ای واچا اور جی ایس ایٹر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دولت کی نکاسی سے پیدا شدہ مسائل میں سرمایہ کا نقصان سب سے اہم مانا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ملک میں سرمایہ کی کمی کی بدولت صنعت و حرفت پر سرمایہ کاری نہ ہونے کے سبب یہ تباہی کا شکار ہونے لگے۔ دادا بھائی نوروجی دولت کی نکاسی کے تباہ کن نتائج کا ذکر ہوئے لکھتے ہیں کہ دیگر ممالک جہاں صنعتی انقلاب کے زیر اثر ترقی کی رفتار تیز ہو گئی تھی ہندوستان کبھی بھی ایسی صنعتی ترقی کی ضرورت تھی مگر وسائل اور سرمایہ کی کمی نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچنے سے روک دیا۔ اگر دولت کی

نکاسی نہیں ہوتی تو ہندوستان کے پاس دولت کا وسیع ذخیرہ ہوتا اور اس کی سرمایہ کاری کر کے اپنی معیشت کو دیگر ترقی یافتہ ممالک کی طرح فروغ دیتا۔ دانشا اید و لجی واچا کا خیال ہے کہ دولت کی نکاسی کی وجہ سے وسائل اور سرمایہ کی کمی ہندوستان کی صنعتی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ ویلبی کمیشن کے سامنے اپنا بیان درج کراتے ہوئے دادا بھائی نوروجی نے اس حقیقت سے کمیشن کو بارہا آگاہ کیا۔ اس کے نتائج پر بھی انہوں نے کمیشن کے سامنے اپنا خیال رکھا۔ زیادہ تر قومی رہنماؤں کا خیال تھا کہ دولت کی نکاسی ایک طرف ہندوستان کے سرمایہ کے ذخیرہ میں تخفیف کا باعث بنا وہیں برطانیہ میں وہاں کی معیشت کی ترقی اور شرح نمو میں گراں قدر اضافہ کر کے صنعتی انقلاب لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

دادا بھائی نوروجی نے غیر ملکی سرمایہ داروں کے ذریعہ ہندوستان کے وسائل کے استحصال کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ غیر ملکی سرمایہ کی ہندوستان میں آمد اور بغیر کسی مقامی مقابلہ کی صورت میں یہاں کے وسائل پر قبضہ جمانے اور منافع کمانے میں انگریزوں کی بالادستی قائم ہوگئی جن کا انگریزوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ پھر یہاں کی دولت کو اکٹھا کر کے غیر ملکی سرمایہ کے طور پر ہندوستان میں لا کر سرمایہ کاری سے بھی انگریزوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ مثلاً ریلوے میں سرمایہ کاری اور اس سے منافع ہندوستان کے وسائل کا بھی ریلوے کی مدد سے خوب استحصال کیا اور برطانیہ کی مشین سے تیار شدہ مصنوعات کو لا کر پورے ملک میں تقسیم کر کے یہاں کے بازار پر قبضہ کر لیا۔

رمیش چندر دت اس بات کی پر زور حمایت کرتے ہیں کہ دولت کی نکاسی اور مالگزاری کا بوجھ ہندوستان میں غربت کی اصل وجہ تھی۔ چونکہ مالگزاری سے حاصل آمدنی ہی دولت کی نکاسی کا ذریعہ تھی لہٰذا ان دونوں میں ایک تعلق تھا اور اسی وجہ سے کسان مفلوک الحالی کا شکار ہوئے۔ رومیش چندر دت نے اپنی کتاب اکانومک ہسٹری آف انڈیا جلد دوم میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انگریزی حکومت ہوم چارجز کے نام پر جو وصولی کرتی تھی وہ تو وصول کئے گئے مالگزاری کی پوری رقم کے برابر تھا۔ اس سے دولت کی نکاسی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ڈی ای واچا نے دولت کی نکاسی کے مضر اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے ہوئے لکھا تھا کہ اس نے زراعت کے میدان میں سرمایہ کاری کے تمام تر امکانات کو معدوم کر دیا تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر ملک کی دولت باہر چلی جائے تو زرعی ترقی پر بھی اس کا منفی اثر پڑتا ہے۔ دانشور اس بات پر بھی متفق نظر آتے ہیں کہ ملک کا اثاثہ جب دوسرے ملک کو چلا جاتا ہے تو اس کا منفی اثر بین الاقوامی تجارت پر بھی پڑتا ہے۔ اثاثہ کی نکاسی کی وجہ سے قومی آمدنی میں کمی آنا یقینی ہوتا ہے۔ ملک کی معاشی شرح نمو اگر بہتر ہے تو ایسی صورت میں ترقی کی رفتار پرواز کی طرف چل پڑتی ہے مثلاً ہندوستان سے حاصل دولت کی بدولت برطانیہ کی معیشت کی شرح نمو میں دو فیصد اضافہ ہوا۔ اس طرح برطانیہ کی شرح نمو 7 فیصد پر پہنچ گئی اور معیشت کی ترقی نے رفتار پکڑ لی اور وہاں صنعتی انقلاب آگیا۔ اس کے برخلاف دولت کی نکاسی ہندوستان کے لیے بہت بڑا خسارہ ثابت ہوئی کیونکہ ہندوستان ایک صنعتی ملک بننے کی تمام صلاحیتیں کھو بیٹھا۔ ہندوستانی تاجروں کی تجارت مکمل طور پر انتشار کا شکار ہوگئی۔ سرمایہ کے فقدان کی صورت میں صنعت و حرفت بھی روبہ زوال ہوگئی۔ اس کی وجہ سے بڑے بڑے صنعتی شہر بھی زوال کا شکار ہوگئے اور اس عمل کو مورخین عدم صنعت کاری (De-Urbanization) سے موسوم کرتے ہیں۔ دولت کی نکاسی کی وجہ سے بنگال میں اشیا کی قیمتوں میں بھاری گراوٹ دیکھنے کو ملی۔ اگر اس دولت کو ہندوستان میں خرچ کیا گیا ہوتا تو ملک میں روزگار کے مواقع فراہم ہوتے، لوگوں میں

خوش حالی آتی، جس کی وجہ سے تجارت فروغ پاتی، لوگوں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا۔ دادابھائی نوروجی نے انہیں اسباب کی بنیاد پر دولت کی نکاسی کو ہندوستان کی غربت کی اصل وجہ بتائی۔ ان کے مطابق دوسرے تمام وجوہات ثانوی تھے۔ کچھ قومی مورخین یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان میں جدید صنعتی ترقی کی سست رفتاری کی حقیقی وجہ دولت کی نکاسی تھی کیونکہ سرمایہ کاری کے لیے ملک میں پیسہ نہیں تھا۔ دادابھائی مزید لکھتے ہیں کہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ انگریز ہندوستان کی دولت برطانیہ لے جارہے تھے۔ جب وہاں سرمایہ کی بہتات ہوگئی تو سامراجیت کے تیسرے مرحلہ میں انگریز برطانیہ سے دولت ہندوستان بھیج رہے تھے لیکن یہ دولت قرض کی شکل میں تھا پہلے ہندوستان کو یہ قرض چکانا تھا۔ اس پر بہت سود ہوتا تھا جسے ہندوستان کی دولت سے ہی چکایا جاتا تھا۔ بقول دادابھائی 'یہ پورا عمل ایک شیطانی اور اشتعال انگریز دائرہ میں چل رہا تھا' ہندوستانی معیشت کے استحصال کا یہ سلسلہ 1947ء تک چلتا رہا۔

برطانوی سرکار کی عوامی قرض کی پالیسی اور اس پر سالانہ سود کی ادائیگی کا مطلب ہندوستانی کسانوں پر مالگزاری کا بوجھ بڑھتا جارہا تھا۔ برطانیہ سے لائے گئے قرض کی وجہ سے ہندوستانیوں پر اعلیٰ رجعتی ٹیکس لاگو کیا گیا۔ جس سے ہندوستانی کسانوں کی حالت مزید ابتر ہوتی چلی گئی۔ دادابھائی نوروجی کے مطابق ''1887ء میں ہندوستان میں ٹیکس کا بوجھ آمدنی کا 1423 فیصد تھا جبکہ ترقی یافتہ اور خوشحال ملک برطانیہ میں اس وقت ٹیکس کا بوجھ تمام شہریوں پر ان کی آمدنی کا صرف 4593 فیصد تھا۔ ہندوستان جیسے غریب ملک میں ٹیکس کا بوجھ بہت جابرانہ تھا۔ قوم پرست رہنما انگریزوں کی اس منصوبہ کی سخت تنقید کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ''غیر ملکی سرمایہ'' کسی بھی ملک کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ یہ اس ملک کی ترقی یا پھر اس کی خوشحالی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کے استحصال اور غربت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ کے سستے سود پر مہیا غیر ملکی سرمایہ سے ہندوستان کو فائدہ ہوا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہندوستان کو ایسے قرض کی ضرورت تھی ہی نہیں۔ دوم صحیح اور مفید طریقہ سے اس کا استعمال نہیں ہوا۔ دادابھائی نوروجی نے دولت کی نکاسی کے نتائج کے ضمن میں ایک اور اہم خسارہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ ہے اخلاقی نکاسی (Moral Drain)۔ اس کے لفظی معنی کے بجائے ہم اسے تخلیقی نکاسی کہہ سکتے ہیں کیونکہ دادابھائی کے مطابق اس کا مطلب ہندوستانیوں کو اپنے ہی ملک میں اہم عہدوں اور اعلیٰ رتبوں سے ان کو محروم کرنا تھا۔ کیونکہ انگریزوں کی پالیسی تھی کہ انتظامیہ کے تمام اعلیٰ عہدوں پر صرف اور صرف انگریز ہی فائز ہو سکتا تھا اور ہندوستانیوں کی اہلیت اور صلاحیت پر سوالیہ نشان لگاتے ہوئے ان کو مکمل طور پر مستثنیٰ رکھا جاتا تھا۔ دادابھائی مزید لکھتے ہیں کہ ''قدرت ہر ملک کے باشندوں کو صلاحیت، استعداد، ذہانت اور فطانت اور قابلیت ودعیت کرتی ہے لیکن ہندوستانیوں کے لیے یہ گم شدہ خزانہ تھا۔'' کیونکہ اگر ان کو اس کی صلاحیت اور استعداد اور قابلیت کا جوہر دکھانے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے تو یہ صلاحیتیں رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا انگریزوں نے ایسی پالیسی مرتب کی جس میں ہندوستانیوں کو اپنی صلاحیت اور لیاقت کا مظاہرہ کرنے کا موقع جان بوجھ کر نہیں دیا گیا جسے دادابھائی نوروجی صلاحیتوں کے زوال سے تعبیر کرتے ہیں۔

دادابھائی نوروجی کا خیال تھا کہ انتظامیہ میں اعلیٰ عہدوں پر یورپینوں کی تقرری، ایک سوچی سمجھی اسکیم کا حصہ ہے۔ باصلاحیت ہندوستانیوں کو اعلیٰ ملازمتوں سے محروم رکھنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ امتیازی سلوک کی مثال ہے۔ باصلاحیت ہندوستانیوں کی ملازمت سے محرومی کا مطلب ان کی صلاحیتوں کی بربادی تھی۔ دادابھائی نوروجی نے لارڈ ہیملٹن سکریٹری امور خارجہ کو خط لکھ کر اس بابت اپنا احتجاج بھی

درج کرایا تھا۔ لارڈ کرزن نے انڈین لجسلیٹو کونسل میں بولتے ہوئے ہندوستانیوں کی انتظامیہ میں عدم شمولیت کا سختی سے انکار کیا تھا۔ کرزن کے مطابق ان اعلیٰ عہدوں پر یورپی اور یوریشیائی صرف 55 فیصد ہی فائز تھے۔ لارڈ کرزن کی اس دلیل کہ سول سروسز میں یورپی کو غیر ضروری حمایت حاصل نہیں تھی کا سبرامنیا آیئرنے اپنے ایک مضمون میں تنقید کا نشانہ بنایا۔ سبرامینا آیئر نے اعداد و شمار کی روشنی میں لکھا کہ ایک ہزار روپیہ سے زیادہ تنخواہ پر کام کرنے والے ملازمین میں یورپینوں اور یوریشینوں کی تعداد ہی بہت زیادہ تھی۔ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ میں 133 پوزیشنوں میں 11 ہندوستانی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح محکمہ مالگزاری میں یورپینوں اور یوریشینوں کی مجموعی تعداد 95 ہے جبکہ محض 19 ہندوستانی ہیں۔ اسٹیٹ ریلوے ڈیپارٹمنٹ میں 95 یورپیین ہیں اور کوئی بھی ہندوستانی نہیں ہے۔ عدلیہ میں یہی صورت حال ہے۔ جان میکلین ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ 1903-1867ء تک یوروپین اور یوریشین اعلیٰ افسران کی مجموعی تعداد 591 تھی جبکہ ان اعلیٰ ملازمتون میں 84 ہندوستانی تھے یعنی 14 فیصد سے بھی کم ہندوستانی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

2.11 سیاسی اثرات (Political Impacts)

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دولت کی نکاسی کے اثرات ہندوستانی معیشت تک محدود تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس کے واضح اثرات ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی زندگی پر مرتب ہوئے۔ جس کا مطالعہ مورخین نے اپنے نقطہ نظر سے کیا ہے۔ اور اس کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ دولت کی نکاسی کا اثر سیاسی زندگی پر نمایاں طور پر مرتب ہوا۔ مثلاً قومی سیاستدانوں نے دولت کی نکاسی کے نظریہ کو کتاب، اخبار اور جرائد کے ذریعہ اجاگر کیا۔ مصنفین، اخبار نویسوں اور صحافیوں نے دولت کی نکاسی کے طریقہ کار اور اس کے منفی اثرات سے عوام کو روشناس کرایا۔ انہوں نے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہندوستان کی غربت اور پسماندگی کی خاص وجہ صرف اور صرف دولت کی نکاسی ہے۔ اس طرح سیاسی اتحاد قائم کرنے میں اس نظریہ کے خلاف پروپیگنڈہ نے اہم کردار ادا کیا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہندوستانی سماج مختلف ذات، طبقوں، برادریوں، مذہبی فرقوں میں منقسم ہے۔ سیاسی رہنماؤں کے لیے ان کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر اتحاد قائم کرنا دشوار کن مرحلہ تھا۔ لیکن ان کے معاشی استحصال اور غربت کی وجوہات کے لیے صرف انگریزوں کو موردالزام ٹھہرا کر ان کی صفوں میں اتحاد قائم کرنا سیاسی رہنماؤں کے لیے بہت آسان ثابت ہوا۔ انہوں نے عوام کو معاشی پشماندگی سے نکال کر ایک نئے خوشحال مستقبل کا خواب دکھایا۔ اس طرح ایک خوش حال مستقبل کا خواب لیکر تمام ہندوستانی سیاسی طور پر متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف جدوجہد آزادی میں شامل ہوتے۔ سیاسی رہنماؤں کا اتفاق تھا کہ معاشی پستی کا حد سیاسی طور پر حاصل ہو سکتا ہے لہٰذا دولت کی نکاسی کے خلاف تمام سیاستداں اور رہنما متحد ہوئے اور سیاست میں پہلے سے زیادہ سرگرم ہوئے۔ دولت کی نکاسی کے نظریے نے عوام کو بھی فعال اور سرگرم بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بپن چندرا نے اپنی کتاب رائز اینڈ گروتھ آف اکونومک نیشنلزم ان انڈیا میں اس موضوع پر تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ سب سے اہم یہ کہ برطانیہ اور ہندوستان کے مابین موروثی سیاسی تنازعہ کو دولت کی نکاسی کے نظریہ کے منظر عام پر لا دیا۔ تاریخی اعتبار سے دولت کی نکاسی کے نظریہ نے برطانوی سامراجیت کے استحصال کے طریقے اور غیر ملکی رویہ کو اجاگر کیا۔ عوام الناس کو غیر ملکی حکومت کے مضر اثرات سے روشناس کیا اور ملک میں انگریز مخالف تحریک کو مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ برطانوی سامراجیت کی مخالفت میں دولت کی نکاسی ایک مؤثر نعرہ تھا، جس

نے ہندوستانیوں کو متحد کیا۔

2.12 دولت کی نکاسی کی تخفیف کے طریقہ کار (Mechanisms to Mitigate the Drain of Wealth)

دادابھائی نوروجی نے دولت کی نکاسی کو ہندوستان کی غربت اور افلاس کی سب سے اہم وجہ بتائی اس کو تمام برائیوں کی برائی سے تعبیر کیا۔ ہندوستان عہد وسطی یہاں تک کہ انگریزوں کی آمد اور برطانوی حکومت کے قیام تک ایک خوشحال ملک تھا۔ زراعت ترقی پذیر تھی صنعت و حرفت مثالی تھی۔ تجارت بہت وسیع اور منافع بخش تھی اور عوام الناس خوشحال تھے۔ لیکن برطانوی حکومت کے قیام کے بعد انگریزوں کی جانبدارانہ اور امتیازی سلوک والی معاشی پالیسی نے ملک کی معیشت کے ہر شعبہ کو تباہ کن حد تک متاثر کرکے ملک کو غریبی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا۔ دولت کی نکاسی کے ذرائع اور منفی اثرات کے مطالعہ کے بعد مورخین کا خیال ہے کہ اس کے مضر اثرات کو کچھ طریقوں سے کم کیا جاسکتا تھا اگر دولت کی نکاسی کی مجموعی مقدار کو کم کر دیا جاتا، منافع دیا جاتا، غیر ملکوں میں عوامی قرضہ پر سود کی ادائیگی، سول اور ملیٹری اخراجات یا پھر برطانیہ میں ہندوستانی ضروریات کے لیے اشیا کی خریداری وغیرہ۔ ہندوستانی رہنما اس مد میں کٹوتی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ گھریلو اخراجات کو کئی طریقہ سے کم کیا جاسکتا تھا مثلاً

1. برطانیہ میں ہندوستان کے لیے عوامی قرض پر سود کی رقم کو گھٹا کر نکاسی کو کم کیا جاسکتا تھا۔
2. عوامی قرض کو کم کرکے بھی نکاسی کو کچھ حد تک کم کیا جاسکتا تھا۔
3. سود کی شرح کو شاہی ضمانت دے کر کے کم کیا جاسکتا تھا کیونکہ سود کی شرح بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے کافی دولت برطانیہ کو منتقل ہو جاتی تھی
4. عوامی قرض کو برطانیہ کے بجائے ہندوستان میں اکٹھا کرکے کم کیا جاسکتا تھا۔
5. ریلوے کی تعمیرات میں تیز رفتاری کو کم کرکے ریلوے کے قرض کے بوجھ کو بھی کم کیا جاسکتا تھا جو خود بخود نکاسی کے عمل پر روک لگادیتا۔
6. ہندوستان میں انتظامیہ کے لیے ضروری اشیا کی خریداری کرکے اخراجات کو بچایا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اس سے نقل و حمل کی لاگت کو بچایا جاسکتا تھا۔
7. ہندوستان صنعتی تجدید کاری اور صنعت و حرفت کو فروغ دے کر غیر ملک سے غیر ضروری درآمدات کو کم کیا جاسکتا تھا جس سے زرمبادلہ میں خود بخود تخفیف ہو جاتی اور ہندوستان کو غیر ضروری درآمدات پر غیر ضروری اخراجات سے بچایا جاسکتا تھا۔
8. ملک میں زیر تعمیر منصوبوں پر اخراجات کے لیے نجی غیر ملکی سرمایہ کی درآمد کو کم کرکے بھی بے جا اصراف کو بچایا جاسکتا تھا جس کی وجہ سے دولت کی نکاسی کے عمل کو روکا جاسکتا تھا۔
9. ہندوستانی رہنماؤں نے ہندوستانی دولت کی نکاسی کے تدارک کے طور پر سول اور ملیٹری سروسز کی انڈینائزیشن کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ تنخواہ اور پینشن کی مد میں بہت زیادہ خرچہ آتا تھا۔ انتظامی امور میں ہندوستانیوں کی تقرری کرکے اس بے جا خرچ کو بچایا جاسکتا تھا۔

دولت کی نکاسی کے متعلق مورخین کے مابین کئی مسئلوں پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے مثلاً کچھ کا خیال ہے کہ جب تک دولت کی نکاسی چلتی رہے گی، اس وقت تک ہندوستان کی معیشت ترقی نہیں کر سکتی۔ کسی صورت یہ عمل رک جائے تو معیشت قدرتی طور پر ترقی کے راستے پر گامزن ہو جائے گی۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ دولت کی نکاسی کے عمل میں نہ صرف رکاوٹ بلکہ اس کی مقدار میں تخفیف بھی معاشی سرگرمیوں کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ اور بقول بپن چندرا ''غربت اور قحط کے خاتمہ کے لیے اہم جز ہے۔'' ہندوستان سے برطانیہ دولت کی بے پناہ منتقلی کے سبب ملک میں سرمایہ کا فقدان ہو گیا۔ لہٰذا کسی بھی شعبہ میں سرمایہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی جس کے سبب معاشی تجدید کاری ناممکن تھی۔ اسی بنیاد پر مورخین جیسے دادا بھائی نوروجی اور آر سی دت دولت کی منتقلی میں کمی کی بات کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس تخفیف سے بھی برطانیہ کو فائدہ ہی ہوگا کیونکہ وہ اپنے درآمدات کو کئی گنا بڑھا سکتے تھے۔'' اور اس تخفیف کی وجہ سے لوگوں کی قوت خرید میں اضافہ ہوتا اور صنعتی مصنوعات کی فروخت کئی گنا بڑھ جاتی جس کا منافع بہرحال برطانیہ کو ہی ملتا۔ مورخین نے دولت کی نکاسی میں تخفیف کے موضوع پر بھی گفت وشنید کی کہ اس میں کیسے تخفیف کی جاسکتی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ اگر نکاسی کے وجوہات ختم کر دیے جاتے تو خود بخود اس میں کمی واقع ہو جاتی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس کے تدارک کے اقدامات پر بھی تجاویز پیش کیں،

2.13 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دولت کی نکاسی کا سب سے اہم ذریعہ گھریلو اخراجات (Home Charges) تھے۔ اس کے تحت مختلف شعبوں میں جو اخراجات ہوتے تھے اس کو ہندوستان کی جانب سے برطانیہ ہی کا سیکریٹری برائے امور خارجہ خرچ کرتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصص رکھنے والوں کو ہندوستان کی معاشی پسماندگی کی بنیادی وجہ غیر ملکی حکومت کا قیام اور تسلط معلوم ہوتی تھی۔ 1897ء میں لارڈ میکالے نے ویبلی کمیشن کے سامنے اپنا بیان درج کراتے ہوئے یہ اعتراف کیا تھا کہ ہندوستان برطانوی حکومت کی موروثی اور اہم خالی معاشی، سیاسی اور فکری نکاسی تھی جو غیر ملکی تسلط اور حکمرانی کا جزلانیفک تھا۔' اور بپن چندرا کے مطابق یہ اس اصول کے منافی تھا کہ ہندوستانیوں کو یہاں کے انتظامیہ میں کوئی حصہ داری نہیں تھی اور نہ ہی روزگار میں ان کو مواقع میسر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دادا بھائی نوروجی نے اس بات کا اعتراف کیا کہ برطانوی حکومت کی خصوصیت ''فائدہ مند، رعایا پرور، مخیر اور انسان دوستی دراصل ایک سراب ہے۔'' ان کا خیال ہے کہ ملک میں غربت وافلاس اور صنعتی ترقی کے فقدان کے لیے دولت کی نکاسی ہی بہت حد تک ذمہ دار تھی۔

2.14 کلیدی الفاظ (Keywords)

بلین	:	سوناچاندی
پونڈ	:	برطانوی کرنسی جو اس وقت تقریباً 10 ہندوستانی روپیے کے برابر تھی۔
ادائیگی کا توازن	:	(Balance of Payment) یعنی ادائیگی کی مقدار میں اشیا کا تبادلہ بھی ہوتا رہے۔

2.15 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.15.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. دولت کی نکاسی سے کیا مراد ہے؟
2. دولت کی نکاسی کا نظریہ کس نے دیا تھا؟
3. دادابھائی نوروجی کی کتاب کا نام کیا ہے؟
4. دولت کی نکاسی کے دو اسباب بتائیے۔
5. ہولڈن فربر نے دولت کی نکاسی کا کتنا تخمینہ لگایا ہے؟
6. دولت کی نکاسی کی ابتدا کب ہوئی؟
7. گھریلو اخراجات سے کیا مراد ہے؟
8. انڈین نیشنل کانگریس نے دولت کی نکاسی کو کب اپنے ایجنڈے میں شامل کیا؟
9. دولت کی نکاسی کے دو نقصانات بتائیے۔
10. دادابھائی نے سب سے پہلے کس مضمون میں دولت کی نکاسی پر تبصرہ کیا تھا؟

2.15.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. دولت کی نکاسی کی ابتدا اور مفہوم پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. دادابھائی نوروجی کی خدمات کا احاطہ کیجیے۔
3. دولت کی نکاسی کے متعلق مورخین کے خیالات کو قلمبند کیجیے۔
4. دولت کی نکاسی کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔
5. دولت کی نکاسی کے طریقہ کار پر تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

2.15.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. دولت کی نکاسی کے طریقہ کار اور تخمینہ پر ایک مفصل نوٹ لکھئیے۔
2. دولت کی نکاسی کے ہندوستانی معاشرے اور معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ لکھئیے۔
3. دولت کی نکاسی پر جامع اور مدلل نوٹ لکھئیے۔

2.16 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bandyopadhyay, Sekhar, *From Plassey to Partition*: *A History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2009.
3. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
4. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
5. Chandra, Bipan, *History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2014 (first pub. 2009).
6. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
7. Dube, Ishita Banerjee, *A History of Modern India*, Cambridge University Press, New Delhi, 2019.
8. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
9. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
10. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
11. Sarkar, Sumit, *Modern India, 1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
12. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
13. Tharoor, Shashi, *An Era of Darkness*: *The British Empire in India*. Aleph, 2016.
14. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 3۔ مستقل بندوبست: مقاصد، نفاذ اور اس کے اثرات

(The Permanent Settlement – Objectives, Operation and Its Effects)

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید
3.1 مقاصد
3.2 استمراری بندوبست سے قبل بنگال کا زرعی نظام
3.3 استمراری بندوبست کا آغاز
3.4 استمراری بندوبست کا نفاذ: اغراض و مقاصد
3.5 لارڈ کارنوالس کا حکام کے ساتھ مکالمہ
3.6 استمراری بندوبست کی خصوصیات
3.7 استمراری بندوبست کی خوبیاں
3.8 استمراری بندوبست کی خامیاں
3.9 بندوبست کے لیے قومی رہنماؤں کی حمایت
3.9.1 کانگریس کا نقطہ نظر اور ردّ عمل
3.9.2 مہاتما گاندھی کا ردِّ عمل اور کانگریس کی پالیسی میں تبدیلی
3.10 اکتسابی نتائج
3.11 کلیدی الفاظ
3.12 نمونہ امتحانی سوالات
3.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
3.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
3.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
3.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید (Introduction)

ہندوستانی حکومتیں، زمانہ قدیم سے زمین کی پیداوار کا ایک حصہ مالگزاری کے طور پر وصول کرتی رہی ہیں۔ عہد وسطی میں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ محصول کی وصولی کا ایسا ہی نظام رائج رہا۔ محصول کی وصول کا کام حکومت یا تو براہ راست اپنے ملازموں کے ذریعہ ان نجام دیتی تھی یا اپنے گماشتوں مثلاً زمینداروں اور پٹہ داروں وغیرہ کی مدد سے کرتی تھی جو کاشتکاروں سے لگان وصول کر کے اس کا ایک مقررہ حصہ کمیشن کے طور پر خود رکھتے اور باقی حکومت کو ادا کرتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر زمین کا محصول جمع کرنے کا ہی کام کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کے پاس خود اپنی زمینیں بھی ہوتی تھیں جس سے وہ محصول حاصل کرتے تھے۔ 1765 میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کا اختیار مل گیا۔ 1773 میں وارن ہسٹنگز نے نیلامی کے ذریعہ بولی لگوا کر لگان وصل کرنے کا حق سب سے زیادہ بولی لگانے والے کو دے دیا۔ طویل بحث ومباحثے اور غور وخوض کے بعد لارڈ کارنوالس نے پہلی بار 1793 میں بنگال اور بہار میں استمراری بندوبست لاگو کیا۔ اس فیصلے کی دو خاص باتیں تھیں اول تو یہ کہ زمینداروں اور لگان جمع کرنے والوں کو متعدد مالکان زمین میں بدل دیا گیا۔ ان کی ملکیت کے حق موروثی اور انتقال پذیر بنادیا گیا۔ دوسری طرف زراعت کرنے والوں کی حیثیت گھٹ کر محض عارضی لگان دار کی رہ گئی۔ انہیں زمین سے متعلق سے بھی محروم کر دیے گئے۔ لگان داروں کو زمینداروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ ایسا صرف اس لیے کیا گیا تاکہ زمیندار زمین کے لگان سے متعلق کمپنی کے بے انتہا مطالبات کد وقت پر پورا کر سکیں۔ اس فیصلہ کی رو سے زمیندار، مجبور کسانوں سے حاصل کی گئی رقم کا 10/11 حصہ حکومت کو دیں گے اور 1/11 حصہ اپنے پاس رکھیں گے۔ استمراری بندوبست میں لگان کی شرح بہت زیادہ طے کی گئی تھی۔ جان شور جو لارڈ کارنوالس کی جگہ گورنر جنرل مقرر ہوا، کے نتیجے کے مطابق اگر بنگال کی آمدنی کو 100 روپے مان لیا جائے تو اس میں حکومت کو 45 فیصد مل جاتا تھا اور زمیندار اور ان کے ہر کارے 15 وصول کر لیتے تھے۔ اس طرح کاشتکار کے پاس صرف 40 فیصد بچتا تھا۔ استمراری بندوبست، بعد کے دنوں میں اڑیسہ، مدراس کے شمال ضلعوں اور بنارس میں بھی لاگو کر دیا گیا۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- استمراری بندوبست سے قبل بنگال کا زرعی نظام کیسا تھا، جان سکیں گے۔
- انگریزی حکومت کے ذریعہ اس میں کیا تبدیلیاں لائی گئیں، سمجھ سکیں گے۔
- استمراری بندوبست کے کیا اغراض ومقاصد تھے، تجزیہ کر سکیں گے۔
- استمراری بندوبست کی کیا خصوصیات تھیں، معلوم کر سکیں گے۔
- استمراری بندوبست کی خوبیوں اور خامیوں کو بھی جان سکیں گے۔
- اس بندوبست سے متعلق قومی رہنماؤں اور مہاتما گاندھی کے نقطہ نظر اور اس کے خاتمہ سے واقف ہو سکیں گے۔

3.2 استمراری بندوبست سے قبل بنگال کا زرعی نظام

(Agrarian System of Bengal before Permanent Settlement)

زمانہ قدیم سے ہی زراعت ہندوستان میں لوگوں کا اہم پیشہ تھا۔ ہڑپّہ تہذیب میں بھی زراعت کے شواہد ملتے ہیں۔ قدیم ہندوستان، عہد وسطی کی حکومتوں میں بھی مالگزاری آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ تھی۔ کیونکہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے جس کی اکثریتی آبادی زراعت پر منحصر ہے۔ مالگزاری نظام کو دیہی طبقہ ہی منظم کرتا تھا۔ دیہی طبقہ بھی انتظامی امور کے لیے ذمہ دار تھا۔ اس عہد میں کسان، زمین پر روایتی حقوق سے مستفیض ہوتے تھے۔ لہٰذا حکمراں طبقہ زراعت اور مالگذارری نظام کو بہتر طریقہ سے منظم کرنے کے لیے پابند تھا۔ زراعت کی ترقی اور مالگزاری وصول کرنے کے لیے تربیت یافتہ عملہ کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔

3.3 استمراری بندوبست کا آغاز (Origin of the Permanent Settlement)

بکسر کی جنگ کے بعد برطانوی حکومت کے قیام کا راستہ عملی طور پر ہموار ہوگیا۔ ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرنے اور علاقائی توسیع پسندی کے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جنگ ناگزیر تھی۔ فتوحات کے ذریعہ انگریز یکے بعد دیگرے ہندوستانی ریاستوں کو اپنا قبضہ جمانے لگے۔ جنگی اخراجات انگریزوں کے لیے ایک بڑا چیلینج تھا۔ اس کے لیے انہیں مستقل آمدنی کی ضرورت تھی۔ اس وقت مالگذارسی سرکاری آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ تھا۔ لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال اور علاقائی حکومتوں کے عروج سے سیاسی انتشار نے مالگزاری کے نظام کو متاثر کیا جس کی وجہ سے مالگزاری کا حصول غیر یقینی اور غیر مستقل بن گیا۔ قدرتی آفات یا پھر کسی دوسری وجہ سے فصلوں کی تباہی کی صورت میں پیداوار میں کمی متوقع مالگزاری کے حصول میں بڑی رکاوٹ تھی۔ اس سے سرکار کو دشواری اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد بنگال میں مقامی حکومت نے بھی مغلوں کے قائم کردہ بنیادی ڈھانچہ میں معمولی تبدیلی کے ساتھ اسی نظام کو رائج رکھا۔ انگریزوں نے پلاسی کی جنگ اور دیوانی اختیارات کے حصول کے بعد مالگزاری کے اسی نظام کو اپنایا۔ مالگزاری کا نظام ہمیشہ سے ایک پیچیدہ اور مشکل امر تھا۔ برطانوی حکومت کو ہندوستانی مالگزاری اور عدلیہ سے متعلق بہت کم معلومات تھی۔ جس کی بدولت یہ مسئلہ مزید پیچیدہ ہوگیا۔

وارن ہسٹنگز نے بالآخر مالی دشواریوں کی شکار کمپنی کی اصلاح کے لیے 1772 میں اجارہ داری نظام (Farming) شروع کیا۔ اس میں مالگزاری کے حصول کے لیے نیلامی میں سب سے زیادہ بولی لگانے والے کو لگان وصولنے کا اختیار دے دیا گیا۔ یہ پنج سالہ نظام تھا جو بہت کامیاب نہیں ہوسکا۔ زمیندار، نیلامی کے وقت زیادہ بولی لگاتے تاکہ لگان وصول کرنے کا حق ان کو حاصل ہوجائے۔ وصولی کے بعد زمیندار محسوس کرتے کہ محصول کی نیلامی میں بولی گئی رقم، حاصل شدہ رقم سے بہت کم ہے۔ خسارہ کو پورا کرنے کے لیے کسانوں کا استحصال ہونے لگا۔ اجارہ داری نظام کی وجہ سے کسانوں کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ کیونکہ لگان کئی گنا بڑھ گیا اور کسان تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ گئے۔ اس پنج سالہ نظام کی ناکامی کے بعد 1777 میں اس کو ترک کرکے سالانہ نظام (Annual System) شروع کیا گیا۔ اس کے تحت مالگزاری کا نظام مزید پیچیدہ ہوگیا اور ممکنہ اندازہ سے بہت کم لگان حاصل ہوا جس کی بدولت کمپنی کو مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح

کمپنی کے سامنے غیر یقینی آمدنی کی صورت حال برقرار رہی۔ سالانہ مالگزاری کے نظام کے منفی اثرات کی وجہ سے برطانیہ میں بھی اس کی شدید مخالفت ہوئی۔

1784 میں برطانوی پارلیامنٹ نے ایک قانون پاس کر کے کورٹ آف ڈائریکٹرس کو مالگزاری سے متعلق مستقل لائحہ عمل تیار کرنے کی ہدایت جاری کی۔ 1784ء میں لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ اس کو یہ ہدایت بھی دی گئی کہ وہ ہندوستان جا کر ایک قابل قبول اور معیاری مالگزاری نظام کا خاکہ تیار کرے تاکہ مستقبل میں کمپنی کی آمدنی کے حصول کو یقینی بنایا جاسکے۔ لارڈ کارنوالس نے بخوبی اندازہ کر لیا کہ موجودہ نظام کمپنی اور بنگال کی معیشت کے لیے تباہ کن ہے۔ زراعت برباد ہو رہی ہے۔ کورٹ آف ڈائریکٹرس نے لارڈ کارنوالس کو صلاح دی کہ زراعت کی تباہی سے تجارت متاثر ہو رہی ہے اور صنعت و حرفت بھی متاثر ہو رہی ہے لہٰذا وہ دس سالہ نظام نافذ کرنے کا خاکہ تیار کریں اور اس کے فوری نفاذ کو یقینی بنائیں کیونکہ بنگال میں تجارت اور صنعت کا دارومدار زراعت پر ہی مبنی تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ لارڈ کارنوالس کے ہندوستان آنے سے پہلے بھی انگریز حکام نے مالگزاری کے نظام میں اصلاحات کرنے اور ایک پائیدار نظام قائم کرنے کا خاکہ تیار کیا تھا۔ اس ضمن میں الیگزنڈر ریڈ، ہنری پٹولو، فلپ فرانسس اور تھامس کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حکام کا نظریاتی تعلق فیزیوکریٹک مکتب فکر (Physiocratic School) سے تھا۔ یہ اسکول ملک کی معیشت میں بنیادی طور پر زراعت کی بالادستی کو تسلیم کرتا تھا۔ لہٰذا وہ ہمیشہ زراعت اور اس سے منسلک نظام کو فوقیت دیتے تھے۔ لارڈ کارنوالس بذات خود ایک بڑا زمیندار تھا۔ وہ زمینداروں کے ساتھ بندوبست کرنے کا حامی تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ برطانیہ کی طرح یہاں بھی زمیندار زراعت میں سرمایہ کاری کرے گا۔ اس سے زرعی پیداوار میں خوش آئند اضافہ ہوگا جو زمیندار اور کسان دونوں کے حق میں سودمند ثابت ہوگا۔ بنگال میں زمینداروں کا ایک بڑا طبقہ موجود تھا۔ لہٰذا کورٹ آف ڈائریکٹرس نے 1786ء میں کارنوالس کو زمینداروں کے ساتھ دس سالہ بندوبست شروع کرنے کے احکامات جاری کئے۔ اور یہی دس سالہ مالگزاری نظام 1793ء میں بندوبست استمراری کے نام سے مستقل کر دیا گیا۔ کسانوں اور کمپنی دونوں کے حق میں استمراری بندوبست مناسب مالگزاری نظام کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔

3.4 استمراری بندوبست کا نفاذ: اغراض و مقاصد

(Implementation of the Permanent Settlement: Aims and Objectives)

1765 میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغل شہنشاہ شاہ عالم سے دیوانی کا حق حاصل کر لیا۔ اس کے تحت کمپنی کو بنگال، بہار، اڑیسہ میں مالگزاری وصول کرنے کا حتمی حق حاصل ہو گیا۔ کمپنی کے ملازمین کو ہندستانی مالگزاری نظام کے بارے میں کوئی معلومات نہیں تھی۔ مالگزاری کی وصولی، کمپنی کی حکومت کے لیے بہت اہم تھی کیونکہ سرکار کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ تھا۔ کمپنی کو مالگزاری وصول کرنے اور اپنی آمدنی کو مستحکم کرنے میں دلچسپی تھی۔ زیادہ سے زیادہ آمدنی کا حصول ان کی حکمت عملی تھی۔ چونکہ علاقائی فتوحات اور ان پر تسلط کے استحکام کے لیے مستقل آمدنی ان کے سیاسی حربہ کا ایک اہم جز تھا، لہٰذا انہوں نے مالگزاری کے نظام کو پائیدار بنانے کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول

کر دی۔استمراری بندوبست شروع کرنے کے پس پردہ کئی عوامل کارفرما تھے مثلاً:

1. انگریز ہندوستانی مالگزاری نظام اور زمین سے متعلق دخل وقبضہ کے پیچیدہ قوانین اور مشکلات سے ناواقف تھے۔ان کے پاس تجربہ کار برطانوی ملازمین کی کمی تھی۔لہٰذا استمراری بندوبست کا قیام ان کی پسند یا مجبوری تھی۔
2. بندوبست زمینداروں کے ساتھ ہوا تھا۔حق ملکیت بھی زمینداروں کو تفویض کردیا گیا۔زمینداروں سے یہ توقع تھی کہ زراعت میں دلچسپی لیں گے۔بنجر زمین کو قابل کاشت بنائیں گے اور بہتر بیج، کھاد اور ذرائع کا استعمال کرکے زراعت کو ترقی دیں گے۔زرعی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔لارڈ کارنوالس بحیثیت زمیندار ان محرکات سے بخوبی واقف تھا وہ زمینداروں کے کردار سے بھی آشنا تھا جنہوں نے زراعت کے میدان میں گراں قدر خدمات دیکر برطانیہ میں زرعی انقلاب پیدا کردیا تھا۔وہ ہندوستان میں زرعی تبدیلی اور پیداوار میں انقلابی اضافہ کا متمنی تھا۔جس سے حکومت اور عوام الناس دونوں مستفیض ہوسکیں۔لیکن ہندوستان میں متوقع زرعی انقلاب ایک مشکل امر تھا۔اس بندوبست میں زرعی پیداوار میں نمایاں گراوٹ آئی۔زراعت اثر انداز ہوئی اور اس سے منسلک تجارت اور صنعت و حرفت میں کمی واقع ہونے لگی۔
3. برطانوی سماج میں زمیندار رہنما بن کر ابھرے۔انہوں نے جہاں ایک طرف سائنسی طریقہ کار کو اپنا کر زرعی انقلاب پیدا کردیا وہیں دوسری طرف وہ اپنی زمینداری میں رفاہی کاموں میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سماجی سطح پر بھی نمایاں تبدیلی کا محرک بن گئے۔تعلیم کی ترویج واشاعت میں حصہ لیکر لوگوں کو بنیادی تعلیم مہیا کرائی۔بنیادی سہولیات مثلاً سڑک،اسکول،صفائی صحت عامہ، بہتر سماجی انتظام کو ترقی دیکر عوام کی زندگی کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کیا جس سے سماج میں خوشحالی آئی۔بنگال میں زمیندار نے متوقع سماجی سہولیات کو فراہم کرنے اور رفاہی امور میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔
4. ایسٹ انڈیا کمپنی کو مالی دشواریوں کا سامنا تھا۔اس کے لیئے کمپنی نے استمراری بندوبست بطور لائحہ عمل شروع کیا۔تاکہ مستقبل میں معاشی غیر یقینی صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑے اور بندوبست کے نفاذ کے بعد ان کو پائیدار اور مستحکم آمدنی کا یقین ہوگیا۔زمینداروں کے ساتھ بندوبست کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ مالگزاری وصول کرنے میں انہیں دقتوں اور دیگر پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔کمپنی کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وصولی کے اخراجات سے بھی بچ گئے جس نے ان کی آمدنی میں اضافہ کیا اور اسے مزید پائیدار بنادیا۔
5. انگریز حکام کو توقع تھی کہ ہندوستان میں استمراری بندوبست ایک وفادار طبقہ پیدا کرنے میں معاون ہوگا جو انگریزوں کے تئیں وفادار رہے تھے۔اور اسی طبقہ نے 1857 کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی حمایت کرکے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔اس طرح کمپنی کو مطلوبہ طبقہ کی حمایت بھی حاصل ہوگئی۔اس کے تحت زمیندار کو کسانوں کو ٹیکس کی غیر ادائیگی کی صورت میں بے دخل کرنے کا اختیار بھی مل گیا۔جس نے کسانوں کے استحصال کو مزید یقینی بنادیا۔

3.5 لارڈ کارنوالس کا حکام کے ساتھ مکالمہ (Lord Cornwallis's Dialogue with the Authorities)

کورٹ آف ڈائریکٹرس کی ہدایت پر دس سالا مالگزاری نظام شروع کرنے سے پہلے کارنوالس نے دو انگریز حکام جان شور اور جیمس

گرانٹ کے ساتھ مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کرنے کے لیے اور حتمی خاکہ تیار کرنے کے لیے تفصیلی مکالمہ کیا۔ اس مباحثہ میں تین موضوعات خصوصی طور پر زیر بحث آئے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

اول- بندوبست زمیندار کے ساتھ کیاجائے یا پھر کسانوں کے ساتھ۔

دوم- زرعی پیداوار میں حکومت کا حصہ کیا ہوگا۔

سوم- بندوبست ایک معینہ مدت کے لیے ہوگا یا پھر مستقل۔

پہلے سوال پر جان شور کا مشورہ تھا کہ چونکہ زمیندار زمین کا اصلی مالک ہے اور وہ سرکار کو سالانہ لگان جمع کرنے کا مجاز تھا۔ حق ملکیت کی وجہ سے وہ رہن کو بیچنے اور گروی رکھنے کا حقدار تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اس کے جائیدار کی وارث تھی۔ دوسری طرف گرانٹ کا ماننا تھا کہ سرکار زمین کی مالک ہے۔ زمیندار صرف لگان وصول کرنے کا حقدار ہے اور سرکار اس کو کبھی بھی اس ذمہ داری سے دست بردار کرسکتی تھی۔ آئینِ اکبری کے مصنف ابوالفضل کے بقول کاشتکار زمین کا مالک اس وقت تک سے جب تک وہ سرکار کو لگان دیتا رہے۔ پرزور مباحثہ کے بعد کارنوالس نے جان شور کے مشورہ کو قبول کرلیا۔ کارنوالس کا یہ بھی ماننا تھا کہ چونکہ کمپنی کے پاس تجرکار حکام اور عملہ کی کمی ہے اور جو موجود ہیں ان کو مالگزاری نظام سے متعلقہ امور میں کوئی جانکاری نہیں ہے، اس صورت میں کسانوں سے براہ راست بندوبست کرنے پر مزید دشواریوں کا سامنا کرناپڑے گا۔ کارنوالس نے لہٰذا براہ راست زمینداروں کے ساتھ بندوبست کرنے کو ترجیح دیا۔ اس کا ماننا تھا کہ زمیندار علاقہ کے جغرافیائی، زرعی اور سماجی حالات سے واقف تھے لہٰذا یہ نظام مفید ثابت ہوگا۔ چونکہ کارنوالس کو کورٹ آف ڈائریکٹرس کا تعاون حاصل تھا اس لیے اسکا فیصلہ سب کو قابل قبول تھا۔ دوسرے سوال پر بھی کمپنی کے ممبروں میں اختلاف رائے تھی۔ مباحثہ میں جیمس گرانٹ کا مشورہ تھا کہ 1765 کے مغلیہ بندوبست کو ہی بنیاد بناکر لگان طے کیا جائے۔ جان شور کی تجویز تھی کہ رواں سال میں محصولہ لگان کی بنیاد پر لگان طے کیاجائے۔ کارنوالس نے جان شور کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس کی تجویز کو منظور کرلیا اور 1790 میں محصول لگان کی بنیاد پر بندوبست شروع کیا۔ اس طرح اس بندوبست میں مالگزاری سب سے زیادہ درپر لاگو کی گئی۔ جو کسانوں کے لیے بہت گراں ثابت ہوئی۔ چونکہ لگان 1790 کی بنیاد پر لاگو کیا گیا اس سال محصولہ لگان ایک تخمینہ کے مطابق 26.8 ملین روپیہ تقریباً 3 ملن پونڈ تھا۔ انگریزی حکام کا ماننا تھا کہ یہ لگان گذشتہ لگان سے بہت زیادہ نہیں تھا۔ پی جے مارشل کا کہنا ہے کہ 1793 میں طے شدہ لگان 1757 کے محصولہ لگان سے صرف 20 فیصد زیادہ تھا۔ اس کے برعکس بی بی چودھری کا ماننا ہے کہ 1713 میں طے شدہ لگان 1765 میں محصول لگان سے دوگنا زیادہ تھا۔ جو کسانوں پر اضافی بوجھ تھی۔ تیسرے سوال پر کارنوالس اور جان شور کے مابین اختلاف رائے تھی۔ جان شور اس بندوبست کو دس سال کے لیے لاگو کرنے کے حق میں تھا۔ اس کے برخلاف کارنوالس اس کو مستقل کرنے کی حمایت کررہا تھا۔ لہٰذا 1790 میں ابتدائی طور پر اس بندوبست کو دس سال کے لیے شروع کیا گیا۔ لیکن 22 مارچ 1793 کو اس کو ہمیشہ کے لیے مستقل کردیا گیا۔

کارنوالس کی آمد سے پہلے زمیندار لگان وصول کرکے اسے سرکاری خزانے میں جمع کردیتے تھے یہ نظام غیر معمولی تبدیلیوں کے ساتھ چلتا رہا۔ لیکن اجارہ داری نظام نے مالگزاری نظام میں بہت پیچیدگیاں پیدا کردیں۔ زمیندار اور کسانوں کے رشتہ میں تلخی بھی آئی اور

افرا تفری کا ماحول پیدا ہو گیا۔ کارنوالس نے پرانے نظام کو ختم کر کے ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی جس میں زمیندار کو بہت زیادہ معاشی اور سماجی مراعات حاصل تھیں یہ نظام 1793ء شروع ہو کر ملک کی آزادی کے بعد تک چلتا رہا آزادی کے بعد اصلاح زمینکے نفاذ کے بعد بندوبست استمراری کا خاتمہ ہوا۔ بندوبست استمراری کے نفاذ اور حق ملکیت کے حصول کے بعد زمینداروں سے یہ توقع تھی کہ وہ زراعت کو فروغ دیں گے سرمایہ کاری کر کے اس کو منافع بخش بنائیں گے۔ ابتدائی عشرے میں زرعی پیداوار کی شرح نمو میں خوش آئند رجحانات سامنے آئے لیکن رفتہ رفتہ یہ نظام بھی کسانوں کے لیے غیر منفعت بخش ثابت ہونے لگا۔ لہٰذا انہوں نے موروثی پیشہ سے راہ فرار اختیار کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف زمیندار غیر منافع بخش منصوبہ پر اپنا پیسہ خرچ کرنے لگے۔ مثلاً غیر ضروری سماجی امور پر پیسہ خرچ کیا یا پھر مذہبی عمارتوں کی تعمیرات کے لیے گراں قدر عطیات دیے۔ زراعت میں سرمایہ کاری کی کمی نے پیداوار کو متاثر کیا۔

3.6 استمراری بندوبست کی خصوصیات (Characteristics of the Permanent Settlement)

استمراری بندوبست کے تحت زمیندار اور لگان وصول کرنے والے کلکٹر کو جائیداد کا مالک تسلیم کر لیا گیا۔ وہ اپنی اپنی زمینداری میں جائداد کے مالک بن گئے۔ حق ملکیت کو موروثی اور قابل تحویل بنادیا گیا۔ دوسری جانب کسان کی حیثیت محض کرایہ دار کی رہ گئی۔ زمین پر ان کے قبضہ اور روایتی حق ملکیت کو ختم کر دیا گیا۔ بحیثیت کسان ان کے کچھ روایتی حقوق تھے مثلاً گاؤں کے تالاب کا استعمال، چراگاہوں میں مویشی چرانے کا حق اور جنگلوں سے لکڑی حاصل کرنے کا حق وغیرہ۔ لیکن بندوبست استمراری کے بعد ان کو سبھی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ بندوبست استمراری کے تحت زمیندار اکٹھا کیے گئے محصول کی رقم کا 11/10 واں حصہ سرکاری خزانہ میں جمع کر دیتا اور 1/11 واں حصہ اپنے پاس رکھ لیتا۔ بندوبست استمراری والے علاقوں میں لگان بہت اونچی شرح پر طے کیا گیا۔ یہ من مانی طور پر تھا۔ اگر بنگال کی معمولی پیداوار کو سو روپے فرض کر لیا جائے تو اس میں حکومت کا حصہ 45 روپے تھا۔ زمیندار اور دوسرے بچولیوں کو 15 روپے ملتے تھے اور کسان کے حصہ میں صرف 40 روپے آتے تھے۔ یہ زرعی پیداوار کے نصف حصہ سے بھی کم تھا۔ اس طرح یہ نظام کسانوں کے لیے بالخصوص غیر مفید ثابت ہوا۔ زمیندار پر مالگزاری کی رقم اگرچہ متعین کر دی گئی۔ لیکن کسان سے کرایہ وصول کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ اس صورت میں زمیندار اپنی مرضی کے مطابق کرایہ وصول کرتا۔ اس نظام میں زمیندار کو بہت زیادہ اختیارات حاصل تھے جس کے استعمال سے کسانوں پر ظلم وزیادتی کر کے کرایہ وصول کیا جاتا تھا۔ ایسی بھی مثالیں موجود ہیں جب کسان کرایہ دینے کے قابل نہیں رہا۔ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی کوشش یا تو مہنگی تھی یا پھر وقت کا زیاں تھا۔ ایسی صورت حال میں اگر زمیندار کسانوں سے کرایہ وصول نہیں کر پاتا تو وہ سرکاری خزانہ میں لگان کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قصوروار ٹھہرادیا جاتا۔ پھر اس کی زمین سرکار اپنی تحویل میں لیکر نیلامی کر دیتی۔ اس طرح بنگال کے معاشرے میں نئے زمیندار وجود میں آئے۔ کسانوں کی لاپرواہی اور غفلت سے نمٹنے کے لیے لارڈ ویلزلی نے زمیندار کو بااختیار بنانے اور ان کو زیادہ طاقتور مضبوط بنانے کے لیے کئی اصلاحات کیئے۔ مثلاً ایک ضابطہ تیار کیا جسے ہفتم کہا جاتا تھا پاس کیا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی اور ضابطے اور قانون بنا کر حکومت نے زمیندار کو بااختیار بنادیا۔ وہ اب کسانوں سے زیادہ سختی سے نمٹنے کے اہل تھے۔ اس سے کسانوں کا استحصال حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہ قوانین مستقبل میں کسانوں کی تباہی کے مشین ثابت ہوئے۔

زراعت کی توسیع، پیداوار میں بے تحاشہ اضافہ، بڑھتی مہنگائی اور زرعی زمین کی بڑھتی قیمت، اور اس کی بڑھتی کمی اور بڑھتی آبادی کی وجہ سے بندوبست کے نفاذ کے ابتدائی عشروں میں قدرے بہتر ہوگئی۔ بندوبست استمراری کی وجہ سے زمیندار کی حیثیت اور عظمت میں اضافہ ہوا۔ وہ ایک بااثر طبقہ کے طور پر زمیندار کی مالی حالت رہنما بن کر ابھرا۔ وہ ثانوی درجہ کا سرمایہ دار بن گیا۔ اسی اثنا میں بنگال کے معاشرے میں کئی سماجی اور معاشی تبدیلیاں رونما ہوئیں جس نے زمیندار اور ذیلی زمیندار کے طبقے کو مزید بااثر بنادیا۔ مثلاً ذیلی پٹہ داری (Subinfeudation) اس دور میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ اس کے تحت زمیندار کو اپنی زمینداری کا کچھ حصہ کسی بھی صاحب حیثیت یا امیر کسان کو پٹہ پر دینے کا حق حاصل تھا۔ اس طرح اصلی زمیندار اور کسانوں کے درمیان بچولیوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ مورخین کے مطابق بچولیوں کی تعداد کئی زمینداری علاقوں میں 50 فیصد تک پہنچ گئی۔ اس سے کسانوں کا استحصال کئی گنا بڑھ گیا۔ کیونکہ ہر بچولیا کسان سے زیادہ سے زیادہ وصولی کرنے کی کوشش کرتا تاکہ اس کی آمدنی میں اضافہ ہوسکے۔ اس کے لیے وہ حکومت کا سہارا بھی لیتا۔ کسان زمیندار اور بچولیوں کے رحم و کرم پر رہنے کے لیے مجبور اور بے بس تھا۔

نئے زمینداروں کا تعلق پرانے روایتی زمیندار طبقے سے نہیں تھا۔ ان کا تعلق سماج کے کئی دیگر طبقوں سے تھا مثلاً صنعت و حرفت میں مشغول طبقہ یا پھر تجارت میں منافع کما کر سماج میں بااختیار اور صاحب حیثیت طبقہ سے تھا۔ لاپرواہی یا غفلت کے سبب جب زمیندار مالگزاری ادا نہیں کرپاتا تو اس کو قصوروار ٹھہرا کر اس کی زمینداری سرکار اپنے تحویل میں لے لیتی پھر اس کی نیلامی ہوتی تھی۔ پرانی زمینداری کی نیلامی کے وقت یہ طبقہ زیادہ قیمت دیکر زمینداری حاصل کرلیتا۔ اس طرح معاشی اعتبار سے یہ خوشحال طبقہ زمیندار طبقہ کا ایک حصہ بن جاتا۔ برطانوی کمپنی میں ملازمت پیشہ ہندوستانی لوگ بھی بسا اوقات نیلامی میں زمینداری خرید کر زمیندار ہونے کا دعویٰ کردیتے تھے۔ سماجی اور معاشی شناخت کی خاطر 'صاحب ثروت لوگوں میں زمین خریدنے کا جنون تھا۔' زمین کی خریداری میں دولتمند لوگوں کی دلچسپی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہ کمپنی یا دیگر غیر ملکی کمپنیوں میں حصص خریدنے کے اہل نہیں تھے۔ ان کو یہ حق نہیں تھا کہ کوئی حصہ خرید سکیں لہٰذا ہندوستانی سرمایہ داروں کے پاس زمین خریدنے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ دیسی بینک دیوالیہ ہوچکے تھے۔ ہندوستانی تجارتی بینک سے منسلک اداروں کو بھی برطانوی حکام اور تاجروں نے ختم کردیا تھا۔ لہٰذا دولتمند ہندوستانی تاجروں اور صنعتکاروں کے پاس سرمایہ کاری کے معقول مواقع ختم ہوچکے تھے۔ ایسی صورت حال میں استمراری بندوبست نے انہیں زمین میں سرمایہ کاری کا ایک سنہرا موقع فراہم کیا۔ زمین سے آمدنی حاصل کرنے کے ساتھ ان کو معاشرے میں اپنی شناخت قائم کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ اس طرح انیسویں صدی میں زمین میں بڑھتی دلچسپی اور نئے عناصر کو موقعے کی فراہمی، استمراری بندوبست کی اہم خصوصیت ہے۔

زمیندار کو دیہی علاقوں میں روایتی طور پر رہنما تسلیم کیا جاتا تھا۔ سماج میں ان کا ایک اہم رتبہ اور حیثیت تھی۔ لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن استمراری بندوبست نے زمیندار کے جس طبقہ کو جنم دیا ان کو نہ تو اب زراعت میں کوئی دلچسپی تھی نہ ہی عوام کے رفاہ عامہ سے کوئی لگاؤ تھا۔ پہلے زمیندار گاؤں میں رہتا تھا اور زراعت کی نگرانی اور منصوبہ بندی کرتا تھا۔ اب وہ شہروں میں منتقل ہوگیا وہاں ایک پر تعیش زندگی گذارتا تھا۔ اور کبھی کبھی اپنی زمینداری کا دورہ کرتا تھا۔ اس طرح زراعت اور کسان سے اس کا روایتی رشتہ دھیرے دھیرے

منقطع ہونے لگا۔ اس طرح بندوبست استمراری نے مزروعہ زمینداری (Absentee Landlordism) کو جنم دیا۔ اس کی اپنی خامیاں تھیں۔ اس نے کسانوں کے مزید استحصال کو یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ زرعی پیداور کو بری طرح متاثر کیا۔ مزروعہ زمینداری بنگال کی زرعی اور دیہی زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ بن گئی۔ کسان ظلم وزیادتی کا شکار ہوگئے۔ کیونکہ زمینداروں کے نائب اور نگراں کسانوں کو حد درجے پریشان کرتے جس سے زمیندار اکثر ناواقف رہتے تھے۔

کچھ زمیندار اپنی زمینداری کا کچھ حصہ ذیلی پٹہ پر چھوٹے کسانوں کو دیتے تھے۔ اس طرح بنگال میں پتنی تالکا (Patteni Taluka) شروع ہوا۔ اگرچہ یہ نظام، استمراری بندوبست کے خصوصیات کی برعکس تھا، پھر بھی 1819ء میں اس کو قانونی جواز حاصل ہوگیا۔ اس نے بنگال میں ایک نئے متوسط طبقہ کو جنم دیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ استمراری بندوبست کی وجہ سے بنگالی معاشرے میں ڈرامائی تبدیلی واقع ہوئی۔ زمیندار اور کسانوں کے درمیان بچولیوں کی وجہ سے کسانوں کا استحصال بہت بڑھ گیا۔ اس کی وجہ سے کسانوں کی حالت بدتر ہوگئی اور کسان زمیندار کو اپنا مخالف سمجھنے لگا۔ ان کے رشتوں میں تلخی آئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسانوں نے انگریزی حکومت کی مخالفت کی تو ان کے نشانے کی زد میں زمیندار بھی آئے۔ کسانوں نے ان کی مخالفت بھی کہ اور ان کے خلاف بغاوت بھی کی کیونکہ ان کی نظر میں زمیندار بھی اسی حد تک مجرم تھے جس قدر انگریزی حکومت۔ مزروعہ زمینداری کی بدولت زراعت میں عدم دلچسپی نے پیداوار کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ قومی اور برطانوی مورخین نے زمینداری نظام میں زرعی پیداوار میں مجموعی کمی اور زراعت کی ابتری کو تسلیم کیا ہے۔ مزید یہ کہ ملکی اور غیر ملکی مورخین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کارنوالس کے توقع کے مطابق بنگال میں اشرافیہ طبقہ برطانیہ کے زمینداروں کی طرز پر سماجی، معاشی اور ثقافتی سطح پر کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کرسکا۔ زمینداروں کا طبقہ اپنے مقاصد میں خود غرضی ثابت ہوا اس نے ملک میں کسی بھی اصلاحی یا قومی تحریک کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے اپنی ذاتی مفاد کی خاطر اصلاحات کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ کسی بھی اصلاحی، قومی تحریک کی مخالفت میں اس نے انگریزوں کا ساتھ دیا کیونکہ وہ اپنے وجود اور معاشی مفاد کے لیے انگریزوں کی حمایت پر منحصر تھے۔ عوام ان کی پالیسیوں کی وجہ سے ناراض اور مخالف تھے۔

زمینداری نظام یا مستقل بندوبست کسانوں کے لیے غیر مفید اور خطرناک ثابت ہوا۔ کسان زمینداروں کی ظلم وزیادتی کا شکار ہو کر غریبی کے دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ کسانوں کی حالت میں سدھار اور بہتری کی خاطر حکومت نے کئی قوانین بنائے مثلاً بنگال کرایہ داری قانون (Bengal Tenancy Act) اور 1859 اور 1885 کے کرایہ داری قوانین جو کہ ان کی مالی دشواریوں کو حل کرنے اور معاشی تنگ دستی سے نکالنے کی ایک ناکام کوشش تھی۔ کسانوں کی حالت میں بہتری کی اُمید بھی بالکل ختم ہوگئی کیونکہ زمیندار کو حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ زمیندار نے پٹہ ریگولیشن نافذ نہیں کیا کیونکہ وہ کسانوں سے من مانے طور پر لگان وصول کرنا چاہتے تھے۔ مالگزاری طے کرنے کے بعد کسانوں کو امید تھی کہ ان سے بھی لگان وصولنے کی کوئی حد مقرر کردی جائے گی، لیکن ایسا نہیں ہوا جس کی وجہ سے کسان پر لگان کا بوجھ کئی گنا بڑھ گیا۔ من مانی وصولی کی وجہ سے کسان غربت کا شکار ہوگئے۔ ان کے پاس معاہدہ کا کوئی پٹہ نہیں تھا اور ایسی صورت میں کسان زمینداروں کے رحم وکرم پر جینے کے لیے مجبور تھے۔ زمیندار اپنی مرضی کے مطابق کرایہ وصول کرتا اور کسان بے بس اور مجبور تھا۔

بندوبست استمراری کے نفاذ کے بعد کسانوں کی حالت بد تر ہو گئی سرکار کو صرف وقت مقررہ پر مالگزاری کے حصول سے مطلب تھا۔اس کار کو زراعت کی ترقی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سرکار قحط یا سیلاب زدہ علاقوں میں رفاہی کاموں میں بھی عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتی تھی جس کی بدولت فصل برباد ہو جاتی۔ کسان بھکمری کا شکار ہو جاتے لیکن ان کو کرایہ وقت پر ہی دینا ہوتا تھا۔ سرکار کو آبپاشی یا زرعی تعمیراتی منصوبوں جس سے زرعی پیداوار کو فروغ حاصل ہو سکے۔

3.7 استمراری بندوبست کی خوبیاں (Advantages of the Permanent Settlement)

سرکار کو معینہ آمدنی کی امید پوری ہو گئی۔ قدرتی یا غیر قدرتی آفات کی شکل میں پیداوار میں ناکامی کی صورت میں بھی مالگزاری سے ان کی آمدنی یقینی تھی۔استمراری بندوبست کے تحت زمیندار کو مختص رقم سرکار کو دینا لازمی تھا۔ناکامی کی صورت میں سرکار اس کی زمین کو اپنے تحویل میں لینے کا مجاز تھی۔ سرکار کو طے شدہ آمدنی کا یقین تھا۔اس کے غیر یقینی کی صورت حال ختم ہو گئی تھی۔ بندوبست استمراری زمینداروں کے لیے ابتدائی عشروں میں مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ زرعی پیداوار میں اضافہ زمین دار کے حق میں تھا۔اس اضافی پیداوار میں سرکار کوئی مطالبہ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ لگان ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا۔ کمپنی کو زمین کی پیائش یا پھر وصولی کرنے والے سرکاری عملہ کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ لگان کا تخمینہ لگانے اور اس کی وصولیابی کی مکمل ذمہ داری زمیندار پر عائد تھی۔ کمپنی کے تجربہ کار ملازم کمپنی کی توسیع پسندانہ منصوبے سرکاری استحکام کے لیے اور انتظامی امور کے لیے دستیاب تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ انگریز ہندوستان میں غیر ملکی تھے ان کی ملک میں سماجی شناخت نہیں تھی۔اس مقصد کے لیے انہیں ملک میں ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا تھا جو ان کا وفادار ہو اور اپنی بقا کے لیے انگریزوں پر منحصر ہو۔انگریز استمراری بندوبست کے ذریعہ بہت داشمندی سے ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے جو معاشی طور پر بار سوخ والا تھا۔ لیکن سیاسی طور پر ان کا مکمل انحصار انگریزی حکومت پر تھا۔ قومی تحریک کی مخالفت ان کی انگریزوں سے وفاداری کی دلیل تھی۔

3.8 استمراری بندوبست کی خامیاں (Disadvantages of the Permanent Settlement)

استمراری بندوبست ابتدا میں اگرچہ زمینداروں کے لیے مفید ثابت ہوا۔ لیکن جب اس کی خامیاں رونما ہوئیں یہ نہ صرف کسانوں کے لیے بلکہ زمینداروں کے لیے بھی غیر مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ مالگزاری مقرر ہونے کی صورت میں اضافی پیداوار کے کسی حصہ پر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ جو لگان بندوبست 1793 میں نافذ ہوا وہ آزادی کے بعد 1954 تک چلتا رہا، زمین داری کی نئ اصلاحات کے بعد اس کا خاتمہ ہوا۔استمراری بندوبست نے بنگال، بہار اور اڑیسہ میں زراعت اور معاشی ترقی کو اثر انداز کیا۔ مزروعہ زمینداری، پتنی تالوکا اور ذیلی زمینداری نے زرعی پیداوار کی رفتار کو کم کر دیا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ زمیندار جب سے شہروں میں قیام پذیر ہوئے زراعت میں ان کی دلچسپی بالکل ختم ہو گئی۔ان کو زرعی پیداوار کے متعلق معلومات تھی ہی نہیں۔ فصلوں کے انتخاب بہتر بہت زرعی انتظام کے لیے انہوں نے کسی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔انہوں نے زراعت میں سرمایہ کاری سے گریز کیا۔انھوں نے غیر ضروری امور مثلاً شراب نوشی یا رسم ورواج یا تفریحی پروگراموں پر پیسہ خرچ کرنے کو فوقیت دی۔ زراعت ان کے لیے اہمیت کا حامل نہیں رہا۔استمراری بندوبست چونکہ سرکار کو ایک

مقررہ آمدنی کا یقین نہ تھا، اس لیے زرعی پیداوار کی ترقی میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں زرعی پیداوار میں کمی کی بدولت کمپنی کو خسارہ کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ کمپنی کی آمدنی ملک کی آزادی تک طے شدہ لگان کے مطابق وصول کرنے کا حق تھا۔ زراعت میں اضافہ اور اس سے حاصل اضافی رقم میں کمپنی کوئی مطالبہ نہیں کر سکتی تھی۔

صوبہ بنگال کے دیہی علاقوں میں زمینداروں کا غلبہ تھا طے شدہ لگان بلاشبہ بہت زیادہ تھا۔ لٰہذا کسانوں کے لیے اس کی ادائیگی بہت مشکل تھی بالخصوص قدرتی آفت یا فصلوں کی تباہی کے بعد لگان دینا کسانوں کے لیے بہت مشکل ہو جاتا اور پھر زمیندار بھی سرکاری خزانہ میں لگان جمع نہیں کر پاتا۔ نتیجتاً اُس کو زمینداری سے محروم کر کے نیلامی کے ذریعہ کسی دوسرے شخص کو زمیداری تفویض کر دی۔ مورخین کے مطابق 1793 سے لیکر 1815 تک 22 سالوں میں بنگال میں کوئی پچاس فیصد زمینداری نئے زمینداروں کو تفویض کی جاچکی تھی۔ استمراری بندوبست کے نفاذ سے روایتی زمینداروں پر یہ منفی اثر پڑا۔ نئے زمیندار روایتی زمینداروں سے کئی معنوں میں مختلف تھے۔ ان کو کاشتکاری یا پھر علاقے کے کسانوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ چونکہ نئے زمیندار شہروں میں رہائش پذیر دولتمند تاجر تھے، وہ شاذونادر ہی اپنی زمینداری کا دورہ کرتے تھے۔ وہ لوگ اپنے کارندوں کے ذریعہ لگان وصول کرواتے تھے کارندے بھی کسانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اسی طرح صوبہ بنگال یا پھر بندوبست استمراری والے علاقوں میں رفتہ رفتہ غیر حاضر زمیندارانہ نظام قائم ہو گیا اور اس کی وجہ سے ذیلی پٹہ داری نظام (Subinfeudation) بھی وقوع پذیر ہونے لگا۔ غیر حاضر زمیندارانہ نظام (Absentee Landlordism) اور ذیلی پٹہ داری نظام دونوں ہی کسانوں کے لیے نقصادہ ثابت ہوئے۔

زمیندار شہروں میں عیش وعشرت سے بھرپور ایک معیاری زندگی گذارتے تھے۔ ان کی دلچسپی صرف لگان کی وصولیابی میں کسانوں کی پریشانی اور مشکلات سے ان کو قطعی طور پر کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ غیر حاضر زمیندارانہ نظام نے دیہی علاقوں میں زراعت کی صورت حاصل کو بالکل ابتر بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی مثال دور دراز علاقے میں لگے اس پمپ کی سی تھی جو دیہی علاقوں کی دولت نکال کر شہروں میں منتقل کر دیتا۔ جس کی وجہ سے زمیندار شہروں میں پر تعیش زندگی گذارتے تھے۔ زیادہ تر زمیندار کلکتہ منتقل ہو جاتے۔ جہاں ان کو ہر قسم کی سہولیات مہیا تھیں۔ زمینداروں کا تعلق اعلیٰ ہندو طبقہ کی اعلیٰ ذات سے تھا۔

اس کے برعکس کسانوں کی زندگی بدتر ہوتی جارہی تھی۔ کسان کو وقت مقررہ پر لگان دینا پڑتا تھا۔ زراعت اچھی ہو یا خراب، طے شدہ لگان کی شرح بہت زیادہ تھی لگان عموما! پچاس فیصد سے بھی زیادہ تھا۔ زرعی پیداوار کا تخمینہ بھی زیادہ لگا کر لگان طے کیا جاتا۔ لگان وصول کرنے کا طریقہ بھی جابرانہ تھا۔ کسانوں کو مہاجنوں یا پھر بنیوں سے اونچی شرح پر قرض لیکر لگان ادا کرنا پڑتا تھا۔ مقررہ وقت پر لگان نہ دینے کی صورت میں ان کو زمین سے بے دخل کر دیا جاتا تھا۔ جو اس کے لیے بہت دشوار کن تھا۔ کسان ہمیشہ قرض کے بوجھ تلے دبے رہنے کو مجبور تھا۔ فصل کی کسی بھی وجہ سے تباہی اس کی پریشانی میں مزید اضافہ کا سبب تھی۔ کسان کی پوری زندگی سود کی رقم لوٹانے میں بیت جاتی تھی۔ رہ جاتا جبکہ اصل رقم اپنی جگہ بدستور قائم رہتی۔

استمراری بندوبست والے علاقوں سے ایسی بھی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جب مہاجن کسانوں کی ناخواندگی کا فائدہ اٹھاکر ان کی زمین قرض کے بدلے اپنے نام کرالیتا۔ اس طرح مہاجن دیہی علاقوں میں اپنا رعب و دبدبہ اور سماجی سطح پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ اگرچہ یہ نظام بلاشبہ زمینداروں کے حق میں تھا پھر بھی مختلف مراحل میں ان کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ڈینیل تھورنر کے مطابق اس نظام میں اصولی طور پر حق ملکیت اگرچہ زمینداروں کے پاس تھی مگر عملی طور پر یہ برطانوی حکومت کے پاس تھی۔ زمیندار کو مالگزاری مقررہ تاریخ کو غروب آفتاب سے قبل سرکاری خزانہ میں جمع کرنا ہوتی تھی۔ اسے غروب آفتاب کے قانون (Sunset Law) کے نام سے جانا تھا۔ کسی بھی وجہ سے وقت مقررہ پر لگان نہ دینے کی صورت میں سرکار اس کی زمینداری کو ضبط کرلیتی اور کسی اور کو فروخت کردیتی۔ چونکہ لگان بہت زیادہ تھا لٰہذا کسانوں سے کرایہ وصول کرنے میں ناکامی کی صورت زمیندار بھی وقت مقررہ پر مالگزاری جمع نہیں کرپاتا تھا۔ اس کی وجہ سے بنگال میں زمینداری کی خرید و فروخت کئی گنا بڑھ گئی۔ بی بی چودھری (B.B. Chaudhry) کے بقول 1794 سے لے کر 1807 تک 41 فیصد کے برابر مالگزاری والی زمین نیلام ہوئی اور حق ملکیت تبدیلی ہوگیا۔ 1804 سے لیکر 1815 تک صرف اڑیسہ میں تقریباً 51 فیصد اصلی زمیندار نیلامی میں اپنی زمین سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ میں پرانی اور روایتی زمینداری بہت کم ہوگئی۔ معاشی اعتبار سے خوشحال زمینداروں نے ان کی جگہ لے لی۔ یہ نئے زمیندار بنگال کی سماجی اور زرعی نظام میں نئے نہیں تھے۔ بہت ساری مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جب پرانے زمینداروں پر انکے ماتحت خوشحال اور امیر کسان یا کارندوں نے بنگال کے زرعی نظام میں فوقیت حاصل کرلی۔

ذیلی پٹہ داری نظام کی وجہ سے کسانوں پر مزید مالگزاری کا مطالبہ بڑھ گیا۔ ذیلی پٹہ داری کی وجہ سے زمیندار اور کسان کے مابین بچولیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا۔ بچولیوں کی تعداد میں ناقابل یقین حد تک اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بعض مورخین نے بچولیوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچاس تک ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس سے کسانوں کا استحصال مزید بڑھ گیا۔ کسانوں کو راحت دینے کے لیے 1889 اور 1885 میں مزارعت کا قانون/ حق لگان داری کا قانون نافذ کیا۔ نئے قانون کی وجہ سے مزارعوں کی استحصال میں قدرے کمی آئی کیونکہ اس سے لگان دینے والوں کی فیصد کا حق تسلیم کرلیا گیا۔ حق لگان داری کئے قانون سے جزوی فائدہ ہوا مگر کسانوں کو مکمل راحت نہیں ملی۔ مؤرخ رجت رے اور رتنا لیکھارے اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ اسی کی وجہ سے طاقتور اور مالدار کسانوں اور زمینداروں کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ زمینداروں کو صرف مالگزاری وصول کرنے کا حق حاصل تھا۔ سامراجی پالیسوں کی وجہ سے جو تبدیلی رونما ہوئی اس سے اس سماج پر اس طبقہ کا اثر و رسوخ اور قبضہ پہلے ہی کی طرح برقرار رہا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بنگال کے سماجی ڈھانچہ میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں ہوئی وہ پہلے کی طرح ہی قائم رہا۔ رجت کے نتارے کا نظریہ سے سگاتا بوس متفق نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ زمینداروں کی بالادستی اب بھی قائم تھی۔ وہ اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں ات کی مطابق کسان جن کو جوتدار کہا جاتا تھا بنگال میں ان کی بالادستی قائم ہوگئی۔ وہ صرف شمالی بنگال میں موجود تھے اور کسی حد تک ایک بااثر طبقہ کی حیثیت ان کو حاصل تھی۔ نئی تحقیقات اور نئے دستاویزات کی روشنی میں رجت کانتارے اس دلیل کو مشروط طور پر تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زمیندار اپنی سابقہ طاقت اور حیثیت کو یقینی طور پر 1930 تک

برقرار رکھنے میں کامیاب تھے لیکن اس کے ساتھ مالدار کسان جوتیدار بھی اپنے اثرورسوخ اور طاقت کو دیہی علاقوں میں قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔تاریخی شواہد سے یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ بنگال کے مشرقی اور مرکزی علاقوں میں جوتدار معاشی، سیاسی طور پر ایک طاقتور اور بااثر طبقہ کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔وہ اپنی شناخت اور حیثیت کو 20ویں صدی کے ابتدائی عشروں تک قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ روایتی زمینداری نظام اپنا وجود بچانے میں ناکام ہو گیا تھا۔روایتی زمیندار اور جوتیدار اپنے جغرافیائی حدود میں اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے میں کامیاب تھے۔

چتّا پانڈا(Chitta Panda)کا یہ خیال قابل ذکر ہے کہ مدناپور علاقے میں پرانے زمینداروں کا کچھ حد تک زوال ہوا تھااور اس علاقے میں امیر کسان ایک بااثر اور صاحب حیثیت طبقہ کے طور پر ابھر رہا تھا۔اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس علاقہ میں دوسرے علاقے کے بہ نسبت پرانی زمینداری کی فروخت زیادہ ہو رہی تھی۔ یہاں امیر کسان کو زمینداری خرید کر اپنی سماجی اور سیاسی بالادستی قائم کرنے کا موقع ملا۔ بلاشبہ بندوبست استمراری بنگالی سماج میں غیر متوقع تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوااور اس سے وہاں زراعتی معاشرے میں بھی بے پناہ تبدیلیاں آئیں۔

استمراری بندوبست، کسانوں کے لیے عملی طور پر مفید ثابت نہیں ہوا۔کاشتکاری میں ان کی دلچسپی بالکل ختم ہو گئی۔ کیونکہ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ زرعی پیداوار میں ترقی سے ان کی زندگی میں خوشحالی نہیں بلکہ زمینداروں کی زندگی میں خوشحالی آئے گی۔اس طرح اس بندوبست کا سیدھااور منفی اثر زرعی پیداوار پر پڑا۔ یہ بندوبست زمیندار اور مہاجن کے لیے تو مفید ثابت ہوا ہی، جزوی طور پر سرکار کو بھی اس سے فائدہ ہوا پہنچا مثلاً کوئی دردسر لیے اور بغیر کسی اخراجات کے ان کو بڑی آمدنی حاصل ہو گئی۔ لیکن بندوبست کو مستقل کرنے سے سرکار کی آمدنی پر بھی اثر پڑا۔ چونکہ زرعی ترقی کے بدولت زمیندار کی اضافی آمدنی میں کوئی مطالبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ برطانوی حکومت نے قانون بنا کر کاشتکاروں کو راحت دینے کی کوشش کی۔ مگر اس سے کسانوں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ قانونی جواز کے باوجود کسانوں کا استحصال جاری رہا۔ جس کی وجہ سے ان کی حالت پھر سے بدتر ہو گئی۔ بچولیوں کی مداخلت نے کسانوں اور سرکار کے مابین براہ راست تعلق قائم نہیں ہونے دیا۔ 1885 کے کرایہ داری ایکٹ پاس ہونے کے بعد کسان کی حالت قدرے بہتر ہوئی کیونکہ زمین کی پیمائش اور سروے کی شروعات ہو گئی۔ سرکار کو آبپاشی یا پھر زرعی تعمیراتی منصوبہ پر سرمایہ کاری میں کوئی دلچسپی نہیں تھی تاکہ زرعی پیداوار میں اضافہ ہو جس سے تجارت وصنعت کو فروغ مل سکے۔ کسانوں کی حالت میں بہتری کی توقعات بھی ناکام ہو گئی۔ کیونکہ زمیندار نے پٹہ ریگولیشن نافذ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ کسانوں سے ٹیکس/لگان وصولی کو محدود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مالگزاری طے کرنے کے بعد کسان کو امید تھی کہ ان سے لگان وصولی کی حد بھی ہمیشہ کے لیے متعین کردی جائے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے کسان من مانی لگان کی وصولی کا شکار ہوا۔ اضافی بوجھ کئی گنا بڑھ گیا۔ کسان غربت اور بھکمری کا شکار ہونے لگے۔ان کے پاس معاہدہ کا کوئی پٹہ بھی موجود نہیں تھا۔ زمیندار من مرضی لگان وصول کرتے تھے بے بس مجبور کسان زمینداروں کے رحم و کرم پر منحصر ہو گئے۔

3.9 بندوبست کے لیے قومی رہنماؤں کی حمایت

(Support of Nationalist Leaders for the Settlement)

ہندوستان کے کچھ قومی رہنماؤں نے بندوبست استمراری کی حمایت کی تھی۔اس میں راجہ رام موہن رائے اور رومیش دت کے نام قابل ذکر ہیں۔ان کی حمایت کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کا تعلق بھی اشرافیہ طبقہ سے تھا۔وہ خود زمیندار تھے۔خدشہ تھا کہ اگر برطانوی بیوریو کریسی نے اس نظام کو اپنی گرفت میں لے لیا تو استحصال کے مواقع مزید بڑھ جائیں گے۔چونکہ بڑھتی سماجی نااتفاقی، معاشی زبوں حالی کے پیش نظر کارنوالس کے بندوبست کو آزادی کے بعد ختم کرنے کی کوشش ہوئی۔اس طرح ویسٹ بنگال ایکویزیشن آف اسٹیٹ ایکٹ کے ذریعہ 1955 میں زمنیداری کو منسوخ کردیا گیا۔زمینداری نظام کے خاتمہ اور زمینوں کی از سر نو تقسیم سے سماجی ناانصافی جھیل رہے غریب کسانوں کو قابل قدر حد تک راحت ملی۔

3.9.1 کانگریس کا نقطہ نظر اور ردِ عمل (Approach of the Congress and Response)

انڈین نیشنل کانگریس میں چونکہ زمینداروں کی بالادستی تھی لہٰذا کسانوں کے سوال پر کانگریس کی بے توجہی یقینی تھی۔زمینداروں کی بالادستی کی وجہ سے بندوبست استمراری کو دوسرے علاقوں میں نافذ کرنے کی آواز کانگریس سے بلند ہوتی رہی۔کانگریس میں کسان حمایتی آر۔سی۔دت کو زمیندار طبقہ نے بے اثر بنادیا تھا۔

3.9.2 مہاتما گاندھی کا ردعمل اور کانگریس کی پالیسی میں تبدیلی

(Mahatma Gandhi's Reaction and Change in the Policy of Congress)

20ویں صدی میں جب جنگ آزادی کی تحریک نے زور پکڑا اور مہاتما گاندھی نے کانگریس کی قیادت سنبھالی تو کانگریس کی پالیسی میں تبدیلی دیکھنے کو ملی۔مہاتما گاندھی نے چمپارن سے اپنی تحریک کا آغاز کیا۔چمپارن تحریک ایک زرعی تحریک تھی جس میں کسانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔کانگریس اب زمینداری نظام کو ختم کرنے کے حق میں تھی کیونکہ یہ نظام ناانصافی پر مبنی تھا۔کسانوں کے استحصال کا باعث تھا۔اس نے زمیندار طبقہ کو جنم دیا جس کا وجود استحصال پر قائم تھا، غیر قانونی وصولیابی کے خاتمہ کے لیے کانگریس وزارت 1938 میں بنگال ٹینسنی ایکٹ پاس کیا۔1938 میں بنگال مالگزاری کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔اس کمیشن نے بندوبست استمراری کو ختم کرنے کی تجویز پیش کی۔آزادی کے بعد بنگال نے زمینداری نظام کو ختم کردیا۔جس کی وجہ سے کوئی 20ملین کسانوں کو زمین کی حق ملکیت مل گئی۔

3.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

زمانہ قدیم سے زراعت ہندوستان کے باشندوں کا اہم پیشہ رہا ہے۔زمینوں سے لگان کی شکل میں حاصل رقم حکومتوں کی آمدنی کا اہم ذریعہ رہی ہے۔انگریزوں نے ہندوستان پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد لگان کے حصول کے لیے کئی تجربے کیے جس میں بطور خاص تین

تجربے۔ استمراری بندوبست، رعیت واری بندوبست اور محل واری نظام ہیں۔ استمراری بندوبست 1793 میں لارڈ کارنوالس کے ذریعہ قائم کیا گیا اولاً بنگال، بہار اور اڑیسہ کے علاقے میں اس بندوبست کا نفاذ ہوا بعد میں مدراس کے شمالی ضلعوں اور بنارس میں بھی اسے لاگو کیا گیا۔ اس بندوبست کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں زمینداروں اور لگان جمع کرنے والوں کو متعدد مالکان زمین میں بدل دیا گیا۔ ان کی ملکیت کے حق کو موروی اور انتقال پذیر بنا دیا گیا۔ دوسری طرف کسانوں کی حیثیت گھٹ کر محض لگان دار کی رہ گئی۔ ان کو زمین کی ملکیت کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ ایسا صرف اس لیے کیا گیا تاکہ زمیندار زمین کے لگان سے متعلق کمپنی کے مطالبات کو قت پر پورا کر سکیں۔ اس بندوبست میں زمیندار زمین کے لگان سے متعلق کمپنی کے مطالبات کو وقت پر پورا کر سکیں۔ اس بندوبست میں زمیندار کل آمدنی کا 10/11 حصہ حکومت کو ادا کرتا تھا اور 1/11 حصہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ استمراری بندوبست کے نفاذ سے کمپنی کی حکومت کو لگان وصول کرنے کے لیے بہت زیادہ سرکاری عملوں کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ لگان کا تخمینہ لگانا اور اس کی وصولیابی کی مکمل ذمہ داری زمینداروں پر عاید تھی۔ کمپنی کو اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہندوستان میں ان کی حمایت کے لیے ایک وفادار طبقہ پیدا ہو گیا۔ کسانوں پر اس بندوبست کا بہت بُرا اثر پڑا۔ ان کی آمدنی کا بڑا حصہ لگان کی شکل میں وصول کیا جانے لگا۔ قدرتی آفات کے نتیجے میں فصل کی بربادی پر بھی کوئی چھوٹ نہیں ملتی تھی۔ لگان کی بہت زیادہ شرح کی وجہ سے کسان مجبور اور بے بس تھے۔ غروب آفتاب کے قانون کی رو سے بہت سے زمینداروں کی زمی داری ختم ہو گئی۔ ان کی جگہ نئے زمینداروں نے لے لی جو غیر حاضر زمیندار کہلاتے تھے۔ اس بندوبست کے منفی اثرات کے پیشِ نظر قومی رہ نماؤں نے اسے ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد بنگال ایکویزیشن آف اسٹیٹ ایکٹ کے ذریعہ 1955 میں زمینداری کو منسوخ کر دیا گیا۔ اس نظام کے خاتمہ اور زمینوں کی از سر نو تقسیم سے سماجی ناانصافی جھیل رہے غریب کسانوں کو بہت حد تک راحت ملی۔

3.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

اجارہ داری	:	وارن ہسٹنگز کے ذریعہ شروع کیا گیا نظام جس کے تحت نیلامی میں سب سے اونچی بولی بولنے والے شخص کو لگان وصول کرنے کا اختیار دیا جاتا تھا۔
غروب آفتاب قوانین	:	(sunset Laws) وہ قانون جس کے تحت اگر کوئی شخص مقررہ تاریخ کے غروب آفتاب سے پہلے لگان جمع نہیں کرتا تھا تو اس کی زمینداری چھین کر کسی دوسرے شخص کو دے دی جاتی تھی۔
فنریو کریٹک	:	(Physiocratic) ایسا مکتب فکر جو کسی ملک کی معیشت میں بنیادی طور پر زراعت کی بالادستی کو تسلیم کرتا ہے۔
غیر حاضر زمینداری	:	(Absentee Landlordism) مزروعہ یا غیر حاضر زمینداری۔ معاشیات کی اصطلاحات میں وہ شخص جو نفع کمانے کے لیے کسی جائداد کا مالک ہوتا ہے اور اسے کرائے پر دے دیتا ہے لیکن وہ جائداد کے مقامی معاشی علاقے میں نہیں رہتا ہے۔

3.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. بندوبست استمراری سے کیا مراد ہے؟
2. بندوبست استمراری کس نے شروع کیا تھا؟
3. بندوبست استمراری کب شروع ہوا تھا؟
4. اجارہ داری نظام کسے کہتے ہیں؟
5. بندوبست استمراری برطانوی حکومت کے کتنے فیصد علاقوں میں نافذ تھا؟
6. بندوبست استمراری کہاں کہاں نافذ تھا؟
7. بندوبست استمراری نے کہیں دو مقاصد کا بیان کیجیے۔
8. لارڈ کارنوالسی کون تھا وہ کس نظریہ سے متاثر تھا؟
9. Absentee Landlordism کی وضاحت کیجیے۔
10. Sunset Law سے کیا مراد تھا؟

3.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. بندوبست استمراری کے مباحثہ کے تین اہم کونسے مدعے تھے؟
2. بندوبست استمراری کی خصوصیات بیان کیجیے۔
3. بندوبست استمراری کے اغراض و مقاصد پر تفصیلی نوٹ لکھئے۔
4. بندوبست استمراری پر نمائندہ مورخین کے خیالات کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔
5. بندوبست استمراری سے قبل بنگال کے زرعی نظام کا مفصل جائزہ پیش کیجیے۔

3.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. استمراری بندوبست کی خوبیوں اور خامیوں کا تقابلی تجزیہ لیجئے۔
2. استمراری بندوبست پر ایک مفصل نوٹ لکھئے۔
3. استمراری بندوبست کے قومی رہنماؤں کی حمایت اور ردّ عمل پر روشنی ڈالیے۔

3.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
5. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
6. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
7. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
8. Roy, Tirthankar, *The East India Company*: *The World's Most Powerful Corporation*, Allen Lane/ Penguin, New Delhi, 2012.
9. Sarkar, Sumit, *Modern India*, *1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
10. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
11. Tharoor, Shashi, *An Era of Darkness*: *The British Empire in India*. Aleph, 2016.
12. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

4۔ رعیت واری بندوبست اور محل واری نظام اور ان کے نتائج

(The Ryotwari Settlement and the Mahalwari System and Its Consequences)

اکائی کے اجزاء

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 رعیت واری بندوبست

4.2.1 مدراس میں رعیت واری بندوبست

4.2.2 بمبئی میں رعیت واری نظام

4.2.3 بمبئی اور مدراس کے رعیت واری نظام میں مماثلت اور فرق

4.2.4 رعیت واری بندوبست کی خوبیاں

4.2.5 رعیت واری بندوبست کی خامیاں

4.2.6 معاشرے پر رعیت واری نظام کے اثرات

4.2.7 رعیت واری بندوبست اور مورخین کا نقطۂ نظر

4.3 محل واری نظام

4.3.1 محل واری نظام کی ابتدا

4.3.2 محل واری بندوبست کی خصوصیات

4.3.3 محل واری نظام اور تعلقداری نظام

4.3.4 قواعد وضوابط اور ان کی ترمیم

4.3.5 مارٹن برڈ اور شمالی ہند کا محل واری نظام

4.3.6 محل واری نظام سے حکومت کو فائدے

4.3.7 محل واری نظام اور کسانوں کے مسائل

4.3.8 محل واری نظام کے سماجی اور معاشی اثرات

4.4 اکتسابی نتائج

4.5 کلیدی الفاظ

4.6 نمونہ امتحانی سوالات

4.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید (Introduction)

ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد مالگزاری کے نظام میں اصلاحات انگریز حکمرانوں کی اولین ترجیحات میں شامل تھیں۔ اپنے مفاد کے پیش نظر انگریزوں نے بہار بنگال اور اڑیسہ میں استمراری بندوبست کو کامیابی کے ساتھ نافذ کیا تھا۔ انگریزوں کو اپنے مقاصد کے حصول مثلاً آمدنی کی غیر یقینی صورت حال میں بہت حد تک کامیابی مل گئی۔ کچھ عرصہ بعد اس بندوبست کی خامیاں رونما ہونا شروع ہو گئیں جس کی وجہ سے کسان طبقہ بہت پریشان ہوا اور زراعت بھی بہت حد تک متاثر ہوئی۔ دوسری جانب کمپنی کو بھی خسارہ ہوا کیونکہ کمپنی زراعت کی توسیع کی صورت میں کسی اضافی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ لگان ہمیشہ کے لیے مستقل کر دیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے نو مفتوحہ علاقوں مدراس اور بمبئی پریسیڈنسی میں انگریز اپنے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا زرعی نظام قائم کرنا چاہتے تھے جہاں پر 20 سال بعد نظر ثانی کی گنجائش ہو، اور زرعی پیداوار میں اضافہ کی صورت میں سرکار اضافی لگان کا مطالبہ کرنے کی حقدار ہو۔ لہٰذا مدراس اور بمبئی پریسیڈینسی میں 'رعیت واری نظام' (Ryotwari Settlement) نافذ کر دیا گیا۔ اس بندوبست کو رعیت واری اسے لیے کہا گیا کہ یہاں بنگال پریسیڈنسی کے برعکس بندوبست رعیت یا کسان کے ساتھ ہوا۔ ابتدا میں لارڈ کارنوالس جنوبی اور مغربی ہندوستان کے نئے مفتوحہ علاقوں میں استمراری بندوبست کے نفاذ کی حمایت کر رہا تھا۔ کیونکہ اس بندوبست کے لائحہ عمل پر بنگال میں ایک کامیاب تجربہ ہو چکا تھا۔ لارڈ کارنوالس کے جانشین لارڈ ولزلی نے بھی اس بندوبست کو مزید دیگر علاقوں میں نافذ کرنے کا حکم جاری کر دیا اور مدراس کے کئی علاقوں میں اس کو نافذ بھی کیا کیونکہ کسی نئے بندوبست کے نفاذ میں کئی انتظامی دشواریں حائل تھیں۔ استمراری بندوبست کے ناقدین نے پھر آواز بلند کی، اس کے پس پردہ اسکاٹش روشن خیالی کی تحریک کار فرما تھی۔ کیونکہ یہ طبقہ زرعی معاشرہ میں کسانوں کی اولیت اور مرکزیت کی حامی تھی اور زراعت کو اہم پیشہ کے طور پر دیکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس تحریک اور نظریہ کے حامی عہدیداران ہندوستان آئے تو انہوں نے ایک ایسا مالگزاری نظام قائم کرنے کی تجویز پیش کی کہ جس میں کسانوں کو اولیت حاصل ہو اور ان سے براہ راست سرکار لگان وصول کر سکے۔ لہٰذا اس نظریہ کے حامل عہدیدار تھامس منرو، ماؤنٹ اسٹوارٹ اور انفسٹن نے رعیت واری نظام کا نفاذ کی حتمی اعلان کیا۔

انیسویں صدی کے اوائل میں افادیت پسندی (Utilitarianism) نے عالمی سطح پر اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا۔ انگریزوں کا ایک بڑا طبقہ اس فلسفے کا گرویدہ اور حامی تھا۔ اس نظریہ سے متاثر عہدیدار جب ہندوستان آئے تو انہوں نے اس نظریہ کو انتظامی امور میں فروغ دینا شروع کیا۔ اس نظریہ کا حامی ڈیوڈ ریکارڈو اپنے کرائے کا نظریہ (Rent Theory) میں مروجہ نظام میں نظر ثانی کی حمایت کرتا تھا۔

اس کے مطابق زرعی پیداوار میں اضافہ سے حاصل اضافی رقم میں سرکار اپنے حصہ کا مطالبہ کرنے کی حقدار تھی۔ مدراس میں رعیت واری بندوبست کے نفاذ کی ایک اور اہم وجہ مدراس کا مالی بحرانی تھی کیونکہ انگریز برطانوی سامراجیت کی توسیع کے پیش نظر علاقائی حکمرانوں سے مسلسل جنگ لڑرہے تھے۔ جنگی اخراجات میں ناقابل یقین اضافہ نے حکام کی توجہ زرعی اصلاحات کی طرف مبذول کی اور اس نتیجہ میں مدراس میں سب سے پہلے رعیت واری بندوبست شروع ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ نظام بھی غیر مقبول اور ناکام ثابت ہوا۔ اس لیے حکومت نے ایک تیسرا نظام 'محل واری نظام' (Mahalwari System) شروع کیا۔ محل واری نظام میں زمیندار اور رعیت سے بندوبست نہ کرکے پورے محل کے ساتھ کیا گیا تھا اس کا مقصد ایک معتدل محصول نافذ کرنا تھا تاکہ کسانوں کو رعایت دے کر زراعت کو فروغ دیا جاسکے۔ رابرٹ ایم برڈ (Robert M. Bird) نے بالآخر ایک بہتر نظام جو کسانوں اور حکومت دونوں کے لیے سودمند ہو یعنی محل واری نظام کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے تحت بطور مالگزاری زمین کی خالص پیداوار کا دو تہائی حصّہ دینا تھا۔ جس کو کم کرکے نصف کردیا گیا۔ یہ بندوبست 30 سال کے لیے نافذ کیا گیا اور ہر تیس سال کے بعد از سرنو زمین کی پیمائش اور پیداوار کا تخمینہ لگا کر اضافی پیداوار میں حکومت اپنا مطالبہ کرسکتی تھی۔ اس طرح ہم اس اکائی میں مندرجہ بالا دونوں بندوبستوں اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں جانیں گے۔

4.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- رعیت واری بندوبست کے اغراض و مقاصد کا تجزیہ کرسکیں گے۔
- رعیت واری بندوبست کی ابتدا اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لے سکیں گے۔
- اس بندوبست سے حکومت کو فائدے اور کسانوں کے مسائل کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔
- اس بات سے بخوبی واقفیت حاصل ہوسکے گی کہ اس بندوبست کے سماجی اور معاشی اثرات کیا مرتب ہوئے۔
- محل واری نظام کب اور کن حالات میں نافذ ہوا اور اس بندوبست کی کیا خصوصیات تھیں، جان سکیں گے۔
- محل واری اور تعلقہ داری نظام میں کیا رشتہ تھا، سمجھ سکیں گے۔
- محل واری نظام کے فوائد اور نقصانات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی سماجی اور معاشی تبدیلیوں کا جائزہ لے سکیں گے۔

4.2 رعیت واری بندوبست (Ryotwari Settlement)

رعیت واری بندوبست کا سرخیل تھامس منرو تھا۔ رومیش چندر دت اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ 'سر تھامس منرو تاعمر کوشش کرتا رہا کہ مدراس کے کسانوں کی لگان کی شرح معین ہوجائے تاکہ وہ زمین کو ترقی دے اور اس سے فائدہ بھی اٹھائے۔ حالانکہ متعینہ لگان کے اصول کو کسی قانون یا اعلان کے ذریعہ تسلیم نہیں کیا گیا لیکن مدراس کی حکومت نے تھامس مزو کے چالیس سال بعد اس کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرلیا۔' محصول کے متعلق کورٹ آف ڈائریکٹرز نے کہا تھا کہ 'حکومت کو ایسا لگان وصول کرنے کا حق نہیں ہے جو کاشت کی لاگت اور کاشت

سے متعلق سامان کے منافع مہیا کرنے کے بعد فاضل پیداوار پر مشتمل ہو بلکہ وہ صرف مالگزاری کی حقدار ہے اور مدراس میں محصول کے نام سے جو رقم وصول کی جاتی وہ تمام کی تمام معقول و مناسب لگان پر مشتمل ہوتی ہے۔' حکومت نے رعیت واری بندوبست میں مالگزاری کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کر دی تھی۔اس بندوبست میں مالگزاری براہ راست کسانوں سے وصول کی جاتی تھی اور کسانوں کو ہی مالکانہ حق حاصل تھا۔ وہ سرکار کو لگان براہ راست ادا کرنے کے لیے ذمہ دار تھے۔استمراری بندوبست میں حق ملکیت زمینداروں کو حاصل تھا۔ تمام رعیت واری بندوبست کے کسانوں کو حق ملکیت دے کر ان کو خود کفیل بنادیا گیا۔کسان کی انفرادی جائیداد پر تخمینہ لگایا گیا،زمین کی پیمائش کی گئی اور پیداوار پر محصول لگایا گیا۔اس بندوبست میں پیداوار کا 55 فیصدی لگان متعین کیا گیا۔اس بندوبست میں زمین کی پیمائش ناقص تھی۔پیداوار کا تخمینہ بھی غلط لگایا گیا تھا اور لگان حد سے زیادہ تھا جو کسانوں کے لیے دشوار کن تھا۔اگرچہ رعیت واری بندوبست کے نفاذ کا بنیادی مقصد کسانوں کی ابتر حالت کو بہتر بنانا تھا، لیکن یہ مقصد کبھی بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔اس بندوبست میں بھی کسانوں کی حالت مزید بدتر ہو گئی اور وہ غریبی اور بھکمری کا شکار ہونے لگے۔زمین کی قیمت میں گراوٹ آگئی۔اس کی اہمیت کم ہونے لگی کیونکہ لگان بہت ہی اعلیٰ شرح پر نافذ کیا گیا تھا۔اس لیے زراعت کسانوں کے لیے منافع کا سودا نہیں تھا۔چونکہ لگان وصول کرنے کا طریقہ بہت ہی سخت اور پریشان کن تھا یہی وجہ ہے کہ رعیت واری بندوبست میں کسان ساہوکاروں کے چنگل میں اس طرح پھنس گئے جس طرح استمراری بندوبست میں کسان زمینداروں کے چنگل میں پھنس گئے تھے۔رعیت واری نظام بالخصوص مدراس اور بمبئی پریسیڈنسیز میں نافذ ہوا۔مالابار، کنارا، کڈپہ، بلاری، کوبٹور، کرنول، گجرات، سینٹرل پرونسز برار، برما، آسام کے کچھ علاقے اور کرگ کا علاقہ وغیرہ اس کے تحت آئے۔ برطانوی ہندوستان کا کل 53 فیصد حصہ رعیت واری بندوبست کے زیر تحت تھا۔

4.2.1 مدراس میں رعیت واری بندوبست (Ryotwari Settlement in Madras)

مدراس میں سب سے پہلے الیگزانڈر ریڈ نے بارہ محل کے علاقہ میں رعیت واری بندوبست کو 1792ء میں بطور تجربہ شروع کیا تھا۔ تھامس منرو کو زرعی لگان کی اور اس سے متعلق امور کی بہت اچھی جانکاری تھی کیونکہ جب وہ افسر کی حیثیت سے آیا تو اس نے اس بندوبست کو باضابطہ طور پر نافذ کر دیا۔ لگان بجائے زمیندار/پولیگار لگان براہ راست کسانوں سے وصول کیا جانے لگا۔ لیکن رعیت واری بندوبست مدراس میں منرو کے آنے کے بعد مکمل طور پر 1855 میں نافذ کیا گیا۔ حکومت نے مدراس میں پیشہ ورانہ زمین کی پیمائش کرائی۔ مٹی کی درجہ بندی ہوئی۔ اس کے بعد پیداوار کا تخمینہ لگا کر باقاعدہ طور پر لگان کا مطالبہ کیا گیا۔کسان کو چونکہ زمین کا حق ملکیت حاصل تھا لہٰذا اس وقت تک سرکار دخل نہیں دے سکتی تھی۔جب تک وہ باقاعدگی سے لگان ادا کرتا رہے۔وہ اپنی اراضی کا کچھ حصہ یا پھر پوری زمین فروخت کرنے کا مجاز تھا۔ وہ اس کو گروی رکھنے کا حقدار بھی تھا۔ حق ملکیت کا تبادلہ ہو سکتا تھا۔ حق ملکیت موروثی تھی۔رومیش چندر دت کے مطابق ''مدراس کے کسان کو حکومت اس وقت تک بے دخل نہیں کر سکتی تھی جب تک کے وہ معینہ لگان ادا کرتا رہے۔اس نظام کے تحت کسان قریب قریب مالک ہوتا تھا۔اس کا حق ملکیت مکمل ہوتا تھا اور اسے دائمی پٹے کے تمام فوائد حاصل تھے۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''مدراس کا کسان اپنی زمین پر دائمی قبضہ رکھ سکتا ہے اور اس کے لگان میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔'' لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مدراس کے کسان کا لگان معین نہیں ہے اضافوں

کے خلاف اس کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا جس سے زرعی میدان میں غیر یقینی صورت حال تھی۔ اگرچہ کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اس کے نفاذ کو کلی منظوری دسمبر 1812 میں دے دیا تھا۔ بندوبست ایک مقررہ مدت کے لیے نافذ کیا گیا تھا اور اس معیاد کے خاتمہ کے بعد از سر نو پیمائش اور پیداوار محصول کا تخمینہ لگا کر لگان نافذ کر دیا جاتا تھا۔ استمراری بندوبست کی طرح اس بندوبست میں کوئی بچولیا نہیں تھا اور کسان کا حکومت سے براہ راست تعلق تھا۔ اس طرح اس بندوبست میں کسان اپنے کو محفوظ سمجھا تھا۔

تھامس منرو ایک تجربہ کار اور باصلاحیت افسر تھا۔ وہ مدراس کے جغرافیائی اور سماجی حالت سے بخوبی باخبر تھا۔ چونکہ اس علاقہ میں بنگال کی طرح بڑے زمیندار موجود نہیں تھے اس لیے اس نے گاؤں کے چنندہ زمینداروں کے بجائے ہزاروں کسانوں کے ساتھ معاہدہ کو ترجیح دیا۔ اس کے تحت اس نے ذاتی کسان کی آمدنی کا تخمینہ لگانے کا حکم دیا اور کسان ذاتی طور پر لگان دینے کے لیے ذمہ دار تھا، کیونکہ زمین کا نجی حق ملکیت کسان کو تفویض تھا۔ کسانوں اور حکومت کے درمیان اگرچہ کوئی بھی بچولیا نہیں تھا اس سے کسانوں کے بے جا استحصال کا امکان نہیں تھا، مگر ڈیوڈ لوڈن کہتے ہیں کہ رعیت واری علاقوں میں ریاست ایک عظیم زمیندار کے طور پر ابھر کر سامنے آئی اور کسان جس کو حق ملکیت حاصل تھا حکومت کو لگان دینے کے لیے ذمہ دار تھا اور بعد میں ریاست نے کسانوں کا من مانے طور پر استحصال کرنا شروع کر دیا۔ جو کام استمراری بندوبست میں بچولیا یا زمیندار کرتا تھا۔ اس سے کسانوں کی حالت سدھرنے کے بجائے بدتر ہوتی چلی گئی۔

نظریاتی طور پر رعیت واری نظام کو ایک جامع اور مثالی نظام سمجھا تھا کیونکہ ایک عام سروے میں زمین کی زرعی پیداوار کی بنیاد پر تشخیص کی جاتی اور اس کی بنیاد پر سرکار اور کسان کے درمیان ایک معاہدہ طے پاتا۔ کسان کو منظور یا نامنظور کرنے کا اختیار تھا۔ منظوری کی شکل میں کسان ایک پٹہ / معاہدہ پر دستخط کرتا۔ یہ اس بات کی ضمانت تھی کہ زمین اس کی ملکیت تھی۔ اس بندوبست کو مزید دلچسپ بنانے کے لیے زمین کی پیمائش کرائی جاتی۔ زمین کی زرعی صلاحیت کا تخمینہ لگایا جاتا زمین کا رقبہ متعین کیا جاتا پھر ہر مزرعہ کا اوسط پیداوار تعین کر کے اس پر لگان لگایا جاتا جو ایک سائنٹفک طریقہ تھا۔ بظاہر سرکار نے یہ طریقہ اختیار کیا مگر درحقیقت اس نے اپنے منافع اور اخراجات کے پیش نظر زرعی پیداوار کا تخمینہ خود ساختہ طور پر طے کرتی جس کا اصل پیدار کے زمین حقائق سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لگان ہمیشہ بہت زیادہ مقرر کر دیا جاتا، جس کی حصولیابی یا تو بہت مشکل تھی یا بہ دیگر صورت ناممکن تھی۔ زیادہ سختی کی وجہ سے کسان زراعت چھوڑ کر بھاگ جاتا۔ اس طرح زراعت پر منفی اثرات مرتب ہونے لگے۔

منرو کا یہ ماننا تھا کہ ہندوستان میں زمانہ قدیم سے اس طرح کا نظام رائج تھا۔ لہٰذا اس کا نفاذ آسان بھی ہوگا اور عملی طور پر کسانوں کے لیے منظور اور نفع بخش بھی ثابت ہوگا رعیت واری نظام کے قائم کرنے کے پس پردہ تھامس منرو کا یہ خیال بھی کارفرما تھا کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کو متحدہ خود مختاری کا تصور اس کی بنیاد کو تقویت دینے لیے ضروری ہے اور اس کے لیے رعیت واری بندوبست بہت موضوع آلہ کار ثابت ہوگا۔ عوام میں انگریزی حکومت کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا اور عوامی تعاون حاصل ہوگا۔ یہ تھامس منرو کا خیال تھا کہ کسانوں پر لگان کا بوجھ اس بندوبست کے بدولت کم ہوگا۔ اضافی آمدنی میں غیر قانونی طور پر کوئی حصہ ہڑپا نہیں جاسکتا۔ تھامس منرو کے اس بندوبست سے

برطانیہ میں برطانوی حکومت خوش تھی۔ مدراس حکومت کو مالی دشواریوں کا سامنا تھالہٰذا رعیت واری بندوبست کو نافذ کردیا گیا۔ عملی طور پر نفاذ کے بعد اس کی خامیاں اجاگر ہونے لگیں۔اس سے کمپنی حکومت کی آمدنی میں قدرے اضافہ ہوااور مالی دشواریوں کو کمپنی حل کرنے میں کامیاب ہوگئی لیکن کسانوں کی حالت ناگفتہ ہونے لگی کیونکہ لگان کی شرح بہت زیادہ تھی اور لگان بنیادی طور پر غیر منصفانہ تخمینہ پر مقرر کیا گیا تھا۔ تخمینہ گاؤں کے اکاؤنٹ کی بنیاد پر لگایا تھا۔اس غیر منصفانہ طریقہ کار کو مورخین۔ ''پیہہ منٹبندوبست کہتے ہیں۔ مدراس میں رعیت واری بندوبست میں دونوں ہی صورتوں سروے یا بغیر سروے یا پھر پیداوار کے غلط تخمینہ کی بنیاد پر لگان نافذ کرنا در اصل مفروضہ کی بنیاد پر طے کیا گیا تھا۔ لہٰذا سرکار کا مطالبہ ہمیشہ کی طرح بہت سی زیادہ تھا جو کسانوں کے لیے یقیناً ناقابل ادائیگی تھا۔اس لیے مزروعہ کسان قرض کے بوجھ تلے دبتے چلے گئے اور غربت کا شکار ہونے لگے۔ ضرورت سے زیادہ لگان سے زمین کی قیمت کرنے لگی کیونکہ حد سے زیادہ لگان کی صورت میں زمین کی خرید وفروخت غیر نفع بخش تھی۔ کسان کی محدود آمدنی اور اضافی رقم نہ ہونے کی صورت میں کاشتکاری میں پیسہ لگانے سے مجبور تھے، جس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کمی واقع ہونے لگی۔

4.2.2 بمبئی میں رعیت واری نظام (Ryotwari Settlement in Bombay)

انگریزوں کی توسیع پسندانہ پالیسی کے باعث مغربی ہندوستان کا ایک بڑا حصہ ان کے زیر اقتدار آگیا۔اس کے بعد انہوں نے اپنی جنگی کارروائی مزید جاری رکھی اور مراٹھا ریاستوں کو یکے بعد دیگرے فتح کرتے چلے گئے۔ وہ 1818ء تک مغربی ہندوستان اور مراٹھوں کو شکست دیکر پورا علاقہ اپنے زیر اقتدار لانے میں انگریز کامیاب ہوگئے۔ مدراس میں رعیت واری بندوبست کے کامیاب تجربہ کے بعد انہوں نے اس بندوبست کو بمبئی پریسیڈنسی میں لاگو کردیا۔اس پریسیڈنسی میں یہ نظام سب سے پہلے گجرات کے علاقہ میں نافذ کیا گیا۔ بمبئی پریسیڈنسی میں رعیت واری بندوبست کو لاگو کرنے کا سہرا منرو کے شاگرد ماؤنٹ اسٹوورٹ انفنسٹن کو جاتا ہے وہ ایک باصلاحیت اور محکمہ مالگزاری میں کام کرنے کا اچھا تجربہ رکھتا تھا۔ابتدا میں انگریزوں نے گاؤں کے دیشمکھ پاٹل یا گاؤں کے نمائندہ کے ذریعہ لگان وصول کیا لیکن 1813ء کے میں میں انہوں نے کسان کے ساتھ براہ راست تعلق قائم کرکے لگان وصول کرنے کا بندوبست کیا۔

مدراس بندوبست کی خامیاں بہت جلد بمبئی بندوبست میں بھی اجاگر ہوگئیں کیونکہ دیشمکھ پاٹل کسانوں کا استحصال کرنے کے لیے میراث داروں کی طرح موجود تھے۔ دوسری اہم خامی جو واضح طور پر سامنے آئی وہ مالگزاری کے نرخ کا بہت زیادہ ہونا تھا جو کسانوں کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ قدرتی آفت مثلاً قحط یا پیداوار کی خرابی کی صورت میں کسان بنیوں سے قرض لینے یا پھر اپنی زمین گروی رکھ کر پیسہ لینے کے لیے مجبور تھا تاکہ مالگزاری وقت پر ادا کرسکے۔ قرض کا سود بھی بہت زیادہ تھا جسے ادا کرنے میں کسان کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ایسی صورت حال میں کسان یا تو زمین فروخت کرکے قرضہ چکاتا یا پھر کاشتکاری چھوڑ کر بھاگ جاتا، جس کے بدولت زراعت بھی متاثر ہوتی اور سرکار کی آمدنی کم ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا تھا۔ زمین کی پیمائش از سرِنو پیمائش، پیداوار کا تخمینہ اور مجموعی پیداوار کا اوسط نکال کر مالگزاری کا نرخ متعین کیے بغیر مالگزاری کے نظام کو استدلالی بنانا ناممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بمبئی پریسیڈنسی میں آر۔کے۔پنگلے کے زیر نگرانی ایک زمین سروے کیا گیا۔ زمین کی پیمائش کے بعد پنگلے نے زمین کی زمرہ بندی کی اور پھر پیداوار کا 55 فیصد حصہ مالگزاری کا نرخ طے کیا۔پنگلے کا یہ بندوبست سب

سے پہلے اندوپور تعلق میں 1830 میں شروع ہوا لیکن اس میں تکنیکی خرابیوں کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا۔

پنگلے کے بعد زمین کی پیمائش جی ونیگٹ اور ایچ -ای گولڈاسمتھ نے کرائی اور بمبئی سروے سسٹم کے تحت 1835ء میں ایک نیا بندوبست شروع کیا۔اس بندوبست میں انگریزی حکومت نے مالگزاری کے نرخ کو کم کر کے کسانوں کے موافق بنایا تاکہ بغیر کسی پریشانی و دشواری وہ لگان ادا کر سکیں گے۔ یہ بندوبست 30 سال کے لیے نافذ العمل ہوا۔ اس میں کسانوں کو کافی راحت دی گئی۔ اس بندوبست کو 1847ء تک دکن کے تمام علاقوں میں بھی نافذ کر دیا گیا۔ 1825-1852ء کے درمیان اشیاء کی قیمتوں میں گراوٹ کی صورت میں کسانوں کی آمدنی بھی متاثر ہوئی جس سے کسانوں کو دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

4.2.3 بمبئی اور مدراس کے رعیت واری نظام میں مماثلت اور فرق
(Similarities and Differences in the Ryotwari System of Bombay and Madras)

بمبئی رعیت واری بندوبست میں مدارس بندوبست کی تمام صفات موجود تھی۔ لیکن نئے بندوبست میں دو فرق نمایاں طور پر موجود تھا۔اول: بمبئی بندوبست ایک جامع مالگزاری کوڈ جو 1879ء کے بمبئی ایکٹ پنجم سے مشتق تھا۔اس ایسا کوئی کوڈ مدارس پریسیڈنسی میں نہیں تھا۔ دوم بمبئی پریسیڈنسی میں پہلے سے رائج ذاتی جائیداد / جاگیریں موجود تھیں مثلاً گجرات۔ وہاں رعیت واری بندوبست کچھ اصلاحات کے ساتھ رائج کر دیا گیا۔ بمبئی پریسڈنسی میں تین مختلف قسم کی زمینیں تھیں۔ خشک اور مرطوب زمین کے مابین باغ کی زمین تھی۔(1) دونوں میں علاقوں میں بندوبست براہ راست کسان کے ساتھ ہوا اور زمین کا حق ملکیت بھی ان کو تفویض تھا۔ حکومت اور کسان کے مابین کوئی بھی بجولیا نہیں تھا۔مالگزاری کا تخمینہ معیاری تھا اور ہر تیس سال کے بعد نظر ثانی کی گنجائش تھی۔ یہ شرط بندوبست استمراری میں نہیں تھا۔

اس کے علاوہ بمبئی اور مدراس کے رعیت واری بندوبست میں ایک اور نمایاں فرق تھا۔ دونوں پریسیڈنسی میں پیداوار کے تخمینہ کا الگ الگ طریقہ کار تھا۔ مثال کے طور پر بمبئی رعیت واری بندوبست میں زمین کی خوبی کی بنیاد پر تخمینہ لگایا جاتا تھا نہ کہ اس کی پیداوار کی بنیاد پر۔ مدراس میں تخمینہ کا طریقہ کار بالکل مختلف تھا۔ مالگزاری پیداوار کے 50 فیصد پر مقرر کی گئی۔ مجموعی پیداوار میں سے زراعت اور مزدوروں کے اخراجات کو نکال دینے پر جو بچتا اسے خالص پیداوار کہا جاتا تھا۔ نظریاتی طور پر رعیت واری بندوبست میں لگان خالص پیداوار پر لگایا گیا لیکن عملی طور پر سرکار کسانوں سے مجموعی پیداوار پر لگان وصول کرتی جس کے بدولت کسان کی آمدنی بہت کم ہو جاتی تھی اور وہ اپنے آپ کو شکست خوردہ اور غریبی کے دلدل میں پھنسا ہوا پاتا۔ اس نظام نے انہیں مزید غربت کی طرف ڈھکیل دیا۔ لٰہذا سرکار اضافی پیداوار میں کوئی مطالبہ نہیں کر سکتی تھی۔ جبکہ بمبئی اور مدراس رعیت واری میں سرکار کو یہ حق حاصل تھی کہ اضافی زرعی پیداوار میں مطالبہ کر سکے۔

4.2.4 رعیت واری بندوبست کی خوبیاں (Advantages of Ryotwari Settlement)

1. زمیندار کی غیر موجودگی میں یہ بندوبست براہ راست کسانوں کے ساتھ ہوا۔ کسانوں کو حق ملکیت حاصل تھا۔ وہ اپنی زمین کے مالک تھے۔

2. استمراری بندوبست میں سرکاری کسی اضافہ پیداوار میں اپنے حصے کا مطالبہ کرنے کی مجاز نہیں تھی۔ رعیت واری نظام میں نظر ثانی کے لیے ہر بیس سال کے بعد سرکار اپنی خواہش کے مطابق اضافی زرعی پیداوار میں اپنا حصہ طے کر سکتی تھی۔
3. استمراری بندوبست میں زمیندار اور بچولیوں نے کسانوں کا خوب استحصال کیا۔ کسانوں کو استحصال سے تحفظ فراہم کرنے کی لیے رعیت واری بندوبست میں حق ملکیت سے سرفراز کر دیا گیا۔
4. رعیت واری بندوبست کی حمایت کرنے والوں کو یقین تھا کہ یہ بندوبست ان علاقوں میں پہلے سے رائج تھا اور کچھ اصلاحات اور تبدیلیوں کے ساتھ سرکار نے از سر نو ان کو نافذ کر دیا۔

رعیت داری بندوبست سے سرکار کو فائدہ

1. اس بندوبست نے استمراری بندوبست کی طرح سرکار کی مخصوص آمدنی کا بندوبست کر دیا۔ سرکار کو یقینی آمدنی کا بھروسہ ہو گیا جس کا استعمال وہ اپنی توسیع پسندانہ پالیسی پر آسانی سے کر سکتی تھی۔
2. یہ بندوبست معیادی تھا۔ ہر تیس سال بعد زمین کی پیائش اور پیداوار کا تخمینہ لگا کر اضافی رقم میں سرکار اپنے حصہ کا مطالبہ کرنے کا مجاز تھی۔ سرکار مالگزاری کا نرخ بھی بڑھا سکتی تھی۔
3. سرکار کی وصولی نقد کرتی تھی۔ مہنگائی کی صورت میں سرکار کو فائدہ حاصل ہوتا تھا۔
4. برادری اور غیر مقبوضہ اراضی پر سرکار کا قبضہ تھا۔ اس کو کسانوں میں تقسیم کر کے زراعت کو فروغ دیکر سرکار لگان وصول کر کے اپنی آمدنی میں اضافہ کرتی تھی۔

رعیت داری نظام سے کسانوں کو فائدہ

1. سرکار کسانوں کا حق ملکیت تسلیم کر کے ان کو یہ اختیار بھی دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو زمین خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔ حق ملکیت نے کسانوں کو خود کفیل بنا دیا۔
2. جس طرح استمراری بندوبست میں زمیندار اور کسانوں کے مابین بسا اوقات پچاس بچولیا ہوتے اور وہ سبھی کسانوں کا استحصال اپنی مرضی کے مطابق کرتے۔ جس کی بدولت کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی اس کے برخلاف رعیت واری بندوبست اس بندوبست نے کسانوں کو بچولیوں سے تحفظ فراہم کیا۔

4.2.5 رعیت واری بندوبست کی خامیاں (Disadvantages of Ryotwari Settlement)

1. مالگزاری کی شرح بہت زیادہ تھی۔ کسانوں کے لیے بسا اوقات اس کی ادائیگی مشکل تھی۔
2. حکومت نے مالگزاری کی شرح اپنی مرضی کے مطابق بڑھا کا حق اپنے پاس رکھا تھا۔
3. قدرتی آفت یا پھر کسی اور وجہ سے فصل کی تباہی و بربادی کے باوجود کسان کو مالگزاری کی رقم طے شدہ وقت پر ادا کرنی تھی۔

4. اس بندوبست میں استمراری بندوبست کی طرح بچولیوں کے لیے جگہ نہیں تھی۔ مگر حیرت انگیز طور پر بہت سارے زمینداروں کے بجائے حکومت کی شکل میں ایک طاقتور زمیندار کسانوں کے استحصال کے لیے موجود تھا۔
5. رعیت واری نظام کا معاشرے پر سب سے بڑا منفی اثر یہ پڑا کہ گاؤں سے روایتی اتحاد اور بھائی چارے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ پہلے لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے۔ لیکن اس بندوبست میں لگان بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے کسان مفلوک الحالی کا شکار ہو جاتے اور چاہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر پاتے تھے۔
6. شرح مالگزاری بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے زراعت بہت فائدہ کا پیشہ نہیں رہ گیا تھا۔ کسان قرض کے بوجھ تلے دب گیا تھا۔ اس قرض کی غیر ادائیگی کی صورت میں وہ کھیتی چھوڑ کر بھاگ جاتا۔ اس طرح زرعی پیداوار پر منفی اثر پڑا۔
7. ہر بیس سال بعد زمین کی پیمائش اور اضافی پیداوار کا تخمینہ لگا کر اس پر مالگزاری لگانے کی وجہ سے کسان زراعت پر کسی سرمایہ کاری سے گریز کرنے لگا تھا۔ کیونکہ سرمایہ کاری سے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں تھا۔
8. معیادی تخمینہ کاری کسانوں کے لیے مزید پریشانی کا باعث تھی۔
9. رعیت واری بندوبست کے نفاذ کے بعد ان علاقوں میں دیہی قرضوں میں بہت اضافہ ہو گیا۔
10. شرح مالگزاری بہت زیادہ ہونے اور زراعت کی ناکامی کی صورت میں زرعی تنزلی مزید بڑھ جاتی تھی جو کسانوں کے لیے باعث تشویش تھی۔ اس طرح زمین غیر سودمند ثابت ہو گئی۔

رعیت واری بندوبست سے کسانوں کو نقصان

1. رعیت واری بندوبست میں لگان بہت زیادہ تھا۔ اس کی ادائیگی کے لیے کسانوں کو مہاجن سے قرض لینا پڑتا تھا۔ دوسری ضرورتوں مثلاً شادی بیاہ، مذہبی اور سماجی پروگرام کے لیے وقتاً فوقتاً مہاجن سے قرض لیتے تھے۔ شرح سود بہت زیادہ ہوتا تھا۔ کسان کے لیے قرض کی ادائیگی مشکل ہو جاتی تھی۔ خاص طور پر کسی بھی وجہ سے اگر فصل اچھی نہیں ہوتی تھی تو ان کی پوری زندگی سود کی ادائیگی میں گذر جاتی اور اصل رقم بھی باقی رہ جاتی۔ کبھی کبھی مہاجن قرض کا معاملہ حل ہی نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ زمین کے کاغذات ان کے پاس ہوتے تھے۔ مہاجن ہمیشہ کسان کی زمین ہڑپ کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ کسان ناخواندہ ہونے کی وجہ سے بھی مہاجن کے چکر میں پھنس جاتے تھے۔ بصورت دیگر اگر کسان عدالت میں مقدمہ دائر کرتا یا تھانہ جاتا تو مہاجن اپنے اثر و رسوخ کا ستعمال کر کے مقدمہ دائر ہی نہیں ہونے دیتے۔ پولس اور عدلیہ دونوں غریب کسان کے بجائے مہاجن کی حمایت کرتے۔ اس طرح مورخین کا ماننا ہے کہ رعیت واری نظام نے بھی کسانوں کے لیے بہت دشواریاں پیدا کیں اور وہ غربت کا شکار ہوتے چلے گئے۔ رعیت واری نظام کی عملداری والے علاقے میں لوگ ہمیشہ قحط سالی، بھکمری اور افلاس کا شکار رہتے تھے۔ اسی وجہ سے ان علاقوں میں برطانوی حکومت کے خلاف احتجاج، مخالفت اور بغاوت زیادہ ہوتی تھی۔
2. زراعت میں سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی تھی لیکن شرح مالگزاری بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی کسان اپنی آمدنی کو زراعت میں

خرچ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ زراعت بہت فائدہ مند نہیں تھی۔

3. رعیت واری بندوبست والے علاقوں میں بھی مالگزاری وصول کرنے والے بدعنوان اور مکار حکام پہنچ گئے جنہوں نے اپنے فائدہ کے پیش نظر کسانوں پر بے حد مظالم ڈھائے۔

4. نظریاتی طور پر سرکار خالص پیداوار پر مالگزاری وصول کرنے کی حقدار تھی لیکن عملی طور پر مالگزاری کسانوں سے مجموعی پیداوار پر وصول کی جاتی۔ جس کی وجہ سے کسان معاشی تنگ دستی کا شکار ہو جاتے تھے مثلاً اگر سو روپیہ آمدنی تھی تو اس میں زراعت اور مزدوری کا خرچ 30 روپے مان لیں تو خالص پیداوار 70 روپے ہوگی لگان اصولی طور پر خالص پیداوار 70 روپے پر لاگو ہوگا لیکن عموماً سرکار مجموعی آمدنی 100 روپیہ مان کر لگان وصول کرتی تھی جس کی بدولت کسان خسارہ میں رہتا تھا۔

5. کسانوں کو قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے سرکار نے مالی امداد اور مالگزاری کی شرح میں رعایت بھی دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن بدعنوان حکام اس سے قطع نظر بہت سختی اور بعض اوقات شدّت سے مالگزاری وصول کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سرکار نے قانون بنا کر بھی کسانوں کو امداد دیا، مثلاً 1879ء ڈکن ایگریکلچرل امداد نے ایک دوسرے کے ہاتھ زمین کے تبادلے کو ختم کر دیا تھا۔ پھر کسانوں کو خواطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ کسانوں کا استحصال جاری رہا۔ جس کی وجہ سے جنوبی ہندوستان میں بغاوت کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہوا، جس نے انگریزی حکومت کے لیے نظم و نسق کی دشواری کھڑی کر دی۔ مالگزاری کی شرح بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے کسانوں کی آمدنی محدود ہو گئی جس کی وجہ سے وہ زراعت اور زرعی پیداوار میں سرمایہ کاری سے گریز کرنے لگے۔

6. رومیش وت لکھتے ہیں کہ مدراس کے کسان کے اس حق کو تسلیم نہیں کیا گیا کہ زمین کا محصول قطعی طور سے متعین کر دیا جائے۔ حالانکہ حکومت مدراس نے 1856ء اور 1862ء میں اس حق کو تسلیم کر چکی تھی پھر بھی لارڈ رپن نے یہ فیصلہ کیا کہ ان اضلاع کی حد تک جن کی پیمائش ہو چکی ہے اور بندوبست کر دیا گیا ہے زمین کے محصول میں صرف قیمتوں میں اضافہ کی صورت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے مالگزاری میں اضافہ کے راستہ کو بند نہیں کیا گیا پھر بھی کسانوں کو اتنا یقین ہو گیا تھا کہ زرعی پیداوار کی قیمت بڑھنے کی معقول بنیاد کے علاوہ کسی اور صورت میں مالگزاری میں اضافہ نہیں ہوگا۔" لارڈ رپن کے اس اصلاح سے کسانوں نے راحت کی سانس لی اور اپنی تمام تر کاوشیں زرعی پیداوار بڑھانے پر مرکوز کر دیں۔

4.2.6 معاشرے پر رعیت واری نظام کے اثرات (Impacts of Ryotwari System on Society)

سماجی زندگی پر رعیت واری بندوبست کے اثرات کا مطالعہ مورخین کا ایک دلچسپ موضوع رہا ہے۔ مورخین کا ماننا ہے کہ رعیت واری بندوبست نے دیہی اشرافیہ جو حکومت اور کسانوں کے بیچ ایک بارسوخ طبقہ تھا ختم نہیں ہوا۔ میراث دار جو کہ جنوبی ہندوستان بالخصوص مدراس کا ایک بااثر طبقہ تھا اس نے سماج پر اپنی بالادستی قائم رکھی تھی۔ برہمن بھی اپنی مذہبی شناخت کے ساتھ سماج پر فوقیت قائم رکھنے میں بہت حد تک کامیاب رہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ رعیت واری نظام گاؤں میں صدیوں پرانہ اشرافیہ طبقہ کی بالادستی کو تبدیل نہیں کر سکا۔ بلکہ اس نے ان کی سماجی اہمیت اور فوقیت کو مزید تقویت بخشی۔ سماج میں ان کا مقام بحیثیت بااثر طبقہ قائم و دائم رہا۔ میراث دار جن کو مدراس میں

وِلالا کہا جاتا تھا انگریزی حکومت کے نزدیک مرکزیت حاصل کر چکے تھے اور ان میں سے کچھ نے تو زمین خرید کر اپنی سماجی حیثیت کو مزید مستحکم کر لی تھی اور وہ دیہی اشرافیہ کے زمرہ میں آ گئے تھے۔ان میں سے کچھ نے تو محکمہ مالگزاری میں بحیثیت افسر بھی کام کر رہے تھے۔انہوں نے دیہی علاقوں میں مالگزاری وصول کرنے کے اختیار کے ساتھ ساتھ پولس کے اختیارات بھی حاصل کر لیے تھے۔اس طرح محکمہ مالگزاری میں کئی طرح کی بدعنوانیاں آ گئیں کیونکہ ایک ہی شخص کو مالگزاری وصول کرنے کے حق اور پولس کے اختیار نے ان کو بہت زیادہ بااختیار بنادیا تھا۔مالگزاری سے متعلق کسی بھی قانونی چارہ جوئی کی شکل میں کسان پولس کو شکایت کرتا مالگزاری حکام سے اس طبقہ کے تال میل کی بناپر کسان کو انصاف نہیں مل پاتا۔اس سے کسانوں کی حالت مزید تشویشناک ہو گئی۔کسانوں پر مظالم اور ناانصافی کے بارے میں مدراس ٹارچر کمیشن کی 1855ء کی رپوٹ نے تفصیل سے روشنی ڈالی اور اس کمیشن نے رعیت واری بندوبست والے علاقوں میں مزید اصلاحات کی سفارش کی تاکہ کسانوں کو جبر وستم سے بچایا جاسکے اور ان کے لیے انصاف کو یقینی بنایا جاسکے۔کیونکہ ایک طرف تو حکومت کسانوں کا استحصال کر رہی تھی تو دوسری جانب ساہوکار انہیں پریشان کرتے تھے۔لگان وصول کرنے والی مشنری کا رویہ بہت زیادہ جابرانہ تھا۔کسانوں سے لگان وصول کرنے کے لیے وہ بے جا طاقت کا استعمال کرتے۔ان پر تشدد کرتے جس سے تنگ آکر کسانوں نے زراعت کو خیر باد کہہ دیا۔کمیشن نے اصلاحات کا مشورہ دیا اور پھر سہارنپور ریگولیشن کے تحت مالگزاری کی شرح کو 50 فیصد تک محدود کر دیا گیا تاکہ کسانوں کو عافیت مل سکے۔

1855 کے بعد مدراس میں ایک سائنٹفک سروے اور لگان کا نئے سرے سے تخمینہ لگانے کا عمل شروع ہوا۔ جس کے نتیجہ میں کسانوں پر اضافی لگان کا بوجھ کچھ حد تک کم ہوا۔اس سروے کے بعد یہ بھی طے کیا گیا کہ آمدنی کی کل رقم کا نصف بطور لگان وصول کیا جائے گا۔رعیت واری بندوبست میں یہ شرط بھی رکھی گئی کہ لگان کے نرخ پر بیس سال کے بعد نئے سرے سے نظر ثانی کی جائے گی۔اصلاح شدہ بندوبست کو 1864 میں نافذ کیا گیا۔اس کی وجہ سے زراعت میں توسیع ہوئی۔ جس کی بدولت زرعی پیداوار میں قدرے اضافہ ہوا۔اور کسانوں کی آمدنی میں اضافہ کی وجہ سے کچھ حد تک خوشحالی آئی۔اگرچہ مدراس میں قدرتی آفت نے 1865 اور 1876 کی زراعت اور کسانوں کو بہت زیادہ متاثر کیا۔لیکن بقول دھرما کمار اس قحط سالی کے باوجود ریاست بہت جلد اس مصیبت سے نکلنے میں کامیاب رہی۔دھرما کمار کے مطابق حاصل شدہ اعداد و شمار سے اس مفروضہ کی حمایت نہیں ملتی کہ زمین کسانوں کی ملکیت سے نکل کر مالدار کسان اور بنیوں کے زیر قبضہ جارہی تھی۔لیکن اعداد و شمار سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ ”قرض داری کی وجہ سے کسان بڑے پیمانے پر اپنی زمینوں سے بے دخل ہو رہے تھے۔کسانوں کے تحفظ کا کوئی نظم وضبط نہیں تھا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ معاشرے پر رعیت واری نظام کے مثبت اور منفی اثرات پیدا ہوئے جس سے صدیوں پرانے سماجی رشتوں کا شیرازہ بکھر گیا۔برطانوی حکومت نے رعیت واری نظام میں حق ملکیت کو از سر نو تسلیم کیا اور گاؤں میں موجود امیر کسانوں نے اپنی حیثیت کو باوثوق طریقہ سے قائم کیا۔اس سے معاشرے میں سماجی تنازعہ پیدا ہوا۔اس تنازعہ کی نوعیت مختلف علاقوں میں الگ الگ تھی۔اور اس کا انحصار علاقے کی سماجی اور ماحولیاتی حالات پر بھی منحصر تھا۔ڈیویڈ لڈن (David Ludden) نے تیرونویلی ضلع کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رعیت واری نظام کا فائدہ اس علاقے کے بااثر کسانوں جیسی میراث کہا جاتا تھا نے اٹھا کر خود کو بااختیار بنالیا اور اجتماعی حق ملکیت کو

ذاتی حق ملکیت کے طور پر اپنالیا۔اس طرح اسے زیادہ لگان وصول کرنے کا حقدار تسلیم کرلیا گیا۔ مدراس میں کسانوں نے میراث داروں کے خلاف اپنا مزاحمت گرچہ جاری رکھی مگر مدراس حکومت نے ان کی مزاحمت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ رعیت واری بندوبست کے ایک دوسرے ضلع تنجادر کے زرعی نظام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ میراث داروں کے لیے یہ سنہرا عہد تھا۔ انہوں نے زمین اور مزدوروں پر اپنی گرفت مضبوط کرلی تھی لہٰذا دیہی معاشرے کو تقسیم کردیا تھا۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں معاشی اور سماجی امتیاز نے معاشرے پر ان کا کنٹرول کچھ حد تک روایتی دیہی اشرافیہ کی جگہ نئے مالدار طبقہ بالخصوص بنیوں نے دیہی سماج میں اپنی جگہ اور شناخت بنانا شروع کردیا تھا۔

آندھرا پردیش میں بھی رعیت واری بندوبست نے دیہی کسانوں کے مابین تفریق امتیاز پیدا کردیا۔ 20 صدی کے اوائل میں وہاں کسانوں کا ایک طبقہ پیدا ہوگیا جس کے پاس کافی زمین تھی اور وہ مالدار ہو گئے تھے۔ ان امیر کسانوں کو ستیہ نارائن ''متوسط طبقہ کا کسان'' کہتے ہیں، جو بڑی بڑی زمینداری کے مالک تھے اور اپنی فاضل زمین کو غریب کسان جنکے پاس زمین نہیں ہوتی تھی کھیتی کے لیے یا پھر بٹائی پر دے دیتے تھے اس طرح مدراس اور دیگر علاقوں میں کسان اور حکومت کے مابین بچو لیے بھی پیدا ہوگئے جو خوشحال زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے برخلاف کسانوں کی ایک بڑی آبادی غربت اور تنگ دستی کی زندگی گذارنے پر مجبور تھی۔ حکومت اور دیہی اشرافیہ اور بڑے کسان ان کا مرضی مطابق استحصال کرتے تھے وہ تمام دشواریوں کے باوجود اپنی زمینوں سے وابستہ تھے۔

4.2.7 رعیت واری بندوبست اور مورخین کا نقطۂ نظر (Ryotwari Settlement and Historian's Views)

رعیت واری بندوبست کا مغربی ہندوستان کی سماجی زندگی اور معیشت پر بہت گہرا اثر مرتب ہوا۔ ان اثرات اور بندوبست کے عمومی نتائج کا مطالعہ مورخین کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔ کسانوں کا بے جا استحصال اور حکومت کے متشدد رویہ سے تنگ آکر دکن میں اسی طبقہ نے بغاوت کردی۔ جس سے برطانوی سرکار کے لیے مزید دشواریاں پیدا ہوگئیں ایشنا دوبے بنرجی کا خیال ہے کہ 1875ء کو دکن کے فسادات مہاجن کے خلاف کسانوں کی نفرت اور دشمنی کی واضح مثال تھی۔ دکن کے دوسرے حصے میں فسادات کہیں نہ کہیں استحصال کا نتیجہ تھیں۔ روپندر کمار کا ماننا ہے کہ بمبئی میں رعیت واری بندوبست کے سبب جس نے کسانوں کے حق ملکیت کو تسلیم کرلیا تھا مہاجن اور کنبی (کسان) کے صدیوں پرانے روایتی رشتے کو تبدیل کردیا تھا۔ کسان اپنی زمین گروی رکھ کر قرض لیتا تھا حق ملکیت کی وجہ سے مہاجن اکثر و بیشتر کسان کی زمین غصب کرنے کے فراق میں لگا رہتا تھا۔ قرض پر شرح سود بڑھا کر گروی رکھی زمین کورٹ کے فرمان کے ذریعہ ہڑپ کرلیتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی ہندوستانی میں کسان ایک طرف مہاجن / ساہوکار کے مخالف ہوگیا تو دوسری طرف سرکار کے معاندانہ رویہ سے بھی باغی ہوگیا۔ اور اس نے دونوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا جو بغاوت کی شکل میں رونما ہوا۔

ایک دوسرے مؤرخ نیل چارلس ورتھ کا ماننا ہے کہ بمبئی میں رعیت واری بندوبست کی وجہ سے عملی طور پر سماجی زندگی اور مختلف طبقوں کے رشتوں میں کوئی ڈرامائی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ دیہی زندگی میں پاٹل ایک بارسوخ طبقہ تھا۔ رعیت واری بندوبست کے سبب اگرچہ ان کی حیثیت عام کسان جیسی ہوگئی۔ لیکن یہ تبدیلی تو انگریزوں کی آمد سے قبل شروع ہوچکی تھی اور برطانوی عہد حکومت تک یہ پایہ تکمیل کو

پہنچ گئی۔ گاؤں کا اشرافیہ بھی اس سے حد درجہ متاثر ہوا۔ لیکن کچھ علاقوں میں اشرافیہ اپنی حیثیت قائم و دائم رکھنے میں کامیاب بھی ہوا۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں زمین کیبڑے پیمانے پر منتقل ہونے کے ثبوت کم ملتے ہیں کیونکہ مہاجن/بنیا مقروض کسانوں کی زمین ہڑپ کرنے میں کسی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔

ایک دوسرے مؤرخ پرلچ فوکازاوا، نیل چارلس ورتھ کے نقطۂ نظر کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ تاجر اور ساہوکار کے زمین خریدنے کا ثبوت کم ہی ملتا ہے۔ لہٰذا زمین کی منتقلی کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔ آئن کٹاناخ زمین کی منتقلی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انیسویں صدی میں کسانوں کے ہاتھ سے زمین دوسرے دولتمند طبقہ کے پاس چلی گئی۔ لیکن یہ منتقلی بغاوت کی وجہ نہیں تھی۔ اس کے برعکس رویندر کمار اور سمیت گوہا اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ رعیت واری بندوبست کی وجہ سے سماج میں طبقاتی کشمکش رونما ہوا جس نے مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں فسادات بھڑکانے میں مدد کیا۔ وینکٹ سوبیّا یہ مانتے ہیں کہ رعیت واری بندوبست کے نفاذ کے ساتھ ہی اس کے نتائج مایوس کن ثابت ہونے لگے۔ کسانوں نے بنیوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا جس سے خوف زدہ ہو کر بنیوں نے قرض نامہ برباد کرنا شروع کر دیا تاکہ وہ کسانوں کے بغاوت اور حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ برطانوی حکومت کی مالگزاری نظام کے نتائج اور اثرات سے کسان بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ 1867ئمیں سرکار نے مالگزاری کی شرح بڑھانے کا فیصلہ کیا حالاں کہ کسان اس وقت بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا تھے۔ اس کی وجہ سے انہوں نے اس فیصلہ کی شدید مخالفت کی۔ اس کے ساتھ سہاکاروں کے ذریعہ زمین پر قبضہ جمانے کی پالیسی نے کسان اور ساہوکار کے مابین رشتہ کو مزید متاثر کیا، جس کے نتیجہ میں 1875 کے فسادات نہ ساہوکاروں پر حملہ بڑھ گیا۔

1875 کے دکن فسادات ساہوکاروں کے خلاف کسانوں کے استحصال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غم غصہ کا مظہر تھا۔ کاشتکاروں کو حق ملکیت تفویض ہونے کے نتیجے میں کاشتکاروں اور ساہوکاروں کے پرانے رشتے میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی، کی شروعات سے ہی قرض دھندگان بنیوں کی نیت کاشتکاروں کی زمین ہڑپ حق ملکیت کو لینے کی ہوتی تھی۔ کسی ناگہانی صورت حال یا پھر کسی دوسری وجہ سے قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں کسانوں کی گروی رکھی زمین پر ساہوکار عدالتوں میں اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کر کے قابض ہو جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے جگہ جگہ ایسے فسادات پھوٹ پڑے جس کا مقصد ساہوکاروں کو زخمی کرنے سے زیادہ قرض کے دستاویزات کو تباہ کرنا تھا۔ تاکہ کوئی دستاویزاتی ریکارڈ نہ باقی نہ رہ سکے۔ موپلا بغاوت بھی اسی بندوبست کا نتیجہ تھی۔ موپلا عربی نسل کے لوگ تھے یہ لوگ زیادہ تر کرایہ دار کاشتکار یا پھر بے زمین مزدور تھے اور رعیت واری بندوبست کی وجہ سے مالا بار میں سب سے زیادہ یہی طبقہ متاثر ہوا۔ اس بندوبست میں جنمی (Jenmi) کو حق ملکیت حاصل تھا اور انہوں نے موپلا، جو کرایہ دار کاشتکار تھے، استحصال کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے موپلا شدید غربت کا شکار ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ موپلاؤں نے اس طبقہ کے خلاف بغاوت کر دی۔

مالگزاری کمیٹی کے لیے دولت اکٹھا کرنے کا ایک اہم ذریعہ تھی۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ رعیت واری نظام کو دوسرے بندوبست کے مقابلے میں زیادہ عملی اور اصولی تھا۔ ارک اسٹوک کا ماننا ہے کہ رعیت واری بندوبست میں حکومت کو خود ایک بڑے زمیندار کے طور پر

پیش کیا گیا۔اور سالانہ مالگزاری ادا کرنے پر رعیت کو حق ملکیت تفویض کیا گیا تھا۔چارلس ورتھ کے مطابق مالگزاری حکومت کی آمدنی کا واحد اہم ذریعہ تھی۔1850-51 میں مالگزاری سے حکومت نے کوئی 2 کروڑ پاؤنڈ حاصل کیے۔سرکاری آمدنی کا 5 فیصد حصہ مالگزاری سے حاصل ہوتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ برطانوی حکام نے حکومت کے قیام کے بعد اس میں دلچسپی کا مظاہرہ کرکے مختلف علاقوں میں مختلف بندوبست قائم کیا۔ ایشتیا بنرجی دوبے نے مالگزاری کے اس نظام کو ماحولیاتی نظام کے لیے خطرہ بتایا ہے۔کیونکہ زراعت کی توسیع کے لیے جنگل کی کٹائی اور بے کار زمین کے زرعی استعمال سے جغرافیائی علاقوں کا توازن بگڑنے اور زمینی خاکہ تبدیل ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے ماحولیاتی نظام اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا ہے۔

4.3 محل واری نظام (Mahalwari System)

4.3.1 محل واری نظام کی ابتدا (Beginning of Mahalwari System)

مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد انگریزوں کے زیر تسلط ایک بہت بڑا علاقہ آگیا اور اب لارڈ ہیسٹنگز کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ایک منظم اور جامع مالگزاری کا نظام قائم کرنا تھا جو سرکار اور کسانوں دونوں کے لیے منافع اور تشفی بخش ہو سکے۔چونکہ بندوبست استمراری اور رعیت واری دونوں نظام منصوبہ بندی کرنے والوں کی امیدوں پر پورا نہیں اترے۔توان لوگوں نے ایک تیسرا بندوبست رائج کرنے کو فوقیت دی جسے محل واری نظام کہا جاتا تھا۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں بندوبست استمراری میں معاہدہ زمیندار طبقہ سے ہوا تھا اور اسی کو حق ملکیت بھی تفویض کیا گیا تھا۔رعیت واری نظام میں کاشتکاروں سے براہ راست معاہدہ ہوا اور ان کو حق ملکیت بھی دے دیا گیا۔لیکن محل واری بندوبست میں ''محل'' یعنی گاؤں کی برادری سے معاہدہ ہوا، نہ کہ انفرادی کسان سے۔اس لیے اسے محل واری نظام بھی کہا جاتا ہے۔یہ بندوبست متحدہ صوبجات (اترپردیش) کے مغربی حصہ، پنجاب اور مرکزی صوبجات (مدھیہ پردیش) کے کچھ اضلاع میں لاگو کیا گیا۔سب سے پہلے آگرہ جسے پہلے شمالی مغربی صوبہ کہا جاتا تھا پھر اودھ اور اجمیر میں نافذ کیا گیا۔ہالٹ میکنزی (Halt Mackenzie) کو اس کا پیش رو یا موجد مانا جاتا ہے۔ بندوبست استمراری تقریباً 19 فیصد اور رعیت واری بندوبست تقریباً 52 فی صد برطانوی ہندوستان کے علاقوں میں نافذ تھا لہٰذا 29 فیصد علاقہ پر محل واری نظام کا نفاذ ہوا۔

شمال مغربی ریاست اور اودھ کا علاقہ جو موجود اترپردیش کہلاتا ہے، انگریزوں کی مختلف پالیسیوں مثلاً الحاق کا معاہدہ اور جارحانہ جنگوں کی وجہ سے ان کے قبضہ میں آیا۔اودھ کے نواب نے انگریزوں کو الٰہ آباد سونپ دیا ج۔مراٹھوں کو جنگ میں شکست دیکر انگریزوں نے گنگا جمنا دوآب کے علاقہ پر قبضہ کر لیا جسے مفتوحہ علاقہ کہا جانے لگا۔اس کے بعد شمالی ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر انگریز قابض ہو گئے۔مقبوضہ علاقہ کے گورنر ہنری ویلزلی نے زمینداروں کے ساتھ ایک بندوبست کیا اور اس میں مالگزاری اودھ کی مالگزاری سے کئی گنا زیادہ طے کر دیا۔جبکہ اودھ میں ہر سال کی پیداوار کے مطابق مالگزاری وصول کرنے کا طریقہ رائج تھا جس سے کسانوں پر زیادہ بوجھ نہ پڑ سکے۔لیکن ہنری ویلیزلی کی پالیسی کسانوں کے بے جا استحصال کا ایک آلہ تھا۔اس میں کسانوں سے مالگزاری بہت سختی سے وصول کیا جاتا تھا اسی طرح کی مالگزاری کا بندوبست

مفتوحہ علاقوں میں بھی کیا گیا۔

مرہٹوں کی شکست کے بعد مفتوحہ اور مقبوضہ علاقوں میں نئی بندوبست اور اراضی کے لیے ایڈورڈ ٹول بروک اور ٹرانٹ نے مراد آباد، بریلی، شاہجہاں پور اور روہیلکھنڈ میں بندوبست سے متعلق اپنی رپورٹ سرکار کو جمع کیا۔ اور انہوں نے مالگزاری کو دائمی حیثیت پر متعین کرنے کی تجویز پیش کی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے مقبوضہ اور مفتوحہ صوبوں میں بندوبست استمراری کے نفاذ کی حمایت میں کورٹ آف ڈائریکٹرز کو ایک تجویز پیش کی۔ رومیش چندر دت کے مطابق 'ایک تجارتی کمپنی کے ڈائرکٹروں نے جواب ایک سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے، بڑی بے رغبتی کے ساتھ لارڈ ہیسٹنگز کی تجاویز کو رد کر دیا۔' اس طرح ہمیشہ کے لیے بندوبست استمراری کے نفاذ کا کوئی توقع ختم ہو گیا۔ لہٰذا ہالٹ میکینزی ، جو بورڈ آف ریونیو کا سیکریٹری تھا، جس نے 1819 کی مشہور روداد لکھی جس کی تفصیلات کو بنیاد بنا کر محل واری نظام نافذ کر دیا گیا۔ اس نے گاؤں کی پیمائش، کھتونی تیار کرنے پر زور دیا۔ گاؤں پنچایتوں کی نمائندگی کھیا کریں جن کو نمبر دار کہا جاتا تھا۔ انہیں نمبر داروں پر ریاست کی مالگزاری ادا کرنے کی ذمہ داری عائد کر دی گئی۔ مالگزاری ادا کرنے والوں کو اس وقت جو حقوق حاصل تھے اس کو برقرار رکھنے کی تجویز کو بھی قبول کر لیا گیا۔ اس بندوبست میں بقول دت 'اس بات کی خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ زمین کے محصول کی شرح مقرر کرنے کے وقت اعتدال سے کام لیا جائے۔' حکومت نے 1833 میں اس کے نفاذ کے وقت اس بات پر خاص زور دیا تھا لیکن 1822 میں ہی اس بندوبست کے نفاذ کو قانونی جواز مل گیا تھا جسے 1833 میں مکمل طور پر نافذ کر دیا گیا۔ رومیش چندر دت لکھتے ہیں کہ 'بندوبست پر نظر ثانی کرتے وقت ہر گاؤں اور زمینداری کا بندوبست کرنا تھا۔ چونکہ ہندوستانی زبان میں زمینداری کو محل کہا جاتا تھا اس لیے شمالی ہند میں ہونے والے اس بندوبست کا نام محل واری نظام پڑ گیا۔' اس بندوبست میں مالگزاری کے مطالبے میں اس وقت تک اضافہ نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک کہ زمیندار کا منافع، سرکاری مطالبہ کے پانچویں حصہ سے زیادہ نہیں ہو جاتا تھا۔ شرح مالگزاری بہت زیادہ تھی۔ ایک اندازہ کے مطابق سرکاری مطالبہ زمینداری کے مجموعی لگان کا 83 فیصد سے زیادہ ہوتا تھا۔ اگرچہ 1822 مسودہ میں اس بات کی خواہش ظاہر کی گئی تھی ہلگان معتدل ہونی چاہیئے تاکہ کسانوں پر بوجھ نہ بن سکے۔

1822 میں شمالی ہندوستان میں جو بندوبست لاگو ہوا تھا، وہ اپنے مقاصد کے حصول میں پوری طرح ناکام ثابت ہوا۔ سرکاری مطالبہ کی شرح 80 فیصد سے زیادہ تھی جو یقیناً بہت زیادہ تھا اور غیر عملی تھی۔ یہ بندوبست ناکام ثابت ہو رہا تھا۔ اس میں اصلاح کی ضرورت تھی۔ 1828 میں ولیم بینٹنک ہندوستان کا گورنر جنرل بن کر آیا۔ اس نے شمالی ہندستان کا دورہ کرنے کے بعد ایک رپورٹ جمع کی جس میں شرح کی زیادتی کو کسان دشمن اور غیر عملی بنایا گیا۔ اور اس شرح کو کم کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ محل واری نظام میں شرائط اور لگان کی شرح کو ایک پٹہ پر درج کر لیا جاتا تھا جسے محصول کنندگان اور کسان متفقہ طور پر تسلیم کر لیتے تھے۔ جس زمینداری پر مالکان اراضی کے بجائے کسانوں کا مشترکہ حق ہوتا تھا وہاں سرکاری مطالبہ بعض اوقات لگان کا 95 فیصد کر دیا جاتا تھا۔ ولیم بینٹنک نے جب اس بندوبست کے بنیادی اصولوں کو بخوبی سمجھ لیا تو اس نے اس بندوبست کو طویل پٹہ پر دینے کی حمایت کی تاکہ زمیندار اور کسان زمین کو زرخیز بنانے کی کوشش کریں جس سے پیداوار بہتر ہو سکے اور اس کے ساتھ حکومت کا مطالبہ بھی معتدل ہو، تاکہ کسانوں کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔ ہالٹ میکنزی، نے 1819 میں ایک مسودہ تیار کیا جس میں میکنیزی نے شمالی ہند میں موجود ایک دیہی طبقہ کی نشاندہی کی اور مالگزاری کے کسی بھی بندوبست کے نفاذ کے لیے اس نے کچھ

تجاویز پیش کیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

- سب سے پہلے زمین کی پیمائش کرائی جائے۔
- زمین کے مالکانہ حق کی نشاندہی کر کے اس کا ریکارڈ تیار کیا جائے۔
- ہر گاؤں سے طے شدہ مالگزاری وصول کرنے اور اس کے تقاضہ کے لیے معقول نظم کیا جائے۔
- گاؤں کے نمبر دار کو مالگزاری وصول کرنے کی ذمہ داری دی جائے۔

اس طرح محل واری بندوبست کے نفاذ میں آسانی ہوگی۔ اور یہ کسانوں اور حکومت دونوں کے لیے مناسب قدم ہوگا اس کو 1822 کے ریگولیشن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ اس ریگولیشن 1822 نے محل واری بندوبست کے لیے قانونی جواز فراہم کر دیا تھا مگر عملی طور پر 1822 کے ریگولیشن نہم(IX) کے ذریعہ اس کا مکمل نفاذ ممکن ہو سکا۔ ولیم بینٹنک ایک مدبر انسان تھا جس نے عوام کے فلاح و بہبود کے لیے کئی قدم اٹھائے۔ اس نے 1822 کے بندوبست کے فوائد و نقصانات کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس بندوبست کے تحت مالگزاری وصول کرنے کا طریقہ بہت ہی جابرانہ ہے جس کی وجہ سے کسان خستہ حالی اور بھکمری کا شکار ہو رہا ہے۔ باہمی صلاح و مشورہ کے بعد اس نے 1833 کا ریگولیشن تیار کیا۔ اس کی رو سے اس نے سب سے پہلے مندرجہ ذیل قدم اٹھائے۔ 1- پیداوار کا تخمینہ لگانے کے عمل کو آسان بنایا۔ 2- کھیتوں کی زرخیزی کے مطابق پیداوار کا اوسط کی بنیاد پر مالگزاری عائد کرنے کی تجویز رکھی۔ 3۔ پہلی مرتبہ زمین کا نقشہ استعمال کرنے اور زمین کا رجسٹر تیار کرنے کی تجویز پیش کی۔

4.3.2 محل واری بندوبست کی خصوصیات (Characteristics of Mahalwari System)

محل واری نظام میں مالگزاری محل یا پھر گاؤں کے ساتھ طے کیا گیا تھا۔ مقامی زمیندار جو علاقہ میں نمبر دار کہلاتا تھا وہ تمام کسانوں کی جانب سے سرکار کو لگان جمع کرنے کے لیے ذمہ دار تھا۔ ابتدائی طور پر 1833 میں کل پیداوار کا دو تہائی حصہ بطور لگان طے کیا گیا۔ لیکن کسانوں کی پریشانی اور ادائیگی میں مشکلات کے پیش نظر اس کو نصف کر دیا گیا۔ کسانوں کو مالگزاری زمیندار کے یہاں جمع کرنا تھا۔ مالگزاری کا فی صد ہر کسان کے لیے متعین تھا لیکن مقدار زمین کی حق ملکیت کے مطابق الگ الگ تھی۔ محل واری نظام میں بھی بندوبست استمراری کی طرح کسان کو اپنی زمین گروی رکھنے یا بیچنے کا اختیار حاصل تھا۔ محل واری نظام بھی رعیت واری بندوبست کی طرح 30 سال اور کچھ دیگر معاملہ میں 20 سال کے لیے نافذ العمل تھا۔ ہر 30 سال یا پھر 20 سال کے بعد نظر ثانی کر کے از سر نو لگان معین کیا جاتا تھا۔ اس بندوبست میں محل کے پیداوار پر ہی تخمینہ لگا کر لگان متعین کیا جاتا تھا اور محل کے تمام مالکان متحدہ طور پر لگان کی رقم دینے کے لیے ذمہ دار تھے جو سرکار نے ان کے محل پر تخمینہ لگا کر طے کی تھی۔ جب لگان کی مقدار زیادہ ہوتی تھی تو ان کے درمیان سے ایک نمائندہ منتخب کر لیا جاتا جو سب سے لگان وصول کر کے سرکاری خزانہ میں جمع کرنے کے لیے ذمہ دار ہوتا تھا محل کی نگرانی بھی اسے کے سپرد ہوئی تھی۔ دراصل یہ بندوبست "گاؤں کی برادری سے طے کیا جاتا تھا۔ اس لیے اس کو (Two-Fold) دورخی بندوبست بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ۔

- حق ملکیت اور ملکیت پر بنائے قبضہ نجی کسان اور کاشتکار کے پاس تھی اور کاشتکاری وہ نجی طور پر کرنے کا مجاز تھا۔

- سرکار کو وہ متحدہ طور پر لگان دینے کے لیے ذمہ دار تھا۔ پورا گاؤں اپنے نمائندہ یا نمبردار کے توسط سے سرکار کو لگان جمع کرتا تھا۔

اس بندوبست کے بارے میں مورخین کا خیال ہے کہ یہ پیش رو دو بندوبستوں کی ناکامی کے بعد درمیانی راستہ کے طور پر محل واری نظام کو نافذ کیا گیا تھا۔ یہ بندوبست اپنے پیش رو دونوں بندوبستوں کی بہتر خصوصیات کا مجموعہ تھا۔ مثلاً:

1. محل واری نظام نافذ کرنے کے پس پردہ یہ مقصد تھا کہ زمینداری بندوبست کی طرح سرکار کی آمدنی کو یقینی بنایا جائے اور اسی کے ساتھ حکومت اور کاشتکاروں کے مابین براہ راست تعلق قائم کیا جائے جیسا کہ رعیت داری نظام میں رائج تھا۔
2. حکومت اور کاشتکاروں کے درمیان بچولیا مثلاً نمبردار منظر عام پر آیا۔ لیکن بنگال کے زمینداری بندوبست کی طرح رعیت واری بندوبست کے بچولیوں کو حق ملکیت تفویض نہیں کیا گیا۔
3. محل واری علاقوں میں حکومت نے زرعی معیشت کے انتظام و انصرام کا اختیار اپنی تحویل رکھا لیکن زراعت اور لگان کی حصولیابی کی ذمہ داری اپنے پاس نہیں رکھی۔ جیسا کہ رعیت واری بندوبست میں دیکھنے کو ملتا ہے۔
4. اس بندوبست میں اگرچہ کسان زراعت انفرادی طور پر کرتے تھے لیکن وہ مالگزاری سرکار کو اجتماعی طور پر ادا کرتے تھے۔ اگرچہ اس بندوبست کو شروع کرنے کے پس پردہ کسانوں کی خیر خواہی اور اور بھلائی مقصود تھی لیکن دوسرے بندوبست کی طرح محل واری نظام بھی کسانوں کے استحصال کا سبب بنا۔ اور محل واری نظام کے زیر انتظام علاقوں کی زرعی معیشت بہت متاثر ہوئی۔ اور کسانوں کی خستہ حالی کا موجب بنی۔
5. محل واری نظام میں زمینداری بندوبست کی طرح بچولیوں کی بے شمار تعداد نہیں تھی۔ رعیت واری بندوبست میں کوئی بچولیا نہیں تھا۔ سرکار ہی ایک بڑے زمیندار کی طرح تھی۔ اس کے برعکس محل واری نظام میں نمبردار ایک ایسا بچولیا تھا جو سرکار اور کاشتکاروں کے درمیان ایک کڑی کے طور پر کام کرتا تھا۔

محل واری نظام میں کسانوں کو کئی مراعات حاصل تھیں۔ گاؤں کی تمام زمینوں مثلاً جنگل، تالاب اور چراگاہ وغیرہ پر دیہی طبقہ کو حق ملکیت حاصل تھا۔ گاؤں کے سبھی لوگوں کی مشترکہ جائداد ہوتی تھی اور سبھی کو اس کے استعمال کا حق حاصل تھا۔ بندوبست استمراری میں ایسی مشترکہ جائداد جس پر صدیوں سے کسانوں کو روایتی حق حاصل تھا اس کے استعمال سے دیہی باشندوں کو محروم کر دیا گیا تھا۔

4.3.3 محل واری نظام اور تعلقداری نظام (Mahalwari Settlement and Taluqadari System)

شمالی مغربی صوبوں میں بالخصوص اودھ کے تعلقداروں پر مالگزاری نظام کے اثرات سے بحث کرتے ہوئے شیکھر بندوپادھیائے نے تعلقداری نظام کا ذکر کیا ہے۔ شمالی مغربی صوبوں میں زرعی ڈھانچہ میں تعلقدار ایک اہم عنصر تھے۔ پروفیسر نورالحسن ان کو بچولیا زمیندار کہتے ہیں حکومت مالگزاری وصول کرنے کے لیے ان کی خدمات حاصل کرتی تھی۔ دوسری طرف ایک بڑا گروپ ''ابتدائی زمینداروں'' کا تھا۔ رہائشی اور زرعی علاقوں پر ان کا حق ملکیت تھا۔ اس کے علاوہ خطیر ملکیت والے کسان بھی تھے۔ انگریزوں نے انہیں تعلقداروں سے مالگزاری

وصول کرنے کی حکمت عملی اپنائی جو بعد میں چھوٹے چھوٹے حکمراں کے طور پر اپنی خود مختاری کا دعویٰ کرنے لگے۔ ارک اسٹوک کا ماننا ہے کہ 1920 کے بعد اس طبقہ کی حالت ابتر ہوئی اور کچھ لوگوں کی حیثیت بالکل ہی مبہم ہوگئی۔ زمینداری کی خرید وفروخت نے زرعی اور سماجی زندگی کو مزید متاثر کیا۔ مثلاً جب کوئی تعلقدار اپنی زمین فروخت کرتا تو ہمیشہ وہاں کے امیر کسان یا پھر تحصیلدار اس اراضی کو خرید لیتے تھے۔ شیکھر بندو پادھیائے کے مطابق صرف بنارس کے علاقہ میں انیسویں صدی کے نصف میں تقریباً چالیس فیصد زمین کی خرید وفروخت ہوئی۔ برنارڈ کوہن (Bernard Cohn) اس خرید وفروخت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ زمینیں سول سرونٹ یا پھر ان کے معاونین یا پھر تاجر پیشہ لوگ یا پھر مہاجنوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئیں جو مستقبل میں زمینداروں کے ایک نئے طبقہ کے طور پر ابھرے جو گاؤں کے دیہی طبقہ (Village Community) سے الگ تھے اور اس کا زمین اور دیہی زندگی کا نظریہ بھی منفرد تھا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ زمینداروں کا یہ نیا طبقہ زمین خرید کر اپنی زمینیں انہیں کسانوں کے مالکوں کے حوالہ کر دیتا تا کہ وہ اس پر زراعت کر سکیں۔ چارلس میٹکاف کا ماننا ہے کہ حالات اس لیے خراب نہیں ہوئے کہ زمین غیر زرعی طبقہ کو نہیں منتقل ہو رہی تھی۔ ہالٹ میکنزی بہر حال اس صورت حال کو ایک افسردہ انقلاب (Melancholy Revolution) سے تعبیر کرتا ہے۔ ہالٹ میکنزی کا خیال تھا کہ دیہی ادارہ ہی زمین کا دراصل حقیقی مالک تھا۔ کمپنی کے حکام منافع کے پیش نظر مفتوحہ علاقوں میں نیا مالگزاری نظام نافذ کرنے کے خواہاں رہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے تعلقداروں کے بجائے دیہی طبقہ یا پھر ابتدائی زمینداروں کے ساتھ بندوبست کیا جو بے شک ہالٹ میکینزی کی سفارشوں پر مبنی تھا، جسے 1822 کے ریگولیشن ہفتم میں شامل کیا ہے۔

4.3.4 قواعد وضوابط اور ان کی ترمیم (Rules and Regulations and Their Amendment)

تعلقداروں کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہوا تھا دیہی طبقوں کے ساتھ ان کو بھی حق ملکیت تفویض ہوتی تھی۔ تعلقداروں کی ظلم وزیادتی اور زیادہ سے زیادہ مالگزاری وصول کرنے کی وجہ سے ہی محل واری نظام نافذ کیا گیا تھا۔ لیکن اس بندوبست کی بھی اپنی خوبیاں اور خامیاں تھیں اور اس کا نفاذ بھی دشوار تھا کیونکہ دو موجودہ انتظامیہ کے زیر نگرانی اس کو نافذ کرنا قدرے مشکل امر تھا۔ اس بندوبست میں زرعی پیداوار کا تخمینہ ضرورت سے زیادہ لگایا گیا تھا۔ لہٰذا مالگزاری بھی غیر معمولی تخمینہ جسے مورخین (idiosyncratic estimate) کہتے ہیں، کی بنیاد پر طے کیا گیا تھا۔ 1828 میں معاشی مندی بالخصوص زرعی بحران کی وجہ سے کسان لگان دینے سے عاجز تھا، لہٰذا بقایا بڑھتا جا رہا تھا۔ زراعت نہیں ہو رہی تھی۔ زمین کے خریدار نہیں تھے۔ کسانوں کی خستہ حالی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایسی صورت حال میں بڑے پیمانے پر اصلاح کی شدید ضرورت تھی۔ اس صورت حال کے پیش نظر بالخصوص ولیم بینٹنک کی سرکار نے 1822 کے ریگولیشن پر نظر ثانی کر کے اسے لوگوں کی خستہ حالی کا ذمہ دار بتایا۔ لہٰذا برطانوی حکومت نے 1833 میں ریگولیشن کے ذریعہ بنیادی بندوبست میں کچھ اصلاحات کر کے کسانوں کو کچھ مراعات اور زراعت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔

نظر ثانی شدہ نظام اور ریگولیشن نہم کے تحت اصلاحات کو نافذ کرنے کے لیے آر۔ مارٹن برڈ کو ذمہ داری سونپی گئی۔ مارٹن برڈ کی زرعی معلومات اور اراضی کی اصلاحات پر دسترس کی وجہ سے اس کو شمالی ہندوستان کے بندوبست کا جنم داتا کہا جاتا تھا جس کو بعد میں جیمس تھامسن

نے 1844 میں باضابطہ طور پر مکمل لیا۔ اس طرح سرکار نے کل پیداوار (Net Produce) کا دو تہائی حصہ یا پھر لگان کے طور پر وصول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور محل واری نظام اتر پردیش میں 30 سال کے لیے اور پنجاب میں 20 سال کے لیے نافذ کیا گیا اور پھر اس کے بعد دوبارہ زرعی پیداوار اور آمدنی میں اضافہ کا از سر نو تخمینہ لگا کر مالگزاری نافذ کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ نظر ثانی شدہ بندوبست میں اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ مجموعی زمین کی از سر نو پیائش ہو۔ کھیتوں کی باڑ ہو۔ زرعی اور غیر زرعی زمینوں کی زمرہ بندی ہو اور پوری اراضی کی پیداوار کا تخمینہ لگا کر لگان طے کرنے کی تجویز پیش کی گئی اور نمبرداروں کو اختیار دیا گیا کہ وہ محل کے اندرونی سطح پر لگان کی مجموعی رقم کی حصولیابی کو یقینی بنائے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جس بندوبست کو مارٹن برڈ اور جیمس تھامسن نے کامیابی کے ساتھ نافذ کیا تھا اس میں بھی خامیاں تھیں اور کسانوں کے لیے باعثِ پریشانی ثابت ہوئی کیونکہ اس دیہی بندوبست (Village Settlement) میں کئی خامیاں مثلاً نامکمل سروے/پیائش، نامناسب تخمینہ اور شرح لگان زیادہ تعین کرنا وغیرہ تھیں 1833 کے ریگولیشن کے مطابق اصلاح اور جیمس تھامسن کے ذریعہ اس عمل کا نفاذ بہت حد تک اطمینان بخش ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ 66 فیصد کی شرح نافذ العمل اور بہت سخت ثابت ہوا۔ لہٰذا لارڈ ڈلہوزی جب ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے مالگزاری وصول کرنے والے عملہ کو ایک نیا ہدایت نامہ جاری کیا۔ اس کے تحت 1855 کے سہارن پور قواعد کے تحت لگان کی قدر کا پچاس فیصد لگان طے کر دیا گیا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح محکمہ مالگزاری کے عملے نے عمل طور پر قانون کو نظر انداز کر دیا اور انہوں نے محصول شدہ رقم کا 50 فیصد وصولیابی کی جگہ مجموعی پیداوار پر 50 فیصدی وصولی کو نافذ العمل مان کر وصولیابی کی۔ اس کی وجہ سے زرعی طبقہ پر بہت زیادہ بوجھ بڑھ گیا اور کسانوں میں بے اطمینانی بڑھنے لگی۔ جس کا برملا اظہار 1857 کے غدر کے دوران دیکھنے کو ملتا ہے اور پھر تعلقداروں کی موجودگی بھی کسانوں کی پریشانی میں اضافہ کا باعث تھی۔ ان کے خلاف کسانوں سے زیادہ لگان وصول کرنے اور ان پر ظلم و زیادتی کرنے کی شکایت موجود تھی۔ اگرچہ ان کو سبکدوش کر دیا گیا اور کچھ کو ختم کر دیا گیا لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اس سے دیہی طبقوں کے لیے سنہرے دور کا آغاز ہو گیا۔ کیونکہ بندوبست اراضی کے بعد، بہت زیادہ لگان کے مطالبے، بڑھتے ہوئے قرض اور بقایاجات نے دیہی طبقہ کی زندگی کو تباہ کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے ان مطالبات کو پورا کرنے کے لیے اپنی زمینوں کو فروخت کرنا شروع کر دیا۔ لہٰذا بنیوں اور تاجروں نے اس کو خریدنا شروع کر دیا۔ دیہی علاقوں میں اس طرح بڑے پیمانے پر زمین ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے دولتمند طبقہ کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے۔ کچھ مورخین یہ مانتے ہیں کہ اگرچہ زمین کسانوں کے ہاتھ سے نکل کر دولتمند تاجروں یا بنیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ لیکن اس طبقہ نے دوبارہ زمینیں انہیں کسانوں کو زراعت کے لیے زمینیں دوبارہ انہیں کسانوں کے حوالہ کر دیں۔ لہٰذا کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن کچھ مؤرخین اس کے برعکس یہ مانتے ہیں کہ اس کے نتائج دوررس ثابت ہوئے۔ تھامس میٹکاف کہتا ہے کہ "یہ کہنا کہ کچھ نہیں ہوا صحیح نہیں ہے۔" کیونکہ شمالی ہندوستان میں دیہی سماج کی تکلیف کا اظہار 1857 کے غدر میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ کیونکہ دیہی سماج اور کسانوں نے اپنی شکایت اور تکلیف کا برملا اظہار غدر میں شامل ہو کر کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ بندوبست اراضی اور اس کے منفی اثرات سے تنگ آکر کسانوں نے یا تو خود بغاوت کر دی یا پھر 1857 میں غدر میں ان کی شمولیت غیر منصفانہ نظام کے خلاف غم و غصہ کا اظہار تھا۔ جسے مورخین نے بھی قبول کیا ہے۔ ولیم بینٹنک کے ریگولیشن نہم اور مارٹن برڈ کی اصلاحات یقیناً خوش

آئندہ اور تشفی بخش تھیں لیکن آر۔ سی۔ دت کے مطابق نظر ثانی شدہ بندوبست کے تحت لگان وصول کرنے کے ضوابط کو مالگزاری وصول کرنے والے بد عنوان حکام نے بالائے طاق رکھ دیا اور من مانے طور پر لگان وصول کیا جس کی وجہ سے غربت وافلاس اور بے اطمینانی بڑھتی گئی۔

4.3.5 مارٹن برڈ اور شمالی ہند کا محل واری نظام

(Martin Bird and the Mahalwari System of Northern India)

1822 میں جس محل واری بندوبست کو نافذ کیا گیا وہ کئی خامیوں کی بنیاد پر ناکامی کا شکار ہوا۔ اس کے مطابق زمین کی پیمائش کا کام شروع ہوا جو نامکمل رہا۔ خسرہ کی تیاری کا کام بھی مکمل نہیں ہو سکا۔ زرعی پیداوار کی تفصیلات بقول آر۔ سی دت 'پریشان کن اور بے سود ثابت ہوا' آر۔ سی دت مزید لکھتے ہیں کہ: ''حکومت کا مطالبہ جو لگان کے 80 فیصدی پر مشتمل تھا بہت زیادہ تھا اور اس کی وصولیابی بھی محل تھی۔'' لہٰذا کسانوں کے لیے بر وقت جمع کرنا ناگزیر ہو گیا مزید یہ کہ لگان کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لیے بے جا سختی کا استعمال سے کسانوں کو مزید پریشان کر دیا۔ 1822 کے بندوبست کے خلاف کسانوں میں شدید غم وغصہ تھا اور اس کے پیش نظر اصلاحات کی ضرورت تھی۔ اسی اثنا میں 1828 میں ایک منکسر المزاج گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنک ہندوستان آیا۔ بندوبست سے متعلق دیگر مسائل سے جب اس کو آگاہی ہوئی تو اس نے شمالی ہندوستان کا دورہ کیا اور اس نے لوگوں سے مل کر معلومات حاصل کیں اور ان کے مسائل سے آشنا ہوا۔ پھر اس نے ایک مفصل رپورٹ کورٹ آف ڈائریکٹرز کو ارسال کی۔ ولیم بینٹنک نے کمپنی حکومت کو بندوبست کی خامیوں اور نامناسب اقدام کے اثرات سے روشناس کرایا۔ کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اپنے ایک مراسلہ میں کمپنی کے حکام کو اصلاحاتی اقدام اٹھانے کی ہدایات جاری کیں جو مندرجہ ذیل تھیں:

1. طویل مدتی پٹوں کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اس کو نافذ العمل کیا جائے۔
2. بندوبست کی رفتار سست روی کا شکار ہے لہٰذا اس کی رفتار کو تیز کرنے کی تدابیر پر غور کیا جائے اور مناسب قدم اٹھا کر اس کو تیز کیا جائے۔
3. نیز یہ کہ کسانوں اور ذیلی کسانوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے مناسب قدم اٹھایا جائے تاکہ ان کو فوری تحفظ فراہم کیا جاسکے۔

ولیم بینٹنک نے ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر بندوبست کو تیزی سے نافذ کرنے اور کسانوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے کوششیں تیز کر دیں۔ دوسری طرف اس نے 1822 کے ریگولیشن کے تحت لگان کے 80 فیصد کے سرکاری مطالبے میں تخفیف کرنے کی تجویز بھی پیش کر دی تاکہ کسانوں کی حوصلہ افزائی کر کے زراعت کو فروغ دیا جاسکے۔ ولیم بینٹنک ایک اصلاح پسند گورنر جنرل تھا۔ وہ کسانوں کے بہی خواہ بھی تھا وہ چاہتا تھا کہ بندوبست کی خامیوں کو دور کر کے دوررس اصلاح کی جائے مثلاً طویل مدتی پٹے کئے جائیں تاکہ 'زمین دار اور کسان کے دِل میں زمین کو زرخیز بنانے کی خواہش پیدا ہو اور مناسب سرکاری مطالبہ مقرر کیا جائے تاکہ زمین کے لیے ان کے پاس رقم باقی رہ جائے۔' جس کو زراعت میں بہتر پیداوار کے لیے سرمایہ کاری کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔

ہندوستان کی اکثریت زمانہ قدیم سے گاؤں میں رہتی ہے۔ابتدا سے ہی گاؤں کے باشندوں نے گاؤں کو خود کفیل اکائی طور پر فروغ دیا تھا۔اور اسی خود کفالت کے تصور نے دیہی طبقہ کا نظریہ دیا تھا۔جہاں گاؤں کے لوگ مل جل کر رہتے تھے اور مسائل کو مل جل کر سلجھاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہاں بھائی چارہ کا تصور بھی پروان چڑھتا رہا۔اجتماعیت میں ان کا مکمل یقین تھا جس نے ان میں اتحاد قائم رکھا تھا۔لیکن انگریزوں کی آمد اور مختلف بندوبست بالخصوص بندوبست استمراری کے بعد دیہی اتحاد اور اجتماعیت کا تصور دھیرے دھیرے ختم ہونے لگا۔مگر ولیم بینٹنگ 'شمالی ہندوستانی گاؤں کی طرز زندگی کو برقرار' رکھنے کا حامی تھا۔یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اسی دیہی اتحاد اور اجتماعیت کی وجہ سے گاؤں کی آبادی کی 'مسرت آزادی اور خود مختاری' صدیوں سے قائم دائم رہی۔ولیم بینٹنک کے بعد سر چارلس میٹکاف گورنر جنرل بنا۔وہ بھی گاؤں کی خود مختاری اور سالمیت کے نفاذ کا حامی تھا۔اس نے اپنی 1930 کی روداد میں اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ''گاؤں کے دستور میں رخنہ اندازی نہ کی جائے''اور اس کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش ہونی چاہئے۔میٹکاف مزید لکھتا ہے کہ ''میرا خیال ہے کہ رعیت واری بندوبست کی طرح اگر گاؤں کی پوری آبادی کے بجائے انفرادی کسانوں سے بندوبست کیا گیا اور گاؤں کے نمائندوں اور مکھیا کو نظر انداز کیا گیا تو اس قسم کا بندوبست اس دستور ختم کردے گا۔''اس لیے میٹکاف مغربی صوبہ جات میں رعیت واری بندوبست کو نافذ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔کیونکہ مدراس اور بمبئی میں رعیت واری بندوبست کے نفاذ کے بعد مشترکہ ملکیت کا رواج ختم ہو گیا تھا۔

مشترکہ ملکیت، دیہی اتحاد، دیہی بھائی چارگی روایت کو جاری رکھنے کی خواہش اور ایک قابل قبول بندوبست قائم کرنے جس میں کسانوں کو تحفظ حاصل ہو کی غرض سے محل واری نظام نافذ ہوا لیکن یہ بھی کسانوں کے استحصال کو روک نہیں پایا۔اس لیے اصلاحات کی ضرورت پیش آپائی۔جس کے پیش نظر ولیم بینٹنک نے اپنی کاؤنسل کے اراکین، بورڈ آف ریونو اور کورٹ آف دائریکٹر کے مشوروں سے ایک اصلاحی روداد تیار کی اس کے بعد پھر اس نے الہٰ آباد میں حکام کے ایک اجلاس میں اسے پیش کیا گیا۔مباحثہ اور غور وخوض کے بعد 1833 میں ریگولیشن 9 میں تمام سفارشوں کو یکجا کر دیا گیا۔اور یہی شمالی ہندوستان میں بندوبست کی حقیقی اساس بن گیا۔اس ریگولیشن نہم کے تحت پیداوار اور لگان کا تخمینہ لگانے کے طریقہ کو آسان بنادیا گیا۔دوم مختلف قسم کے کھیتوں کی اوسط پیداوار کی بناپر اوسط لگان کے طریقے کے رائج کیا گیا۔سوم کھیتوں کے نقشہ اور خسرہ کے استعمال کو پہلی دفعہ رائج کیا گیا۔چہارم حکومت کے مطالبہ کو کم کرکے مجموعی لگان کو دو تہائی کر دیا گیا۔اس بندوبست کو 30 سال کے لیے نافذ کیا گیا اور ہر 30 سال کے بعد نظر ثانی کرکے از سر نو لگان نافذ کرنے کی شرط عائد کی گئی۔

محل واری نظام کا نفاذ اور اس میں اصلاحات کے بعد اس کی نگرانی کی ذمہ داری ایک نہایت ہی ایماندار اور قابل انگریز افسر رابرٹ مارٹنس برڈ کو تفویض کی گئی۔یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس کی صلاحیتوں، اہلیت اور خدمات کی بناپر اسے شمالی ہند کے بندوبست کا امام کہا جاتا تھا۔اس کو عدالتی محکمہ اور مال کے محکمہ میں کام کرنے کا لمبا تجربہ تھا۔لہٰذا اس نے بندوبست کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔اس نے سب سے پہلے مالگزاری کی تشخیص، نجی حقوق اور گاؤں کی مشترکہ کاشت کے متعلق ساری معلومات کو جمع کروایا۔زراعت اور اراضی سے متعلق دستاویزات جمع کروایا۔اور اس بناپر ایسے اصول بنانے پر زور دیا 'جن سے وہ خرابیاں دور کی جاسکیں جو زمینی جائداد اور زراعتی خوش حالی کو گھن کی طرح کھارہی تھیں۔'

ریگولیشن نہم اور پھر مارٹن برڈ کی نگرانی میں بندوبست میں اصلاحات کے موثر نتائج رونما ہوئے جس کا اعتراف خود ماٹنس برڈ نے اپنے 1942 کے رپورٹ میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ 'میرے خیال میں یہ دعویٰ بیجا نہیں ہوگا کہ زمین کا ایسا مطالبہ مقرر کردیا گیا ہے جو اعتدال پسندی، انصاف اور مساوات پر مبنی ہے اور جس کو دولت پس انداز کرنے اور زراعت کو ترقی دینے کے راستے میں رکاوٹ ڈالے بغیر وصول کیا جاسکتا ہے اور وصول کیا جانا چاہئے۔' مارٹنس برڈ کو جو ذمہ داری تفویض کی گئی تھی اس کو اس نے بہت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ ہم نے سب سے پہلے وہاں زمین کی پیمائش کرائی۔ اس کے بعد کھیت کا نقشہ تیار کرایا پھر گاؤں کی سرحد کا تعین کیا گیا۔ گاؤں کی مزروعہ اور غیر مزروعہ زمین کی حدبندی کی گئی۔ پھر پیداوار کا تخمینہ لگا کر زمین کے محصول کی تفتیش کی گئی۔ پھر محصول کی رقم کا تعین کردیا گیا۔ اس طرح ہر گاؤں کے لیے واجب الادا رقم متعین کردی گئی۔ لیکن پورے محل کے لوگ مل کر لگان کی رقم ادا کرتے تھے۔ محل واری نظام کے متعلق مارنٹس برڈ نے خود اعتراف کیا کہ یہ بمبئی کے رعیت واری بندوبست سے بہتر تھا۔ اس بندوبست میں ''تشخیص کردہ مالگزاری کا زمین کی پیداوار کا تناسب دسویں حصہ سے زیادہ نہیں تھا۔'' اس نے یہ جانکاری بھی دی کہ رعیت واری بندوبست میں ''مالگزاری کی شرح بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے لوگ تباہ ہوگئے۔' رابرٹ مارٹنس برڈ اپنی خدمات انجام دیکر ہندوستان سے برطانیہ جانے لگا تو اس بندوبست کی نگرانی کا کام جیمس تھامسن جو شمال مغربی صوبہ جات کا گورنر جنرل تھا، کو سپرد کردیا گیا۔ وہ بہت ہی باصلاحیت اور ایک تجربہ کار آفیسر تھا۔ اس نے 1844 میں ''بندوبست کے لیے حکام کو ہدایتیں'' کے نام سے پہلا مکمل ضابطہ تیار کیا۔ یہ انتظامیہ کے لیے رہنما خطوط ہیں اس میں آر۔ سی۔ دت کے مطابق ''شمالی ہندوستان کے نظام اراضی کے بنیادی اصول بھی بیان کئے گئے ہیں۔'' آر سی دت نے ان اصولوں کو شمالی ہندوستان کے نظام اراضی کے بنیادی اصول کے ذیلی عنوان سے بیان کیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

1. آباد علاقوں کو بانٹ کر ان کی حد متعین کردی گئی۔ جس کو محل کہا جاتا تھا۔ ہر محل کے لیے کوئی 20 یا پھر 30 سال کے لیے لگان کے طور پر ایک رقم مختص کی جاتی۔ تخمینہ لگاتے وقت خالص آمدنی کے علاوہ کسانوں کے معقول منافع کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔
2. فاضل منافع حاصل کرنے کے حق دار ہی کو موروثی اور منتقلی کا حق حاصل تھا اور اس کو زمین کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ معاہدہ ہوتا تھا۔ کسی بھی محل پر مختص کی گئی رقم کو بطور لگان ادا کرنا ہوتا تھا۔
3. محل پر حکومت جو رقم مخصوص کرتی تھی اس کی ادائیگی کی ذمہ داری انفرادی اور مشترکہ طور پر محل کے سبھی مالکان پر جاتی تھی۔

ولیم بینٹنگ کے ذریعہ شروع کئے گئے اصلاحات کو پہلے مارٹنس برڈ اور بعد میں تھامسن نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ مفاد عامہ کے کام کرنے اور بہتر انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے تھامسن کو 1853 میں مدراس کے گورنر کے عہدہ کے لیے نامزد کیا گیا لیکن عین اسی دن وہ فوت کر گیا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں لگان کا مطالبہ بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے کسانوں کے لیے اس کی ادائیگی بسا اوقات بہت مشکل ہو جاتی تھی۔ ولیم بینٹنگ نے تخفیف کرکے اس کو دو تہائی کردیا لیکن لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں 1855 کے سہارن پور قواعد کے تحت شمالی ہندوستان میں اس کو لگان کا نصف کردیا گیا۔ رومیش چندر دت لکھتے ہیں کہ 'اگر اس اصول پر سختی اور دیانت داری سے عمل کیا گیا تو ہندوستان کی حکومت کو زیادہ مفید اور بہتر بتانے میں اس سے مدد ملے گی۔' سہارنپور قواعد کی بندی کام کے لیے لازمی تھی۔ 'اس قواعد کی رو سے حکومت کا

مطالبہ اوسط خالص املاک کا نصف مقرر کیا گیا۔ جو حقیقی اوسط املاک ہونا چاہئے۔'' لیکن بعد میں سرکاری حکام نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ ''حکومت کا مطالبہ زمینداریوں کے آئندہ اور امکانی لگان کا نصف ہونا چاہئے۔'

4.3.6 محل واری نظام سے حکومت کو فائدے (Government's Benefits from the Mahalwari System)

محل واری نظام دیگر بندوبست کی طرح برطانوی حکومت کے لیے معاشی طور پر بہت سود مند ثابت ہوا۔ مثلاً اس بندوبست میں مالگزاری وصول کرنے کی ذمہ داری ایک آدمی پر تھی نہ کہ رعیت داری کی طرح گاؤں کے سبھی کسانوں پر۔ نمبردار / پاٹل مشترکہ طور پر مالگزاری وصول کرتا اور ذاتی طور پر سرکار کو ادا کرتا تھا۔ یہ سرکار کے لیے موزوں تھا اور اس میں لاگت بھی نہیں آتی تھی۔ لہٰذا سرکار کے لیے یہ بندوبست آسان اور سستا تھا۔ محل واری نظام کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس طرح کا بندوبست اور زرعی نظام اس علاقہ میں قائم تھا ؟؟؟ لہٰذا اس سے ملتا جلتا نظام قائم کرنا برطانوی حکام کے لیے دشوار کن نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے محل واری نظام قائم کیا جس میں کسانوں کی دشواریوں اور شکایات کے پیشِ نظر اصلاحات بھی کئے گئے جن میں سہارنپور قواعد قابل ذکر ہے۔ اس بندوبست برطانوی حکومت کو ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حکومت نے آئندہ بیس یا پھر تیس سالوں تک مستقل آمدنی کو یقینی بنالیا۔ بندوبست استمراری میں سرکار کسی بھی اضافی پیداوار میں کوئی مطالبہ نہیں کرسکتی تھی کیونکہ لگان ہمیشہ کے لیے مستقل کردیا گیا تھا۔ اسی کے پیشِ نظر محل واری نظام میں سرکار پر 20 یا پھر 30 سال میں اضافی پیداوار میں اپنا مطالبہ کرسکتی تھی اور اس کے تحت وہ پیداوار کا تخمینہ اور زمیندار کی از سر نو پیمائش کرکے اضافی پیداوار پر لگان لگاتی تھی۔

4.3.7 محل واری نظام اور کسانوں کے مسائل (Mahalwari System and Farmer's Concerns)

اس کے برخلاف کسانوں کو کوئی خاص مراعات حاصل نہیں ہوئیں۔ لہٰذا ان کے لیے کوئی خوش آئند بات نہیں تھی۔ البتہ مورخین اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں کہ کسانوں کے لیے صرف یہی باعث اطمینان تھا کہ وہ حکومت کے بدعنوان افسروں کے استحصال سے بچ گئے اور اس بندوبست میں کسانوں کو اپنی زمین پر بہتر کنٹرول حاصل تھا۔ اور حق ملکیت بھی بچی رہی لیکن اسی کے ساتھ کسانوں کو کچھ دیگر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا مثلاً ٹیکس کی شرح بہت زیادہ تھی۔ ایک اندازے کے مطابق خالص آمدنی کا نصف حصہ بطور لگان سرکار وصول کرلیتی تھی جیسا کہ ہم نے رعیت واری بندوبست کے تحت میں خالص پیداوار /آمدنی کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بہت ہی مبہم تھا۔ محل واری نظام میں نمبردار اور زمیندار طبقہ موجود تھا جس نے کسانوں کا بہت زیادہ استحصال کیا جس کے نتیجے میں کسان فاقہ کشی کا شکار ہونے لگے۔ لگان کی ادائیگی کے لیے کسان اپنی زمینیں تاجروں بنیوں کو گروی رکھ دیتے تھے۔ پھر آئندہ سال بھی وہ بنیوں سے قرض لیتے تھے۔ ایسی صورت حال میں کسان ناقص پیداوار کی وجہ سے اور لگان کی ادائیگی کے لیے بار بار قرض لینے پر مجبور ہوتا تھا، جس کا فائدہ اٹھا کر ساہوکار /بنیا اس کی زمین اپنے نام بیچ کرالیتا تھا۔ کسان عمومی طور پر غربت کا شکار ہوتے تھے۔ لہٰذا پولس بھی ان کی مدد کرنے کے بجائے بنیوں کا ساتھ دیتی تھی۔ عدالتی چارہ جوئی کسانوں کے لیے ناممکن امر اس لیے تھا کہ وکیلوں کی فیس دینے کے لیے ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے اور عدالتی

کارروائی لمبے وقت تک چلتی تھی۔ بنیوں کا طبقہ صاحب حیثیت اور بارسوخ تھا۔ وہ ہمیشہ عدالتی فیصلوں کو اپنے حق میں کرالیتا۔ کسانوں کو بالآخر اپنی زمینوں سے ہاتھ دھودینا پڑ جاتا تھا اور وہ غربت کا شکار ہو کر ایک بے بس زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

4.3.8 محل واری نظام کے سماجی و معاشی اثرات (Socio–Economic Impacts of Mahalwari System)

گریش مشرا (Girish Mishra) کے مطابق 'اگر بندوبست استمراری کا رعیت واری اور محل واری نظام سے موازنہ کیا جائے تو یہ دونوں زرعی ترقی کے لیے موزوں ثابت ہوئے۔ کیونکہ ان دونوں بندوبست میں کسانوں کو اپنی اراضی پر حق ملکیت حاصل تھی اور ان کو مستقبل میں اراضی سے دستبردار ہونے کا خدشہ بھی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کسانوں نے زراعت میں سرمایہ کاری میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ زرعی ترقی کے لیے سرکار نے بھی کسانوں کی حوصلہ افزائی کی کیونکہ زرعی ترقی سے ان کی آمدنی میں اضافہ یقینی تھا۔' نیل چارلس ورتھ مانتے ہیں کہ 'سرکار کی آمدنی کا واحد سب سے اہم ذریعہ مالگزاری ہی تھا۔' ایشیتا بنرجی (Ishita Banerjee) لکھتی ہیں کہ 1888-99 میں سرکار کو نصف یا اس سے زیادہ یا ایک اندازے کے مطابق 50.3 فیصد مجموعی آمدنی مالگزاری سے حاصل ہوتی تھی۔ مالگزاری کا حد سے زیادہ مطالبہ اور حصولیابی کے رویہ سے غیر کاشتکاری والی زمینوں کو اپنے زیر قبضہ لا کر زراعت کرنے میں کسانوں کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ کسانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ مزدور بن گیا۔ یہ مزدور طبقہ دیہی علاقوں سے بڑی تعداد میں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس نے نوکری کی تلاش میں شہروں کا رخ کیا تاکہ دوسری صنعت و حرفت میں اس کو نوکری مل سکے۔ نوکری کی تلاش میں یہ مزدور طبقہ غیر ملکوں کا بھی رخ کرنے لگا۔

محل واری نظام کو کچھ مورخین زمینداری بندوبست کی تبدیل شدہ شکل کہتے ہیں کیونکہ گاؤں کا سردار یا نمائندہ رفتہ رفتہ زمیندار بن گیا اور وہ بھی زمینداری بندوبست کے زمینداروں کی طرح کسانوں کا بڑے پیمانے پر استحصال کرنے لگا۔ برطانوی زرعی بندوبست کے نتائج کسانوں کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوئے۔ انگریزوں کے بندوبست کے نتیجے میں زمین ایک جنس Commodity بن گئی۔ پہلے زمین میں نجی حق ملکیت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہاں تک بادشاہ اور کسان بھی اس کو ذاتی ملکیت نہیں سمجھتے تھے۔ ٹیکس کی شرح زیادہ ہونے کی وجہ سے کسانوں خود غلّہ کے بجائے تعدی غلّہ کی زراعت پر ضرورت سے زیادہ توجہ دی جس کی وجہ سے خورد و نوش کے غلہ کی پیداوار میں کمی آگئی جس کی وجہ سے ان اناجوں کی کمی ہوئی اور قحط جیسی صورت حال پیدا ہو گئی۔ سرکار نے کسانوں کو نقد ادائیگی Cash Payment کے لیے مجبور کیا جس کی وجہ سے کسان قرضدار ہونے لگے اور قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں بنیوں کے ہاتھوں اپنی زمینوں کو بیچنے لگے۔ بنیوں کا طبقہ سماج میں زمیندار بن گیا۔ 1947 میں جب ہندوستان آزاد ہوا اس وقت سات فیصد زمینداروں کے پاس ملک کی 75 فیصد زمین تھی۔ آزاد ہندوستان نے زمینداری ختم کر کے کسانوں میں زمینیں تقسیم کر دیں۔

4.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

رمیش دت کے مطابق برطانوی حکومت کے ذریعہ عائد کردہ آراضی کا محصول بہت زیادہ تھا اور پیداوار میں اضافہ کی صورت میں حکومت اپنا اضافی محصول وصول کرتی تھی جو کسانوں پر بہت بڑا بوجھ تھا، قدیم ہندوستان اور عہد وسطیٰ میں مالگزاری کا نظام کم و بیش اعتدال اور

انصاف پر مبنی تھا۔ حکومتیں کاشتکاری کی ترقی اور کسانوں کے رفاہ کے لیے خصوصی انتظام کرتیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں کیونکہ کاشتکاری ہی ملک کی قومی آمدنی کا ذریعہ تھی۔ لیکن انگریزوں کی آمد اور ہندوستان پر ان کا تسلط قائم ہونے کے بعد انہوں نے یہاں کی معاشی پالیسی کو اپنے مفاد کے پیش نظر از سر نو وضع کیا۔ سابقہ طریقہ عمل سے انحراف کر کے مالگزاری کا ایک نیا نظام قائم کیا۔ جو قومی مورخین کی نظر میں استحصال کی پالیسی پر مبنی تھا۔ بشپ ہیبر نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور وہ دیسی ریاستوں اور انگریزوں کے زیرِ تسلط علاقوں کا موازنہ کرتے ہوئے 1826 میں لکھتا ہے کہ: 'کوئی دیسی مقامی حکمراں اتنی مال گذاری وصول نہیں کرتا جتنی ہم کرتے ہیں' کرنل برگھس 1920 میں ناقدانہ طور پر لکھتا ہے کہ: 'جس طرح مالگزاری ہندوستان میں وصول کی جاتی ہے اس کی نظیر یورپ اور ایشیا کی کسی حکومت کے دور میں نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ محصول زمینداروں کو ملنے والے لگان کی پوری رقم پر مشتمل ہوتا ہے۔'

بنگال میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد متواتر کئی زمینی بندوبستوں کا تجربہ کیا گیا۔ لیکن یہ تجربات انگریزوں کے مفاد کے لیے تشفی بخش ثابت نہیں ہوئے۔ بالآخر انہوں نے برطانوی حکومت کی ہدایت پر 1793 میں بندوبست استمراری کا نفاذ کر دیا۔ اگرچہ ہندوستانی رعایا کی معاشی خوشحالی کے تحفظ اور یقین دہانی کے تمام تر وعدوں کے باوجود زمینداروں اور انگریزوں دونوں کے ہاتھوں کسانوں کے استحصال کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ شرح لگان بہت زیادہ تھی۔ اس کا تخمینہ غلط اعداد و شمار پر مبنی تھا اور لگان بہت سختی سے وصول کیا جاتا تھا۔ اس لیے آگے چل کر بندوبست استمراری کے خلاف لوگوں کا غم و غصّہ بڑھتا چلا گیا۔ لوگ زراعت چھوڑ کر بھاگنے لگے جس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں تیزی سے گراوٹ آئی۔ دوسری طرف بااثر زمیندار سرمایہ کاری کے ذریعہ یا پھر جنگلوں یا بیکار زمینوں کو زیرِ کاشت لا کر اپنی آمدنی میں اضافہ کر لیتا تو حکومت اس میں کوئی مطالعہ نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا حکومت ایسا بندوبست نافذ کرنا چاہتی تھی جس میں وہ اضافی آمدنی پر بھی اپنا حصہ طے کر سکے۔ نئے علاقوں کی فتوحات اور معاشی ضرورتوں کے پیش نظر کمپنی کی حکومت نے ایک اور نیا تجربہ کیا جسے رعیت واری بندوبست کہا گیا۔ اس کا بنیادی مقصد باقاعدگی سے لگان وصول کرنا تھا۔ دوسرے، کاشتکاروں کے حالات کو بہتر بنانا تھا۔ اس بندوبست میں پہلا مقصد تو سرکار نے حاصل کر لیا لیکن دوسرا مقصد کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکا۔ اس بندوبست میں سرکار نے یہ گنجائش رکھی کہ اگر پیداوار میں کوئی اضافہ ہوتا ہے تو سرکار زمین کی پیمائش کر کے اضافی رقم کے تناسب سے اپنا اضافی محصول وصول کر سکتی تھی، اور ہر 30 سال پر زمین کی پیمائش اور پیداوار کا تخمینہ لگا کر شرح مالگزاری طے کر دی جاتی تھی جو یقیناً کسانوں پر اضافی بوجھ تھا۔ کسان زمین میں سرمایہ کاری سے گریز کرنے لگا۔ کیونکہ واجب الادا لگان کے بعد کسان کے پاس اتنی ہی رقم بچ جاتی تھی جس سے وہ ایک معمولی زندگی گذار سکتا تھا۔ لہٰذا رعیت واری نظام کے تباہ کن اثرات نے پیداوار اور سماجی زندگی دونوں کو متاثر کیا۔ اور انگریز حکمراں کسی دیگر بندوبست کی تجویز پر غور و خوض کرنے لگے۔ اب سرکار نے محل واری نظام قائم کیا۔ اس نظام میں کاشتکاروں سے براہِ راست معاہدہ ہوا اور زمین کی ملکیت بھی ان ہی کو دی گئی۔ اس نظام میں 'محل' یعنی گاؤں کی برادری سے معاہدہ ہوا نہ کہ انفرادی کسان سے۔ یہ نظام متحدہ صوبہ جات کے مغربی حصّے، پنجاب اور سینٹرل پروونسز کے کچھ اضلاع میں عمل میں لایا گیا۔ اس کا بانی ہالٹ میکنزی تھا۔ اس بندوبست میں محل کے پیداوار پر تخمینہ لگا کر لگان متعین کیا جاتا تھا اور محل کے تمام مالکان متحدہ طور پر اس کی رقم ادا کرنے کے لیے ذمہ دار تھے۔ لگان کی متعینہ مقدار محل کا نمائندہ سرکاری خزانے میں جمع کرتا تھا۔ محل کی نگرانی بھی

اسی کے سپرد تھی۔ دراصل اس بندوبست کا معاہدہ گاؤں کی برادری کے ساتھ کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس کو دورخی بندوبست بھی کہا جاتا ہے۔ محل واری نظام میں کسانوں کو کئی مراعات حاصل تھیں۔ اسے گاؤں کی تمام زمینوں مثلاً جنگل، تالاب اور چراگاہ پر حق ملکیت حاصل تھا۔

محل واری نظام 1822 میں پہلی بار باقاعدہ طور پر نافذ ہوا۔ اس کے مطابق زمینداری جاگیروں میں زمینداروں کو کسانوں سے حاصل آمدنی کا 83 فی صد سرکار کو دینا پڑتا تھا۔ 1833 میں اس نظام میں اصلاح کی گئی۔ اب گاؤں کے محلوں کو ملا کر محل کی لگان متعین کی گئی اور اسے محل کے تحت آنے والے گاؤں میں بانٹ دیا گیا۔ اس نظام کو مارٹن برڈ نے تیار کیا تھا۔ اس لیے اسے برڈ منصوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس منصوبہ کو بطور خاص شمال مغربی صوبے میں عمل میں لایا گیا۔ اس نظام میں لگان کی رقم بہت زیادہ رکھی گئی تھی جو قریب 66 فی صد تھی۔ 1855 میں لارڈ ڈلہوزی نے سہارنپور اصول/قواعد کے مطابق لگان کی رقم 50 فی صد طے کردی۔ اس میں اس بات کا خیال رکھا گیا۔ سرکار مستقبل میں رقم میں اضافہ کر سکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں کسانوں پر فاضل لگان کا بوجھ بڑھ گیا۔ محل واری نظام اتر پردیش میں 30 سال کے لیے اور پنجاب میں 20 سال کے لیے نافذ کیا گیا۔ دیگر بندوبستوں کی طرح محل واری بندوبست برٹش سرکار کے لیے معاشی طور پر فائدہ مند ثابت ہوا۔ سرکار کے لیے یہ بندوبست آسان اور سَستا تھا۔ اس بندوبست سے حکومت کو ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اس نے آئندہ بیس یا تیس سالوں کے لیے مستقل آمدنی کو یقینی بنالیا۔ دوسری طرف کسانوں کو اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ مورخین کے مطابق کسانوں کے لیے بس یہی قابل اطمینان بات تھی کہ وہ حکومت کے بدعنوان افسروں کے استحصال سے بچ گئے۔ کچھ مورخین کے مطابق محل واری نظام میں زمینداری بندوبست کی طرح گاؤں کا سردار یا نمائندہ رفتہ رفتہ زمیندار بن گیا اور وہ کسانوں کا بڑے پیمانے پر استحصال کرنے لگا۔

4.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

جِنمی	:	(Jenmi) مالابار کا زمیندار طبقہ
محل	:	گاؤں یا جاگیر
رعیت	:	کسان، کاشتکار سے متعلق
پٹہ	:	سرکار کے ذریعہ کسی شخص یا جماعت کو جاری کیا جانے والا ایک طرح کا زمینی دستاویز

4.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. محال واری بندوبست سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. محال واری بندوبست کس نے شروع کیا؟
3. اس بندوبست کو رسمی طور پر کب شروع کیا گیا تھا؟

4. اس بندوبست کی کوئی دو خصوصیت بیان کیجیے۔

5. اس بندوبست سے حکومت کو دو ہونے والے فائدوں کا ذکر کیجیے۔

6. اس بندوبست کو کیوں شروع کیا گیا تھا؟

7. مارٹن برڈ کون تھا؟

8. ہالٹ میکینزی کون تھا؟اور کب ہندوستان آیا تھا؟

9. تعلقدار کون تھے اور ان کے مسائل کیا تھے ؟

10. شیکھر بندو پادھیائے کا محل واری نظام سے متعلق کیا خیال ہے ؟

4.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. محال واری بندوبست کے قواعد وضوابط پر روشنی ڈالیے۔

2. رومیش چندر دت نے محل واری نظام پر کیا تبصرہ کیا ہے ؟

3. محال واری بندوبست کا دیہی طبقہ پر پر کیا اثر پڑا اور دیہی طبقہ سے کیا مراد ہے ؟

4. ولیم بنٹینک کے زرعی اصلاحات کا تجزیہ کیجیے۔

5. محال واری بندوبست کے ضابطوں میں وقتاً فوقتاً ہوئی اصلاحات پر روشنی ڈالیے۔

4.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. رعیت واری بندوبست اور محل واری نظام کا تقابلی تجزیہ پیش کیجیے۔

2. سماجی و معاشی زندگی پر محل واری نظام کے اثرات کا جائزہ لیجیے۔

3. محل واری بندوبست کی ابتدا اور اغراض و مقاصد پر مفصل نوٹ لکھیے۔

4.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
5. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.

6. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
7. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
8. Sarkar, Sumit, *Modern India*, *1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
9. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
10. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 5۔ زراعت کی تجارت کاری: عوامل اور اثرات

(Commercialisation of Agriculture: Factors and Impacts)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 برطانوی عہد میں ہندوستان کی زرعی معیشت

5.3 برطانوی اراضی بندوبست کے سیاسی اور معاشی اثرات

5.4 زراعت کی تجارت کاری کی وجوہات

5.6 زراعت کی تجارت کاری کے نتائج

5.7 اکتسابی نتائج

5.8 کلیدی الفاظ

5.9 نمونہ امتحانی سوالات

5.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید (Introduction)

ہندوستان کی معیشت کا دارو مدار زمانہ قدیم سے ہی زراعت پر مبنی تھا۔ یہاں کی صنعت و حرفت بھی زرعی پیداوار سے منسلک تھی۔ عہد وسطیٰ میں یہاں کی مصنوعات کی مانگ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونِ ملک میں بھی بہت زیادہ تھی۔ یورپی ممالک میں یہاں کی زرعی صنعتی مصنوعات بہت مشہور تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ یوروپی ممالک جنوب مشرقی ایشیا سے تجارت پر اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے۔ یورپی ممالک نے جب اپنی نوآبادیات ہندوستان میں قائم کرلی تو ہندوستان کی معیشت بھی نوآبادیاتی معیشت میں تبدیل ہوگئی۔ ہندوستان کی معیشت یورپی بالخصوص برطانیہ کے زیرِاثر آگئی۔ پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے اپنا تسلّط جمانا شروع کردیا تو اسی کے ساتھ یہاں کی معیشت کے تینوں شعبے، زراعت، تجارت اور صنعت ان کی ماتحتی میں آگئے۔ یہاں کے ملک اور معیشت پر قبضہ جمانے کے بعد ایسی پالیسیاں بنائیں جس کے مدد سے بڑے پیمانے پر اس کا استحصال کیا جاسکے۔ صنعتی انقلاب کے بعد انگریزوں نے منصوبہ بند طریقہ سے اس کو خام مال پیدا کرنے والے ملک میں تبدیل کردیا۔ انگریزوں نے بقول کارل مارکس قصداً ہندوستان کی صنعتی ترقی کی حوصلہ شکنی کی تاکہ اس ملک کو صنعتی برطانیہ کے مصنوعات کے لیے بطور بازار استعمال کیا جاسکے۔ لہٰذا برطانیہ کے صنعتی انقلاب نے ہندوستانی معیشت کو بری طرح تباہ کردیا۔ انگریزوں نے برطانیہ کی صنعتی پیداوار کو بڑھانے کے پیشِ نظر خام مال کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے نوآبادیات کو ذریعہ بنایا۔ اسی لیے انگریزوں نے زراعت کی تجارت کاری کو فروغ دیا۔ جس نے برطانیہ میں صنعتوں کو درکار زرعی پیداوار کی یقینی فراہمی کے لیے نوآبادیاتی عوام کو مختص زرعی پیداوار کی کاشت کے لیے مجبور کیا۔ اس عمل کو زراعت کی تجارت کاری سے موسوم کیا گیا۔ اس کی بہت سی وجوہات تھیں آواز کا اثر ہندوستان کی نہ صرف معیشت پر بلکہ سماجی زندگی پر بھی مرتب ہوا۔ زراعت کی تجارت کاری کے مضر اثرات کی وجہ سے کسانوں کے بڑھتے احتجاج اور مخالفت کی وجہ سے ہی گاندھی جی نے چمپارن ستیہ گرہ شروع کیا۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

- ان عوامل کا جائزہ لے سکیں گے کہ ہندوستان میں زراعت کی تجارت کاری کو انگریزوں نے کس طرح فروغ دیا۔
- اس بات کا تجزیہ کرسکیں گے کہ زراعت کی تجارت کاری کے بدولت ہندوستان کی زرعی معیشت کس حد تک متاثر ہوئی۔
- ہندوستان کے گاؤں کی خود کفیل معیشت اور سماجی زندگی پر رونما ہونے والے اثرات کو سمجھ سکیں گے۔
- بین الاقوامی اور قومی سطح پر رونما ہونے والی معاشی سرگرمیوں کو جان سکیں گے۔

5.2 برطانوی عہد میں ہندوستان کی زرعی معیشت

(Agrarian Economy of India during the British Period)

نوآبادیاتی عہد سے پہلے ہندوستانی معیشت بنیادی طور پر زرعی معیشت تھی۔ زراعت عوام الناس کا بنیادی پیشہ تھا۔ ہندوستان کی کئی

صنعت و حرفت مثلاً سوتی کپڑا، ریشمی کپڑا، جوٹ، چینی وغیرہ زراعت پر مبنی تھیں۔ زراعت کا طریقہ بھی صدیوں پرانا تھا۔ ضرورت کی تمام اشیا لوگ پیدا کر لیتے تھے۔ چاول اور گیہوں خاص فصلیں تھیں۔ اس کے علاوہ جَو، باجرا، جوار، مکا، دلہن، تلہن، گنّا وغیرہ کی کھیتی ہوتی تھی۔ کھیتی پرانے طرز اور پرانے اوزار سے ہوتی تھی۔ جوتائی اور سینچائی کے لیے جانوروں کا استعمال ہوتا تھا۔ تالاب، نہر، کنواں وغیرہ سینچائی کے اہم ذریعہ تھے۔ کسان قدرتی کھاد استعمال کرتے تھے۔ زرعی پیداوار خاندان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کی جاتی تھی۔ اناج کو محفوظ کرنے کا طریقہ بھی پرانا تھا جو دیرپا نہیں تھا۔ مقامی بازاروں میں کسان اناج بیچ کر ضرورت کی چیزیں خریدتے تھے۔ سڑکوں کی عدم موجودگی اور حفاظتی انتظام کی کمی کے باعث تجارت کے مقصد دور دراز علاقے میں اناج لے جانا مشکل تھا۔ کسان خود کفیل تھا اور دیہی نظام خود کفالتی بنیاد پر قائم تھا جس نے سماج کو ایک دوسرے سے جوڑ رکھا تھا جو ایک اکائی کے طور پر کام کرتا تھا۔

صنعتی انقلاب کے دور رس نتائج نے دنیا کی معیشت کے سبھی شعبوں کو متاثر کیا۔ جس کے نتیجے میں زراعت، تجارت اور صنعت کے شعبے میں انقلابی تبدیلی رونما ہوئی۔ 1757ء کی پلاسی کی جنگ اور بکسر کی فتح نے ہندوستان کو ایک نوآبادیاتی ملک میں تبدیل کر دیا۔ انگریز یہاں کی سیاسی، سماجی اور معاشی پالیسیوں کو اپنے مفاد کے حصول کے لیے وضع کرنے کے اہل ہو گئے۔ انگریزوں نے زرعی پیداوار مثلاً کپاس، جوٹ، نیل، چینی وغیرہ کو برطانیہ برآمد کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے خام مال کی روز بروز ضرورت بڑھ گئی تھی۔ ہندوستانی مصنوعات کی جس کی یورپ کے بازار میں اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے بہت مانگ تھی۔ برطانوی حکومت نے قانون سازی کے ذریعہ تمام ہندوستان سے درآمد ہونے والی مصنوعات پر پابندی عائد کرنا شروع کر دیا۔ لہٰذا برطانیہ فیکٹری میں مشینوں کے ذریعہ بنی مصنوعات ہندوستان برآمد ہونے لگا اور یہاں سے خام مال درآمد کرنے لگا۔ اپنی ضروریات کے پیشِ نظر انگریزوں نے ہندوستانی کاشتکاروں پر مخصوص فصل کی پیداوار بڑھانے کا دباؤ بھی ڈالنا شروع کر دیا۔ 1830ء کے بعد بنگال میں جوٹ کی کھیتی اور 1850 کے بعد جنوبی ہندوستان میں کپاس کی کھیتی کرنے کا دباؤ بڑھنے لگا۔

1850 کے بعد زراعت کے شعبہ میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ امریکہ کی 65-1861ء کی خانہ جنگی کی بدولت امریکہ سے برطانیہ کو کپاس کی سپلائی منقطع ہو گئی۔ برطانیہ کے صنعتکاروں نے اس کی بھرپائی کے لیے ہندوستان کی طرف توجہ کیا۔ ہندوستانی کپاس کی مانگ بہت بڑھ گئی۔ برطانوی حکومت نے کسانوں پر زیادہ سے زیادہ کپاس کی کھیتی کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اس عمل سے ہندوستان میں زراعت کی تجارت کاری کی ابتدا ہوئی۔ برطانیہ میں صنعتی ضرورت کی وجہ سے کپاس کی کھیتی میں تیزی آ گئی۔ سرکار نے بھی کپاس کی کھیتی کے لیے کسانوں کی حوصلہ افزائی کی۔ کپاس کی سپلائی کو یقینی بنانے کے لیے سرکار نے سڑکوں اور ریلوے لائن کی تعمیر کو تیز کر دیا۔ کپاس کی بڑھتی ہوئی مانگ کی وجہ سے اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہوا جس سے کسان کو فائدہ ہوا۔ ڈی آر گاڈگل کا ماننا ہے کہ ''کپاس کی کھیتی اور قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے کسانوں کی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ غیر متوقع آمدنی نے کسانوں کو ساہوکار اور مہاجن کے استحصال سے وقتی طور پر نجات دلانے میں مددگار ثابت ہوا۔''

ہندوستانی کسانوں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ دیہی معیشت عالمی معیشت کا ایک اہم حصہ ہے۔ مقامی ضرورت کے بجائے عالمی

ضرورت کے مطابق اشیا کی قیمتوں کا تعین ہونے لگا اور اس نے زراعت کی تجارت کاری کے عمل کو مزید تقویت بخشی۔ برطانیہ میں کپاس کی بڑھتی ہوئی مانگ اور امریکہ کی خانہ جنگی کی وجہ سے سپلائی بند ہو جانے کی وجہ سے حکومت ہند نے روڈ کی تعمیر کی طرف توجہ دی۔ لارڈ ڈلہوزی نے پی ڈبلوڈی کا شعبہ قائم کرکے روڈ کی تعمیر کی حوصلہ افزائی کی۔ اسی کے عہد میں ریلوے کی ابتدا ہوئی اور اس شعبہ میں بہت تیزی سے کام کرکے شہروں کو بندرگاہوں اور گاؤں سے جوڑ دیا گیا تاکہ یہاں سے خام مال لے جایا جاسکے۔ روڈ اور ریلوے کی تعمیر نے دیہی باشندوں بالخصوص غیر ہنر مند کارکن، مزدور غریب کسان وغیرہ کو روزگار کا موقع فراہم کیا ریلوئے اور روڈ کی تعمیر پر اخراجات، مزدوروں کی مزدوری میں اضافہ اور کپاس کی بڑھتی قیمت کی وجہ سے اشیاء خورد نوش کی مانگ بڑھنے لگی۔ اس سے کسانوں کو بھی فائدہ ہوا کیونکہ اناج کی قیمت میں اضافہ ہونے لگا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ 1850ء سے لے کر 1870ء کا عہد ہندوستان میں زراعت کے لیے اچھا زمانہ تھا۔

1870ء سے لے کر 1880ء زراعت میں پستی دیکھنے کو ملتی ہے اور ہندوستانی کسانوں کے لیے یہ کساد بازاری اور تکلیف دور تھا۔ امریکی خانہ جنگی کی بدولت کپاس کی کھیتی میں تیزی آئی تھی لیکن خانہ جنگی ختم ہونے کے ساتھ امریکہ سے کپاس کی برآمد شروع ہوگئی جس کی وجہ سے ہندوستانی کپاس کی برطانیہ میں مانگ کم ہوگئی۔ اس لیے کپاس کی کھیتی کرنے والے کسانوں کو کئی محاذ پر دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آمدنی کی وجہ سے ان کے اخراجات بھی اس تناسب سے بڑھ گئے لیکن کپاس کی مانگ کم ہونے اور اس کے اثرات زراعت پر رونما ہونے کے ساتھ ساتھ کسانوں کی آمدنی کم ہوگئی۔ کسانوں کو اپنے گھریلو اخراجات میں کٹوتی کرنی پڑی۔ اس عشرے میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمی سطح پر زرعی کساد بازاری دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس عشرے میں ہندوستانی عوام کو تباہ کن قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ زرعی کساد بازاری اور قحط دونوں نے مل کر غریب عوام کی زندگی کو بہت زیادہ متاثر کیا۔

قحط اور کساد باری کی وجہ سے کسانوں کو مالگزاری کی ادائیگی کے لیے قرض لینا پڑا۔ قحط کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کسان قرض کے جال میں پھنستا چلا گیا۔ رعیت واری بندوبست والے علاقوں میں مہاجن/بنیا کسانوں کو قرض کے جال میں پھنسا کر ان کی زمینوں پر قابض ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی ہندوستان بالخصوص رعیت واری بندوبست کے علاقوں میں کسانوں کے ہاتھ سے زمین نکل کر غیر مزارع بنیوں کو منتقل ہوگئی اور کسان بنیوں کے رحم و کرم پر زندگی گذارنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کی وجہ سے کسانوں میں انگریزوں اور بنیؤں کے خلاف غم وغصہ بڑھنے لگا۔ بالآخر دکن فسادات کی شکل میں رونما ہوا۔ جس کی وجہ سے حکومت نے Deccan Agriculturists Relief Act 1879 پاس کرکے کسانوں کو کچھ رعایت دینے کی کوشش کی تاکہ زراعت کو دوبارہ بحال کیا جاسکے اور کسانوں کے غم وغصہ کو کم کیا جاسکے۔

1880ء سے لے کر 1900ء تک کا زمانہ ہندوستانی زراعت کے لیے سازگار تھا۔ زرعی خوشحالی نے کسانوں کو راحت بخشی۔ اس عشرے میں ریلوے اور سڑکوں کی تعمیر میں تیز رفتاری کی وجہ سے ملک میں سڑکوں اور ریلوے لائن کا جال پھیل گیا۔ اس نے تجارت کو فروغ دیا۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت میں گراں قدر اضافے نے معیشت کو پٹری پر لادیا۔ ان عشروں میں ہندوستان نے خام مال بہت بڑی مقدار میں درآمد کیا۔ جس سے معاشی استحکام آیا اور زراعت کو ترقی ملی۔ اس دور میں ہم دیکھتے ہیں قحط بھی کی واقع ہوئی جس کی وجہ سے زرعی پیداوار کسی قدرتی آفت سے متاثر ہوئے بغیر بہتر تھا۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت میں بھی اضافہ دیکھنے کو ملا۔ زراعت کی توسیع بھی اس دور میں ہوئی۔ زرعی

ترقی کی اہم وجوہات میں آبپاشی کی سہولیات بھی شامل تھیں۔اس دور میں آبپاشی کی اہم منصوبوں کی وجہ سے پنجاب میں گیہوں کی کھیتی بڑے پیمانے پر ہونے لگی۔اس دور میں زراعت کی تجارت کاری کا عمل بھی دیکھنے کو ملتا تھا۔1898ء کے Famine Commission کی رپورٹ کے مطابق زمیندار اور کسانوں کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ لیکن اس کمیشن نے اس بات کی نشاندہی کی کہ دستکاروں کو زرعی خوشحالی سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن اس دور کے آخری پانچ سالوں میں ملک میں کئی مقامات پر قحط کی تباہ کاریاں دیکھنے کو ملیں۔ جس نے زرعی خوشحالی کو دوبارہ متاثر کیا۔

1900ء سے لے کر پہلی جنگ عظیم سے قبل اگرچہ بارش کی کمی کے باعث زراعت ضرور متاثر ہوئی لیکن مجموعی اعتبار سے یہ دور زراعت کے لیے مفید تھا۔ پنجاب میں آبپاشی کے منصوبہ کو کامیابی کے ساتھ عمل درآمد کرنے کی وجہ سے زراعت اور زرعی پیداوار میں بہتری آئی۔ تجارتی فصلوں کپاس، جوٹ اور تلہن کی کھیتی میں توسیع ہوئی۔1914ء سے لے کر 1919 کا دور پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ جنگ کے آغاز سے ہی ہندوستانی مصنوعات کی درآمدات میں بہت حد تک کمی آگئی۔ کپاس، جوٹ، تلہن، چاول اور دوسری پیداوار کی درآمدات کم آئی۔ان اشیا کی قیمت کم ہونے لگی اور کسانوں کی آمدنی بھی اس کے نتیجے میں کم ہوگئی۔ لیکن جنگی سازوسامان کی پیکنگ کے لیے جوٹ تھیلوں کی ضرورت کے پیشِ نظر اس کی مانگ بڑھنے لگی۔اس طرح جوٹ کی صنعت نے بہت ترقی کی۔ مجموعی اعتبار سے جنگ کا یہ زمانہ صنعتی ترقی کے لحاظ سے موزوں ثابت ہوا اور جنگ کے خاتمہ کے ساتھ مانگ میں کمی کی بدولت ہندوستانی صنعت زوال کا شکار۔ چونکہ ہندوستانی صنعت زراعت پر منحصر تھی اس لیے زراعت بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔

برطانوی حکومت کے قیام سے پہلے ہندوستانی معیشت ایک زرعی معیشت تھی۔ تجارت اور صنعت کے شعبوں کا انحصار بھی زراعت پر منحصر تھا۔ برطانوی حکومت کے قیام کے چند عشروں کے بعد انگریزوں نے اپنے معاشی مفاد کے پیش نظر صدیوں پرانے زراعتی نظام میں تبدیلیاں کیں مثلاً زمین کے حق ملکیت حکومت یا صدیوں سے روایتی طور پر کسانوں سے چھین کر زمینداروں کو دے دیا۔ تخمینہ کے طریقہ کار یا پھر مالگزاری وصول کرنے کے منصوبوں کو تبدیل کر دیا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انگریزوں نے صدیوں پرانے مروجہ زرعی نظام کو ختم کر کے ایک نیا نظام قائم کیا جو یقیناً استحصال کے اصول پر قائم تھا۔ جس نے پرانے روایتی دیہی طبقات اور خود کفیل نظام کو ختم کر دیا۔

برطانوی حکومت کے براہِ راست قیام کے بعد کمپنی حکمرانوں کے سامنے سب سے دُشوار کن سوال مالگزاری نظام کا انتظام وانصرام تھا۔ کمپنی کو اس نظام کا قطعی علم اور تجربہ نہیں تھا لہٰذا اس نے معمولی تبدیلی کے ساتھ پرانے نظام پر انحصار کر کے اس کو ہی جاری رکھا۔ وارن ہیسٹینگیز نے سب سے پہلے زمینی بندوبست کی طرف اپنی توجہ مبذول کر کے ایک نیا نظام قائم کرنے کی کوشش کی۔اس کے مطابق زمین کا حقیقی مالک حکمراں تھا۔ اس نے لگان وصول کرنے کے لیے زمین کی نیلامی کے ذریعہ سب سے زیادہ بولی لگانے والے کو تفویض کرنے کا فیصلہ کیا۔ کمپنی کی حکومت نے پہلے اجارہ داری نظام کو جاری رکھا پھر کلائیو نے دیوانی اختیارات حاصل کرنے کے بعد سالانہ نظام قائم کیا پھر وارن ہیسٹینگز نے نیلامی کے ذریعہ زیادہ بولی لگانے والے کو پانچ سال تک مالگزاری وصول کرنے کا اختیار دے دیا جو بری طرح ناکام ثابت ہوا۔

پھر سالانہ نظام قائم ہوا جو کسی طرح بھی کمپنی کی معاشی توقعات کو پورا کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے بعد بہت غور و خوض اور بحث و مباحثہ کے بعد لارڈ کارنوالس نے 1790ء میں دس سالہ نظام قائم کیا۔ جسے 1793ء میں مستقل کر کے استمراری بندوبست کا نام دیا گیا۔ یہ کمپنی کے مقبوضہ علاقے کے 19 فیصد حصہ پر قائم کیا گیا۔ یہ بندوبست زمینداروں کے ساتھ کیا گیا سب سے پہلے بنگال بہار واڑیسہ میں اس کو نافذ کیا گیا۔ اس کے تحت زمیندار کو حق ملکیت کر دیا اس کو اپنی زمین کو بیچنے ، گروی رکھنے کا حق حاصل تھا وصول کردہ لگان کا 89 فیصد سرکار کو اور 11 فیصد زمیندار کو ملتا تھا۔ کمپنی کی حکومت کو درکار آمدنی کے لیے بغیر کچھ خرچ کئے زمینداروں کے توسط سے مستقل محصول ملنے لگا۔ کسانوں کی حالت غلاموں جیسے ہو گئی۔ ان کو فصل کی پیداوار اور ناکامی دونوں صورتوں میں طے شدہ لگان دینا پڑتا تھا۔ ان کو لگان دینے کے لیے بسا اوقات قرض لینا پڑتا اور وہ رفتہ رفتہ مہاجن کا مقروض ہو کر اس کے ہاتھوں اپنی زمین بیچ دینے کے لیے مجبور ہوتے جس کی وجہ سے ان کی زراعت میں دلچسپی ختم ہونے لگی اور وہ غربت کا شکار ہوتے چلے گئے۔ اس طرح نہ زمیندار اور نہ ہی کسان کھیتی میں دلچسپی لے رہے تھے اور نہ ہی سرمایہ کاری کرنے کے حق میں تھے ۔ بالآخر زراعت بری طرح متاثر ہو گئی۔ جب سرکاری آمدنی متاثر ہوئی تو کمپنی حکومت نے دوسرے متبادل نظام کے قیام پر غور و خوض شروع کر دیا۔

نئے علاقوں کی فتوحات کے ساتھ کمپنی حکومت نے نیا بندوبست نافذ کرنے پر غور و خوض شروع کر دیا۔ تھامس منرو نے مدراس اور بمبئی پریسیڈنسی میں رعیت واری بندوبست نافذ کرنے کی سفارش کی۔ برطانوی حکمت کے ماتحت 52 فیصد علاقے میں رعیت واری نافذ کر دیا گیا اس بندوبست میں کسانوں /رعیت کے ساتھ بندوبست ہوا اور ان کو حق ملکیت بھی تفویض کر دیا گیا۔ اس کا مقصد لگان کی وصولی کو یقینی بنانا تھا اور دوم کسانوں کی حالت میں بہتری لانا پہلا مقصد تو پورا ہو گیا لیکن دوسرا مقصد کبھی پورا نہیں ہو سکا۔ لگان کا تخمینہ من مانے طور پر کیا گیا اور وصول کرنے کا طریقہ بھی بہت سخت تھا۔ کسان لگان کی ادائیگی کے لیے بنیوں/مہاجن کا حد سے زیادہ مقروض ہو گیا اور بہت سے معاملات میں کسانوں کو اپنی اراضی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ استمراری بندوبست اور رعیت واری نظام کی ناکامی کے بعد نئے مفتوحہ علاقوں میں محل واری نظام نافذ کیا گیا۔ یہ بھی پیشرو بندوبست کی طرح کسانوں کی تباہی کا باعث بنا جس کی وجہ سے بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اگرچہ استمراری بندوبست اور رعیت واری کی تمام خوبیوں کو مجموعی طور پر محل واری میں یکجا کر دیا گیا تھا پھر بھی محل واری نظام معاشی اعتبار سے ناکام اور زراعت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔

5.3 برطانوی اراضی بندوبست کے سیاسی اور معاشی اثرات

(Political and Economic Effects of British Land Settlements)

انگریزوں کے ذریعہ متعارف کرائے گئے مالگزاری نظام کا سماج اور معیشت دونوں پر منفی اثر مرتب ہوا۔ استمراری بندوبست میں زمینداروں کو صرف لگان سے مطلب تھا۔ زراعت اور زرعی پیداوار کی ترقی سے کوئی غرض نہیں تھی ٹھیک اسی طرح رعیت واری اور محل واری نظام میں بھی اونچی شرح پر مالگزاری کی وصولی سے کسان دل برداشتہ ہو کر زراعت ترک کرنے لگا جس کا براہِ راست اثر زرعی معیشت پر رونما ہوا۔ کسان اور زمیندار کے درمیان کا روایتی رشتہ ٹوٹ گیا۔ دیہی برادری(Village Community) کا صدیوں پرانا تصور اور

مشترکہ تہذیب کی علامت زوال پذیر ہوگئی۔ کسان، مزدور، اور دیگر ذیلی طبقوں کا زراعت سے رشتہ ٹوٹ گیا۔ مورخین کا خیال ہے کہ مالگزاری نظام اور اس کے سماجی اور معاشی نتائج کے بدولت زراعت کی تجارت کاری کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا۔

زرعی زندگی میں تبدیلیاں اور اس کے اثرات

برطانوی حکومت کے قیام اور ان کی سیاسی، معاشی اور ثقافتی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان میں زرعی زندگی میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا معاشرے اور معیشت پر تباہ کن اثرات دیکھنے کو ملے۔ مثلاً بڑھتی ہوئی آبادی کے نتیجے میں زراعت پر دباؤ بڑھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد برطانیہ کی مشین سے بنی مصنوعات کی درآمد سے ہندوستانی صنعت کاری تباہ و برباد ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں لاکھوں لوگ/دستکار بے روز ہوگئے۔ اور بے روزگار بالآخر شہروں سے ہجرت کرکے اپنے گاؤں واپس چلے گئے جس کی وجہ سے زراعت پر مزید دباؤ بڑھ گیا۔ آپسی خاندانی اختلاف کی وجہ سے زمینوں کا بٹوارہ ہونے لگا جس کی وجہ سے زرعی پیداوار بری طرح متاثر ہوئی اور زراعت پیشہ لوگ غربت اور بھکمری کا شکار ہونے لگے۔ اسی کے ساتھ دیہی مقروضیت (Rural Indebtedness) میں اضافہ ہونے لگا۔ جس نے دیہی باشندوں کو مزید غربت اور پستی کی طرف ڈھکیل دیا۔ انگریزوں کے ذریعہ نافذ کردہ تینوں بندوبست کسانوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے ان کی زندگی بد سے بدتر ہوتی چلی گئی محصول کا تخمینہ من مانے طریقے سے کیا گیا۔ مالگزاری کی شرح بہت زیادہ تھی اور مالگزاری وصول کرنے کا طریقہ بھی ظالمانہ تھا جس کی وجہ سے کسانوں کی دلچسپی زراعت میں ختم ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں زراعت بہت زیادہ متاثر ہوئی۔

دیہی مشترکہ برادری کے تصور کا خاتمہ اور متوسط درجہ کا عروج

قدیم زمانے سے ہندوستان میں مروجہ مشترکہ برادری کا تصور سماجی زندگی کا ایک اہم ستون تھا۔ اس تصور نے دیہی باشندوں کو آپس میں متحد کر رکھا تھا لیکن برطانوی حکومت کے قیام کے بعد آپسی بھائی چارہ اور اتحاد ختم ہونے لگا۔ مشترکہ خاندانی نظام اور دیہی پنچایتی نظام بھی دھیرے دھیرے ختم ہوگیا۔ اشتراک کی جگہ مقابلہ آرائی نے جنم لے لیا۔ اشتراکی زندگی کی اہمیت ختم ہوگئی اور نجی زندگی سماجی ڈھانچہ کی بنیاد بن گئی۔ دیہی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے زرعی تصور کی جگہ تجارت کاری نے لے لی۔ اب ہر چیز بازار کی مانگ کے مطابق پیدا کی جانے لگی۔ اس نے زراعت کی تجارت کاری کی حوصلہ افزائی کی۔ کارل مارکس کا ماننا ہے کہ ''ملکیت کے رشتہ میں تبدیلی نے سماجی انقلاب کو جنم دیا۔''

زرعی پسماندگی

برطانوی حکومت کی زرعی پالیسیوں بالخصوص مالگزاری کا نظام اور اراضی بندوبست نے ہندوستان کی خوشحالی زراعت کو پسماندگی کی طرف ڈھکیل دیا۔ زرعی پیداوار کا تخمینہ سروے کے بغیر من مانی طور پر کیا گیا۔ شیر شاہ اور مغلوں کے ذریعہ زمین کی مختلف قسموں کی حدبندی اور ان کی آمدنی کے تناسب کی بنیاد پر لگان نہیں لگایا گیا جس کی وجہ سے مالگزاری کا تخمینہ اندازے سے زیادہ لگا کر لگان نافذ کیا گیا۔ اصولی طور پر لگان خالص پیداوار پر لگایا گیا لیکن عملی طور پر یہ لگان کل پیداوار پر تھا جس کی وجہ سے کسان مزید پریشانی کا شکار ہوگیا۔ خالص پیداوار

(Net Income) سے مراد یہ تھا کہ زراعت پر آنے والا خرچہ مثلاً مزدوری، آبپاشی، بیج کی قیمت، جوتائی وغیرہ کو کم کر کے لگان لگایا جاتا تھا لیکن عملی اور حقیقی طور پر یہ کل پیداوار (Gross Produce) پر وصول کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے کسانوں اور زرعی طبقہ کی کھیتی میں دلچسپی ختم ہونے لگی کیونکہ کھیتی اب فائدہ کا پیشہ نہیں رہ گیا تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد ہندوستانی تجارت اور صنعت چونکہ زوال پذیر ہو چکی تھی لہٰذا محصولات کا تمام بوجھ کسانوں پر آ گیا تھا۔ غربت، قحط اور بے روزگاری برطانوی پالیسیوں کا نتیجہ تھی۔ چونکہ زراعت منافع بخش نہیں رہ گئی تھی لہٰذا لوگ سرمایہ لگانے سے گریز کرنے لگے تھے۔ استمراری بندوبست میں بچولیوں کی مداخلت نے اور رعیت واری اور محل واری میں مہاجن اور بنیوں کی دخل اندازی نے کسانوں کی حالت کو مزید خراب بنا دیا نتیجتاً کسانوں نے کھیتی ترک کرنا شروع کر دیا جس کا براہِ راست اثر زرعی پیداوار پر پڑا۔

دیہی مقروضیت میں اضافہ

پیداوار کا غلط تخمینہ، حد سے زیادہ مالگزاری کی واجب الادائیگی، لگان کی وصولیابی کے ظالمانہ طریقہ کی وجہ سے کسان غربت اور مفلوک الحالی کا شکار ہو گیا۔ قدرتی آفات کے بعد پیشرو مغل حکمرانوں اور دیگر علاقائی ریاستوں کے حکمرانوں کی منصفانہ پالیسی اور قدرتی آفت کے دوران محصول کی عام معافی اور کسانوں کے امدادی تعاون کا انگریزوں نے کوئی منصوبہ نہیں بنایا تھا۔ اس لیے ہر حالت میں مقررہ لگان کی ادائیگی ضروری تھی۔ جس کے لیے بحالت مجبوری کسان مہاجن اور بنیوں سے قرض لے کر لگان کی ادائیگی کرتا تھا۔ شرح سود بہت زیادہ ہونے سے اور بار بار قرض لینے سے کسان بنیوں کے جال میں پھنس کر پوری زندگی سود کی ادائیگی کرتا رہتا تھا اور قرض کی اصل رقم برقرار رہتی تھی۔ مجبوراً اسے اپنی زمین بنیوں کے ہاتھوں فروخت کرنی پڑتی تھی۔ جس کی وجہ سے دیہی مقروضیت (Rural Indebtedness) بڑھنے لگی۔ اس طرح 'ایک تہائی آبادی ناقابلِ استحلاص حد تک قرض میں ڈوب گئی تھی' دیہی مقروضیت کی وجہ سے حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ ڈینیئل ہمیلٹن اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''پورا ملک بنیوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ ناقابل رحم سودی کاروبار نے رعیت کا خون چوس لیا تھا اور رعیت کو غربت اور افلاس میں مبتلا کر دیا تھا جس کی وجہ سے کسانوں کی نہ صرف پیداوار اثر انداز ہوئی ان کا حوصلہ بلکہ حوصلہ اور ان کی قوّت بھی مفقود ہو گئی تھی اور کسان مفلوج ہو کر رہ گیے تھے جسے سب دیکھ رہے تھے اور محسوس کر رہے تھے۔' ایسی معاشی حالات میں انگریزوں نے اپنی بڑھتی صنعتی ضرورت کے پیشِ نظر ہندوستانی کسانوں کو نقدی فصلیں اگانے پر زور دیا۔ کسانوں کو بھی نقدی کی ضرورت نے نقدی فصل اگانے پر آمادہ کیا۔ زراعت کی تجارت کاری بلاشبہ نئے مالگزاری نظام اور زرعی بندوبست کا نتیجہ تھی۔

زراعت کی تجارت کاری کا مفہوم

زراعت کی تجارت زرعی معیشت میں ایک نیا تجربہ تھی۔ اس کی ابتداء انیسویں صدی میں ہوئی۔ زراعت کی تجارت کاری کا آسان مفہوم یہ ہے کہ جب فصلیں بازار کے لیے پیدا کی جائیں جس کو بیچ کر کسان کو فوری طور پر نقدی حاصل ہو جائے۔ ڈی آر گاڈگل کے مطابق ''اب کھیتی کا مقصد محض گھریلو استعمال کے لیے اگانا نہیں تھا بلکہ بازار میں فروخت کے لیے پیدا کرنا تھا'' اس عمل کے تحت کسانوں کی کبھی کبھی فصلیں اگانے کے لیے حوصلہ افزائی کی جاتی اور بسا اوقات ان کو مجبور بھی کیا جاتا تھا۔ مثلاً نیل کی کھیتی کے لیے کسان جلدی آمادہ نہیں

ہوتے تھے کیونکہ اس سے زمین کی زرخیزی ختم ہو جاتی تھی۔ نقدی فصلوں میں کپاس، جوٹ، شکر، نیل، افیم، چائے وغیرہ شامل تھیں۔ کچھ فصلیں ایسی تھیں جن کا استعمال بطور خورد و نوش کیا جاتا تھا اور اس کی خرید وفروخت بھی ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر مختلف اقسام کے اناج۔ عہد وسطیٰ کے سلاطین مالگزاری نقدی میں وصول کرتے تھے لہٰذا کسان بازار میں غلّہ بیچ کر نقدی حاصل کرتا اور مالگزاری کی رقم ادا کر دیتا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ زراعت کی تجارت کاری قدیم زمانے سے تھی مگر انگریزوں نے اس کو ایک نئی جہت دے دی اور اس کے نتائج نوعیت عہد وسطیٰ کے مقابلے میں بالکل مختلف تھے۔ برطانیہ میں تیز رفتاری سے صنعتی ترقی کی بدولت ہندوستان میں زرعی پیداوار کے طور طریقے میں نمایاں تبدیلی آئی۔ اس میں زراعت کی تجارت کاری سب سے اہم موضوع ہے۔

5.4 زراعت کی تجارت کاری کے وجوہات

(Reasons for the Commercialisation of Agriculture)

مورخین اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ بالآخر انیسویں میں وہ کون سے وجوہات تھیں جو صدیوں پرانے زرعی نظام میں تبدیلی کا موجب بنیں۔ مورخین نے ان عوامل کا تجزیہ بھی کیا جس کے باعث خود کفیل زرعی نظام جس میں گھریلو ضرورتوں کے لیے کھیتی کی جاتی تھی لیکن برطانوی حکومت کے قیام کے بعد گھریلو ضرورتوں کے علاوہ بازار میں خرید وفروخت کے لیے زرعی پیداوار کی مانگ بڑھنے لگی۔ اس ضمن میں مورخین نے زراعت کی تجارت کاری کے مختلف وجوہات بتائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

روڈ اور ریلوے کی تعمیر اور حمل و نقل کی سہولت

1850ء کے بعد سڑکیں اور ریلوے کی تعمیر کی ابتدا نے ہندوستان میں حمل و نقل کی بہتر سہولت فراہم کر دی۔ جس کے بدولت ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں سہولت کے ساتھ اخراجات اور کرایہ میں بہت کمی آئی۔ وقت کی بچت ہو گئی۔ اس سے تجارت کو فروغ ملا۔ ہندوستان کے ایک زرعی ملک ہونے کے ناطے اس کی زرعی تجارت میں بہت تیزی سے اضافہ ہونے لگا جس کی وجہ سے زراعت کی تجارت کاری کا عمل شروع ہوا۔ صنعتی انقلاب نے پیداوار کے عمل کو مشینوں کی مدد سے تیز تر سے تیز کر دیا۔ لہٰذا زرعی خام مال مثلاً کپاس کی ضرورت پیش آئی اور پھر کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد کے پیشِ نظر اشیائے خورد و نوش کی مانگ بڑھنے لگی، لہٰذا انگریزوں نے ہندوستان سے یہ اشیا برآمد کرنا شروع کر دیں جس کی وجہ سے ''صنعتی فصلوں'' کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ گاڈگل لکھتے ہیں: ''نقل و حمل کی آسانیوں سے صنعتی فصلوں/نقدی فصلوں کی کھیتی میں اضافہ ہوا اور مختلف ضلعوں میں مخصوص فصلیں پیدا کی جانے لگیں۔'' گاڈگل مزید لکھتے ہیں کہ ''بیرونی تجارت بڑھ گئی اور اس کے ساتھ ساتھ اندرونی تجارت نے بھی بڑی حد تک فروغ پایا۔'' ایسا صرف سڑکوں اور ریلوے کی تعمیر سے ممکن ہو سکا۔

دیہی بازار کا عالمی بازار سے تعلق

انیسویں صدی میں ریلوے کی ترقی نے ہندوستان کے دیہی/علاقائی بازار کو عالمی بازار سے باہم مربوط کر دیا۔ ہندوستان میں زرعی

اشیا کی قیمت عالمی قیمت سے وابستہ ہو گئی۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کی زرعی پیداوار کی قیمت عالمی مانگ اور قیمت سے براہِ راست وابستہ ہو گئی جو تجارتی طور پر منافع بخش ثابت ہوئی۔ ہندوستانی کسانوں نے اس لیے نقدی فصلوں کو اگانے پر توجہ دی کیونکہ اس کی قیمت عالمی سطح پر طے ہوتی تھی۔

لگان کی ادائیگی کے لیے نقدی کی ضرورت

انگریزوں نے جو مالگزاری نظام قائم کیا اس کے تحت کسانوں کو نقدی کی ضرورت تھی کیونکہ کسانوں کو لگان نقد میں دینا پڑتا تھا۔ کسانوں کو جب سڑکوں کی سہولیت مہیا ہوئی تو انہوں نے زراعت کو تجارت کے پیشہ کے طور پر اپنایا۔ کسانوں نے اب بازار کی مانگ اور بازار کے لیے زراعت کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ زرعی طبقہ کی فکر میں بھی تبدیلی آئی۔

برطانوی حکومت کی زرعی پالیسی

حکومت کی زرعی پالیسی بھی بہت حد تک زراعت کی تجارت کاری کے لیے ذمہ دار تھی۔ انگریزوں نے زرعی پالیسی کو برطانیہ کے معاشی مفاد کی بنیاد پر وضع کیا تھا۔ ہندوستان جو صنعتی طور پر ایک ترقی یافتہ ملک تھا۔ اپنی صنعتی، مصنوعات اور دستکاری یورپی بازار میں مشہور تھیں۔ یورپ کی منڈی میں سوتی، ریشمی اور اونی کپڑوں کی بہت مانگ تھی۔ برآمد بڑے پیمانے پر ہونے کی وجہ سے زر مبادلہ کے طور پر بڑی مقدار میں دولت ہندوستان آرہی تھی لیکن صنعتی انقلاب کے بعد ہندوستان برطانیہ کی مصنوعات کو درآمد کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا جس کے نتیجے میں یہاں صنعتی زوال ہوا۔ اور یہاں سے خام مال، کپاس، جوٹ، چینی، تمباکو، نیل، اناج وغیرہ برآمد کرنے والے قوانین بنائے گئے۔ حکومت نے ان اشیا کی پیداوار کے لیے کسانوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان پر دباؤ بھی بنایا۔

تجارتی بچولیوں کی سرگرمیاں

انیسویں صدی میں تجارتی بچولیوں کے طبقہ کا عروج بہت تیزی سے ہوا۔ مختلف معاشی اور ثقافتی تبدیلیوں کے باعث اس طبقہ کی معاشی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں مثلاً یہ دیہی علاقوں میں جاتے۔ کسانوں کو/ors/قرض دیتے اور ان کو نقدی فصل جس کی مانگ مقامی منڈی کے علاوہ عالمی منڈی میں بہت بڑھ جاتی اس کی کاشت کے لیے مجبور کرتے۔ کسانوں نے بھی عالمی معاشی تبدیلیوں کے پیش نظر خاندانی ضروریات کے علاوہ بازار کے لیے زراعت کو فروغ دیا تاکہ ان کو جلد از جلد نقدی مل سکے۔ جس سے وہ اشیائے خوردونوش کے علاوہ ضرورت کی دوسری چیزیں بھی خرید لیتے تھے۔

سوئز نہر کا افتتاح

1869ء میں مصر میں موجود سوئز نہر کا افتتاح ہوا اور اس کو باقاعدہ طور پر بین الاقوامی تجارت کے لیے کھول دیا گیا۔ اس کا براہِ راست فائدہ ہندوستان کو بھی ملا۔ سوئز نہر کے افتتاح نے بین الاقوامی تجارت کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کی وجہ سے سفر کی دوری کم ہو گئی، کرایہ بھی کم ہو گیا اور سب سے اہم بات تھی کہ وقت کی بہت بچت ہو گئی جس کی وجہ سے بین الاقوامی تجارتی سرگرمیوں میں

کئی گنااضافہ ہو گیا۔ عالمی منڈی میں زرعی پیداوار مثلاً کپاس، جوٹ، تلہن، چائے وغیرہ کی مانگ کی وجہ سے ہندوستان زراعت کی تجارت کاری کے عمل کی حوصلہ افزائی ہوئی اور لوگوں نے اشیا کی کھیتی کو ترجیحی بنیاد پر فوقیت دی۔

امریکی خانہ جنگی کے اثرات

1861ء سے لے کر 1865 تک امریکہ میں خانہ جنگی کا دور تھا جس نے امریکہ کی معاشی اور صنعتی ترقی کو بہت حد تک متاثر کیا۔ اس خانہ جنگی کا اثر زرعی ترقی پر بھی دیکھنے کو ملا۔ امریکہ اس دوران بین الاقوامی تجارت سے بہت حد تک منقطع ہو گیا تھا اس خانہ جنگی کی وجہ سے امریکہ سے برطانیہ کو برآمد ہونے والے کپاس کی سپلائی منقطع ہو گئی جس کی وجہ سے لنکاشائر اور مینچسٹر کے صنعتکاروں کو کپاس کی سپلائی سے متعلق خدشات بڑھنے لگے اور ایسی صورت حال میں امریکہ پر انحصار نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ لہٰذا برطانیہ کے صنعتکاروں نے متبادل کے طور پر ہندوستان کی طرف توجہ کی اور یہاں کی حکومت سے رجوع کر کے کسانوں کو زیادہ سے زیادہ کپاس کی کھیتی کرنے کی حوصلہ افزائی کی پیش کش کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں زراعت کی تجارت کاری کو فروغ ملا۔ زرعی تجارت کی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور 1860 کے بعد ہندوستان سے زرعی خام مال کی برآمد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ مثلاً 1859 میں ہندوستان سے 5 لاکھ سے زیادہ روئی کا گٹھر برطانیہ کو برآمد ہو رہا تھا یہ بڑھ کر 1865 میں تقریباً 13 لاکھ گٹھر ہو گیا۔ امریکی خانہ جنگی کی وجہ سے ہندوستان سے برآمدات میں اضافہ ہوا تھا۔

5.5 زراعت کی تجارت کاری کے نتائج

(Consequences for the Commercialisation of Agriculture)

ہندوستانی زراعت کی تجارت کاری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے سماج اور معیشت دونوں پر مثبت اور منفی اثرات پڑے۔ ہندوستان کی زرعی زندگی میں تجارت کاری کا تجربہ بالکل نیا تھا۔ کیونکہ زراعت کی تجارت کاری سے پہلے تک زرعی طبقہ اپنی اور خاندانی ضروریات کی چیزیں پیدا کرتا تھا۔ گاؤں بطور ایک یونٹ خود کفیل تھا اور دیہی برادری کے مضبوط تصور نے مشترکہ تعلق اور باہمی ہم آہنگی کو پروان چڑھایا تھا لیکن برطانوی حکومت نے خود کفیل زندگی کے نظریہ کو اپنی معاشی پالیسیوں کے ذریعہ تبدیل کر دیا۔ زراعت کی تجارت کاری کے تصور کو فروغ دے کر انگریزوں نے اپنی ضرورتوں سے زیادہ پیداوار کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کا مقصد تھا کہ کسان بازار کے لیے بھی فصلیں پیدا کرے اور اس سے منافع کمائے۔ ان کا خیال تھا کہ جب زرعی پیداوار بازار کے لیے پیدا کیا جائے گا تو براہِ راست تجارت فروغ پائے گا اور اضافی آمدنی کا ذریعہ ہو گا۔ زراعت کی تجارت کاری کا طریقہ ہر فصل کے لیے علیحدہ تھا۔ مثلاً چائے کی کھیتی انگریزوں نے براہِ راست اپنی زیر نگرانی میں رکھا تھا اور چائے باغان میں مزدوری کرنے والوں کی زندگی بہت مایوس کن تھی۔ ٹھیک اسی طرح نیل کی کھیتی بھی انگریزوں نے اپنے دائرۂ اختیار میں رکھا تھا۔ کسانوں کو برطانوی نخل کار قرضہ دے کر نیل کی کھیتی کرنے کا دباؤ بناتے اور فصل تیار ہونے پر من مانے دام سے اس کو خریدتے اور فیکٹریوں کو فروخت کر دیتے تھے۔ بنگال اور بہار کے کسان نیل کی کھیتی کرتے تھے جو ایک برآمداتی فصل تھی۔ انیسویں صدی میں بقول ڈی آر گاڈ گل ''نیل کی صنعت کی بڑی ترقی ہوئی اور 1850ء تک تو نیل ہندوستان کی اہم ترین برآمدات میں شمار ہونے

لگی''۔اس کی بڑھتی ہوئی مانگ اور تجارت کی وجہ سے حاصل منافع سے کسانوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ڈی آر گاڈگل بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ 'نیل کی کھیتی ایسے طریقے سے ہوتی تھی جس کا کسان کی بھلائی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔' 1901ء میں بقول ڈی آر گاڈگل ''کاشت کے مجموعی رقبہ میں اضافہ ہونے کے باوجود غذائی اجناس پیدا ہونے والے رقبہ میں یکسانیت ایک قابل قدر حیثیت تھی''، لیکن زراعت کی تجارت کاری کے بعد غذائی اجناس پیدا ہونے والے رقبہ میں بہت حد تک کمی آئی کیونکہ حکومت کے دباؤ اور نقدی کے حصول میں کسانوں نے نقدی فصلوں کو اگانے کو ترجیح دی۔ صنعتی فصلوں میں تلہن اور کپاس کی کاشت رقبہ کے لحاظ سے زیادہ اہمیت کی حامل تھیں۔ زراعت کی تجارت کاری کے بعد گاڈگل لکھتے ہیں کہ ''کپاس کی کاشت کے علاقہ میں مستقل اضافہ ہوا۔'' آر سی دت بیان کرتے کہ 1894ئ۔1895ء میں 9717ہزار ہیکٹر پر کپاس کی کھیتی ہوتی تھی جو زراعت کی تجارت کاری اور عالمی منڈی میں مانگ کے بعد بڑھ کر 1913ء، 1914ء میں 15844 ہزار ہیکٹر ہو گیا۔زراعت کی تجارت کاری کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کے مندرجہ ذیل دوررس سماجی اور معاشی اثرات مرتب ہوئے۔

دیہی خود کفالتی زندگی کی غیر موجودگی

ہندوستانی سماج صدیوں سے روایتی اور مشترکہ معاشی زندگی اور خود کفیل اصولوں پر قائم تھا۔لوگ اپنی ضروریات کی تمام اشیاء پیدا کرتے۔ گاؤں بطور ایک یونٹ کے خود کفیل سمجھا جاتا تھا لیکن زراعت کی تجارت کاری نے صدیوں پرانے سماجی دیہی برادری کے خود کفیل نظریہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ تجارت کاری نے تجارتی سرگرمیوں کو بہت بڑھادیا۔ جس سے کسان حوصلہ پا کر برآمداتی اور صنعتی فصلوں کی پیداوار کو ترجیح دینے لگا۔ جس کی وجہ سے ایسی فصلوں کی کاشتکاری کا رقبہ بڑھنے لگا۔زراعت کی تجارت کاری کے بدولت خود کفیل زندگی اور دیہی بازاروں سے نکل کر دیہی پیداوار عالمی منڈی سے منسلک ہو گئی۔ صرف مقامی بازار کسانوں کے لیے دستیاب نہیں تھا بلکہ وہ قومی اور عالمی بازار سے جڑ گئے۔زرعی پیداوار کے لیے وسیع تر بازار مہیا ہو گئے جس کی بدولت کسانوں کو معاشی اعتبار سے بہت فائدہ ملا۔کیونکہ دیہی بازار اور عالمی بازار کی قیمتوں میں یکسانیت آگئی۔ زراعت کی تجارت کاری نے کسانوں کو بہتر منافع بخش قیمتوں سے مستفیض ہونے کا موقع فراہم کیا۔مورخین کا خیال ہے کہ ہندوستانی کاشتکار اور ان کی آمدنی عالمی حالات کے زیر اثر آگئے مثلاً امریکہ کی خانہ جنگی کی ابتدا سے ہندوستانی کپاس کی مانگ برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک میں بہت بڑھ گئی۔ہندوستان صنعتی فصل کپاس کے لیے ایک متبادل کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا۔دوسری مثال عالمی کساد بازاری 1929ء کا ہے۔

نقدی فصلوں کی زراعتی ترقی اور ان کی علاقہ بندی

بازار کے لیے زرعی پیداوار سے کسان اول تو نقدی اور دوسرے بہت زیادہ منافع حاصل کر رہا تھا۔اس لیے کسان بھی نقدی فصلوں کی کاشتکاری میں دلچسپی لینے لگا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسان اناج کی کاشت کے بدلے نقدی فصلوں کی کھیتی کو فوقیت دینے لگا بلکہ اس کا خوش آئند پہلو یہ تھا کہ کسان غیر مزروعہ زمینوں کو کاشت کے قابل بنا کر کھیتی کرنے لگا تھا جو منافع بخش ثابت ہو رہا تھا۔ خاص نقدی فصلیں مخصوص علاقوں میں جغرافیائی اور ماحولیاتی وجوہات کی بنا پر ہی کی جا سکتی تھیں۔اسی طرح علاقہ بندی ایک اہم صورت بن کر سامنے آئی

مثلاً کپاس دکن اور برار کے علاقوں میں پیدا ہوتی تھی۔ جوٹ بنگال اور بہار، نیل بنگال اور بہار کے علاقوں کے لیے مختص فصل تھی۔ چائے آسام میں، گنا اتر پردیش، گیہوں پنجاب میں، وغیرہ۔

نئی فصلوں کی کاشت

انیسویں صدی میں نقدی فصلوں کی بڑھتی مانگ کے سبب نقدی فصلوں کی کاشت میں اضافہ ہونے لگا۔ گاڈگل کا خیال ہے کہ اس وجہ سے ''صنعتی فصلوں کے دام میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ صرف برآمداتی تجارت ہی نہیں بڑھ رہی تھی بلکہ زرعی پیداوار کی اندرونی تجارت میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخصوص فصلوں کو اب بہتر طریقے سے لگانے کا موقع ملا۔ مثلاً برار کے علاقے میں کپاس کی کھیتی بڑے پیمانے پر ہونے لگی اور غذا کی فراہمی کے لیے اناج باہر سے درآمد کرنا پڑا۔ نئی فصلیں مثلاً ''تلہن، چائے، کافی، مونگ پھلی کی کھیتی بھی بڑے علاقوں میں ہونے لگی۔ نئی فصلوں کی کاشت میں ترقی کی بنیادی وجہ آبپاشی کے نظام کا بہتر ہونا بھی شامل ہے۔ ڈی آر گاڈگل اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''صنعتی فصلوں کی توسیع آبپاشی میں اضافے کے ساتھ بڑھی''۔ آبپاشی کی سہولیات بڑھنے کے ساتھ ساتھ نقدی/صنعتی فصلوں کی کاشت بڑھ گئی۔ کسانوں نے تجرباتی طور پر نئے اوزار اور نئی کھاد کا استعمال شروع کر دیا۔ کاشتکاری کا طریقہ کار کو تبدیل ہو گیا۔ مثلاً مختلف النوع فصلیں Mixed Crops ایک ساتھ اگائی جانے لگیں۔ یہ آبپاشی کی سہولیات کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔

ہندوستانی زرعی پیداوار کے لیے وسیع تر بازار

زراعت کی تجارت کاری کے بعد قومی اور عالمی تجارت میں گراں قدر اضافہ ہوا جس کو مورخین ایک خوش آئند پہل بتاتے ہیں مثلاً میک آلپن زراعت کی تجارت کاری کو ہندوستانی سماج اور معیشت دونوں کے لیے سودمند بتاتا ہے۔ اسی کے ساتھ جب کسان نے نقدی فصلوں کی پیداوار میں اضافہ کیا اس اضافی پیداوار کو بازار میں بیچ کر اسے نقدی حاصل کرنے کا موقع ملا جبکہ پہلے اس کو غلّہ جمع کر کے رکھنا پڑتا اور قیمتوں کے اضافہ تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔ انیسویں صدی کی اہم معاشی تبدیلیوں میں ایک بڑی تبدیلی بازار کا وجود میں آنا تھا۔ ریلوے اور سڑکوں کی تعمیر سے اس میں اور وسعت ہوئی۔ زراعت کی تجارت کاری کی سرگرمیاں اس کی وجہ سے مزید تیز تر ہو گئیں۔

زرعی طبقات کی آمدنی میں گراں قدر اضافہ

صنعتی انقلاب کے بعد صنعتی فصلوں کی مانگ برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں بڑھنے لگی۔ یہی زمانہ تھا جب ہندوستان میں ڈلہوزی نے پی۔ ڈبلیو۔ ڈی ڈپارٹمنٹ قائم کر کے سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ لارڈ ڈلہوزی نے 1853 میں ریلوے کی ابتدا کر کے حمل و نقل کے وسائل کو مزید بہتر بنا کر شہروں کو بندرگاہوں سے جوڑ دیا۔ قومی اور عالمی تجارت کا حجم کئی گنا بڑھ گیا۔ جس کی بدولت زرعی طبقات کو بھی فائدہ ہوا کیونکہ ہندوستان کی تجارت بھی زرعی اشیاء پر منحصر تھی۔

اشیائے خورد و نوش کی کمی

زراعت کی تجارت کا ایک اہم منفی اثر اشیائے خورد و نوش کی پیداوار میں کمی تھی۔ اس کی وجہ سے کاشت کے رقبہ اور فصل کی نوعیت

میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ صنعتی فصلوں کی کھیتی کے کل رقبہ میں اضافہ کی وجہ سے اناج کی کھیتی میں کمی واقع ہوئی جس کی بدولت پیداوار میں بھی واضح کمی آئی۔ اس کو قومی مورخین نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ 1913 تک گاڈگل کے مطابق 89 فیصد حصہ میں غذائی اجناس پیدا ہوتی تھی لیکن اس بات کے بھی شواہد موجود ہیں کہ غذائی اجناس کی پیداوار میں کمی واقع ہوئی جس کی وجہ سے قحط یا دوسرے وبائی آفت میں اناج کی قلت کے باعث قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ کسان مالگزاری کی سختیوں کے مدِّ نظر نقدی فصل کی کھیتی مثلاً گیہوں وغیرہ کو فوقیت دیتے تھے۔ عام لوگوں کی غذائی اجناس جوار، جو، باجرہ وغیرہ کی پیداوار یقیناً کم ہو گئی جس سے غریب طبقہ کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور قحط جیسے حالات پیدا ہو گئے۔

5.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

زراعت کی تجارت کاری کی وجہ سے کسان اب ہندوستانی اور بیرونی بازار کے لیے پیداوار کو ترجیح دینے لگا۔ اس طرح ہندوستانی زرعی پیشہ لوگ بھی عالمی بازار کی قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کی زد میں آ گئے تھے۔ اس کو عالمی اداروں سے مقابلہ آرائی کرنی پڑتی تھی لہٰذا اس کو اپنے پیداوار کے معیار پر بھی توجہ دینی پڑتی تھی۔ زراعت کی تجارت کاری کی وجہ سے زرعی زندگی میں بچولیوں کی مداخلت بڑھ گئی اور ان کا رول بھی کئی معنوں میں بڑھ گیا۔ وہ گاؤں سے فصل خرید کر شہروں کو لاتے تھے۔ وہاں سے برآمدات کے لیے ان کو بندرگاہوں تک بھیج دیتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ قیمتوں کو بھی اپنی مرضی کے مطابق طے کرتے تھے۔ اس لیے کسانوں کو کبھی بھی حقیقی قیمت نہیں مل پاتی تھی۔ زراعت کی تجارت کاری یقیناً ایک نیا تجربہ تھا جہاں کسانوں کو اس سے فائدہ ہوا وہیں عام کسانوں اور غریب لوگوں کو مشکلات اور مہنگائی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ جبکہ بچولیوں نے ٹھیک آج کی طرح خوب منافع کمایا۔ کسانوں کو زراعت کی تجارت کاری کا خاطر خواہ فائدہ نہیں مل سکا۔ شیکھر بندوپادھیائے کا ماننا ہے کہ زراعت کی تجارت کاری زرعی طبقہ کی دین نہیں ہے اور نہ ہی اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ مثلاً نیل کی کھیتی کو کمپنی حکومت نے شروع کیا تھا۔ نیل کی کھیتی کے جبری اور استحصال پر مبنی ہونے کی وجہ سے بنگال میں نیل مخالفت بغاوت اور دوسری مخالف تحریکیں شروع ہوئیں۔ چمپارن میں نیل کی کھیتی کا ہی قضیہ تھا جس کو گاندھی جی نے بطور چمپارن تحریک شروع کیا تھا تاکہ زراعت کی تجارت کاری کی وجہ سے نیل کی کھیتی کے جبراً نفاذ کو روکا جا سکے اور کسانوں کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

5.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

زراعت کی تجارت کاری	:	بازار کے لیے نقدی/صنعتی/برآمداتی فصلوں مثلاً کپاس، جوٹ وغیرہ کی کھیتی
نقدی فصل	:	ایسی فصل جس کو بیچ کر فوری قیمت حاصل ہو
صنعتی فصل	:	ایسی فصلیں مثلاً کپاس، جوٹ وغیرہ جس کا صنعتی استعمال ہو۔
دیوانی اختیار	:	مالگزاری وصول کرنے کا حق
خود کفیل	:	ضروریات کو پورا کرنے والا، خود کی کفالت کرنے والا

تخمینہ	:	اندازہ، میزانیہ
پسماندگی	:	پچھڑاپن

5.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. زراعت کی تجارت کاری سے کیا مراد ہے؟
2. ہندوستان میں زراعت کی تجارت کاری کس صدی میں شروع ہوئی تھی؟
3. ہندوستانی معیشت کے تین شعبے کون کون سے تھے؟
4. صنعتی انقلاب سب سے پہلے کہاں اور کب آیا تھا؟
5. نقدی فصلوں کے نام بتائیے۔
6. نیل کی کھیتی کہاں ہوتی تھی؟
7. کپاس کی کھیتی ہندوستان کے کس علاقہ میں ہوتی تھی؟
8. امریکہ کی خانہ جنگی کب شروع ہوئی؟
9. Famine Commission نے اپنی رپورٹ کب پیش کی؟
10. سوئز نہر کا افتتاح کب ہوا تھا؟

5.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ریلوے اور سڑکوں کی تعمیر نے ہندوستانی معیشت پر کیا اثرات مرتب کئے۔ نوٹ لکھیئے۔
2. ہندوستان کی معیشت پر امریکہ کی خانہ جنگی کے پڑنے والے اثرات کا تجزیہ کیجیے۔
3. دیہی مقروضیت (Rural Indebtness) سے کیا مراد ہے؟ اور اس کے وجوہات پر تبصرہ کیجیے۔
4. عالمی تجارت میں سوئز نہر کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالیے۔
5. دیہی برادری کے مشترکہ تصور پر ایک تفصیلی مضمون لکھیئے۔

5.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. زراعت کی تجارت کاری کی وجوہات کا مثالوں کے ساتھ تنقیدی تجزیہ کیجیے۔
2. زراعت کی تجارت کاری کے نتائج پر مدلل بحث کیجیے۔
3. ہندوستانی معیشت پر برطانوی حکومت کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔

5.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Banerjee-Dube, Ishita, *A History of Modern India*, Cambridge University Press, New Delhi, 2014.
3. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
4. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
5. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
6. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
7. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
8. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
9. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
10. Sarkar, Sumit, *Modern India*, *1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
11. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
12. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 6۔ انیسویں صدی میں عدم صنعت کاری کا مسئلہ

(The Question of De-Industrialization Process in the 19th Century)

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 مفہوم

6.3 برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی ابتدا

6.4 صنعت و حروف پر صنعتی انقلاب کا اثر

6.5 مغلیہ عہد میں صنعت و حرفت کا پس منظر

6.6 ہندوستان صنعتی زوال کا آغاز

6.7 ہندوستان میں عدم صنعتکاری کے وجوہات

6.8 عدم صنعتکاری کے نظریہ کے مخالفین کے شواہد

6.9 عدم صنعتکاری کی وجوہات

6.10 عدم صنعتکاری کے نظریہ کے مخالفین کے شواہد

6.11 عدم صنعتکاری کے نظریہ کے حمایتی اور ان کی دلیل

6.12 شواہدات کا تقابلی تجزیہ

6.13 عدم صنعتکاری کے اثرات اور نتائج

6.14 اکتسابی نتائج

6.15 کلیدی الفاظ

6.16 نمونہ امتحانی سوالات

6.17 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید (Introduction)

انیسویں صدی ہندوستان کی معاشی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی، خاص طور پر اس کے صنعتی شعبے کے حوالے سے۔ کبھی اپنے پھلتی پھولتی کپڑے کی صنعت اور دستکاری کے لیے مشہور ہندوستان، نوآبادیاتی دور میں ایک بڑی تبدیلی سے گزرا، جس کے نتیجے میں صنعتی زوال کے رجحان پر وسیع پیمانے پر بحث شروع ہوئی۔ یہ عمل، جو اکثر برطانوی سامراجی پالیسیوں سے منسلک ہے، مقامی صنعتوں کے منظم انحطاط اور ہندوستانی معیشت کی ساخت میں تبدیلی پر مشتمل تھا۔ اس زوال کی وجوہات اور اثرات پیچیدہ ہیں، جن کا تعلق یورپ میں صنعتی سرمایہ داری کے عروج، عالمی تجارتی نیٹ ورکس کے پھیلاؤ، اور نوآبادیاتی اقتصادی نظام کے نفاذ سے ہے۔ یہ اکائی اس عمل کے اہم عوامل، اس کے ہندوستانی معاشرے اور معیشت پر اثرات، اور ان علمی مباحثوں کا جائزہ لے گی جو آج بھی اس اہم دور کو سمجھنے کے لیے اہم ہیں۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- **عدم صنعتکاری کی وضاحت،** صنعتی زوال کے تصور اور اس کے اثرات کو سمجھ سکیں گے۔
- ان سماجی، اقتصادی اور سیاسی حالات کا تجزیہ کر سکیں گے جو 19ویں صدی میں ہندوستان میں صنعتی زوال کا سبب بنے۔
- ان پالیسیوں کا جائزہ لے سکیں گے، جیسے محصولات اور تجارتی طریقے، جنہوں نے ہندوستانی صنعتوں کے زوال میں کردار ادا کیا۔
- ان مخصوص صنعتوں کو اجاگر کریں گے جو صنعتی زوال کی وجہ سے متاثر ہوئیں۔
- صنعتی زوال کے وسیع تر اقتصادی اور سماجی اثرات، جیسے غربت، بے روزگاری، اور نقل مکانی پر بحث کر سکیں گے۔
- ہندوستان میں عدم صنعتکاری پر مورخین اور ماہرین اقتصادیات کے مختلف نقطہ نظر پیش کر سکیں گے۔

6.2 برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی ابتدا (The Beginnings of the Industrial Revolution in Britain)

اٹھارہویں صدی کے وسط میں برطانیہ میں صنعتی انقلاب آیا۔ وہاں سے یہ دوسرے یورپی ممالک میں پھیل گیا۔ اس انقلاب نے زمانے کی سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا۔ اس انقلاب نے نظریاتی سطح پر بھی ایک انقلاب پیدا کیا جس نے سامراجیت کو جنم دیکر نوآبادیاتی نظام کو فروغ دیا۔ یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ: دنیا بالخصوص یورپ میں جب صنعتی ترقی ہو رہی تھی۔ مشینوں کا بڑے پیمانے پر استعمال کر کے پیداوار کے میدان میں انقلابی پیش قدمی ہو رہی تھی۔ اس وقت ہندوستان نہ صرف اس ترقی سے محروم تھا بلکہ یہاں کی صنعت و حرمت اور معیشت عجیب و غریب دور سے گذر رہی تھی یہاں بڑی برق رفتاری سے صنعت و حرمت کا زوال ہو رہا تھا عمل کو عدم صنعتکاری (Re-Industrialisation) کہا جاتا ہے۔ عدم صنعتکاری سے مراد موجودہ صنعت و حرفت اور روایتی دستکاری کا زوال تھا۔ یہ زوال اتنی تیزی سے ہو رہا تھا کہ عمل طور پر ہندوستان کو رس سے نکلنا بہت مشکل تھا۔ دانشوروں کے لیے یہ بات قابل تشویش تھی کہ جب دنیا صنعتی ترقی سے دوچار ہے تو ہندوستان میں روایتی صنعت و حرفت کیوں روبہ زوال ہے۔

مغربی ممالک کے دانشور مثلاً مورس ڈی مورس اور ڈینٹیل تھورنر اس بات پر حصر نظر آتے ہیں کہ صنعتی انقلاب کی وجہ سے دنیا میں روایتی صنعت و حرمت کا زوال یقینی تھا کیونکہ پیداوار کا نظام روایتی طرز سے نکل کر مشینی دور میں داخل ہو چکا تھا۔ صنعتی انقلاب کا یہ حنفی اثر پوری دنیا ہی میں ظاہر تھا۔ غرضیکہ صنعت و حرمت کا یہ زوال صنعتی انقلاب کا منطقی انجام تھا اور اس کا ایک حصہ تھا۔ جس سے انحراف کرنا ناممکن تھا۔ مغربی ممالک کے یہ خلاف 9ویں صدی کا ہندوستان صنعتی زوال کا شکار تھا اور زوال کا یہ عمل 20ویں صدی میں بھی قائم و دائم رہا۔ جس نے ہندوستان کی معیشت کو حد سے زیادہ متاثر کیا۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ صنعتی انقلاب نے مشینوں کو جنم دیا جس نے پیداوار کے نظام کو انقلابی سطح پر تیار کیا۔ لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ صنعتی انقلاب کی وجہ سے یورپ میں جدید صنعتوں کی ترقی ہو رہی تھی اور ہندوستان اس قسم کی ترقی سے نہ صرف محروم تھا بلکہ اس کی ترقی یافتہ صنعت بہت بڑی تیزی سے زوال پذیر تھی اور یہی ہندوستانی سیاست دانوں اور دانشوروں کے لیے مباحثہ کا موضوع بنا۔ ہندوستان میں صنعتی زوال حنفی اثر نے زندگی کے تمام شعبوں میں بری طرح متاثر کیا۔ اور یہی نتیجہ ہے کہ صنعت و حرقت سے منسلک تمام لوگ بروزگار ہو گئے۔ جس نے سماجی اور معاشی زندگی کو بری طرح متاثر کیا اور لوگ انتہائی غربت کا شکار ہونے لگے۔

عدم صنعتکاری کے اثرات عام ہندوستانیوں کی زندگی پر اتنا گہرے تھے کہ کانگریس کے قیام کے بعد سیاسی رہنماؤں کے لیے نہ صرف باعث تشویش تھا بلکہ مباحثہ کا موضوع بھی تھا۔ مورخین نے اس زوال کا گہرائی سے مطالعہ کر کے اپنے نکتہ نظر سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس ضمن میں آر۔ کی دت، آر پی دت، تاراچند وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ انگریز حکومت نے اپنی معاشی اور تجارتی منافع کے پیش نظر ایسی پالیسی پر عمل پیرا ہوئے جس نے ہندوستانی دستکاری اور صنعت و حرقت کو ناقابل یقین حد تک نقصان پہنچایا۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب ہی ہندوستانی صنعتی زوال کا اصل موجب تھا۔ لیکن برطانوی مورخین اس حقیقت کو سرے سے ہی خارج کرتے ہیں۔ وہ غیر صنعتکاری کے عمل کو ماننے سے ہی انکار کرتے ہیں اور مورس ڈی مورس اسقدر سخت رخ اپنائے ہوئے کہ ہندوستان میں عدم صنعتکاری کو Myth سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بات بھی قابل قدر ہے کہ عدم صنعتکاری کو ہندوستانی سیاستدانوں نے معمولی اہمیت دی۔...... معاشی اہمیت کے حامل موضوع کو نظرانداز کیا۔ اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے عدم صنعتکاری کی سماجی اور معاشی زندگی پر حضرِ اثرات کو موضوع بحث نہیں بنایا۔ اس کے برعکس دولت کی نکاسی کو دیر سے ہی صحیح کانگریس کے رہنماؤں نے اپنے بحث کا موضوع بنایا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس وقت کے اخبارات اور رسائل نے دولت کی نکاسی پر اپنی تحریروں کے ذریعہ عوام کو اس کے مضر اور منفی اثرات سے آگاہ کیا۔ ملک کی ترقی میں دولت کی نکاسی کو ایک اہم روکاوٹ سمجھا۔ لیکن عدم صنعتکاری متطلق یا پھر اس کا ہندوستانیوں پر منفی اثرات کے بارے میں ہم عصر ادب یا پھر اخبارات ورسائل میں مواد ناکے برابر ملتا ہے۔ دولت کی نکاسی کے متعلق اعداد و شمار حکومت کے ریکارڈ میں موجود ہیں جس کی مدد سے اس کا مطالعہ یا تجزیہ مورخین کے دسترس میں ہے لیکن عدم صنعتکاری کے منطلق اس طرح کے اعداد و شمار کی ادب کا فقدان ہے۔ جس کے بدولت اس موضوع پر لکھنا یر پھر بحث کرنا دشوار کن مرحلہ تھا۔ مختلف علاقوں میں مختلف صنعت و حرفت قائم تھی۔ اس میں کتنے لوگ کام کرتے تھے پیداوار کتنا تھا۔ اس

سے آمدنی کیا تھی ان سب معلومات کا فقدان تھا کیونکہ باضابطہ طور پر مردم شماری 1881 میں شروع ہوئی۔ اس سے پہلے آبادی کا تخمینہ اندازے کے مطابق لگایا جاتا۔ جو غیر سائنٹفک تھا غرض یہ کہ برطانوی عہد سے مثل صنعت و حرفت اور پیداوار کا حقیقی تخمینہ لگانا مورخین کے لیے مشکل تھا۔

6.3 مغلیہ عہد میں صنعت و حرفت کا پس منظر

(Background for the Industry and Craft during the Mughal Period)

مغلیہ عہد میں صنعت و حرفت کا بنیادی انحصار زراعت پر تھا۔ صنعت و حرفت مغل عہد میں ترقی پذیر تھا مغلیہ عہد کی معیشت صنعت و حرفت اور تجارت پر متحصر تھی۔ اس عہد میں صنعت و حرفت کی بنیادی اکائی کارخانہ تھا۔ اس عہد میں مشین کا مقدان تھا اور صنعت کا دارو مدار دستکاری میر تھا۔ اس کے باوجود ملک میں صنعتی ترقی ہو رہی تھی۔ مختلف علاقوں میں مختلف صنعت و حرفت علاقے کی زرعی پیداوار کے اور معدنیات نشو و نما کر رہے تھے۔ مطابق مثلاً...... میں جوٹ اور سوتی کپڑوں کے کارخانے تھے تو مدراس میں ریشمی کپڑوں کی صنعت تھی۔ لاہور، تجرات زور آگرہ ریشمی بنائی کے مراکز تھے۔ کشمیر میں اونی کپڑے اور شال کی دستکاری مشہور تھی۔ لاہور امی آباد، آگرہ اور فتح پوری میں سرکاری فیکٹریاں تھی۔ ہندوستان میں کارخانوں میں تیار شدہ چیزیں دنیا کے بازار میں بہت مقبول تھی اور ہندوستان ان اشیا کی بڑی مقدار چین، جاپان، ایران، عرب، مصر، تریقہ اور پوری جانب کو برآمد کرتا تھا اور اس کے بدلے اس کو زر مبادلہ مین کافی دولت حاصل ہوتی تھی۔ جو ملک میں خوشحالی کی ایک اہم وہم تھی۔ کپڑوں کی صنعت اور اس کی تجارت ہندوستان کو نمایا مقام حاصل تھا۔ آگرہ اور فتح پوری سیکری میں قالین بہت ترقی پر تھی ہندوستانی سوتی اور ریشمی کپڑے پوری دنیا بالخصوص پوری ممالک میں بہت مقبول و معروف تھی وہاں کی منڈی میں ان اشیاء کی مانگ زیادہ تھی اور یہ صورت حال برطانیہ میں صنعتی انقلاب آنے تک قائم رہا۔ اکبر کے عہد حکومت میں کارخانوں کی فقدار بہت بڑھ گئی۔ بنگال کی بنائی کی صنعت کا معرف تھا۔ اور کہتا ہے کہ مشرقی بنگال کے بنے ہوئے کپڑے بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ کے ہوتے تھے۔ ایک دوسرا غیر ملکی مؤرخ، بنگال کی سوتی اور ریشمی کپڑوں کی عمدہ اور اعلیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ اور اس کی غیر ملکوں پڑوسی ممالک اور یورپ میں مقبولیت کا تذکرہ کرتا ہے۔ جو ہندوستانی صنعتکاروں کے لیے قابل فخر بات ہے۔ باربوسا تجرات کے ...... کو سوتی کپڑے بالخصوص جھنپٹ وہلوہٹ سائن، تفتا اور قالین کا اہم مرکز بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ کوبے کے علاوہ گجرات کے دوسرے شہروں میں سبھی سوتی کپڑے اور قالین بنانے کے کارخانے تھے اور عمدہ قسم کے پیداوار کے لیے مشہور ہے ابوالفضل آئین اکبری نے خاندیش کے سوتی کپڑﷺ ں کی بہت ستائش کی ہے۔ وہ سہارنپور کے مختلف قسم کے سوتی کپڑوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔

کپڑے کی صنعت کے علاوہ مغلیہ عہد میں اور سبھی کی صنعت کافی ترقی پذیر تھی اور ان تمام صنعت و حرفت کو مغل حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اور وہ خود بھی اس کی ترقی میں دلچسپی لیتے تھے۔ اس کے لیے علاحدہ شعبہ تھا اور نگراں مقرر کئے جاتے تھے جو اس کی کارکردگی کا معائنہ کرتے تھے۔ اور تیار شدہ مال بازار میں بھیجا جاتا تھا۔ دھات کی بنی اشیا چینی، کاغذ، پتھر کی بنی ہوئی اشیا جہاز رانی کی صنعت،

ہاتھی دانت کی بنی اشیا، زیورات، خوشبو عطر وغیرہ کی صنعت و حرفت کبھی کلامی بری پذیر کبھی بہار ہیں شورہ منایا جاتا تھا۔ اکبر کشمیر کے اعلیٰ شالوں کا دلدادہ تھا۔ فرانس اور برطانیہ کے اشرافیہ اور امراطبقہ میں کشمیری شالوں کی بہت زیادہ مقبولیت تھی اور ہندوستانی مصنوعات کی مانگ غیر ملکی منڈیوں میں بہت زیادہ کی مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب معدقائی ریاستوں کا ظہور ہوا تو ان ریاستوں کے حکمرانوں نے بھی اپنے پیش و حکمرانوں کی طرح صنعت و حرفت کو مزید ترقی دی۔ مثلاً بنگال کے حکمراں مرشد علی خاں، میسور کے حکمراں ٹیپو سلطان، راجستھان کے راجپوت حکمراں حیدرآباد کے نظام وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔ ترقی پذیر صنعت و حرمت اور وسیع تجارت کی وجہ سے ملک میں خوشحالی تھی۔ غیر ملکی سیاحوں اور مورخین نے ہندوستان کی دولت اور خوشحالی کا جابجا ذکر اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ امرا اور اشرافیہ کی اعلیٰ طرز زندگی اور بود و باش کے ساتھ غریبی کا بھی شاہد اقلمبند کیا ہے۔

سترہویں صدی میں ہندوستانی متوازن معیشت تھی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ زراعت اور صنعت دونوں ہی ترقی پر تھے اور دونوں ایک دوسرے پر منحصر تھے اور اس کی وجہ سے ملکی اور غیر ملکی تجارت بھی فروغ پا رہا تھا۔ ہندوستان کے بنے سوتی اور ریشمی کپڑوں کا دوسرے ممالک میں بالخصوص برطانیہ اور فرانس میں بہت مانگ تھی۔ چونکہ مصنوعی رنگ کی ایجاد نہیں ہوئی تھی لہٰذا کپڑوں کی رنگائی میں نیل استعمال ہوتا تھا اس لیے یورپ میں ہندوستانی نیل کی رنگ اس کے علاوہ گرم مصالہ اور شورئی کی رنگ بھی بہت زیادہ تھی۔ ہندوستان ان اشیا کی بڑی مقدار میں برآمد کرتا تھا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہندوستانی سوتی و ریشمی اور اونی کپڑوں کی مانگ کے پیش نظر ہندوستان میں یہ صنعت بہت منافع بخش اور ترقی پر یجا تھا۔ ریو 1708 میں لکھتا ہے کہ ''ریشم اور اون کی بنی تمام مصنوعات جس کا استعمال عورتیں کرتی تھیں یہ گھروں میں فرنیچر کے لیے کیا جاتا تھا وہ سبھی ہندوستان سے درآمد ہوتا تھا''۔ یورپی ممالک عموماً سرد ہوتے ہیں اس لیے سوتی اور اونی کپڑوں کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔ اور موسم کے لیے لحاظ سے موضوع بھی ہوتے تھے لہٰذا بازار میں اس کی بہت مانگ تھی اور درآمدات کے ذریعہ اس مانگ کو پورا کیا جاتا تھا۔ جس کے بدلے یورپی ممالک برطانیہ اور فرانس در مبادلہ کی شکل میں بہت بڑی رقم ہندوستان کو دیتے تھے۔ اس کو انگریز سیاستدانوں اور صنعتکاروں نے دولت کی نکاشی سے تعبیر کیا۔ ان لوگوں نے برطانوی پرارلیانٹ میں دولت کی نکاسی پر سوال اٹھایا۔ اور ہندوستان سے کپڑوں کی درآمدات پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا۔

مقامی سرمایہ دار اور صنعتکاروں کے دباؤ کے پیش نظر برطانوی حکومت کو ہندوستانی درآمدات کی حوصلہ شکنی کے لیے کئی قوانین نافذ کئے تاکہ درآامد کو کم سے کم کیا جائے اور لوگوں نے ہندوستانی کپڑوں کی قبولیت اور بڑھتے مانگ کے رجحان کو کم کیا جا سکے۔ لہٰذا 1700 میں برطانوی پارلیاسنٹ نے ایک قانون جسے کیلیکو قانون (Calico Act, 1700) کہا جاتا ہے کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے بیرون ممالک کے بنے سوتی، ریشمی اور اونی کپڑوں کی درآمد پر پابندی عائد کر دی۔ لی کن قانونی پابندی بھی بہت زیادہ کارکرد ثابت نہ ہو سکی کیونکہ خود ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے ملازم ممنوعہ ہندوستانی اشیا کو چوری چھپے برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک میں بھیج رہے تھے اور اس سے غیر قانونی طور پر کئی گنا منافع کما رہے تھے۔ یہ قانون دراصل برطانیہ نے اپنی معاشی تحفظات کے پیش نظر پاس کیا تھا تاکہ برطانوی صنعتی اور مینوفیکچرنگ شعبہ کی مفاد کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔ کیونکہ ہندوستانی مصنوعات بالخصوص کپڑوں کی درآمدات میں کئی گنا اضافہ کے برطانیہ کی

صنعتی ترقی پر منفی اثرات وصاف نظر اری تھی اور ممکنہ طور پر برطانوی صنعت کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ ہندوستانی مصنوعات کے ذریعہ پوری بازار میں دستیاب تھیں۔اس کو ختم کرنے کے لیے بالآخر برتانوی،......نے 1720 میں ایک دوسرا قانون جسے Calico Act کہا جاتا ہے پاس کیا۔ جس کی روسے ہندوستانی کپڑوں بالخصوص چھینٹ کے استعمال پر 5 پاؤنڈ اور خرید وفروخت پر 20 پاؤنڈ کا جرمانہ عائد کیا گیا۔ تاکہ صارفین کی حوصلہ شکنی ہوسکے تو دوسری طرف اس کی تجارت پر مکمل پابندی عائد کی جاسکے۔اس قانون کا مقصد ملکی صنعت کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ کیونکہ ہندوستانی کپڑا چھینٹ پوری عوام میں بہت مقبول عام ہورہا تھااوراس کے خرید وفروخت میں لوگوں کی دلچسپی سے مقامی صنعت تباہ ہورہی تھی۔ فرانس میں ہندوستانی کپڑوں کی مقبولیت کااندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1686 میں فرانس نے چھینٹ کی درآمد پر پابندی عائد کردی لیکن فرانس میں اس کا استعمال بڑھتا رہا۔اس کے پیش نظر 1726 فرانسیسی شہنشاہ لوئس XI نے سزائے موت کا فرمان جاری کردیا کہ اگر کوئی شخص ہندوستانی کپڑوں کی اسمگلنگ اور اس غیر قانونی تجارت میں 3 مرتبہ سے زیادہ ملوث پایا گیا تو اس جرم کے پاداش میں قتل کردیا جائے گا۔ قانونی پابندی سے بلاشبہ غیر قانونی درآمدات میں کمی ضرور آئی لیکن عمدہ اوراعلیٰ معیار کی وجہ سے اس کی مقبولیت یورپ کے اشرافیہ اوراعلیٰ طبقوں میں قائم رہی۔

6.4 ہندوستان میں عدم صنعتکاری کے وجوہات (Reasons for De-industrialisation in India)

ہندوستان اپنے اعلیٰ اور معیاری صنعتی پیداوار کے لیے ملک اور بیرون ملک بہت مشہور تھا۔ ملک میں دیہی اور شہری دستکاری ترقی تھی۔ دستکار اپنے فن میں ماہر تھے۔ پر تعیش اور نیم عیش وآرام کی اشیا بنانے میں ان کی مہارت اور فنکارانہ صلاحیت نے ہندوستانی اشیا کو ملک اور غیر ملکوں میں بہت مقبول بنادیا تھا۔ عالمی منڈی میں بڑھتی مانگ سے ہندوستان کی صنعت وحرفت کو مزید فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ دوسری اشیا کے علاوہ مختلف قسم کے کپڑوں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے مناسب سے عالمی مانگ میں بے طرح اضافہ ہوا۔ جس کی بدولت کپڑوں کی برآمد میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ ڈھاکہ کا ملن، لکھنو کا چھینٹ، احمد آباد کا دھوتی اور دوپٹہ دروراکی ساڑیاں بہت مشہور تھیں۔ بنگال، احمد آباد، میسور اور یونا ریشمی کپڑوں کے لیے مشہور تھا۔ پنجاب اور کشمیر اونی کپڑوں کا اہم مرکز تھا۔ یہاں کے بنے ہوئے معیار شال فرانس میں بہت مشہور تھااور فرانسیسیوں کی توجہ کا مرکز تھا جو 1870 میں فرینکو-پرشین جنگ،، ملاوٹ اور پہلے میں اونی صنعت کے فروغ کی وجہ سے کشمیری اور پنجابی ادنی شالوں اور کپڑوں کی مانگ میں نمایاں کی آئی جس کی وجہ سے کشمیر اور پنجاب میں یہ صنعت زوال کا شکار ہوئی۔ بنائی قومی پیشہ صنعت تھا۔ دھاگا کی کتائی عورتوں کا مقبول پیشہ تھا۔ کپڑوں کی صنعت ملازمت کا اہم ذریعہ تھا۔ لاکھوں لوگ اس پیشہ سے براہ راست یا بالواسطہ طور پر منسلک تھے ہندوستان میں لوگوں کی معیار زندگی بہت تھی۔

کارل مارکس جو نیویارک ڈیلی ٹریبیون کے نامہ نگار تھے انہوں نے برطانوی سامراجیت کے معاشی اور سماجی نتائج پر سلسلہ وار مضامین لکھے۔ ان کا ماننا تھا کہ برطانوی سامراجیت نے ہندوستان میں دو مختلف کردار ادا کیا اول تخریبی تھا دوم تخلیقی تھا۔ عدم صنعتکاری اس تخریبی پالیسی کا نتیجہ تھی۔ عدم صنعتکاری کا استعمال پہلی بار 1940 میں ہندوستانی معیشت کے تناظر میں کیا گیا۔اس کا مطلب تھا ملک کی قومی

صنعتی صلاحیت پیداوار میں کمی یا بربادی تھی۔ انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کے نتیجے میں ہندوستانی صنعت و حرمت اور کاریگری کے شعبہ میں ناقابل یقین تباہی و بربادی آئی جسے عصر صحافیوں اور دانشوروں نے عدم صنعتکاری سے تعبیر کیا۔ کارل مارکس نے ہندوستان میں معاشی استحصال کے تین مختلف مرحلوں کی نشاندہی کی ہے۔ پہلا دور 1757 سے شروع ہو کر 1813 تک قائم رہا جسے تجارتی نظریہ زر کا اصول یا مرکینٹلزم کیا جاتا ہے۔ اس دور میں بازار پر اجارہ داری قائم کرنے کا جذبہ پروان چڑھا اور برطانوی حکومت سیاسی بالادستی قائم کرنے کے طریقہ کار پر عمل پیرا تھی۔ دوسرا دور 1813 سے لیکر 1833 تک رہا اور یہ آزاد تجارت کا دور کہلاتا تھا تیسرا اور آخری دور 1833 سے شروع ہو کر 1947 میں ہندوستان کی آزادی تک چلا اور یہ مالیاتی سرمایہ داری یا فائنا شیل کیپیٹالزم کا دور کہلاتا تھا۔ ان تینوں مراحل میں کمپنی کا بنیادی مقصد اپنے منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنا تھا اور اسی کے مطابق انگریزوں نے سیاسی، معاشی یا پھر صنعتی پالیسی کو وضع کیا اور نئے مفاد کو ہندوستان کے مفاد فوقیت دیا۔

اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف میں برطانیہ میں صنعتی انقلاب آچکا تھا۔ صنعتی انقلاب کی وجہ سے پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ یہ تبدیلی بڑے پیمانے پر مشینوں کے استعمال سے رونما ہوئی۔ یہ انقلاب دوسرے یورپی ممالک میں بھی پھیل گیا اور ان ملکوں میں صنعتی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔ اضافی پیداوار کے لیے برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک بازار کی تلاش میں لگ گئے۔ خوش قسمتی سے ہندوستان انگریزوں کا ایک نوآبادی مملک تھا۔ جو آبادی کے لحاظ سے ایک بہت بڑا ملک تھا اور انگریزی سرمایہ دارانہ نظام کے لئے یہ مفید بازار کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا۔ دوسرا اہم فائدہ انگریزوں کو یہ حاصل ہوا کہ ہندوستان سے خام مال برطانیہ برآمد کرنے لگے۔ جو ان کی فیکٹریوں کے چندے کے لیے ضروری تھی۔ جس کو انہوں نے مشین سے بنے مصنوعات بالخصوص کپڑوں کو بڑے پیمانے پر ہندوستان میں برآمد کرنا شروع کردیا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ برطانوی مصنوعات سے ہندوستانی بازار بھر گیا۔ لوگوں کو مشین سے بنا عمدہ کپڑا سستے داموں میں دستیاب تھا۔ جس نے ہندوستانی صنعت و حرفت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانا شروع کردیا۔ بالآخر ہندوستانی صنعت و حرفت رفتہ رفتہ یقینی طور پر زوال کا شکار ہوگئی جس کو مورخین نے عدم صنعتکاری (De-industrialization) کا نام دیا۔ مورخین 1750 سے لیکر 1860 تک کے دور کو ہندوستان میں عدم صنعتکاری کا عہد مانتے ہیں اور مزید اس کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا دور 1750 سے لیکر 1810 تک کا ہے۔ ٹاملنسن اس عدم صنعتکاری کے عہد کو براہ راست مغلیہ سلطنت کے زوال سے منسلک کرکے دیکھتا ہے۔ دوسرا دور 1810 سے لیکر 1860 تک تھا لیکن صنعتی زوال کے ساتھ کچھ شہروں میں صنعتی و حرفت اور علاقائی دستکاری کا عروج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ پہلے دور میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بدولت معاشی بدحالی بڑھنے لگی۔ اجارہ داری کی شروعات ہوگئی جس کی بدولت کسانوں پر مالگزاری کا بوجھ بڑھنے لگا۔ یہی وہ عہد ہے جب انگریز توسیع پسندانہ پالیسی پر عمل پیرا تھے اور ہندوستانی ریاستوں سے برسر جنگ تھے۔ مسلسل جنگوں نے ملک کی معیشت کو تباہ و برباد کردیا تھا۔ زراعت اور زرعی پیداوار میں نمایاں کمی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس عہد میں ملک میں مسلسل قحط کی وجہ سے آبادی کا بہت بڑا حصہ فاقہ کا شکار ہو کر مر رہے تھے۔ زراعت کی تباہی سے تجارت بھی بری طرح متاثر تھی۔ جنگوں اور تجارت میں متواتر کمی کی وجہ سے ملک کی صنعت و حرفت بھی سے زیادہ متاثر ہو رہی تھی۔ کیونکہ ہندوستان کی صنعت کا انحصار بہت حد تک زراعت پر مبنی تھا۔ اشیا کی قیمتوں میں بے

پناہ اضافہ ہو رہا تھا۔مزدوروں کی مزدوری بڑھ رہی تھی۔ جس نے ہندوستانی سوتی کپڑے کے مینوفیکچرنگ کو منفی طور پر متاثر کیا۔

عدم صنعتکاری کے لیے 1813 کا چارٹر ایکٹ بہت حد تک ذمہ دار مانا جاتا ہے کیونکہ اس قانون نے ہندوستان اور برطانیہ کے مابین تجارت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مکمل اجارہ داری کو ختم کر دیا برطانوی مصنوعات بالخصوص منیجر اور لنکا شائر کے سوتی کپڑے ہندوستان میں آزادانہ طور پر آنے لگے۔ برطانیہ کی سینکڑوں کمپنیاں اب برطانوی مصنوعات ہندوستان لانے کے لیے آزاد تھیں کوئی بھی سرمایہ دار یا تاجر اس تجارت کا حصہ بن سکتا تھا۔اس طرح دیکھتے دیکھتے ہندوستانی بازار میں انگریزی مصنوعات اور کپڑوں کا انبار لگ گیا۔ جسنے رفتہ رفتہ ہندوستانی دستکاری اور یہاں کے مسنوعات کو علاقائی بازار سے بے دخل کر دیا۔اس طرح رمیش چندرات کے مطابق ہندوستان کی معیشت تباہی کا شکار ہوئی۔

انیسویں صدی میں برطانیہ کے صنعتکاروں نے اپنے تجارتی مفاد کے پیش نظر آزاد تجارت کے نظریہ کو فروغ دینا شروع کر دیا۔ جس نے بلاشبہ ہندوستان کی صنعت و حرفت اور تجارت کو حد سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ ہندوستان درحقیقت اپنے اعلیٰ اور عمدہ مصنوعات کی پیداوار کی وجہ سے ایک برآمد کرنے والا ملک تھا لیکن برطانیہ صنعتی انقلاب کے بعد اور آزاد تجارتی کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر ہندوستانی کو درآمد کرنے والا ملک بننے پر مجبور کر دیا۔اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی بنائی اور کتائی کی دستکاری تباہ ہو گئی۔اس دستکاری سے منسلک پیشہ ور اور تاجر بے روزگار ہو گئے اور بھکمری کا شکار ہو کر مرنے لگے۔اس تباہی و بربادی کا منظر کی تصدیق ولیم بینٹنک گورنر جنرل ہندوستان کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ 1834 میں انہوں نے تباہ کن حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ''تجارت تاریخ ایسی بدحالی اور تباہی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی، سوتی کپڑے کی بنائی سے منسلک دستکاروں کے میدان علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔''اس المیہ کا تذکرہ کارل مارکس بھی کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''انگریز دراندازوں نے ہندوستان کی ہتھ کرگھا کی صنعت اور کتائی کے پیشہ کو برباد کر دیا اور پوری بازار سے ہندوستانی سوتی کپڑوں کو بے دخل کر دیا۔ پھر انہوں نے ہندوستان میں انگریزی کپڑے کو متعارف کرایا اور بالآخر سوتی کپڑوں کا ملک ہندوستان برطانوی سوتی کپڑوں کا سیلاب آیا۔'' پوری دنیا میں سوتی ک پڑوں کے لیے مشہور ہندوستان اب انگریزی کپڑوں کی بہت بڑی منڈی میں تبدیل ہو گیا۔اس سے ہر بات ثابت ہوتی ہے کہ ملکی سوتی کپڑوں کی صنعت و حرفت تباہ ہو گئی جسے مورخین عدم صنعتکاری سے موسوم کرتے ہیں۔

ڈی۔آر۔ گاڈگل نے ہندوستان میں انیسویں صدی کے ابتدائی شہروں میں صنعت و حرفت کے زوال کے لیے تین بنیادی وجوہات کی نشاندہی کی ہے۔اول۔ ہندوستان کی مقامی حکومتوں کا خاتمہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی حکمراں مقامی صنعت و حرفت کو ترقی دینے اور ان کو تحفظ فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ کمپنی حکومت اپنی توسیع پسند انڈیا پالیسی کے تحت نے ان ریاستوں کو یکے بعد دیگرے مختلف پالیسی اپنا کر اپنا قبجہ جما لیا۔ان ریاستوں کے بادشاہ، نواب، امرا، درباری اور اشرافیہ مقامی مصنوعات مثلاً کپڑا، جنگی ساز و سامان، پر تعیش چیزیں، فرنیچر، برتن وغیرہ کا سب سے بڑا خریدار یہی طبقہ تھا۔ ہندوستانی ریاستوں پر قبضہ کا مطلب ہندوستانی مصنوعات کے بازار کا خاتمہ تھا۔ دوم غیر ملکی حکومت کا قیام۔ برطانوی حکومت کے قیام کے بدولت ملک میں ایک نیا اشرافیہ وجود میں آیا۔ جو یورپی بودوباس اور طرز زندگی کا دلدادہ تھا۔ یورپی حکام اور ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ یوری طرز زندگی سے متاثر ہو کر ان کے تہذیب اور رسم و رواج اور اسلوب زندگی کو اپنا

طرۂ امتیاز سمجھنے لگا۔ یورپی حکمراں طبقہ عموماً یورپ کی بنی اشیا کے استعمال کو ترجیح دیتا تھا۔ ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنے حکمرانوں کی زندگی کی نقالی کرتے ہوئے اسی طرز زندگی کو اپنانے میں باعث فخر سمجھنے لگا ہندوستانی مصنوعات کو کمتر اور حقارت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ ان اشیا کے استعمال سے گریز کرتا تھا۔ یہی دوم کہ مقامی دستکاری رفتہ رفتہ تباہی کا شکار ہو گئی۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد انگریزوں نے اپنی آمدنی کو یقینی بنانے کے لیے تین مختلف بندوبست کئے۔ یہ سبھی بندوبست کسانوں کے استحصال کا آلہ کار بن گیا۔ مالگذار کی شرح بہت زیادہ تھی۔ جس کی وجہ سے عام ہندوستانی غربت کا شکار ہو گیا اور اس کی خریداری کی استعداد بہت کم ہو گئی۔ اس کے پاس کوئی اضافی رقم بھی نہیں تھی جس سے وہ ہندوستانی مصنوعات خریدنے کا اہل ہوتا لہٰذا ہندوستانی دستکاری اور صنعت کا خاتمہ یقینی اور لازی تھا۔ سوم: انسان فطری طور پر عمدہ چمکدار اور سستی چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ برطانیہ کی مشین سے بنی ہوئی چیزوں میں یہ خوبیاں موجود تھیں جس کی بدولت عام ہندوستانی بھی مشین سے بنی اشیا کو خریدنے اور استعمال کرنے کو ترجیح دیتا تھا جس کی وجہ سے ملک کی بنی چیزوں کا مقامی خریدار بھی ناپید ہو گیا۔ اس صورت حال میں ملک کی صنعت کا زوال لازمی طور پر طے تھا۔

ایک دوسرے دانشور ڈی ڈی بسو عدم صنعتکاری کی وجوہات پر تبصرہ کرتے ہوئے مختلف وجوہات کی طرف نشاندھی کرتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان پر آزاد تجارت کے نظریہ کو تھوپنا۔ اس کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی بالادستی ختم ہو گئی اور ہندوستان کی بازار تمام یورپی ممالک اور انگریز تاجروں کے لیے یکساں طور پر کھول دیا گیا۔ جس کی وجہ سے ملک میں درآمد بڑھنے لگی جسنے منفی طور پر یہاں کی مقامی صنعت کو متاثر کیا۔ دوسری اہم وجہ برطانیہ میں ہندوستانی مصنوعات پر بہت زیادہ ٹیکس لاگو کرنا تھا۔ یورپ میں ہندوستانی کپڑوں کی مقبولیت کے پیش نظر ہالینڈ کے علاوہ دیگر تمام ممالک نے تحفظاتی پالیسی اپنایا ہوا تھا۔ ہندوستانی مصنوعات سے بالخصوص سوتی کپڑوں کی درآمد پر ان ممالک نے بہت زیادہ ٹیکس / چنگی لگا دیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ ٹیکس مختلف اشیا پر 20 فیصد سے لیکر 400 فیصد تک عائد تھا۔ ہندوستانی مصنوعات یورپ کی بازار میں بہت اعلیٰ قیمتوں پر دستیاب ہونے کی وجہ سے خریدار بہت کم ہو گئے تھے۔ اس لیے کھپت بھی کم ہو گیا۔ دوسری جانب برطانیہ سے آنے والی اشیا پر درآمدی محصول دو سے لیکر دس فیصد تھا۔ اس لیے ہندوستانی بازار میں برطانوی مصنوعات سستے داموں میں دستیاب تھیں۔ جس کی وجہ کہ خریداروں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ محصولات کی غیر منصفانہ نفاذ نے ہندوستانی صنعت کو بہت حد تک تباہ کر دیا۔ جس کا ازلہ وقتی طور پر ممکن نہیں تھا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیاسی بالادستی اور اجارہ داری نے ہندوستان کی صنعت کو بلاواسطہ طور پر تباہ کر دیا۔

تیسری اہم وجہ ہندوستان سے خام مال کی برآمد تھی۔ اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف میں برطانیہ میں صنعتی انقلاب نے دستک دیا جس کے سامراجیت کی توسیع پسندانہ پالیسی کی حوصلہ افزائی کی ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی کمپنی تھی۔ صنعتی انقلاب کے بعد بازار پر اور تجارت پر اجارہ داری قائم کرنے کی غرض سے زمین پر سیاسی قبضہ جمانے کے لیے ہندوستانی حکمرانوں کو ان کی ریاستوں سے دستبردار کرنے کے لیے جنگ کا سہارا لیا۔ بالآخر سراج الدولہ کو پلاسی کی جنگ میں شکست دیکر بنگال پر قبضہ جمالیا میر قاسم، مغل شہنشاہ شاہ عالم اور اودھ کے

نواب شجاع الدولہ کو بکسر کی جنگ میں شکست دیکر دیوانی اختیارات حاصل کر کے بنگال کی مالگزاری پر قبضہ جمالیا۔ سیاسی اقتدار قائم کرنے کے بعد یہاں کے وسائل پر ان کا قبضہ ہو گیا اور برطانیہ مین سوتی کپڑوں کے مل میں استعمال ہونے والی اشیا مثلاً کپاس کو یہاں سے درآمد کرنے لگے۔ اس کی وجہ سے ہندوستانی بنکروں کو خام مال کپاس غیر دستیاب ہو گئی۔ یا تو بالکل ہی دستیاب نہیں تھی۔ اگر دستیاب تھی تو قیمت بہت زیادہ تھی۔ جو بنکروں کے دسترس سے باہر تھی۔ مہنگا کپاس خرید کر بنائی کرنے سے کپڑوں کی قیمت میں گراں قدر اضافہ ہو جاتا۔ جو عام صارفین کے قوت خرید سے باہر تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں برطانوی صنعتکاروں کو تمام سہولیات فراہم تھیں جس کے بدولت معامی بنکر ان کا مقابلہ نہیں کر پاتے تھے۔ انگریزوں کو سیاسی بالادستی حاصل ہونے کی وجہ سے وہ دستکاروں، کاریگروں اور صنعتکاروں کو اپنا صنعتی راز افشاں کرنے پر مجبور کرتے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر دستکاری یا صنعت کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں پیداوار کو عمدہ اور پسندیدہ بنانے کے لیے علاقائی فارمولہ ہوتا ہے۔ دستکار اور صنعتکار عموماً اس کو صیغۂ راز میں رکھتے تھے۔ انگریز ان کو اپنا فارمولہ بتانے کے لیے مجبور کرتے تھے اور بالآخر فارمولہ ان کا استعمال کر کے مقامی پیداوار کو باہر کا راستہ دکھادیتے۔ صنعتی زوال کی یہ بھی ایک وجہ ہے۔

ہندوستان میں برطانوی حکومت قیام کے بعد انگریزوں نے مقامی ذرائع ابلاغ کو فروغ دینے میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے اپنی تجارت اور صنعت کو فروغ دینے کے لیے سڑکیں اور پل بنوائیں۔ اس طرح ہندوستانی صنعت و حرفت کا زوال یقینی ہو گیا۔ سڑک اور پل کے ذریعہ معدنیات اور زرعی پیداوار والے علاقوں کو بندگاہ والے شہروں سے جوڑ دیا گیا جس کے بدولت انگریزوں کو ملک سے خام مال لے جانے اور برطانوی مشین سے بنی مصنوعات کو ہندوستان لانے میں بہت سہولت ہو گئی۔ بندرگاہوں کو روڈ کے ذریعہ شہروں و قصبوں کو جوڑ دیا گیا جس کی وجہ کہ برطانیہ کا سوتی کپڑا شہروں اور گاؤں تک پہنچ گیا۔ چونکہ فیکٹری کا بنا ہوا کپڑا عمدہ، چمکدار و رسستا تھا اس لیے اس کو پسند کرتے اور خریدتے تھے۔ اس نے بھی ہندوستانی صنعت کو تباہ کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ انگریز تاجر برطانوی مصنوعات لوگوں کو کرنے کے لیے نمائش کا انعقاد کرتے تھے نمائش کے ذریعہ تاجر انگریزی مصنوعات کی خصوصیات سے لوگوں کو آگاہ کرتے تاکہ ان اشیا کو خریدنے میں ان کی دلچسپی بڑھ سکے۔ اس طرح مقامی لوگ بھی برطانوی اشیا کے دلدادہ ہو جاتے اور اس کو خریدے کی ترجیح دیتے تھے۔ اس کے برعکس ہندوستانی تاجر اور صنعتکار ایسے شعیدہ بازی سے ناآشنا تھے۔ لہٰذا عمدہ اور اعلیٰ مقامی مصنوعات کی خصوصیات سے عوام اکثر آشنا رہتی تھی۔ اور مقامی مصنوعات کو نظر انداز کرتے تھے۔ ایسی صورت حال میں ان اشیا کی مانگ میں واقعہ ہوتی اور صنعتکار بالآخر پیداوار کو کم کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے۔

کچھ مورخین نے قومی دانشوروں کو محض اس لیے تنقید کا نشانہ بنایا کہ وہ اپنی ہر کمزوری کے لیے انگریزوں کو موادالزام ٹھہرانے کا شیوہ بنالیا۔ اپنی خامیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کرنے کے بجائے الزام دوسرے کے سرپر رکھ دینے کے عادی ہو گئے تھے یہ بات صحیح نہیں تھی صنعتوں کے زوال کے لیے مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ اور بھی مقامی خامیاں تھیں جسنے عدم صنعتکاری کے عمل کو تیز کر دیا۔ اول ہندوستانی صنعتکاروں نے اپنے نظام پیداوار کو پرانی اور روایتی طرز پر قائم رکھا وقت کی رفتار اور صنعتی انقلاب کے بعد صنعت میں جدید مشینوں کا استعمال سے گریز کیا۔ جس کے بدولت پیداوار میں کمی آئی۔ فیکٹری میں تیار شدہ اشیا ہاتھ سے بنے مصنوعات سے کئی گناہ زیادہ عمدہ اور اعلیٰ

ہوتی تھیں۔ فیکٹری میں مشین کے ذریعہ تیار شدہ کپڑا اعمدہ ہونے کے علاوہ سستا بھی ہوتا تھا جس کی بدولت اس کے خریدار زیادہ تھے دوم یہ ہے کہ ہندوستانی صنعتکار غیر ملکوں میں اپنی مصنوعات کے لیے کوئی بازار تلاش کرنے میں ناکام رہے بحری بیڑہ کی غیر موجودگی اور سمندری سفر کرنے پر مذہبی پابندی سے ہندوستانیوں میں مہم جوئی کے جذبہ کو ختم کردیا تھالہٰذا سمندری تجارت پہلے مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا پھر یوری ممالک نے اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرلیااور س منافع بخش تجارت پر ان کو غلبہ حاصل ہوگیا۔ سوم ہندوستانی حکمرانوں میں ٹیپو سلطان کے علاوہ کسی نے بھی ملکی اور غیر ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لیے کوئی وصول وضع نہیں کیا تھا۔ ٹھوس قوانین کی غیر موجودگی نے اور حوصلہ کی کمی نے بین الاقوامی سطح پر تجارت کو بری طرح سے متاثر کیا۔ ہندوستانی حکمرانوں کا انحصار مالگزاری پر تھا۔ لہٰذا تجارت کبھی بھی ان کی اولین ترجیح نہیں تھی۔ان کی دلچسپی لگان وصولنے میں زیادہ اور تجارت میں کم تھی۔ سوم تجارت کے فروغ کے لیے بحری بیڑہ کا ہونا لازمی جزو تھا۔ ہندوستانی حکمرانوں نے بحری بیڑہ بنانے اور فروغ دینے میں ہمیشہ عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ ٹیپو سلطان اور مراٹھوں کے عہد میں اس میں پیش رفت ہوئی۔ لیکن یہ بحری بیڑے یوری ممالک کے بیڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ٹیپو سلطان نے جہازرانی اور بحری بیڑہ تیار کرنے میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور وہ غیر ملکوں سے تجارتی تعلقات استوار کرنے میں کامیاب بھی ہوا۔ لیکن انگریزوں کے ہاتھوں ٹیپو سلطان کی شکست اور قتل نے اس مہم کو ختم کردیا۔

ہندوستانی کے ساحلی تجارت پر یورپی ممالک نے اپنے طاقت ور بحری بیڑہ کی وجہ سے قبضہ کرلیا۔ بحری تجارت پر انگریز، پرتگالی، دلندیزی اور فرانسیسی تاجروں کا قبضہ ہوگیا۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے بعد اس کی دیگر یوری ممالک میں توسیع نے پیداوار کے نظام میں انقلابی تبدیلی لائی۔ جس کی وجہ سے بین براعظمی تجارت بین الاقوامی تجارت بن گئی۔ تمام یوری ممالک اپنے ملکوں کا سامان بحری راستوں سے جہاز کے ذریعہ اپنی نوآبادیات کو برآمد کرنے لگے۔ برطانیہ بھی فیکٹری میں تیار شدہ اشیا کو بڑی مقدار میں ہندوستانی بازار میں لاکر بھر دیا۔ اگر ساحلی تجارت پر ہندوستانیوں کی بالادستی ہوتی تو انگریز ہندوستان کو من پسند بازار میں تبدیل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔

6.5 عدم صنعتکاری کے نظریہ کے مخالفین کے دلائل

(Arguments by the Opponents of De-industrialization Theory)

صنفی انقلاب کے بعد فیکٹری سسٹم کا قیام۔ مشینوں کے استعمال سے پیداوار کی استعداد میں غیر یقینی اضافہ اور پھر بازار کی تلاش سامراجیت کی توسیع پسندانہ پالیسی کو تقویت بخشی۔ ہندوستان میں برطانوی کپڑوں کی درآمد کا مقامی دستکاری اور سوتی کپڑے کی صنعت پر منفی اثر پڑااور رفتہ رفتہ مقامی صنعت کا زوال شروع ہوگیا۔ اس عمل کو مورخین نے عدم صنعتکاری کا نام دیا۔ اس کے برخلاف سامراجیت نواز مؤرخ مورس ڈی مورس نے صنعتی زوال کو عدم صنعتکاری سے تعبیر کرنے کو ایک فروضہ یاداستان کہتا ہے۔ اس کے لیے یورپی مورخین نے شواہدات بھی پیش کئے ہیں برطانیہ کے بنے مصنوعات اور کپڑے کی ہندوستان میں درآمد اور ملک کی روایتی دستکاری اور صنعت وحرفت پر اس کے نتائج مورخین کا دلچسپ موضوع بحث رہا ہے۔ بلاشبہ ہندوستانی سوتی کپڑے کی صنعت پر برطانیہ سے درآمدات کا بہت منفی اثر تھا۔

ہندوستانی صنعتکار اور تاجر اس کی شکایت کرتے تھے۔ کرافورڈ نے 1837 میں ان شکایات کے خلاف اپنی اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ منفی اثرات کی شکایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہندوستانی میں برطانوی کپڑوں کی درآمد مقامی کپڑوں کی پیداوار کے کل مالیت کا صرف چھ فیصد ہے۔ برطانوی مورخین یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ ہندوستان کی پیداوار میں گراوٹ ضرور آئی لیکن کل مالیت کا یہ گیارہ فیصد ہی تھا۔ اگر انگریزی کپڑوں کی ہندوستان میں فیکٹری کی سطح پر بات کی جائے تو ایک اندازے کے مطابق برطانوی صنعت کار 1835 میں 142 ہارڈ اور 1838 میں 243 ہارڈ کپڑا اسپلائی کر رہے تھے مورس ڈی مورس یہ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ برطانوی سوتی کپڑوں کی ہندوستان میں درآمد نے کسی طرح سے بھی ہندوستانی سوتی کپڑے کی صنعت کو نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ ہندوستانی بازار میں لوگوں کی کپڑوں کی مانگ بہت زیادہ تھی اور کپڑوں کے استعمال میں اضافہ ہوا تھا۔ کیونکہ انگریزوں کی آمد اور جدید تعلیم کی بدولت ملک میں رسم ورواج اور طرز بود و باش بدل رہا تھا اور لوگ ملبوسات پر توجہ دینے لگے تھے۔ دھاگے کی درآمد سے بھی ملک میں بنکروں میں مسابقتی رجحان پیدا ہوا تھا۔

یورپی مورخین کے ان دلائل پر میگھناد دیسائی اور بپن چندر نے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے انہوں نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ سستے داموں میں دستیاب برطانوی کپڑوں کے استعمال میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن زیادہ ٹیکس اور لگان کل حصولیابی کے دباؤ کی وجہ سے مانگ میں حد سے زیادہ اضافہ کی گنجائش کم تھی۔ اس کے علاوہ برطانوی کپڑوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مقامی بنکروں کو اپنی پیداوار کو 43 فیصد اضافہ کرنا پڑتا اور 1829 میں پیداوار میں اسقدر اضافہ کی گنجائش تعبیر تکنیکی ایجادات کے ناممکن تھا اور یہی وجہ ہے کہ بنکروں کی آمدنی میں غیر متوقع گراوٹ آئی۔ مزید مورس ڈی مورس کا یہ ماننا ہے کہ لنکا شائر سے درآمدات کے ابتدا میں صرف کتائی کے پیشہ کو متاثر کیا نہ کہ بنائی کو۔ کیونکہ برطانیہ سے آنے والا تیار شدہ دھاگا بنکروں کو اپنی استعداد بڑھانے میں مددگار ثابت ہوا۔ لیکن میگھند دیائی کی یہ دلیل بہت واضح ہے کہ برطانیہ سے تیار شدہ دھاگے کی سہولت کے ساتھ ہندوستانی بنکروں کو اپنے پیداوار میں 43 فیصد کا اضافہ کرکے ہی وہ برطانوی فیکٹری سسٹم کا مقابلہ کا اہل ہو سکتے تھے۔ جو روایتی طرز کے پیداوار کے نظام سے ناممکن تھا۔ ویرا آنستے کا خیال ہے کہ اٹھارہویں صدی تک ہندوستان کی معیشات نسبتاً ترقی یافتہ تھی۔ ہندوستانی نظام پیداوار، صنعتی اور تجارتی ادارہ نمایاں طور پر بہتر تھا۔ انیسویں صدی کے اختتام پر مقامی صنعت و حرفت یا تو زوال پذیر ہو گیا تھا یا زوال کے کگار پر تھا۔

6.6 عدم صنعتکاری کے نظریہ کے حمایتی اور ان کی دلیل

(Supporters of the Theory of De-industrialization and Their Reasons)

بہت سے مورخین مثلاً ڈی آر گاڈگل، آر چودھری، عاڈی بسو وغیرہ اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ہندوستان پر برطانوی سیاسی بالادستی کے قیام اہم نتیجہ ملک کی صدیوں پرانی زراعت اور مینوفیکچرنگ صنعت کا میلاپ اتحاد کا خاتمہ۔ جس کی وجہ اوری شہری اور یہی دستکاری زوال اور تباہی کا شکار ہو گیا۔ کارل مارکس اور رمیش چندر دت کے مطابق 1813 کے چارٹر ایکٹ نے ہندوستان کی صنعت و حرفت کے زوال میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ملک کی معیشت جس کی وجہ سے انتشار کا شکار ہو گئی پوری اور استعماریت پسند مورخین ہندوستان میں کسی بھی

عدم صنعتکاری کے عمل کو سرے سے خارج کرتے ہیں اس کے لیے انہوں نے واضح دلائل بھی پیش کئے ہیں اس کے بر خلاف قومی مورخین اور ماہر اقتصادیات واضح شواہد اور......وشمار کی روشنی میں یہ بات بہت کامیابی کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ صنعتی انقلاب کے بعد ہندوستان میں عدم صنعتکاری کا عمل بہت تیز ہو گیا اور ملکی صنعت تباہ و برباد کر گیا جس کا ازالہ وقتی طور پر ناممکن تھا۔ صنعتی انقلاب نے جس طرح دوسرے یورپی یا ترقی یافتہ ممالک میں مشینوں کے قیام سے روایتی دستکاری کی تباہی کا ازالہ کیا۔ اس طرح ہندوستان میں اس تباہی کی تلافی نہیں کی گئی جس کی وجہ ہندوستان صنعت مکمل تباہی و بربادی کا شکار ہو گئی۔ ملک کی معیشت کا اس وجہ سے شیرازہ بکھر گیا۔ شواہد اور دلائل کے ذریعہ جن مورخین نے عدم صنعتکاری کے عمل کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس میں امیا کمار باگی کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے بہامیں عدم صنعتکاری کے عمل کا عمیق مطالعہ کیا انہوں نے 1901 کے مردم شماری کے شماریات اور بکانن کے سیر وے کا استعمال کر کے یہ پتہ لگانے کی کوشش کی کہ بہار کے کچھ اضلاع میں دستکاری سے منسلک پیشہ میں لوگوں کی تعداد میں کمی بیشی کا رجحان کیا تھا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صنعت سے وابستہ آبادی میں نمایاں کمی آئی ہے مثلاً وہ کہتے ہیں 1809 میں بہار کے کچھ اضلاع میں صنعت و حرفت سے منسلک پیشہ میں آبادی کا مجموعی کساب 1846 تھا جو حیرت انگیز طور پر گھٹ کر 1901 میں 845 فیصد میں رہ گیا۔ صنعت سے منسلک پیشہ میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صنعت و حرفت کا زوال ہو رہا تھا اور لوگ بے روزگار ہو کر اس پیشہ سے بے دخل ہو رہے تھے۔ آبادی سے وابستہ مطالعہ کے ایک دیگر مورخ ایس بھٹاچاریہ صنعت سے وابستہ افراد کی مجموعی تعداد میں کمی کا اعتراف کرتے ہیں۔

کیمبرج اکانومک ہسٹری آف انڈیا سبر یتر کی ایڈیٹر ہر ماکمار عدم صنعتکاری کی حمایت میں یہ دلیل پیش کرتی ہیں کہ جنوبی ہندوستان میں کپڑے کی مجموعی پیداوار نمایاں کمی آئی اور کچھ اضلاع میں گراوٹ بہت تیز تھی۔ دوم ان کی خیال جبکہ جنوبی ہند میں بنکروں کے کچھ طبقہ بھی کی اامدنی میں کمی آگئی۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صنعت و حرفت کا جنوبی ہند میں زوال ہو رہا تھا جو صنعتی انقلاب کا منفی اثر تھا۔ ایک انگریز پر موَرخ ڈوڈویل نے اپنے مطالعہ میں یہ انکشاف کیا تھا کہ 1800 میں مدراس پریسیڈنس میں کل چار لاکھ ہینڈ لوم تھے جہاں بڑے پیانے پر کپڑے کی بنائی ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے ایک دوسرے مطالعہ میں اس بات کی نشاندہی کی کہ 1858 میں مدراس میں ہینڈ لوم کی تعداد میں نمایاں کمی واقع ہو گئی جو بجٹ کر محض ڈھائی لاکھ رہ گئی۔ اور کیرالہ بھی غیر معیار بتائے جانے لگا۔ ایک دوسرے اسکالر نے عدم صنعتکاری کے نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے دو شواہد پیش کئے ہیں دیواکر کے مطابق 1820 سے لیکر 1840 تک بنکروں کی اصل آمدنی میں قابل توجہ گراوٹ آئی۔ اس کے ساتھ وہ ڈوڈویل کے تحقیق کی بھی تصدیق کرتے ہیں وہ ان کی تحقیقات کی بنیاد پر اس بات کی وضاحت کرتے ہیں ہتھ کرگھا کی تعداد میں بھاری کمی آئی۔ ان کا مطالعہ بیجاپور ضلع پر مبنی ہے۔ اور یہ یقینی طور پر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں ہندوستان میں صنعتی زوال آیا تھا ایلند و گوہانے ہتھ کرگھا کی پیداوار کے مطابق یہ حساب لگایا کہ ہتھ کرگھا کے لیے مسوتی دھاگوں کی فراہمی میں قدرے کمی آگئی تھی جس کی وجہ سے پیداوار میں کمی آئی جو غیر فنکاری کی واضح دلیل تھی۔ مثلاً 1850 میں 419 ملین پاؤنڈ 1870 مین 240 ملین پاؤنڈ اور 1900 میں 200 ملین پاؤنڈ وزن کے حساب سے ہندوستانی ہتھ کرگھا صنعت کو دستیاب دھاگے میں کمی آگئی۔

1800 سے قبل ہندوستان سب سے زیادہ کپاس اور سوتی کپڑا پیدا کرنے والا ملک تھا لیکن صنعتی انقلاب کے بعد اس میں نمایاں

تبدیلی آئی۔ ہندوستان سوتی کپڑا برآمد کرنے والا بن گیا۔ پی بروچ کے مطابق دنیا کی مینوفیکچرنگ پیداوار میں ہندوستان کے حصہ داری میں صنعتی انقلوب کے بعد بہت کمی آگئی۔ اس کی وجہ یہ تھی ترقی یافتہ نے مشینوں کا استعمال بڑے پیمانے پر شروع کر یا تھا۔ 1800 میں عالمی پیداوار میں ہندوستان کی حصہ داری تقریباً 20 فیصد تھی۔ 1860 میں نصف سے کم ہو کر یہ 9 فیصد پر آگئی اور عالمی جنگ سے پہلے 1913 میں محض یہ 124 فیصد رہ گئی۔ جس سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں مینوفیکچرنگ کے شعبہ میں مسلسل گراوٹ آرہی تھی۔ جو عدم صنعتکاری کی عملی دلیل ہے۔ ایک دوسرے معروف دانشور تھامس ایسن نے بھی درآمدات اور برآمدات کے شماریات پیش کئے ہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان ہے کہ مسلسل درآمدات میں اضافہ کہیں نہ کہیں ملکی صنعت کو متاثر کر رہا تھا مثلاً ان کا ماننا ہے کہ برطانوی سوتی کپڑا ہندوستان میں 35-1831 میں 625 ملین کلو گرام تھا جو بڑھکر 60-1856 میں 7248 ملین کلو گرام ہو گیا لیکن 1880 میں یہ حیرتناک حد تک بڑھ کر 1587 ملین کلو گرام ہو گیا۔ تھامس ایسن کی ان اعداد و شمار اور بڑھتے ہو درآمدات کے پیش نظر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ملکی صنعتی و حرفت کو منفی طور پر اثر انداز کیا۔

قابل تعجب بات یہ ہے کہ عالمی جنگ کے بعد اگرچہ ہندوستان میں جو وصعتوں کی امید ہو چکی تھی۔ لیکن عدم صنعتکاری کا عمل بھی جاری تھا۔ صنعت و حرفت سے منسلک پیشہ وروں کی فیصد تعداد میں مسلسل کمی آرہی تھی وہیں زراعت کے شعبہ میں پیشہ ور مزدوروں کی فیصد تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک ماہر معاشیات کالن کلارک کے مطابق مینوفیکچرنگ، تعمیرات اور معدنیات کے شعبہ میں کام کرنے والوں کی فیصد تعداد میں 1881 کے بعد مسلسل کمی آرہی تھی ان کے مطابق مندرجہ بالا شعبہ میں 1814 کے اعداد و شمار کے مطابق 35 فیصدی لوگ منسلک تھے جو 1911 کے اختتام پر گھٹ کر نصف یعنی 17 فیصد رہ گیا۔ اس کا مطلب ہے صنعتی اکائیاں بند ہو رہی تھیں لوگ بے روزگار ہو کر زرعی پیشہ کی طرف جا رہے تھے یہ نمبر صنعتکاری کی اہم مثال ہے۔

6.7 شواہدات کا تقابلی تجزیہ (Comparative Analysis of Facts)

سامراجیت پسند مورخین نے ہندوستان صنعتی زوال کے نظریہ کے خلاف اپنے شواہدات پیش کئے ہیں۔ جو قومی مورخین کے دلائل کے مقابلہ زیادہ پختہ اور قابل یقین نہیں۔ لیکن مورخین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ہندوستانی صنعت و حرفت کا زوال پورے ملک میں یکساں نہیں تھا۔ کچھ علاقوں میں یہ زوال اگرچہ بہت نمایاں تھی اور کہیں کہیں اس کے اثرات کم تھے مثلاً راجستھان جہاں ریلوے کی ترعات نسبتاً تاخیر سے ہوئی تھی وہاں صنعتی زوال کی رفتار کم تھی۔ فیکٹری سسٹم اور مشینوں کے استعمال سے پیداوار کے نظام میں انقلابی تبدیلی آئی لیکن اس کے باوجود مقامی روایتی دستکاری بالکل ہی ناپید نہیں ہوئی بلکہ دستکاروں نے اس کے وجود کو باقی رکھا اور پرانی روایتی طرز کو ترجم دیکر زندہ رہا نوآباتی مورخین مثلاً مورس ڈی مورس نے ہندوستانی مورخین کے ''سامراجی استحصالی نظریہ'' کے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اس بات کی توضیح کرتے ہیں کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان میں معاشی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جس کی ماضی میں کوئی روشن امکانات نہیں تھے۔ ڈینیئل تھورنر 1881 اور 1831 کی مردم شماری میں زراعت اور صنعت و حرفت سے منسلک مزدوروں کے

تناسب کا تقابلی مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ صنعت و حرفت سے وابستہ پیشہ میں افرادی قوت جوں کا توں ہی رہا۔

6.8 عدم صنعتکاری کے اثرات اور نتائج (Effects and Consequences of De-industrialisation)

عدم صنعتکاری کے عمل کے مخالفین اور خامیوں کے بیانات اور شواہد کے تجزیہ کے بعد یہ بالکل واضح ہو گئی کہ ملک میں روایتی دستکاری کا زوال ہوا اور اس کے زہر اثر عدم صنعتکاری کا عمل شروع ہوا۔ اگرچہ دستکاری کا زوال صنعتی انقلاب کا ایک آفاقی نتیجہ تھی لیکن مغرب میں اس کو مشینوں کے استعمال اور فیکٹری سسٹم کے فروغ سے بہت حد تک ازالہ ہو گیا۔ لیکن ہندوستان کو ان ایجادات اور فیکٹری سسٹم سے محروم رکھنے پر صنعتکاری نتیجہ تھی۔

عدم صنعتکاری کا ایک اہم نتیجہ بے روزگاری تھی۔ صنعت و حرفت کی اکائیوں کے بند ہونے کی وجہ سے حلوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو نکال دیا جاتا۔ جس کی وجہ سے وہ بے روزگار ہو جاتے۔ بڑے پیمانے پر بے روزگاری عدم صنعتکاری کا نتیجہ تھی ہیٹکسن نے دستکاروں کی آمدنی میں بڑی کمی کا ذکر کیا ہے ایم۔ جے ٹولی نے بے روزگاری کی شرح میں گراوٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سوتی کپڑے کے موں میں کام کرنے والوں کی بھی تعداد 1850 میں 6 ملین سے گر کر 1880 میں 265 ملین ہو گیا۔ بی۔ آپو ٹو ملنسن کا ماننا ہے کہ 1850 سے لیکر 1880 تک کوئی 2 ملین سے لیکر 6 ملین بنائی اور کتائی کے سے منسلک نوکریاں ختم ہوئیں۔ اس سے بے روزگاری کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ شہروں میں کچھ دن گذارا کرتے۔ کام تلاش کرتے اور کام نہ ملنے کی صورت میں وہ اپنے گاؤں کو لوٹ جاتے یہی وجہ ہے کہ صنعتی شہر جو سوتی کپڑوں یا دیگر مصنوعات کی لیے مشہور تھا وہاں کی آبادی رفتہ رفتہ ہجرت کرنے لگی۔ ان شہروں کی آبادی کم ہونے لگی جسے مورخین نے عدم شہر کاری (De-urbanisation) کہا جو عدم صنعتکاری کا براہ راست نتیجہ تھا۔ عدم صنعتکاری کی وجہ سے ملک کے اہم صنعتی مراکز، عدم شہر کاری کا شکار ہو گئے۔ گاڈ گل کا ماننا ہے کہ انیسویں صدی میں شہری آبادی میں بہت حد تک کمی آگئی۔ 1813 کے چارٹر ایکٹ نے آزاد تجارت کے وصول کو فروغ دیا۔ جس نے شہری دستکاری کے مراکز کو تباہ کر دیا جس کے نتیجہ میں شہری آبادی بے روزگاری کا شکار ہو کر وہی علاقوں کو ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ مورخین کے، بین اس موضوع پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کیسخر کا ماننا ہے کہ برطانوی زیر تسلط علاقوں میں معاشی سرگرمیاں تیز تھیں جس کی وجہ گنگا گھاٹی میں شہر اور قصبوں کی تیز رفتاری سے ترقی ہو رہی تھی۔ علاقائی ریاستوں کے زیر تسلط علاقوں میں صورت حال مختلف تھی یہاں تک کے لکھنو بھی برطانوی زیر تسلط علاقوں کے شہروں کا مقابلہ کرنے سے معذور نظر آتا تھا اگرچہ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں لکھنو شمالی ہندوستان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ مورخین کا ماننا ہے کہ لکھنو نوابی عہد میں ایک خوشحال اور ترقی یافتہ شہر تھا لیکن 1956 کے الحاق کے بعد وہاں کی خوشحالی اور ترقی میں کمی واقع ہوئی۔ غرضیکہ عدم صنعتکاری کی وجہ سے بڑے شہر جو صنعت و حرفت کے بڑے مراکز تھے مثلاً ڈھاکہ مرشدآباد، کانپور، عظیم آباد وغیرہ ان کی شہری آبادی میں کمی واقع ہوئی۔

شہروں میں روزگار کے مواقع میسر نہ آنے کی صورت میں شہروں میں مقیم مزدور طبقہ اپنی دیہی بستیوں کو معاش کی تلاش میں ہجرت کرنے لگے اور ہندوستانی معیشت کا انحصار زراعت پر بڑھنے لگا لاکھوں کی تعداد میں ملوں میں کام کرنے والے مزدور، کاریگر، دستکار بے

روزگار ہو کر جب گاؤں لوٹے توزراعت پر دباؤ پڑھنے لگا۔ شہروں سے آمدنی کی صورت میں زراعت ترقی پذیر تھی مگر جب شہروں کے مزدور بے روزگار ہو کر گاؤں لوٹے توزراعت پر سرمایہ داری کے لیے پیسہ کا فقدان تھا۔.....آپس میں بٹنے لگیں جس کی وجہ سے زراعتی پیداوار میں کمی آئی اور ہندوستانی معیشت یہی جا پھر کاشتکارانہ معیشت بن کر رہ گئی جسے مورخین 'Ruralisation and Peasantisation Indian Economy' کہتے ہیں۔ شہروں میں روزگار دستیاب نہ ہونے کی صورت اور معاشی بدحالی کی وجہ سے لوگ غربت کا شکار ہوئے۔ قحط کی صورت میں اس پریشانی میں مزید شدت آجاتی اور لوگ بھکمری کا شکار ہو کر مرنے لگے۔ جس کو......نے بہت واضح لفظوں میں بیان کیا ہے کہ گنگا کے میدانی علاقوں میں بنکروں کی ہڈیاں جابجا بکھری پڑی تھیں۔

6.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

برطانوی معاشی پالیسی کا تجزیہ کرنے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انگریزوں نے جان بوجھ کر ایسی پالیسی وضع کی تھی جس سے ہندوستان کی روایتی دستکاری اور یورپی بازار میں مقبول تھے تباہ ہو جائے۔اور ہندوستان ایک زرعی ملک بن کر رہ جائے جو صنعتی ترقی یافتہ یورپ کے ممالک کے کچے مال اور خورد ونوش کی ضروری اشیاپر آمد کر سکے۔ انگریزوں نے ہندوستانی مصنوعات کی پیداوار کی حوصلہ شکنی جان بوجھ کر کی تاکید یہاں زرعی فروغ ہو سکے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی انہوں نے کی۔ رومیش چندر دت نے اس صورت حال کا تجزیہ ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ انگریزوں کے اس امتیازی سلوک سے ہندوستان کی کئی قومی صنعت و حرفت زوال کا شکار ہو کر ختم ہو گئیں اور اس کا مقصد برطانوی صنعت کو فائدہ پہنچانا تھا۔ سوتی کپڑے کی صنعت میں زوال کے علاوہ جوٹ، نرم کپڑے اور ریشمی کپڑوں کی صنعت بھی تباہی و بربادی کا شکار ہوئی تھی اور ان صنعتوں سے بھی وابستہ پیشہ ور مزدور بھی بڑی تعداد میں بے روزگار ہوئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ 1860 کے بعد عدم صنعتکاری کا عمل ختم ہونے لگا اور بی آر ٹوملنسن کا کہنا ہے کہ اس کے بعد سست رفتاری سے صنعتکاری کا از سر نو احیا ہوا۔ ڈینیل تھورنر(Daniel Thoner) بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ 1880 سے قبل ہندوستان عدم صنعتکاری کا شکار تھا اور 1881 سے لیکر 1901 تک صنعتی ارتقا بہت ہی معمولی سطح پر تھا۔اس کے بعد صنعتی احیا کا ایک نیا دور شروع ہوا لیکن امیا کمار باگچی، اس خیال کو سرے سے خارج کرتے ہیں کہ ہندوستان میں انیسویں صدی کے اختتام پر عدم صنعتکاری کا خاتمہ ہو گیا۔ عدم صنعتکاری کی وجہ سے اگر دستکاری، صنعت و حرفت تباہ و برباد ہوئی، وہیں اس کا منفی اثر خواتین کی زندگی پر پڑا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں سوتی کپڑے کی صنعت بنیادی طور پر کپاس کی چنائی روئی کی کتائی اور بنائی پر منحصر ہوتی ہے۔اس پیشہ میں عموماً عورتیں زیادہ منسلک تھیں لہٰذا اس عمل سے سب سے زیادہ عورتوں کا طبقہ متاثر ہوا۔ان کی آمدنی ختم ہو گئی اور غربت وافلاس کا شکار ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ عدم صنعتکاری کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ بے روزگار ہوئے جس کی وجہ سے بازار میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی جس کی وجہ سے مزدوروں کی مزدوری میں کمی آگئی۔ جس سے مزید ان کو مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہندوستانی روایتی دستکاری کا خاتمہ جو بلا شبہ ایک تہذیبی اور ثقافتی نقصان تھا۔ان کی تعداد بہت بڑھ گئی جس کی وجہ سے مزدوروں کی مزدوری میں کمی آگئی۔ جس سے مزید مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہندوستانی روایتی دستکاری کا خاتمہ جو بلا شبہ ایک تہذیبی اور ثقافتی نقصان تھا۔

6.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

عدم شہر کاری	:	شہروں کی آبادی کم ہونا
ہتھ کرگھا صنعت	:	کپڑا بننے کی صنعت

6.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. عدم صنعت کاری سے کیا مراد ہے؟
2. عدم شہر کاری سے کیا مراد ہے؟
3. ہتھ کرگھا صنعت کسے کہتے ہیں؟
4. صنعت کار کون ہوتے ہیں؟
5. برطانوی سنعت کے دو مراکز بتائیے۔
6. کارل مارکس کس کے نامہ نگار تھے؟
7. کپڑوں کی رنگائی میں کس چیز کا استعمال ہوتا تھا؟
8. یورپ میں کس ملک کے کپڑوں کی سب سے زیادہ طلب تھی؟
9. کیلیکو ایکٹ کس سال پاس ہوا؟
10. De-industrialisation سے کیا مراد ہے؟

6.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی ابتدا پر نوٹ لکھیے۔
2. عدم صنعتکاری کے اثرات اور نتائج پر نوٹ لکھیے۔
3. عدم صنعتکاری کے نظریہ کے مخالفین کے دلائل پر نوٹ لکھیے۔
4. شواہدات کا تقابلی تجزیہ کیجیے۔

6.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. مغلیہ عہد میں صنعت و حرفت کے پس منظر پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. ہندوستان میں عدم صنعتکاری کے وجوہات بیان کیجیے۔

3. عدم صنعتکاری کے نظریہ کے حمایتیوں کے دلائل کا تفصیلی تجزیہ کیجیے۔

6.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bandyopadhyay, Sekhar, *From Plassey to Partition*: *A History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2009.
3. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
4. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
5. Chandra, Bipan, *History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2014 (first pub. 2009).
6. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
7. Dube, Ishita Banerjee, *A History of Modern India*, Cambridge University Press, New Delhi, 2019.
8. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
9. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
10. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
11. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
12. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
13. Tharoor, Shashi, *An Era of Darkness*: *The British Empire in India*. Aleph, 2016.
14. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.
15. Wilson, Jon, *India Conquered*: *Britain*'*s Raj and the Chaos of Empire*, Simon and Schuster, London and New Delhi, 2017.

اکائی 7۔ عدم شہر کاری

(De-Urbanization)

اکائی کے اجزاء

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 مقامی صنعتوں کا زوال اور اس کے نتائج

7.3 مقامی صنعتوں کا زوال اور اس کا شہر کاری پر اثرات

7.4 عدم شہر کاری اور اس کے اسباب

7.5 مورخین کے خیالات و نظریات

7.6 مردم شماری کا آغاز اور اس کی مختصر تاریخ

7.7 مردم شماری کے رجحانات

7.8 شہروں کی ترقی کے وجوہات اور افادیات

7.9 اکتسابی نتائج

7.10 کلیدی الفاظ

7.11 نمونہ امتحانی سوالات

7.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید (Introduction)

شہر کاری کا زوال اور مردم شماری کے رجحانات جدید ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم، دلچسپ اور متنازعہ موضوع ہے۔ ہندوستان میں Urbanisation کا سب سے پہلا تاریخی شواہد ھڑپہ تہذیب میں ملتاہے۔ جہاں شہروں کو منصوبہ بند طریقہ سے بسایا گیا تھا۔ مہاجنپد کا قیام اوران کی ترقی کو مورخین نے دوسرے Urbanisation کا نام دیا تھا۔ اوراسی کے ساتھ ہر عہد میں نئے نئے شہروں کی ترقی ہوئی ان میں کچھ تعلیمی مراکز تھے کچھ مذہبی اہمیت کے حامل شہر اور کچھ صنعتی پیداوار کے مرکز کے طور پر اُبھرے اور ملک کی معیشت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ عہد وسطیٰ اور مغل عہد میں بھی ایسی بہت مثالیں ملتی ہیں جب حکمرانوں نے شہر بسائے اور وہ اپنی انفرادیت کی وجہ سے ان شہروں کو شہرت ملی۔ برطانوی عہد کے دونوں کمپنی اور برطانوی شہنشاہیت کے دور میں بھی شہروں کا عروج ہوا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ کوئی شہر بسااور دیر تک قائم ودائم رہا۔ کچھ اپنے قیام کے کچھ ہی دنوں بعد زوال پذیر ہوگئے۔ ان کے قیام اور زوال کے وجوہات کا تجزیہ اس باب میں کریں گے۔ ایسٹ کمپنی کی حکومت کے قبل ہندوستان ایک صنعتی اور ترقی یافتہ ملک تھا جس کی زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت ترقی پذیر تھی اور ملک میں خوشحالی تھی اس دور میں بھی نئے نئے شہروں کا قیام عمل میں اور پرانے شہروں کا عروج بھی ہوا۔ لیکن اس عہد میں ایک دور انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ایسا بھی آیا جس میں مغلیہ دور کے اہم تاریخی، صنعتی اور تجارتی مراکز نے نہ صرف اپنی انفرادی تشخص کھویا بلکہ روبہ زوال بھی ہوگئے۔ جسے شہروں کا زوال / آبادکاری کا زوال کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس عمل کے لیے تاریخی ماخذ کی کمی ہے کیونکہ مردم شماری نہیں ہوتی تھی جس سے اندازہ لگتا کہ کتنی اور کب کسی شہر کی آبادی کم ہوئی۔ لیکن حکومتیں اپنی سہولیات کے لیے کچھ سروے کرواتے تھے تاکہ ملک میں قحط جیسی صورت حال پیدا ہو جائے تو لوگوں کو امداد پہنچایا یا پھر مالگزاری وصول کرنے کے لیے حکومت عارضی ڈاٹا رکھتی تھی۔ جس کی بنیاد پر کچھ مورخین نے (De-Urbanization) کا مطالعہ کرکے اس اسباب اور اس کے نتائج کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس باب میں مردم شماری کی ابتدا اور اس کی تاریخی اہمیت کا تفصیلی مطالعہ بھی شامل ہے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- مقامی صنعتوں کے زوال کے وجوہات اور نتائج کے بارے میں جان سکیں گے۔
- ہندوستان میں شہری آبادی کے زوال اور اس کے وجوہات سے واقفیت حاصل کرسکیں گے۔
- شہری آبادی کے زوال سے متعلق پیچیدہ مسائل کی نوعیت کو سمجھ سکیں گے۔
- شہر آبادی کا زوال پر مورخین کے خیال اور مباحثہ کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔
- مردشماری کی تاریخی اور ابتدائی مسائل اور چیلنجز کی معلومات ہوسکے گی۔
- مردم شماری کے رجحانات کی نوعیت کو سمجھ سکیں گے۔
- شہروں کی ترقی کے وجوہات اور ان کی معاشی اور تہذیبی اہمیت کا تجزیہ کرسکیں گے۔

7.2 مقامی صنعتوں کا زوال اور اس کے نتائج (Decline of Local Industries and Its Consequences)

عدم صنعتکاری جس کو انگریزی میں 'De-industrialisation' کہا جاتا ہے۔ اس کے مفہوم و معنی اور اس کے زوال کا تفصیلی جائزہ پہلے بھی کیا گیا ہے۔ اس باب میں عدم شہر کاری کے وجوہات پر مباحثہ شامل ہے چونکہ عدم صنعتکاری کے نتائج کی وجہ سے شہر کاری کا زوال شروع ہوا اس لیے اس باب میں صنعتی زوال کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے تاکہ طلبہ اس کو بخوبی سمجھ سکیں۔ آر۔ سی۔ دت نے اپنی مشہور تصنیف 'ہندوستان کی معاشی تاریخ' میں برطانوی سامراجیت کی فطرت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''کسی قوم کی دولت کے ذرائع کاشت، صنعت و حرفت اور صحت مندی مالیاتی نظام ہوا کرتے ہیں۔ انگریزی حکومت نے ہندوستان کو امن چین کی دولت بخشی لیکن اس نے ہندوستان کی قومی دولت کے ذرائع کو نہ تو ترقی دی اور نہ توسیع کی۔'' ترقی اور توسیع کی بات تو درکنار انگریزوں نے اپنے مفاد کے پیش نظر ایسی پالیسیاں وضع کیں جس سے یہاں کی زراعت جمود کا شکار ہو گئی۔ تجارت ہندوستانیوں کے دائرۂ اختیار سے نکل گئی اور جس پر انگریزوں کی بالادستی قائم ہو گئی اور بقول آر۔ سی۔ دت: ''ہندوستانی مصنوعات کی ہمت شکنی اور برطانوی مصنوعات کی ہمت افزائی کرنے کی کوشش کی گئی اس پالیسی کی وجہ سے ان کو نمایاں کامیابی ملی اور ہندوستان کی ترقی یافتہ صنعتیں تباہ ہو گئیں۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ہندوستانی ریلوے، پریس کی آزادی، جدید سائنسی علوم، جدید تعلیم وغیرہ جس کے بدولت ہندوستان میں جدیدیت کا آغاز ہوا۔ اسی کے ساتھ ہندوستان کی معیشت مزید جمود کا شکار ہو گئی کیونکہ انگریزوں کی دولت کی نکاسی نے سرمایہ کی ذخیرہ اندوزی کے امکانات کو کم کر دیا۔ سرمایہ کا فقدان کسی بھی صنعتی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ لہٰذا ہندوستانی صنعت و حرفت برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے بعد مکمل طور پر تباہی کا شکار ہو گئی۔ اس کے لیے سرمایہ کاری کے لیے دولت کے فقدان کے ساتھ ساتھ برطانوی معاشی اور تجارتی پالیسی بہت حد تک ذمہ دار تھی۔

یہ بات قابل تعجب تھی کہ جب پورا یورپ بشمول برطانیہ صنعتی ترقی کرا یا تھا فیکٹریوں میں مشینوں کی مدد سے سوتی کپڑے کی صنعت اپنے عروج کی انتہا کو پہنچ رہی تھی اس وقت ترقی یافتہ اور دنیا میں اپنے سوتی، ریشمی اور اونی کپڑوں کے لیے مشہور ہندوستانی صنعت دم توڑنے لگی۔ اسی عمل کو مورخین نے عدم صنعتکاری سے تعبیر کیا۔ صنعتی اور دستکاری کا یہ زوال مورخین اور ماہر معاشیات کے لیے مطالعہ کا ایک دلچسپ موضوع بن گیا۔ مغربی مورخین مورس ڈی مورس اور ڈینٹیل تھورنر نے اس کو عالمی تبدیلی اور رجحان بتایا اور صنعتی انقلاب کا ایک منطقی نتیجہ بتایا جو عالمی سطح پر مشینوں کے استعمال کے بعد پیدا ہوا تھا۔ دستکاری اور گھریلو صنعتوں کا زوال ناگزیر تھا۔ انیسویں صدی میں دستکاری اور گھریلو صنعتوں کا زوال اور یورپی ممالک کی طرح ہندوسنان کو جدید صنعتوں پر امتناعی محاصل لگا کر انہیں یورپ جانے سے روکا گیا اور برطانوی مصنوعات پھر برائے نام محاصل عائد کی گئی اس طرح ہندوستان میں ان کی درآمد کو یقینی بنایا گیا۔ صنعتی انقلاب کے بعد برطانیہ کی تجارتی اور صنعتی پالیسی کے دو مقاصد تھے اول۔ برطانوی صنعتوں کے لیے ہندوستان سے ضروری خام مال برطانیہ برآمد کرنا۔ دوم۔ برطانیہ کی مصنوعات کی ہندوستان میں درآمد اور یہاں کی منڈی پر اجارہ داری قائم کرنا تاکہ برطانیہ کی بنی مشینی مصنوعات کی خرید و فروخت کو بڑھاوا دینا تھا۔ آر سی دت مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''برطانوی حکمرانوں کی تجارتی پالیسی کا تعین ہندوستانی صنعتکاروں کے مفاد کے بجائے برطانوی صنعت کاروں کی مفاد کی بناء پر کیا جاتا تھا۔''

انگریزوں نے مختلف پالیسیوں کے ذریعہ ہندوستان پر اپنا تسلط جمالیا۔ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے بعد ایسی پالیسیاں وضع کیں جن سے ہندستان کی زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت پر تباہ کن اثرات نمایاں ہوئے۔ نیویارک ڈیلی ٹریبیون کا نامہ نگار کارل مارکس نے ہندوستان میں برطانوی سامراجیت دو ممکنہ کردار کا ذکر کیا ہے۔ اول: تعمیری اور دوم تخریبی۔ کارل مارکس نے ماقبل برطانوی حکومت کے معاشی حالات کو غیر ترقی یافتہ یا جمود کا شکار بتایا۔ اس ضمن میں صنعتوں اور دستکاری کا زوال قابل ذکر ہے۔ کارل مارکس نے تعمیری کردار میں سیاسی اتحاد، نقل وحمل کے ذرائع کی ترقی مثلاً صنعتوں سے محروم رکھنے کی پالیسی نے ہندوستان کی صنعتی ترقی کو پامال کردیا جس کے نتیجہ میں ملک کی آبادی کا وہ حصہ جو صنعتوں میں ملازم تھا اس کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ جن بے روزگار مزدوروں نے شہروں میں ملازمت کی امیدیں ختم ہو گئیں تو وہاں سے ہجرت کرنے لگا۔ ہجرت کے نتیجے میں صنعتی شہروں کی آبادی میں قابل دید گراوٹ آگئی۔ اس کو مورخین نے غیر شہر کاری یا De-urbanisation سے تعبیر کیا جس کا تفصیلی مطالعہ اس اکائی میں کیا جائے گا۔

صنعتی زوال کا مطالعہ مورخین نے بہت تفصیل سے کیا ہے اور اس کے وجوہات اور نتائج کا تجزیہ معروضیت پسندی کے ساتھ پیش کیا ہے مثلاً 1813ء کے چارٹر ایکٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت پر اجارہ داری کو ختم کردیا۔ اس سے ایڈم اسمتھ کی آزاد تجارت کے نظریہ کی حمایت ہوئی۔ ایڈم اسمتھ نے اپنی مشہور کتاب ''ویلتھ آف نیشنس'' میں اس نظریہ کا تفصیل سے جائزہ پیش کیا ہے۔ ہندوستان سے اب کوئی بھی تجارتی ادارہ یا برطانوی شہری تجارت کرنے کا مجاز تھا۔ جس سے درآمدات اور برآمدات میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ہندوستان 1813ء تک برآمدات کے لیے جانا جاتا تھا جس کی وجہ سے معاشی طور پر خود کفیل تھا۔ 1813ء کے بعد اس کی حیثیت درآمداتی ملک میں تبدیل ہو گئی۔ صنعتی انقلاب نے برطانیہ میں مینچسٹر اور لنکاشائر جیسے سوتی کپڑوں کی صنعتی مراکز قائم کردے۔ یہاں کا سوتی کپڑا اب ہندوستان میں درآمد ہونے لگا۔ پورا ہندوستانی بازار برطانوی مصنوعات سے بھر گیا۔ جس کا براہِ راست نتیجہ مقامی صنعت وحرفت اور دستکاری پر پڑا اور یہ تباہی کا شکار ہو گئیں۔ برطانوی فیکٹریوں میں مشینوں سے تیار شدہ کپڑا دیکھنے میں اچھا اور سَستا تھا۔ لہٰذا ہندوستانیوں کی یہ پہلی پسند بن گئی اور انہوں نے مقامی اور روایتی طرز سے بنے کپڑے جو دیکھنے میں کھردرا اور ہنگا تھا نظر انداز کرنے لگے اس کی وجہ سے ملکی اور دیسی سوتی کپڑوں کی مانگ میں بڑی گراوٹ آئی۔ بین الاقوامی بازار میں اس کی مانگ پہلے ہی کم ہو گئی تھی لہٰذا روبہ زوال ہو کر اس نے دم توڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں لوگ ملازمت سے محروم ہونے لگے اور فیکٹریاں یکے بعد دیگرے بند ہونے لگیں لوگ بے روزگار ہو کر اپنے آبائی وطن لوٹنے پر مجبور ہوئے۔ اس پورے عمل نے شہر کاری کے عمل ک بری طرح متاثر کردیا۔

1853ء میں ریلوے کی تعمیر جو انگریزوں کا ایک تعمیری منصوبہ سمجھا جاتا تھا اس نے عدم صنعتکاری کے عمل کو مزید تیز کردیا۔ برطانوی مصنوعات کو ملک کے کونے کونے، گاؤں گاؤں تک پہنچا دیا وہیں ہندوستانی خام مال جو صنعتی برطانیہ کی ضرورت تھی اس کو ریلوے کے ذریعہ بندرگاہوں تک سستے اور تیز رفتاری سے پہنچا کر برطانیہ بھیجنے میں اہم کردار ادا کیا جس سے ہندوستانی صنعتوں کے لیے ضروری خام مال مہنگے داموں ملنے لگا اور سرمایہ کے فقدان کے بدولت اس کا حصول صنعتکاروں کے لیے مشکل ہو گیا۔ نتیجتاً صنعتی زوال مزید تیز رفتاری کا شکار ہو گیا۔ اس کے علاوہ برطانیہ نے امتیازی ٹیکس پالیسی نافذ کردی۔ گھریلو جنگلی اور ترسیلی محصول کے ذریعہ ہندوستانی مصنوعات کے درآمدات

پوری طرح متاثر ہوگیا۔ برطانیہ سے برآمدات پر چار سے دَس فیصد ٹیکس عائد تھا جبکہ ہندوستانی مصنوعات کی برآمدات کی حوصلہ شکنی کے لیے 100 سے لے کر 400 فیصد ٹیکس ہندوستانی صنعتوں کو پامال کردیا۔ ہندوستان کا غیر ملکوں سے تجارت کا خاتمہ ہوگیا۔ ہندوستانی صنعتکاروں نے روایتی پیداوار کے نظام کو اپنائے رکھا انہوں نے صنعتی انقلاب سے پیدا حالات کا مقابلہ کرنے اور دوسرے صنعتی ممالک سے برتری حاصل کرنے کے اپنی صنعتوں کو جدید تکنیکی ایجادات سے آراستہ نہیں کیا۔ جس کا براہ راست اثر پیداوار اور کوالیٹی پر پڑا۔ جس نے ہندوستانی صنعت و حرفت کے زوال کو یقینی بنادیا۔ 20ویں صدی میں اگرچہ جدید صنعتوں کا سُست رفتاری کے ساتھ احیا کے باوجود عدم صنعتکاری کا عمل طویل جنگ عظیم کے خاتمہ تک قائم و دائم رہا۔

بہر حال اس عدم صنعتکاری کا نتیجہ ہندوستانی معیشت اور سماج پر تباہ کن ثابت ہوا۔ بنگال میں 1801ء میں صنعتی روزگار میں 9 فیصد کے مقابلہ 1901ء میں 21 فیصد کی گراوٹ ماہر معاشیات اور شماریات نے درج کیا۔ انیسویں صدی میں شہروں میں قیام پذیر باشندوں کی تعداد 15 فیصد سے گھٹ کر 9 فیصد پہنچ گئی امریکی ماہر معاشیات اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ جانکاری فراہم کرتا ہے کہ 1881ء میں مینوفیکچرنگ مثلاً شعبہ تعمیرات یا پھر معدنیات کی کھدائی میں تقریباً آبادی کا 35 فیصد لوگ منسلک تھے جو حیرتناک حد تک کم ہو کر 1911ء میں 17 فیصد رہ گیا۔ جو اس بات کا شاہد ہے کہ شہروں کی آبادی میں گراوٹ آئی اور لوگوں کا انحصار زراعت پر بڑھ گیا جو عدم صنعتکاری کی واضح ثبوت تھی۔ اس طرح ملتا جلتا ڈاٹا امیا کمار باگچی نے ... کے مطالعہ میں دکیا جہاں صنعتوں سے منسلک پیشہ ور لوگوں کی آبادی میں گراوٹ آئی لوگ مجبوراً زراعت کنے پر مجبور ہوئے۔ عام ہندوستانی کی مجموعی معیار زندگی پر برے اثرات مرتب ہوئے۔ غربت کا شکار ہو کر کم سے کم اجرت پر کام کرنے کے لیے مجبور ہوئے۔ قول و قار کی قوت کم ہوگئی۔ زراعت پر غیر ضروری بوجھ بڑھ گیا۔ معیشت مکمل طور پر دیہہ کاری (Ruralization) اور کسان سازی (Peasantisation) کا شکار ہوگئی، لیکن مجموعی طور پر اس کا اثر شہر کاری پر پڑا اور بڑے بڑے صنعتی شہروں کی آبادی کم ہوگئی۔

7.3 مقامی صنعتوں کا زوال اور اس کا شہری آبادی پر اثر

(The De-industrialisation and Its Impact on Urban Population)

غیر صنعتکاری کا ایک اہم نتیجہ غیر شہر کاری تھا۔ انیسویں صدی کی معاشی تاریخ کا ایک اہم موضوع ہے ہندوستان میں انیسویں صدی میں صنعتی زوال کے ساتھ ساتھ صنعتی شہروں کی آبادی میں نمایاں طور پر کمی آنے لگی اور اس عمل کو غیر شہر کاری De-Urbanization کہا جاتا ہے۔ 1757ء کی پلاسی کی جنگ 1764ء کی بکسر کی جنگ کے بعد انگریز منصوبہ بند طریقے سے بعد دیگرے ہندوستانی ریاستوں پر قابض ہونے لگے۔ اس کا عمومی نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی ریاستیں ختم ہوگئیں۔ ان کے حکمراں گمنامی میں چلے گئے جو لگان یہ لوگ استعمال کرتے تھے۔ کمپنی کی حکومت کو چلی گئی وہ دولت برطانیہ چلی گئی۔ امراء، ادیب، فنکار جن کا انحصار مقامی حکومتوں پر تھا، یہ طبقہ بھی ناپید ہونے لگا۔ یہی طبقہ دراصل معاشی طور پر خوشحال تھا اور مقامی مصنوعات کا سب سے بڑا صارف تھا۔ اس کا طبقہ کی آمدنی ختم ہوگئی تو دستکاری اور صنعتی مصنوعات کی مانگ میں بھاری گراوٹ آگئی جو صنعتی زوال کا سبب بنا اور یہ زوال بڑے بڑے صنعتی شہروں کے زوال کا سبب بن گیا۔ ہندوستان

میں مردم شماری کی روایت نہیں تھی۔ڈی آر گاڈگل نے لکھاہے کہ ''ہندوستان کی آبادی کا جائزہ لینے کے لیے جوسب سے قدیم اعداد وشمار موجود ہیں وہ 1872ء کے ہیں۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''1872ء کی مردم شماری کے جو نتائج ہیں ان کی صحت خود مشتبہ ہے۔ لیکن مورخین نے شہرکاری کا ن تجزیہ اسی مردم شماری کے اعداد وشمار پر کیاہے اوراس کا موازنہ علاقائی آبادی کے شماریات اور 1781ء سے مستقل ہونے والے منصوبہ بندہ سالہ مردم شماری سے کرکے کسی شہر کی آبادی کی شرح میں اضافہ یاپھر زوال کا پتالگایاہے۔

انیسویں صدی کے ہندوستان کی شہری آبادی میں بہت تضاد پایاجاتاہے کیونکہ صوبہ بنگال میں شہری آبادی مجموعی آبادی کی 5 فیصد تھی جبکہ بمبئی میں یہ تناسب بڑھ کر 17 فیصد ہوگئی تھی۔ چھوٹاناگپور کے علاقہ میں شہری آبادی کی 3 فیصد پر مشتمل تھی جبکہ گجرات میں 20 فیصد تھی لہٰذا آبادی اور شہرکاری کا مطالعہ مورخین کے لیے مشکل امر تھا کیونکہ اول تو یہ کہ یکسانیت نہیں تھی دوم اعداد وشمار میں نمایاں خامیاں تھیں۔ جس کی وجہ سے ذراسی کمی کسی شہر کے لیے شہری آبادی کے زوال کا اعشاریہ بن جاتی تھی جبکہ دوسرے شہر میں ایسی کمی زوال کا سبب نہیں بنتی تھی۔ ہندوستان ایک ایساملک ہے جہاں شہری آبادی کا تناسب ہمیشہ سے کم ہی رہاہے۔ انیسویں صدی میں عموماً یہ 8 سے 12 فیصد تھا۔1872ء کے نامکمل مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی شہری آبادی مجموعی آبادی کا 8.7 فیصد تھا۔اس کے مقابلہ یورپی ممالک میں انیسویں صدی کے ابتدامیں شہری آبادی کا تناسب زیادہ تھا۔ مثلاً برطانیہ 21.3، فرانس 9.5 اوراسکاٹ لینڈ 17 فیصد تھا۔

صنعتی ترقی کا شہری آبادی کا تاریخی رشتہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی شہری ترقی ہے تو وہاں کی آبادی نسبتاً زیادہ ہوگی کیونکہ لوگ دور دراز علاقوں سے نوکری کی امید میں ہجرت کر اس شہر کا رُخ کرنے لگیں گے۔ جس سے اس شہر کی آبادی بڑھ جائے گی۔اگر شہر کی صنعت کسی وجہ سے روبہ زوال ہوگی تو آبادی کم ہونے لگے گی کیونکہ بے روزگاری کی صورت میں لوگ یا تو دوسرے شہروں یاپھر آبائی وطن کو ہجرت کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ کسی شہر کی آبادی میں نمایاں کمی اقتصادی جمود اور صنعتی زوال کی علامت تھی۔بنگال پر انگریزوں کی فتح کے وقت کلکتہ، ممبئی اور اور مدراس تجارتی وصنعتی مراکز تھے اور آبادی بھی اچھی تھی۔ کلایو کی رائے کے مطابق ''ڈی۔آر۔گاڈگل لکھتے ہیں کہ ''مرشدآباد کا شہراس زمانہ میں لندن سے زیادہ گھنا آباد تھا اوراس زمانے میں شمالی ہندوستان میں بہت سے بڑے گنجان آبادی والے شہر تھے۔'' لیکن برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے بعد بین الاقوامی تجارت میں زبردست تبدیلی رونماہوئی۔ ہندوستان بھی برطانیہ کی سامراجیت پسندانہ تجارتی بالادستی کا شکار ہوگیا اور چند شہروں کو چھوڑ کر باقی قدیم شہر روبہ زوال ہوگئے۔ مثلاً ڈھاکہ، مرشدآباد، عظیم آباد، لکھنؤ، بجنور وغیرہ کی آبادی بہت کم ہوگئی۔ آبادی کے مطالعہ کے ماہرین نے اس کے زوال کے مختلف اسباب بتائے ہیں۔

7.4 عدم شہرکاری اوراس کے اسباب (De-urbanisation, and Its Reasons)

عدم شہرکاری کا مختلف علاقوں میں مختلف وجوہات بتائے گئے ہیں۔ انیسویں صدی میں ھندوستان میں شہرکاری کا زوال بلا بالواسطہ عدم صنعتکاری کی دین ہے۔ De-Urbanisation ہندوستان میں برطانوی اقتدار کی بالادستی کے دواہم نتائج کی وجہ سے عمل میں آیا۔ اوّل یہ کہ متعدد شہری دستکاری کا خاتمہ۔ جس کا صارف اثر زمیندار حکمراں طبقہ تھا۔ مقامی ریاستوں کے خاتمہ کے ساتھ ہی اشرافیہ اور حکمراں

طبقہ ناپید ہونے لگا۔ لٰہذا دستکار، فنکار، مقامی صنعتوں سے منسلک پیشہ ور شہر چھوڑ کر ہجرت کرنے لگے جس کی وجہ سے شہری آبادی روبہ زوال ہونے لگی۔ دوم یہ کہ دولت کی نکاسی کی وجہ سے ملک جس کی وجہ سے شہری آبادی روبہ زوال ہونے لگی۔ دوم یہ کہ دولت کی نکاسی کی وجہ سے مل میں مال وزر کی کمی ہونے لگی۔ غربت وافلاس بڑھنے لگا۔ نوکریاں ختم ہو گئیں۔ لوگوں کی قوّت مزید کم ہو گئی۔ بھکمری کی صورت حال سے بچنے کے لیے مزدور ہمیشہ لوگ اپنے آبائی وطن کو کوچ کر گئے جو شہری آبادی کا ایک اہم حصہ تھے۔ سوم برطانوی حکومت کا قیام اور ہندوستان پر ان کے غلبے سے بازار پر ان کی اجارہ داری قائم ہو گئی۔ سیاسی بالادستی نے ان کو اپنے پسندیدہ اور مفاد کے مطابق قانون بنانے کو تقویت بخشی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان جو اپنے مصنوعات کے لیے بین الاقوامی منڈی میں مشہور تھا۔ ایک برآمداتی ملک کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد اس کی یہ پوزیشن تبدیل ہو گئی۔ ہندوستان برطانوی مشین سے بنی مصنوعات درآمد کرنے لگا جس سے مقامی دستکاری کو شدید نقصان پہنچا۔ دستکاری کو بچانے کے لیے مقامی سطح پر کوئی کوشش بھی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے شہری دستکاری تباہ وبرباد ہونے لگی۔

ریلوے کے منفی اور مثبت اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈی آر گاڈگل اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ریلوے کی تعمیر نے شہروں کی ترقی کو دو طرح سے متاثر کیا ہے۔ اول ''یہ کہ شہر میں ریل آجانے سے عموماً تجارت بڑھ جاتی ہے۔ اگر شہر پہلے سے مشہور تجارتی مرکز ہے تو ریل سے اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ جس علاقے سے ریل گذرتی ہے اس علاقہ میں تجارت کے نئے مراکز پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن اگر ریل سے شہر کی آبادی اس طرح بڑھ سکتی ہے تو اس کا الٹا اثر بھی ہوتا ہے۔ اکثر ریل کی تعمیر کے تقاضوں کے پیش نظر پرانے شہر خاص لائن سے دور ہو جاتے ہیں۔ فطری طور پر اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تجارت کے پرانے راستے چھوٹ گئے یہیں سے ان شہروں کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔''

شہری آبادکاری کے زوال کے متعدد وجوہات پر تبصرہ کرتے ہوئے بالخصوص شہر کاری کے مورخین نے دیگر کئی وجوہات کا تذکرہ کیا ہے مثلاً نئی یا پرانی صنعتوں کا زوال بھی شہر کاری زوال کی اہم وجہ ہے اس کے علاوہ تاریخ میں ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ جب کوئی شہر قدرتی آفت کی زد میں آجاتا تو اس کی آبادی ہجرت کرنے پر مجبور ہو جاتی اور اس طرح شہر کاری زوال کا شکار ہو جاتی ہے مثلاً قحط، سیلاب، پلیگ، ہیضہ وغیرہ وبائی امراض کی وجہ سے کسی علاہ یا شہر کے لوگ یا تو موت کے گھاٹ اتر جاتے یا پھر ہجرت کر جاتے۔ آبادی کی کمی کی وجہ سے آبادکاری کا عمل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔

ڈی۔ آر گاڈگل نے قحط اور اس کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''قحط سے شہری آبادی میں یقینی کافی اضافہ ہوتا ہے۔'' انہوں نے قحط کے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ہم ہندوستانی قحط کو قومی بے روزگاری کا زمانہ کہہ سکتے ہیں۔'' اس کی تشریح کرتے ہوئے گاڈگل بیان کرتے ہیں: قحط زدہ گاؤں میں کوئی زرعی کام نہیں ہوتا اس لیے گاؤں کے لوگ شہروں کا رُخ کرتے ہیں تاکہ وہاں ذریعۂ معاش تلاش کر سکیں۔ قحط کے دوران گاؤں سے شہر کو ہجرت معمول کی بات تھی۔ مثلاً 1868ء کے راجپوتانہ قحط کی وجہ سے آگرہ، دہلی اور قرب وجوار کی آبادی دوگنی ہو گئی تھی۔ گاڈگل اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مواصلات کی بہتری اور بہتر امداد کے انتظامات کے بعد شہروں کی طرف ہجرت رُک گئی تھی۔ وبائی مرض کے دوران جو لوگ شہروں کو روزگار کی امید میں ہجرت کرتے تھے۔ بقول ڈی آر گاڈگل ''مگر یہ نقل

وحرکت عارضی ہی ہوتی تھی۔ جب تک کہ ان شہروں میں ایسا روزگار نہ ہو جس میں یہ نئی آبادی لگ جائے۔ روزگار کے مواقع نہ ہونے کی صورت میں یہ مہاجر لوگ زرعی روزگار پاتے ہی دیہات کی طرف لوٹ جانے پر مجبور ہو جاتے۔'' یہی وجہ ہے کہ ایسے شہروں کی آبادی اور شہر کاری روبہ زوال ہو جاتی تھی۔

شہروں کی ترقی کے لیے ممکنہ طور پر یہ بات اہم ہے کہ ''تجارت کا فروغ اور صنعتوں کی ترقی ہی وہ اہم اسباب ہیں جن کے نتیجہ میں دیہات سے شہر کی طرف متعین اور مستقل نقل وحرکت پیدا ہوتی ہے'' ٹھیک اسی طرح جب کسی قدرتی یا مصنوعی اسباب کی بنا پر تجارت کا فروغ اور صنعتی ترقی رُک جاتی ہے تو شہروں کا زوال اور اس کی آبادی میں کمی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مورخین نے دیگر اسباب کا بھی تذکرہ کیا ہے جو عدم شہر کاری کی وجوہات میں شامل ہیں۔

عدم شہر کاری کی ایک دوسری اہم وجہ دھننجے رامچندر گاڈگل (Dhananjay Ramchandra Gadgil) نے 'تجارتی راستوں کا تبدیل ہو جانا' بتایا ہے۔ گاڈگل لکھتے ہیں کہ ریلوے کی تعمیر اور توسیع اور دیگر وجوہات کی بنا پر تجارتی راستوں کا تبدیل ہونا یقینی تھا۔ بہت سے قدیم شہروں کے زوال کا یہ ایک بہت ہی نمایاں سبب رہا۔ گاڈگل نے دو قدیم شہروں کی مثال دے کر اس ززوال کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے لیے ہم مرزاپور کا نام لے سکتے ہیں۔ یہ شہر گنگا کے کنارے ایک خاص پوزیشن رکھنے کی وجہ سے ایک مشہور تجارتی بازار بن گیا تھا۔ کیونکہ شمالی اور مرکزی ہندوستان کی کپاس کی برآمدات مرزاپور ہو کر گنگا کے نیچے سے گذرتی تھی لیکن جیسے ہی گنگا کے کنارے ریلوے ئن بن گی تو مرزاپور سے گذرنے والا آبی راستہ کی اہمیت ختم ہو گئی اور مرزاپور تیزی سے زوال پذیر ہو گیا۔''

گاڈگل نے دوسری مثال ساگر شہر کی دی ہے۔ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ ''ریلوے کے زمانے کے پہلے ایک مشہور تجارتی مرکز تھا۔ لیکن راستہ بدلنے کی وجہ سے ساگر بھی تیزی سیز وال پذیر ہو گیا۔'' صرف ریلوے کی تعمیر سے ہی تجارت ہے۔ راستے تبدیل ہو گئے۔ ریلوے کی تعمیر نے ایک طرف نئے کچھ شہروں کو جلا بخشی اور وہ جلد ہی تجارتی اور صنعتی مرکز بن کر ابھرے۔ ٹھیک اسی طرح کچھ ایسے شہر بھی تھے جو ریلوے لائن کی دوری کے سبب وہ اہمیت حاصل نہیں کر پائے۔ گاڈگل نے اس کی مثال لکھنؤ سے دی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ لکھنؤ سے صرف اس لیے بازی لے گیا کہ لکھنؤ سے پہلے کانپور تک ریل بن گئی تھی۔'' لکھنؤ اس لیے شہر کاری کے زول کا شکار ہو گیا۔

عدم شہر کاری کی ایک اہم وجہ دستی صنعتکاری یا دستکاری کے انحطاط پر ہے اس کو سبھی مورخین نے تسلیم کیا ہے اور اس پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ گاڈگل عیش پرستانہ یا پر تعیش دستکاری تھی اور ان کی بقا امراء دربار کی مانگ پر منحصر تھی۔ دربار ختم ہوتے ہی اس کے مداح اور خریدار بھی ختم ہو گئے۔ پھر بھی غیر ملکوں میں شرفاؑ اور طبقہ کی مانگ نے اس فن دستکاری کو نظر انداز کیا جس کی وجہ سے یہ فن دھیرے دھیرے ختم ہو گیا۔ دستکاروں نے ذریعۂ معاش کا دوسرا پیشہ اختیار کر لیا۔ گاڈگل نے اس کے حتمی اثرات کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ''دستی صنعتوں کا انحطاط اور آبادی کی لازمی تخفیف بہت سے پرانے شہروں کا مقدر بن گئی۔''

گاڈگل نے حکومت ہند کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے لکھا کہ اگر برطانوی حکومت کوشش کرتی تو شائد شہری آبادکاری کے زوال کو ممکنہ

طور پر روکا جاسکتا تھا۔ اگر برطانوی حکومت ان شہروں میں نئی صنعت و حرفت کو فروغ دیتی تو لوگوں کو ہجرت کرنے سے روک کر شہر کاری کو یقینی بنایا جاسکتا تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے ڈھاکہ شہر کی مثال دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''ڈھاکہ میں نواب کا دربار ختم ہوگیا۔ جس کی وجہ سے ڈھاکہ اپنی مشہور ململ کی صنعت اور دیگر دستی صنعتوں کے ساتھ تیزی سے زوال پذیر ہوگیا اور یہ زوال 1870ء تک جاری رہا۔ لیکن اسی وقت یورپی بنگال میں جوٹ کی کھیتی مقبول ہوئی اور ڈھاکہ میں جوٹ کی صنعت قائم ہوگئی اس تجارت اور صنعت سے ڈھاکہ نے پھر شہرت حاصل کرلی اور گذشتہ پچاس برسوں میں اس کی شہرت برابر بڑھتی رہی۔'' انہوں نے تیسری مثال امرتسر کی دی ہے۔ جو اونی شال کی صنعت کی وجہ سے ایک خوشحال شہر تھا۔ لوگوں کے پاس ملازمتیں تھیں۔ شال کی صنعت زوال پذیر ہونے پر چٹائی کی صنعت نے ترقی کی لیکن چٹائی کی صنعت کے زوال کے ساتھ امرتسر بھی زوال پذیر ہوگیا۔ اس طرح بنگال پر انگریزوں کی حکومت قائم ہونے اور برطانیہ کی صنعت و تجارتی تحفظات کے پیش نظر قانون سازڑ سے ہندوستان کی ترقی پذیر صنعت زوال کا شکار ہوگئی اور اس کے نتیجے میں تجارتی اور صنعتی مراکز بھی روبہ زوال ہوگئے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں اور مورخین نے ان اسباب کا تقابلی اور تجزیاتی مطالعہ بھی کیا ہے۔ ان شہروں میں ڈھاکہ، مرشد آباد، مالدہ، شانتی پور وغیرہ۔

7.5 مورخین کے خیالات و نظریات (The Ideas and Theories of Historians)

اس بات سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تجارتی راستوں کی تبدیلی اور صنعتوں کا زوال وہ اسباب ہیں جن سے شہری آبادی میں صاف طور پر کمی آئی, لیکن اسی کے ساتھ گاڈگل کا ماننا ہے کہ 'وبا اور غیر صحت مند رہائشی حالات بھی شہروں کے بڑھنے میں حارج رہے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح وبائیں لوگوں کو گنجان شہری علاقوں سے دور، دیہات میں بھگالے جاتی ہیں۔ شہری آبادی کا تناسب، اسی صدی کی پہلی دہائی کے دوران کسی قدر گھٹ گیا۔ یہ صورت حال بالخصوص ہندوستان کے بڑے حصّہ میں پھیلی ہوئی طاعون کی وبا کا نتیجہ تھی۔' وبا کی وجہ سے ایک طرف شہری آبادی کا ایک بڑا حصہ موت کی نیند سو گئی یا تو پھر لوگ ہجرت کرکے دوسری جگہ چلے گئے۔ اس طرح بہت سے شہر ایسے تھے جو عدم شہر کاری کا شکار ہوگئے۔ اس کے علاوہ بڑے شہروں میں مہنگائی کے تناسب سے اجرت میں اضافہ ہورہا تھا مگر چھوٹے اور متوسط شہروں میں اجرت میں کوئی خواطر خواہ اضافہ نہیں ہورہا تھا۔ اس کے سبب ایسے شہروں سے لوگ ہجرت کرکے بڑے تجارتی شہروں یا ان شہروں کا رُخ کرتے جہاں بندرگاہ ہوتے اور روزگار کے مواقع میسّر ہوتے جس کی وجہ سے بہت سے چھوٹے شہر اور قصبوں کی آبادی کم ہوجاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایل اینڈ، پی ولسیار، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہمیشہ سے ہی شہر کاری کی معیار کم رہی ہے۔'' ایس بھٹاچاریہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیسنجر کی دلیل ہے کہ برطانوی قبضہ والے علاقوں مثلاً ناگالینڈ کی وادی میں موجود شہروں اور قصبوں کی ترقی برطانوی معاشی سرگرمیوں کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ کیسنجر کی دلیل کے برعکس یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ کوئی بھی درباری شہر یہاں تک کہ لکھنؤ نے بھی اس طرح کی متحرک ترقی کا مظاہرہ کیا ہے جس کا ذکر کیسنجر نے کیا ہے۔ 1856 میں اودھ کے قبضہ کے وقت شہروں کی تعداد نسبتاً کم تھی اس لیے کیسنجر کی دلیل کی روشنی میں لکھنؤ اور اودھ کا مطالعہ ضروری ہوجاتا ہے۔ بلاشبہ نوابی حکومت میں لکھنؤ کی آبادی تیزی سے بڑھ گئی تھی۔ 1799ء میں اس کی آبادی 5 لاکھ نفوس پر مشتمل تھی جو بڑھ کر 1858ء میں 10 لاکھ ہوگئی۔ اس طرح

ہم کہہ سکتے ہیں کہ لکھنو کلکتہ سے بڑا شہر تھا، کیسنجر نے اس ترقی کو یا نمایاں ترقی کہنے سے گریز کیا ہے جبکہ برطانوی علاقوں میں اس طرح کی شہری ترقی کو وہ فعالیت سے تعبیر کرتا ہے۔اور جیسے ہی لکھنو کا الحاق ہوا اس نے اپنی فعالیت کو کھو دیا اور اس کی آبادی میں واضح کمی آنے لگی۔ مثال کے طور پر اس جدول سے ہم شرح زوال کو سمجھ سکتے ہیں۔:

لکھنؤ کی آبادی 1911۔1869 کے درمیان

1869	284779
1881	261303
1891	273528
1891	273549
1901	264549
1911	259798

لکھنؤ کی آبادی 1869ء سے لے کر مسلسل گھٹتی رہی۔ تقریباً 1911ء تک 24981 لوگ کم ہو گئے۔اودھ ایک خوشحال صوبہ تھا۔نوابی دور میں یہاں کی آبادی میں کمی درج کی گئی مثال کے طور پر اودھ کے پانچ ضلعوں میں جہاں آبادی 5 ہزار یا اس سے زیادہ تھی ایسے شہروں کی تعداد ڈونالڈ بٹر کے مطابق 1838ء میں 43 تھی۔اور مجموعی آبادی 274000 سے لے کر 485000 تھی۔1869ء کے مردم شماری کے مطابق ایسے شہروں کی تعداد گھٹ کر 14 ہو گئی اور آبادی گھٹ کر 134643 ہو گئی اور یہ اعداد و شمار 71.6 فیصد کی گراوٹ بتا رہے ہیں جو قابل تشویش تھی۔ لیکن 1911ء کے مردم شماری میں ایسے شہروں میں مزید کمی آ گئی اور یہ کم ہو کر محض 11 رہ گئی۔ ہٹلر نے جن شہروں کا ذکر کیا ہے وہ ہیں اناؤ، رائے بریلی، سلطانپور، پرتاپ گڑھ اور فیض آباد وغیرہ۔اناؤ کی آبادی 1838ء میں اس کی آبادی گھٹ کر محض 37809 ہو گئی اور شہروں کی تعداد 5 ہی رہ گئی۔ایسی صورت حال تمام شہروں کی تھی جس سے اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ برطانوی تسلّط میں اودھ کی نہ صرف آبادی کم ہو رہی ہے بلکہ ایسے شہروں کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے جس کی آبدی 43 ہزار سے اوپر تھی۔اودھ کے ان پانچا ضلاع کی شماریاتی مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ الحاق سے قبل اودھ کے یہاں شہروں کی تعداد اور آبادی تشفّی بخش تھی لیکن الحاق کے بعد نمایاں کمی دیکھنے کو ملتی ہے۔ کیسنجر کا یہ قول کہ الحاق سے قبل اودھ میں بڑے شہر کم تھے۔اس مطالعہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ہے۔ مشرقی ہندوستان میں بھی شہروں کے زوال اور آبادی میں کمی کے واضح ثبوت ملتے ہیں جس کو ایس بھٹاچاریہ تسلیم نہیں کرتے جبکہ ان کے پاس درگا پرساد بھٹاچاریہ مشرقی ہندوستان کی تفصیل مطالعہ موجود تھا۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جو شہر کلکتہ کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہونے کے شواہد ملتے ہیں اعداد و شمار کے مطابق کلکتہ کی آبادی 1821ء میں 179917 تھی جو بڑھ کر 1872ء میں 428328 ہو گئی۔ لیکن اپنی نوعیت کی واحد مثال تھی۔ کیونکہ تمام بڑے تجارتی اور صنعتی مراکز زوال کی طرف گامزن تھے۔ مثلاً 1801ء میں ڈھاکہ کی آبادی بٹلر اور ہملٹن کے مطابق 2 لاکھ سے لے کر ڈیڑھ لاکھ تھی۔ 1872ء میل1872ء میں محض 692112 رہ گئی۔ مرشد آباد کی آبادی 1815ء میں ایک لاکھ پانچ ہزار تھی جو 1872ء میں

42ہزار ہو گئی۔ لکھنؤ کی آبادی 1856ء میں 530670 تھی جو 1881ء کی مردم شماری میں گھٹ کر 261303 رہ گئی۔ یہی حال پٹنہ کا تھا۔ 1812ء میں پٹنہ کی آبادی 2000ء تھی جو گھٹ کر 1872ء میں 158000 رہ گئی۔ آبادی میں اس دور میں کمی اس بات کی واضح ثبوت تھی کہ شہر آباد کاری زوال پذیر تھی اور یہ عمل پہلی جنگ عظیم تک چلتا رہا۔ پریسیڈینسی ٹاؤن کے علاوہ حیدر آباد میں بھی آبادی میں اضافہ دیکھنے کو مل رہا تھا۔

7.6 مردم شماری کا آغاز اور اس کی مختصر تاریخ (Beginning of Census and Its Short History)

'مردم شماری' جسے انگریزی میں Census کہتے ہیں یہ لاطینی زبان کے لفظ 'Censere' سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں اندازہ لگانا/ تخمینہ لگانا۔ اس طرح Census کا مطلب لوگوں کا گننا یا شمار کرنا ہے۔ سماجی، معاشی یا پھر سیاسی مقصد کے لیے کسی علاقہ یا ملک میں رہ رہے لوگوں کی مجموعی تعداد کا ڈاٹا جمع کرنا ہی مردم شماری کہلاتا ہے۔ مردم شماری کی پرانی تاریخ ہے۔ بنیادی طور پر ٹیکس وصول کرنے کے لیے اس کا استعمال ہوتا تھا۔ کوٹلیا کے ارتھ شاستر نے ریاستی حکومت کی ٹیکس وصولیابی کے لیے مردم شماری کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ قدیم روم میں بھی ٹیکس وصول کرنے کے لیے مردم شماری کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ قدیم روم میں بھی ٹیکس وصولنے کے لیے مردم شماری کرائی گئی تھی۔ مردم شماری کسی بھی ملک کی آبادی، ان کی طرز زندگی، معاشی حالت اور سماجی رجحانات کے جاننے کا اہم ذریعہ ہے۔ حکومت کے لئے پالیسی سازی یا پھر منصوبہ بندی کے لیے مردم شماری آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید دور میں یہ وقفہ وقفہ سے کیا جانے والا مشق ہے جو عام طور پر ہر دس سال پر ہوتا ہے۔

اگرچہ ہندوستان میں قدیم زمانے سے سائنٹیفک مردم شماری کا کوئی تصور نہیں تھا، پھر بھی علاقائی حکومتیں ٹیکس وصولیابی یا پھر رفاہی امور کے پیشِ نظر گھر گھر کا اعداد و شمار رکھا جاتا تھا تاکہ نامساعد حالات مثلاً قحط یا پھر سیلاب یا پھر دوسری قدرتی آفات کے زمانے میں لوگوں کو مدد فراہم کیا جا سکے۔ اگرچہ مورخین نے چندر گپت موریہ کی فوج کا ایک تخمینہ پیش کیا ہے جس کے مطابق اس کی فوج 7 لاکھ لوگوں پر مشتمل تھی اس لحاظ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بڑی آبادی ہی اتنی بڑی فوج مہیا کر سکتی تھی۔ پران ناتھ نے 300 قبل مسیح میں ہندوستان کی آ۔ بادی کا تخمینہ 100 سے لے کر 140 ملین تک لگایا ہے۔ ڈبلیو ایچ مور لینڈ کے مطابق 1600ء میں یہ تقریباً 100 ملین کے قریب تھی۔ کنگ سلے ڈیوس کے مطابق یہ 125 ملین تھی کنگ سلے ڈیوس نے 175ء کے لیے بھی یہی عدد بتایا ہے۔ پی سی مہالانوبس اور بھٹاچاریہ نے ہندوستان کی آبادی 1800ء کو ئی 207 ملین کا اندازہ لگایا ہے۔

ہندوستان میں حقیقی معنوں میں انگریزوں کی آمد اور ان کی حکومت کے قیام کے بعد ہی اٹھارہویں صدی کے نصف بعد ہی آبادی کی گنتی کا آغاز ہوا۔ 1857ء کے غدر کی ناکامی کے بعد برطانیہ کی ملکہ معظمہ ہندوستان کی ملکہ بن گئیں اور اقتدار اعلیٰ کمپنی کے ہاتھوں میں آ گیا۔ اس کے بعد برطانوی حکومت کو مختلف وجوہات کی بنا پر ہندوستان کی آبادی کا اعداد و شمار کی ضرورت اور اہمیت پیش آئی۔ اس طرح ملک کی آبادی کی مردم شماری کی حکومتی سطح پر ضرورت نے آبادی کا اعداد و شمار کرانے کے لیے مجبور کیا۔ اس طرح برطانوی حکومت 1871ء میں

مردم شماری کرانے پر بالآخر آمادہ ہوئی۔ اگرچہ اس میں خامیاں تھیں۔

ہندوستان میں مردم شماری کا باقاعدہ آغاز 1881ء میں ہوا۔ اس کے بعد ہر 10 سال پر مردم شماری کرانے کی روایت آج بھی قائم ہے۔ دوسری جنگ عظیم اور عدم تعاون کی تحریک کے دوران ہنگامی سیاسی صورتحال کے پیشِ نظر مردم شماری کو ملتوی کرنے کا عندیہ مل رہا تھا مگر ہنگامی حالات کے باوجود مردم شماری اپنے معمول پر ہوئی۔ مردم شماری دراصل گھر گھر کے بنیاد پر افراد کی تعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ مردم شماری کا عمل پورے دس سال تک چلتا ہے۔ حکومت کے کارندہ اور سرکاری عملہ کی بہت بڑی تعداد کی دن رات کی انتھک محنت کی وجہ سے مردم شماری کا عمل مکمل ہوتا ہے۔ اس عمل میں بنیادی طور پر دو سطح پر کام ہوتا ہے پہلا ہے عوام کی تعداد کا ڈاٹا جمع کرنا اور دوسرا ہے اس کو تالیف کرنا۔ مردم شماری میں لوگوں کی عدم دلچسپی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ مورخین اور دانشوروں نے نئے ٹیکسوں میں اضافہ ہوگا۔ برطانوی حکومت کے قیام کے بعد سرکاری حکام نے آبادی کا اعداد و شمار انتظامیامور کے پیش نظر اکٹھا کرنا شروع کیا تھا اور یہ شماریات صوبائی سطح پر اکٹھا کیا جاتا تھا نہ کہ ملکی سطح پر 1822ء میں تھا۔ مس منرو نے ریاستی سطح پر مردم شماری کرائی اور 1872ء سے پہلے ہونے والے مردم شماری صوبائی سطح پر تھی اور اس کا بنیادی مقصد مالگزاری کی حصولیابی کو یقینی بنانا تھا۔

برطانیہ اور امریکہ میں مردم شماری کا حوالہ دے کر انگریزی حکام نے سب سے پہلے 1856ء میں ہندوستان میں انہی اصولوں پر مردم شماری کا منصوبہ بنایا تھا۔ 1861ء سے مسلسل مردم شماری کرانے کا منصوبہ طے پایا لیکن 1857ء کے انقلاب کی وجہ سے اس منصوبہ کو ملتوی کرنا پڑا۔ بہر حال 1881ء سے دس سالہ منصوبہ کے مطابق مردم شماری کی روایت قائم ہے۔ گریش مشرا کا ماننا ہے کہ کسی ملک کی معاشی تاریخ کا مطالعہ بغیر آبادی کی نوعیت کے اور اعداد شمار کی موجودگی کے ممکن نہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''محض اس لیے کہ معاشی سرگرمیوں میں لوگوں کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اور ان کے بغیر کوئی معیشت ممکن نہیں۔''

آبادی کا تناسب ہی تجارتی لیکن دین اور صنعتی ترقی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ آبادی کے مطابق ہی بازار کی وسعت طے پاتی ہے۔ اشیا کی بازار میں مانگ آبادی پر منحصر ہوتی ہے۔ صنعتی پیداوار کا دار و مدار بھی آبادی پر منحصر ہوتی ہے۔ آبادی زیادہ ہوگی تو بازار میں مانگ اسی تناسب سے بڑھ جائے گا۔ جب بازار میں مانگ زیادہ ہوگی تو اشیا کی پیداوار میں اضافہ ہوگا اور تجارت بھی اسی لحاظ سے وسیع تر ہوتی چلی جائے گی۔ آبادی کے لحاظ سے ہی ملک میں مزدوروں کی فراوانی ہوگی اور اس سے صنعتی پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ ماہرانہ خصوصیت پیدا ہوگئی۔ آبادی اور معیشت کا بہت گہرا تعلق ہے اسی لیے معاشی تاریخ توسیعی کے لیے مردم شماری ایک دلچسپ موضوع رہا ہے۔ اگر کسی ملک کی آبادی زیادہ ہے تو ان کی مدد سے تعمیراتی منصوبوں مثلاً سڑکوں اور ریلوے کی تعمیر آبپاشی کے لیے نہروں اور بند کی تعمیر وغیرہ ممکن ہو پاتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی ملک کی آبادی زیادہ ہے تو وہاں ایک بڑی فوج تیار کرنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً موجودہ وقت میں چین اور ہندوستان قابل ذکر ہیں۔

7.7 مردم شماری کے رجحانات (Census Trends)

اس اکائی میں ہم مردم شماری کے تحت آبادی میں اضافہ اور کمی کے رجحانات اوران کے عوامل کے بارے میں مختصراً جاننے کی کوشش کریں گے۔ کسی بھی ملک میں گریش مشرا کے مطابق آبادی میں اضافہ اور کمی کی دوبنیادی وجوہات ہیں: اوّل فطری وجہ دوم ہجرت۔ فطری وجہ جوآبادی کے تناسب کو طے کرتی ہے وہ کسی بھی ملک میں شرح پیدائش اور موت۔ ہجرت سے مراداس ملک کولوگ جودوسری جگہ ہجرت کرتے چلے گئے یاپھر دوسرے ممالک سے ہجرت کر کے اس ملک میں آکر آباد ہوگئے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ملک میں پہلا مردم شماری اگرچہ 1886ء میں ہوا، پھر باقاعدہ اور دس سالہ منصوبہ کے تحت 1881ء میں عمل میں آیا۔ مور لینڈ نے اپنی کتاب اگریرین سسٹم آف مسلم انڈیا میں ہندوستان کی آبادی 1600ء میں تقریباً دس کروڑ بتایا۔ اسی عہد کے لیے کنگ سلے ڈیوس نے 12.5 کروڑ بتایا ہے۔ برطانوی مورخین مزید لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی آبادی 1600 سے 1800ء میں بڑھ کر 15 سے 20 کروڑ ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسوسال میں ہندوستان کی آبادی میں 33 فیصد کا اضافہ ہوا۔ اس کو قومی مورخین نے تنقید کا نشانہ بنایا اور انگریزوں کے سامراجی مزاج کا شاخسانہ بتایا اور آبادی کے شماریات اوراس کے تخمینے کو غلط قرار دیا۔ مورس ڈی مورس نے 1801ء سے لے کر 1901ء تک آبادی میں 20 سے کروڑ سے 28.5 کا اضافہ بتایا ہے۔ اس کے مطابق آبادی میں شرح اضافہ کل 0.35 ہوتا ہے۔ 1600ء سے لے کر 1800ء تک 33 فیصد کا اضافہ غیر منتضی نر آتا ہے۔ ہندوستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ زمانۂ قدیم سے ہی دیہات میں رہتا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق کوئی 85 فیصد آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے۔ آبادی کا صرف 15 فیصد لوگ شہروں میں رہتے تھے۔ قحط یا سیلاب یا پھر دوسرے قدرتی آفات کی وجہ سے آبادی کبھی کبھی بہت کم ہو جاتی تھی۔ آبادی کی تاریخ پر کئی مورخین نے تحقیق کیا ہے جس میں کنگ سلے ڈیوس اور مورس ڈی مورس کا نام قابل ذکر ہے۔ 1800ء سے لے کر 121ء تک آبادی میں شرح اضافہ بہت کم تھا لیکن 1921ء کے بعد آبادی کی شرح میں گراں قدر اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے اسی لیے 1921ء کو گریٹ ڈیوائڈ کہا جاتا تھا۔

7.8 شہروں کی ترقی کے وجوہات اورافادیت (Reasons and, Advantages of Urbanisation)

آبادی میں اضافہ شہر کاری کی ایک اہم وجہ ہے۔ صنعتی ترقی کے لیے اہم اجزاء میں کثیر آبادی ایک اہم وجہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جہاں کہیں بھی صنعتی مراکز قائم ہوئے وہاں لوگوں کو روزگار کے مواقع میسّر تھے اس لیے لوگ گاؤں سے شہروں کو ہجرت کرنے لگے۔ مثلاً ڈھاکہ سوتی کپڑوں اور جوٹ کا ایک بڑا صنعتی مرکز بن کر اُبھرا اس لیے اس شہر کی آبادی میں بہت اضافہ دیکھنے کو ملا۔ کلا ئینو کے مطابق مرشد آباد کا شہر لندن سے زیادہ گھنا تھا کیونکہ بنگال کا دارالخلافہ تھا جہاں روزگار کے مواقع صنعتی ترقی کے علاوہ دوسروں سرکاری شعبوں میں بھی موجود تھا۔ ان شہروں اور قصبوں کی آبادی میں اضافہ دیکھنے کو ملتا تھا جو تارتی مراکز تھے اور نقل و حمل کے وسائل موجود تھے۔ مردم شماری کے ذریعہ شہروں کی آبادی کے لحاظ سے درجہ بندی کرنے میں کافی سہولت ہوئی اوراس کی بنیاد پر مورخین نے 1857ء کے انقلاب سے پہلے شہروں اور قصبوں کی مجموعی تعداد کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کچھ شہر غدر کے بعد زوال پذیر ہونے کے شواہد بھی ملتے ہیں۔

شہروں کی ترقی اوران کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ دراصل ریلوے کی تعمیر کے بعد شروع ہوا۔ کیونکہ ڈی آر گاڈگل کا ماننا ہے کہ ریلوے کی تعمیر سے تجارتی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور جن نئے علاقوں سے ریل گذری ہے اس علاقے میں تجارت کے نئے مراکز پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب انگریزوں نے نیا نظام قائم کیا مثلاً بندوبست استمراری رعیت واری یا پھر محل واری تو اس کی وجہ سے دولت مند زمیندار شہروں میں جاکر آباد ہوا۔ اوران کے ساتھ ان کے خدّام اور عملہ بھی منتقل ہو گیا جس سے شہروں کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ لیکن برطانیہ میں صنعتی انقلاب اوراس کی توسیع نے دنیا کے تمام ممالک پر منفی اور مثبت دونوں اثرات ڈالے۔ ہندوستان میں اس کے منفی اثرات کی وجہ سے ترقی پذیر صنعت و حرفت برطانوی معاشی اور تجارتی پالیسیوں کی وجہ سے حد درجہ متاثر ہوئی اوراس کے نتیجہ میں ایک ترقی یافتہ صنعت تباہی اور زوال کا شکار ہو کر دم توڑ گئی جس کو مورخین نے عدم صنعتکاری کا نام دیا ہے۔ اور روزگار نہ ملنے کی صورت اور مکمل نااُمیدی کی حالت میں مزدور طبقہ پھر اپنے آبائی وطن کو ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا اوراس کی وجہ سے بڑے بڑے صنعتی شہروں کی آبادی میں بہت اس حد تک کمی آنے لگی کہ شہر سُنسان اور اجاڑ ہو گئے جس کو مورخین نے غیر شہر کاری سے موسوم کیا اور مردم شماری کی وجہ سے شہروں کی آبادی میں اضافہ اور کمی کی جانکاری ہوئی مزید یہ کہ دانشوروں نے اس کی شرح کا تخمینہ بھی نکال کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی آبادی میں کمی کس طرح بہت سے ترقی پذیر شہروں کے زوال کا سبب بن گئی۔

7.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں شہر کاری کا زوال اور مردم شماری سے متعلق مختلف حقائق کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جدید ہندوستان کی تاریخ میں معاشی اور صنعتی ترقی ایک اہم موضوع ہے۔ ہندوستان میں صنعتی ترقی اوراس کے زوال کا مطالعہ پچھلی اکائی میں کر چکے ہیں۔ برطانوی حکومت کے قیام کے بعد انگریزوں نے اپنی معاشی اور سیاسی مفاد کے پیشِ نظر ایسی پالیسیوں کو فروغ دیا جس سے ہندوستان کی صنعتی ترقی پر منفی اثرات مرتب ہوئے صنعتی زوال کا ایک اہم نتیجہ شہر کاری کا زوال تھا جس کو De-Urbanization کہا جاتا ہے۔ اس اکائی میں اس کے مختلف وجوہات اوراہم شہروں کے زوال پر مباحثہ کیا گیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق مورخین کے خیالات کا تجزیاتی مطالعہ اس اکائی کا دلچسپ پہلو ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ شہروں کے زوال کا مطلب وہاں کی آبادی میں نمایاں کمی کا واقع ہونا ہے۔ اس لحاظ سے آبادی کا مطالعہ اس اکائی کا اہم جزو ہے۔ اس سلسلہ مسیں مردم شماری کا آغاز اس کی تاریخ اور سماجی اہمیت پر بھی مدلّل بحث اس اکائی میں شامل ہے۔ مردم شماری سے ہی یہ تعین ہوتا ہے کہ کسی شہر کی مقررہ وقت میں آبادی کتنی تھی اوراس کی آبادی میں شرح اضافہ اور کمی ہی شہر کاری کی ترقی یا تنزلی کا پیمانہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ اور معیشت کا ایک گہرا رشتہ ہے اور مردم شماری سے تاریخی حقائق کو سمجھنے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے۔

7.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

شہر کاری : شہروں کی آبادی میں اضافہ

زوال : کمی، گراوٹ

عروج	:	ترقی
انفرادی تشخص	:	ذاتی پہچان
مردم شماری	:	آبادی کی گنتی
کاشت کاری	:	کھیتی، زراعت
اجارہ داری	:	بالادستی
تسلّط	:	قبضہ
محصول	:	ٹیکس
ہجرت	:	ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا
افادیت	:	فائدہ

7.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کارل مارکس کس اخبار کا نامہ نگار تھا؟
2. کارل مارکس نے سامراجیت کے کن دو ممکنہ کردار کا ذکر کیا ہے؟
3. کس ایکٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت پر اجارہ داری کو ختم کیا؟
4. آزاد تجارت کا نظریہ کس نے دیا؟
5. ایڈم اسمتھ Adam Smith کی کتاب کا کیا نام ہے؟
6. برطانیہ میں سوتی کپڑوں کے دو بڑے مرکز کون کون تھے؟
7. ان شہروں کے نام بتایئے جن کی آبادی میں نمایاں کمی آئی تھی؟
8. کنہیں دو مورخ کا نام نام بتایئے جنہوں نے شہری غیر آباد کاری پر کام کیا ہے؟
9. پہلا باقاعدہ مردم شماری کب شروع ہوا؟
10. مورلینڈ کے مطابق 1600ء سے لے کر 1800ء تک ہندوستان کی آبادی کتنی تھی؟

7.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. عدم شہر کاری کے دو وجوہات بتایئے۔
2. مقامی صنعتوں کے زوال کے شہر کاری پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

3. شہر کاری کے تنزلی سے متعلق مورخین کے خیالات کا تجزیہ کیجیے۔

4. مردم شماری کی تاریخ پر تبصرہ کیجیے۔

5. شہروں کی ترقی کے وجوہات پر نوٹ لکھیے۔

7.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. عدم شہر کاری کے وجوہات مورخین کے خیالات کی روشنی میں تنقیدی جائزہ پیش کیجئے

2. مقامی صنعتوں کے زوال نے کس طرح شہری اور دیہی زندگی کو متاثر کیا تبصرہ کیجیے۔

3. مردم شماری کے آغاز اور اس کی تاریخی اہمیت اور افادیت پر مفصل نوٹ لکھئے۔

7.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
5. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
6. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
7. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
8. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
9. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
10. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 8۔بیرونی تجارت کی بدلتی نوعیت، 1813اور 1833کا چارٹر ایکٹ

(Changing Nature of External Trade, Charter Act of 1813 and 1833)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید
8.1 مقاصد
8.2 سولہویں اور سترہویں صدی میں یورپی تجارتی کمپنیاں
8.3 ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام اور اس کی تجارتی سرگرمیاں
8.4 1757 سے قبل ہندوستانی صنعت و تجارت
8.5 کمپنی کی پالیسی میں تبدیلی اور برطانوی صنعتوں کو تحفظ
8.6 1757 کے بعد کمپنی کی تجارت
8.7 1813 کا ایکٹ اور اس کے اثرات
8.8 ہندوستان کے تجارتی ڈھانچے میں تبدیلی
8.9 1833 کا چارٹر ایکٹ اور تجارت
8.10 اکتسابی نتائج
8.11 کلیدی الفاظ
8.12 نمونہ امتحانی سوالات
8.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
8.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
8.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
8.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید(Introduction)

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی میں تجارت اور بالخصوص بیرانی تجارت کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ روزگار کے مواقع فراہم کرنے میں تجارت کا کردار ناگزیر ہوتا ہے۔ اس سے صنعت و حرفت کو بھی ترقی ملتی ہے۔ قدیم عہد میں ہندوستان سوت، ریشم، چینی اور قیمتی پتھر کی تجارت کے لیے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ دوائیاں، مسالوں اور عطریات کی بھی تجارت ہوتی تھی۔ عہد وسطیٰ میں بھی بیرانی ممالک سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات استوار رہے اور مختلف اشیا کی برآمدات سے ہندوستانی تجارت کو فائدہ پہنچتا رہا۔ قیمتی پتھر، سونا، چاندی، سوتی ملبوسات، مسالے اور عطریات ہندوستانی تجارت کی اہم اشیاء تھیں۔ ہندوستان اور ایشیائی ممالک سے منافع بخش تجارت کی وجہ سے یورپی تجارتی کمپنیاں اس علاقے میں اپنی تجارتی بالادستی کے لیے کوشاں تھیں۔ مختلف اقوام کی تجارتی کمپنیوں کے مابین بالادستی کی اس رسہ کشی میں بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی کی جیت ہوئی۔ مغل فرمانرواؤں سے تجارتی مراعات حاصل کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں اپنے تجارتی مراکز قائم کیے۔ ہندوستان میں سیاسی ابتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے آہستہ آہستہ سیاسی معاملات میں بھی دخل دینا شروع کر دیا۔ کمپنی کی حالت اس وقت بہت زیادہ مستحکم ہوگئی جب 1757 میں اس نے بنگال کے نواب کو شکست دی۔ اس کے بعد اس نے منصوبہ بند طریقے سے اپنی تجارت کو فروغ دیا اور ہندوستانی صنعت و حرفت اور تجارت کو نقصان پہنچایا۔ تجارت کی اس بدلتی نوعیت کی وجہ سے ہندوستانی معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوئے اور ملک کی معیشت کا بڑا خسارہ ہوا۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- سولہویں اور سترہویں صدی میں یورپی تجارتی کمپنیوں کی سرگرمیوں سے واقف ہوں گے۔
- یہ جان سکیں گے کہ 1757 سے قبل اور بعد میں ہندوستانی تجارت کیسی تھی۔
- 1813 کے ایکٹ کے ہندوستانی تجارت پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔
- آآزاد تجارت کے عہد سے ہندوستانی تجارت کے ڈھانچے میں کیا تبدیلیاں واقع ہوئیں۔
- 1833 کے ایکٹ کی روسے کس طرح کمپنی کی تجارت یکسر ختم کر دی گئی۔

8.2 سولہویں اور سترہویں صدی میں یوروپی تجارتی کمپنیاں

(European Trading Companies during the Sixteenth and Seventeenth Centuries)

یوروپی ممالک سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات زمانہ قدیم سے ہیں۔ عہد وسطیٰ میں یورپ اور ہندوستان کے درمیان تجارت کئی راستوں سے ہوتی تھی۔ ایشیائی ممالک سے ہونے والی تجارت عرب تاجروں اور جہازرانوں کا غلبہ تھا۔ بحیرۂ روم اور یوروپی تجارت پر اطاویوں کا غلبہ تھا۔ ایشیائی ممالک سے گزرنے والی تجارتی اشیائی ممالک سے گزرتی تھی پھر بھی تجارت منافع بخش تھی۔ 1453 میں جب سلطنت

عثمانیہ نے جب ایشیائے کوچک کو فتح کر لیا اور قسطنطنیہ پر قبضہ جمالیا تو مشرق اور مغرب کے درمیان کے تجارتی راستے ترکوں کے کنٹرول میں آگئے۔اس کے علاوہ یورپ اور ایشیا کی تجارت پر وینس اور جینوا کے تاجروں کا قبضہ تھا اور وہ مغربی یورپی کی نئی اقوام خاص کر اسپین اور پرتگال کو ان پرانے تجارتی راسطوں سے ہونے والی تجارت میں حصہ دار نہیں بنانا چاہتے تھے اور انڈونیشیا کے مسالوں کے جزیرہ نما (Spice Island) کے لیے نئے اور زیادہ محفوظ سمندری راستوں کی تلاش کرنے لگے۔ مسالوں کے جزیرہ نما کو اس وقت ایسٹ انڈیز کے نام سے جانا جاتا تھا۔ان کی خواہش تجارت پر عربوں اور وینس کے باشندوں کی بالاتری کو ختم کرنا۔ترکوں سے عداوت مول لینے سے بچنا اور مشرق کے ساتھ براہ راست تجارتی تعلقات قائم کرنا تھا۔چونکہ پندرہویں صدی میں جہاز بنانے اور سمندری نقل و حمل میں بہت ترقی ہوئی تھی،اس لیے وہ یہ کام کرنے مین دسترس رکھتے تھے۔اس کے علاوہ نشاۃ ثانیہ نے مغربی یورپ کے لوگوں میں بے جاویری کے کام کرنے کا بہت زیادہ جذبہ پیدا کر دیا تھا۔

اس سلسلے میں پہلا قدم پرتگال اور اسپین نے اٹھایا۔ان ممالک کے جہازرانوں ے اپنی اپنی حکومتوں کے تعاون سے اور ان کے حکم پر جغرافیائی کھوج کا ایک اہم عہد شروع کیا۔ 1494 میں اسپین کے کولمبس نے امریکی کی دریافت کی اور 1498 میں پرتگال کے واسکودی گامانے یورپ سے ہندوستان تک کے ایک نئے سمندری راستے کی دریافت کی۔اس سفر میں اسے اپے مال کی قیمت کا ساٹھ گنا منافع ہوا۔ان سمندری راستوں کی دریافت نے تاریخ عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ سترہویں اور اٹھارویں صدی میں عالمی تجارت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔یورپ اور ایشیا کے تعلقات پورے طرح سے بدل گئے۔

سولہویں صدی میں ہی یورپ کے تاجروں اور فوجیوں نے ایشیائی ممالک میں داخل ہوے اور پھر ان پر قبضہ جمانے کا لمبا سلسلہ شروع کیا۔ بے حد منافع دینے والی مشرق کی تجارت پر لگ بھگ ایک صدی تک پرتگال کا غلبہ رہا۔ہندوستان میں بھی پرتگالیوں نے کوچین، گوا، دمن اور دیو میں اپنے تجارتی مراکز کھولے۔پرتگالیوں نے ابتدا سے ہی تجارت کے ساتھ ساتھ اپنی قوت کا بھی مظاہرہ کیا۔اس کام میں انہیں سمندر پر حکومت کرنے والے اپے ہتھیار بند جہازوں کی برتری سے بھی مدد ملی۔ حالاں کہ بری علاقوں میں ہندوستان اور ایشیا کی فوجی طاقت بہت زیادہ تھی۔ مگر ان کے مقابلے مٹھی بھر پرتگالی اور جہازی سمندر میں اپنی موجودگی بنائے رکھنے میں کامیاب رہے۔ مغلں کی جہاز رانی کے لیے خطرہ پیدا کر کے وہ مغل شہنشاہوں سے بھی کئی تجارتی سہولیات حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ خلیج فارس میں واقع ہرمز سے لے کر ملایا میں واقع ملاکاتک اور انڈونیشیا کے مسالوں کے جزائر تک ایشیا کے پورے ساحل سمندر پر پرتگالیوں نے قبضہ جمار کھا تھا۔انھوں نے ہندوستان کے ساحل علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔اپنی تجارت کو توسیع دینے اور اپنا دائرہ اثر بڑھانے کے لیے اپنے یوروپی حریفوں سے لگاتار نبرد آزمارہے۔بحری قزاقی میں بھی وہ پیچھے نہیں رہتے تھے۔کھلے سمندر پر ان کی حکومت چلتی تھی۔چونکہ جنوبی ہندوستانی مغل شہنشاہیت کے تحت نہیں تھا اس لیے مغلوں کی طاقت کا انہیں سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔سولہویں صدی کے نصف اول میں برطانیہ اور ہالینڈ اور بعد میں فرانس ابھرتی ہوئی تجارت اور حریف طاقتیں تھیں۔انھوں نے عالمی تجارت میں اسپینی اور پرتگالی اجارہ داری کے خلاف سخت جدوجہد شروع کر دی۔اس جدوجہد میں اسپین اور پرگال کی بار ہوئی۔اب انگریز اور ڈچ تاجر راس امید (Cape of Goal Hope) ہو کر ہندوستان جانے والے

راستے کا استعمال کرنے لگے اور مشرق میں اپنا سامراج قائم کرنے کی دوڑ میں شامل ہو گئے۔ آخر میں انڈونیشیا ڈچوں کا اور ہندوستان، شری لنکا اور ملایا پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ سترہویں صدی کے آغاز میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام عمل میں آیا۔ ڈچوں کی خاص دلچسپی ہندوستان میں نہیں بلکہ انڈونیشیا کے جاوا، ساترا اور مسالوں کے جزائر جیسے جزیرہ نما میں تھی جہاں مسالے خوب پیدا ہوتے تھے۔ جلد ہی انھوں نے اس علاقے سے پرتگالیوں کو کھدیڑ دیا اور 1623 میں ان علاقوں پر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہے انگریزوں کو ہرا دیا۔ انھوں نے مغربی ہندوستان میں گجرات کے سورت، بھڑوچ، کیمبے اور احمد آباد، کیرل کے کوچین، مدراس کے ناگاپٹنم، آندھرا کے مسولی پٹم، بنگال کے جنسورا، بہار کے پٹنہ اور اتر پردیش کے آگرہ شہروں میں بھی تجارتی مراکز قائم کیے۔ 1658 میں انھوں نے پرتگالیوں سے شری لنکا بھی حاصل کر لیا۔

8.3 ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام اور اس کی تجارتی سرگرمیاں

(Establishment and the Mercantile Activities of the East India Company)

ایشیائی تجارت پر انگریز تاجروں کی بھی لالچ بھری نگاہ جمی ہوئی تھی۔ پرتگالیوں کی کامیابی، مسالے، ململ، ریشم، سونے، موتیوں، دواؤں، پورسلین اور آبنوس کے بھرے ان کے جہازوں اور ان سے بہت زیادہ حاصل ہوئے منافعوں نے انگریز تاجروں کی آنکھیں چکاچوندھ کر دی تھیں اور وہ ان منافع والے کاروبار میں شامل ہونے کے لیے بے چین ہو گئے۔ 1599 میں مرچینٹ اڈونچیرس کے نام سے معروف کچھ تاجروں نے مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کی۔ اس کمپنی کو ایسٹ انڈیا کمپنی کہا گیا۔ 31 دسمبر 1600 کو ملکہ الزابتھ نے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ اسے تجارت کرنے کا اختیار دے دیا۔ 1608 میں اس کمپنی نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر سورت مین ایک فیکٹری کھولنے کا ارادہ کیا۔ کمپنی نے کیپٹن ہاکنس کو مغل حکمراں جہانگیر کے دربار میں شاہی حکم نامہ حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ اس کے نتیجے میں شاہی فرمان کے ذریعہ مغربی ساحل سمندر پر متعدد مقامات پر کمپنی کو فیکٹریاں کھولنے کی اجازت مل گئی۔ مگر اس چھوٹ سے انگریز مطمئن نہیں تھے۔ 1615 میں ان کا سفیر سر تھامس رو مغل دربار پہنچا۔ اسے مغل حکومت کے سبھی حصوں میں تجارت کرنے اور فیکٹریاں کھولنے کا اختیار دینے والا ایک شاہی فرمان حاصل کرنے میں کامیابی مل گئی۔ 1622 میں شہنشاہ چارلس دوم نے پرتگالی شہزادی سے شادی کی تو پرتگالیوں نے اسے بمبئی کا جزیرہ جہیز میں دے دیا۔ بالآخر گوا، دیو اور دمن کو چھوڑ کر پرتگالیوں کے ہاتھ سے ہندوستان میں ان کے مقبوضہ سارے علاقے نکل گئے۔ انڈونیشیا کے جزائر سے ہو رہی مسالوں کی تجارت میں حصہ داری کو لے کر انگریز کمپنی کی ڈچ کمپنی سے ٹھن گئی۔ ان دو حریف طاقتوں کے بیچ رہ رہ کر ہونے والی لڑائی کا آغاز 1654 میں ہوا اور اس کا خاتمہ 1667 میں تب ہوا جب انگریزوں نے انڈونیشیا پر سارے دعوے چھوڑ دیے اور بدلے میں ڈچوں نے ہندوستان کی انگریز نوآبادیات کو نہ چھونے کا وعدہ کیا۔

8.4 1757 سے قبل ہندوستانی صنعت و تجارت (Indian Trade and Industry before 1757)

ابتدا میں انگریز ایک تاجر کی حیثیت سے ہی ہندوستان آئے۔ ان کا خاص مقصد ہندوستانی تجارت سے منافع کمانا تھا۔ اسی مقصد سے کیپٹن ہاکنس ہندوستان آیا۔ 1617 میں مغل بادشاہ جہانگیر نے انگریزوں کو سورت میں اپنا تجارتی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ بعد

میں جیمس اول کے سفیر کے طور پر سر تھامس رو نے مغل بادشاہ سے انگریزوں کے لیے مزید تجارتی مراعات حاصل کیں۔ انہیں ہندوستان میں آزادانہ تجارت کرنے اور فیکٹری قائم کرنے کا اختیار ملا۔ شاہ جہاں نے انہیں بنگال میں 1650 میں بغیر جنگی ادا کیے تجارت کرنے کا اختیار دے دیا۔ ان تجارتی سہولیات کا فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے اپنی تجارت میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ کمپنی برون ممالک سے تیار سامان یا قیمتی دھات ہندوستان لے آتی تھی اور اس کے بدلے یہاں سے کپڑے (ڈھاکہ کا ململ، مرشدآباد کا ریشمی اور اونی شال، کشمیر کے غالیچے اور بنارس کی زری)، مسالے، ہاتھی دانت کے سامان وغیرہ جن کی بیرون ملک زیادہ مانگ تھی، لے جاکر بیچتی تھی۔ ہندوستانی اشیاء کی بیرون فروخت سے بہت زیادہ منافع ہوتا تھا۔ زیادہ منافع حاصل کرنے کے مقصد سے انگریزوں نے دو کام کیے۔ اول یورپ میں ہندوستانی اشیا کے لیے بازار تیار کیے اور ان میں اضافہ کیا، دوم ہندوستانی صنعتوں کی ترقی میں آسانیاں فراہم کیں۔ ہندوستان میں یورپی کمپنیاں، ہندوستانی اشیاء کی پیداوار کرنے والوں کو دادنی (پیشگی) رقم دے کر مال تیار کرواتی تھیں اور انہیں خرید کر فیکٹریوں میں اکٹھا کر کے بیرون ملک بھیج دیتی تھیں۔ کمپنی کی اس پالیسی سے ہندوستان خوش حالی ہو رہا تھا۔ اس طرح ایک 'غیر متوازن' تجارت ہو رہی تھی۔ اس کے نتیجے میں ہندوستان کی دولت اور معیشت میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ ٹھیک اسی طرح کی حالت تھی جب بیرونی تجارت کی وجہ سے روم کا بیشتر سونا ہندوستان آنے لگا۔ ایک دانشور کے مطابق '1708 اور 1757 کے درمیان ہندوستان نے صرف برطانیہ سے ہی 2 کروڑ 20 لاکھ کا سونا حاصل کیا۔' نتیجتاً ہندوستانی حکمرانوں نے یوروپی کمپنیوں کی تجارت پر کوئی پابندی عاید نہیں کی بلکہ انہیں تحفظ عطا کیا اور سہولیات فراہم کیں۔

8.5 کمپنی کی پالیسی میں تبدیلی اور برطانوی صنعتوں کو تحفظ

(Change in Company's Policy and Protection of British Industries)

حالانکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستانی تجارت سے منافع حاصل ہو رہا تھا پھر بھی دھیرے دھیرے ان کے اندر اپنے کپڑے کی صنعت کی گرتی حالت کا احساس بڑھ رہا تھا۔ ہندوستانی صنعتوں نے انگریزوں کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا تھا۔ برطانیہ میں ہندوستانی کپڑوں کا فیشن عام ہو گیا تھا۔ فیشن اور لباس کے طور میں نمایاں تبدیلی ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے سوتی کپڑوں کی مانگ وہاں اچانک بڑھ گئی۔ برطانیہ کے لوگوں میں صدیوں سے رائج کھردرے اور اونی لباس کی جگہ ہلکے سوتی لباس کے شوق میں اضافہ ہوا۔ عورتوں میں ہندوستانی چھینٹ اور سفید سوتی کپڑوں کا رجحان بڑھا۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل کے ایک مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ کی عورتوں میں سفید سوتی کپڑے جو چھاپے ہوئے اور جابجا رنگے ہوئے تھے، کے لیے دیوانگی بڑھ گئی۔ کپڑا جس قدر تڑک بھڑک والا ہوتا تھا، وہ اتنا ہی زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ اس سے قبل ہندوستانی موٹے کپڑے برطانیہ میں درآمد ہوتے تھے لیکن وہ پہننے کے استعمال میں نہیں آتے تھے۔ 1670 میں اچانک سوتی کپڑوں کی مانگ میں اضافہ ہوا۔ اس حالت کا تذکرہ ڈیفو (Defoe) نے اپنے مشہور ناول میں *Robinson Crusoe* میں اس طرح کیا ہے:

'ہندوستانی کپڑے ہمارے گھروں، الماریوں اور خواب گاہوں میں گھس گئے ہیں۔ پردے، گدے، کرسیاں اور آخر میں بستر کی شکل میں اور کچھ نہیں بلکہ کیلیکو یا ہندوستانی سامان ہیں۔ ہندوستانی کپڑوں کی بڑھتی ہوئی مانگوں کے پیش نظر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان سے سوتی کپڑوں کی کثیر مقدار برطانیہ بھیجنی شروع کی۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ ڈائرکٹروں نے ہندوستان میں ان کی خریداری کا آرڈر بھیج دیا۔ ان کپڑوں سے

بڑھتی رغبت کی بناپر برطانیہ نے 1684 میں ان پر درآمد ٹیکس معاف کردیا۔ ٹیکس کی اس معافی سے ان کی مانگ میں اور اضافہ ہوا۔ 1698 میں جب فرانس سے درآمد ممنوع کردی گئی تو کمپنی کی ان تمام اشیامیں جو ہندوستان سے برطانیہ درآمد ہوتی تھیں، ہندوستانی چھینٹ، سب سے بڑی درآمد ہوگئی۔ یہاں پر یہ ذکر کرنانامناسب نہیں ہوگا کہ 1600 میں کمپنی کا قیام اس غرض سے ہوا تھا کہ سیاہ مرچ کی تجارت میں ڈچوں کامقابلہ کرے۔ عرصہ دراز تک سیاہ مرچ اور دوسرے مسالے ہی وہ خاص اشیاءہیں جو برطانیہ کو بھیجی جاتی تھیں۔اس کے بعد کمپنی کی فہرست میں شورہ، نیل اور سیاہ مرچ برآمدات کی خاص اشیامیں شامل تھیں۔اب ان اشیاءایک گوشے میں ڈال کر کپڑے کی برآمد پر زور دیا گیا۔'اس حالت نے برطانیہ کے کپڑے کی صنعت میں بے روزگاری کے مسائل پیدا کردیے۔ کپڑے کی صنعت دم توڑنے لگی۔اب برطانیہ کے کپڑے کے صنعتکاروں نے اس حالت کو ختم کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔انگریزی حکومت کو مجبوراًتحفظ کی پالیسی اپنانی پڑی۔ 1700 میں وہاں کی حکومت نے قانون بناکر برطانیہ میں 15 فیصد ٹیکس عاید کردیا۔ یہ پابندی صرف رنگین اور چھپائی والے کپڑوں پر ہی تھی۔ سفید کپڑے قبل کی طرح ہی استعمال میں رہے۔ مجبور ہوکر سرکار نے 1720 میں سوتے لباس پہننے والوں اور ان کے فروخت کرنے والوں کے لیے 5اور20 پاؤنڈ جرمانے کا نظم کیا۔اب انگریزوں نے ہندوستان سے تیار مال منگوانے کے بجائے ہندوستانی خام مال کی مدد سے اپنی صنعتوں کو ترقی دینے کے لیے اور ہندستانی صنعتوں کو برباد کرنے کی پالیسی اپنائی۔ بنگال میں اقتدار کی منتقلی کے بعد کمپنی کی معاشی پالیسی میں اہم تبدیلیاں عمل میں آئیں۔

ہندوستان میں تجارت کی نوعیت میں تبدیلی کی وجہ سے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی مخالفت شروع ہوئی۔اس مخالفت کی وجہ سے دوطرفہ حملہ ہوا: اول تواصول تجارت کے ان حامیوں کی جانب سے جو ہر ایک چیز میں نفع ڈھونڈنے کے عادی تھے، دوسرے اون اور ریشم سے کپڑا تیار کرنے والے صناعوں کی جانب سے۔اول الذکر کا حملہ اس لیے تھا کہ ان کے خیال میں اس تجارت کے نتیجے میں برطانیہ کا خزانہ ہندوستان برآمد ہوجاتاہے اور سونااور چاندی دے کر ملک کو ہندوستانی ململ اور تنزیب کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔اس وقت کے دانشور، ہندوستانی اشیاء کے بائیکاٹ کے حق میں تھے۔ فرانسیسی وزیر کولبرٹ(Colbert) کے خیال میں 'اگر یوروپی ممالک اس بات پر متفق ہوجائیں کہ ہندوستان کی اشیاء کا کوئی معاملہ نہ کریں تو دنیا کے اس طرف کے ممالک خزانے کے ایک بڑے اور مسلسل خرچ سے محفوظ ہوجائیں گے۔' ہندوستان سے کمپنی کی تجارت پر دوسرا حملہ اس بنیاد پر تھا کہ سوتی کپڑوں کی درآمد نے اون اور بنے ہوئے ریشم کی صنعتوں کو برباد کردیا تھا جس سے بنکروں میں بے روزگاری اور پریشانی پیدا ہوگئی۔اس بے روزگاری اور پریشانی کی بھیانک تصویر پیش کی گئی۔ مخالفین نے ہندوستان سے درآمد پر پابندی لگانے کے معاملے کو ایک قومی مسئلہ بنادیا۔ایسا بیان کیا گیا کہ سترہویں صدی کے آخر میں 'کپڑا بننے کی تجارت میں کام کرنے والوں کی آدھی تعداد کینٹر بری سے لندن اور لندن سے نارو چ تک روئی کی تلاش میں دوڑ رہی تھی۔'اس حالت کے خلاف جم کر مظاہرے ہوئے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی نے ان بنکروں، نمونہ بنانے والوں اور کاریگروں کو واپس بلالیا جن کو برطانیہ سے ہندوستان میں انگریزوں کے ذوق کے بارے میں ہندوستانی بنکروں کو مشورہ دینے اور اس بات پر راغب کرنے کے لیے کہ یورپ میں جس نمونہ کے کپڑوں کی بہت مانگ ہے اس طرح کے کپڑے تیار کیے جائیں، بھیجا گیا تھا۔ قوم کے مزاج میں ابال کو دیکھتے ہوئے سوتی کپڑوں کی درآمد پر روک یا مکمل پابندی کو بہت

دنوں تک نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔

8.6 1757 کے بعد کمپنی کی تجارت (Company's Trade after 1757)

مشہور اسکالر آر پی دت نے اپنی کتاب 'انڈیا ٹوڈے' میں برطانوی سامراجی معاشی پالیسی کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

- تجارتی دور (Mercantilist Phase, 1757–1813)
- کلاسیکی دور (Classical Age, 1813–1858)
- مالیاتی سامراج وار کا دور (Finance Imperialism)

1858 کے بعد دور اس دورانیے میں انگریزی معاشی پالیسیاں بطور خاص کمپنی تجارتی اجارہ داری، آزادت تجارت اور ہندوستان میں برطانیہ کے کنٹرول والی صنعتوں کے قیام سے متعلق رہیں۔ گو کہ آر پی دت کی اس تقسیم کی کوئی منطقی بنیاد نہیں ہے تاہم اس سے ہندوستان میں انگریزی معاشی پالیسیوں کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ ہندوستان کا معاشی استحصال: پلاسی کی جنگ کے بعد کمپنی کی معاشی تبدیلیوں میں اہم تبدیلیاں آئیں۔ بنگال میں سیاسی اقتدار کے حصول نے کمپنی کو ہندوستان کا معاشی استحصال کرنے اور اپنے سامراج کی وسعت کے لیے وافر مقدار میں دولت اکٹھا کر دی۔ اس جنگ میں ختم حاصل کرنے کے بعد فرانسیسیوں سے تجارتی اور سیاسی کشمکش بھی ختم ہو گئی۔ اب کمپنی نے بنگال اور ہندوستان کی تجارت پر بالادستی حاصل کرنے کا تہیہ کیا۔ جلد ہی تجارت پر ان کی فوقیت قائم ہو گئی۔ اس کا سب سے خراب اثر بنگال کے بنکروں پر پڑا۔ انہیں اپنا مال کم قیمت پر کمپنی کو بیچنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ انہیں دیسی صنعت کاروں اور تاجروں کے یہاں کام کرنے سے روک دیا گیا۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ اتنا ہی نہیں کمپنی نے کپاس کی فروخت پر بھی اجارہ قائم کر لیا۔ ایک طرف برطانوی حکومت انگریزی کپڑے کی صنعت کے تحفظ کے لیے برطانیہ میں درآمد ہندوستانی زیادہ ٹیکس عاید کر کے اپنی صنعتوں کو تحفظ فراہم کر رہی تھی تو دوسری طرف کمپنی کے اہلکار نجی تجارت کے ذریعہ بنگال کی کپڑے کی صنعت کو ختم کرنے اور اس کی جگہ اپنے یہاں کے بنے ہوئے ملبوسات کو ہندوستان میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ ایک سکوس اور سنگین حالت تھی۔ بنگال کے نواب بے بس ہو کر ان سارے واقعات کو دیکھ رہے تھے مگر اس کے سد باب کے لیے ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

یورپ میں ایک طرف درآمد پر پابندی اور دوسری طرف برطانیہ میں صنعت کی نشو و نما کے زیر اثر ہندوستان کے سوتی کپڑوں کی تجارت اٹھارہویں صدی کے وسط سے زوال آمادہ ہو گئی۔ لیکن پھر بھی 1750 کے بعد بھی یہ اشیا یورپ میں درآمد ہوتی رہیں۔ پلاسی کی جنگ کے بعد 1760 میں صرف برطانیہ کو جو مال بھیجا گیا اس میں 9881709 تھان سفید چھینٹ اور 51108 بنگال کا تیار کردہ ریشم اور 212910 تھا۔ نقش و نگار والی چھینٹ اور 665 سوسی کے تھان تھے۔ دوسرے سال جو ہندوستان سے بھیجے گئے وہ یہ تھے:

سیاہ مرچ	3133884	پونڈ
قہوہ	180	پونڈ

اون	75543	پونڈ
شورہ	37780	پونڈ

ہندوستان کی صنعت اور تجارت نے اس وقت تک دم نہیں توڑا جب تک نئے حکمرانوں کی حکومت مضبوطی سے قائم نہ ہو گئی اور ان حکمرانوں نے سیاسی طاقتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ہندوستان کے محکوم رعایا کے فن اور کاریگروں کا گلا گھونٹ نہیں دیا۔ انیسویں صدی کے پہلے عشرے تک وہ برابر مقابلہ پڑ دئی رہی۔ 1820 کے بعد ان اشیا کی بیرونی مانگ میں کمی آئی جس کا بیرونی تجارت پر منفی اثر پڑا۔ ہندوستان کے سوتی کپڑوں کی برآمد 96-1795 سے لے کر 30-1822 کے درمیان بہت زیادہ کم ہو گئی۔ انیسویں صدی کی پہلی ہائی میں مروجہ درآمدی ٹیکسوں کے عاید کرنے اور سوتی کپڑوں کی تیاری میں اسٹیم انجنوں اور مشنری کے استعمال سے اخراجات میں کمی ہونے کے باوجود برطانیہ اس قابل نہیں بن پایا کہ وہ ہندوستانی اشیاء کا مقابلہ کر سکے۔ اس طرح کی پیداوار میں برطانیہ کی اشیاء کی قیمت ہندوستانی اشیا کے مقابلے میں پچاس فیصدی کی ہوتی تھی۔ پھر بھی اپنے سامانوں کے لیے موافق فضا پیدا کرنے کے لیے برطانیہ نے اپنی سیاسی طاقت کا استعمال کیا اور شکست خوردی حریف کی تیار شدہ اشیاء کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہندوستان کی درآمد شدہ اشیاء پر بہت بھاری ٹیکس عاید کیے گئے۔ سفید سادہ چھینٹ، سوت سے تیار شدہ سامان خواہ مکمل سوت ہی تیار ہوئے ہوں یا جزوی طور پر، ستلی، پائی، چٹائی اور بوریا پر بہت زیادہ ٹیکس عاید کیے گئے۔ ریشمی سامان، چمکدار ریشمی کپڑا، دوسرے سادہ یا نقش و نگار والے کپڑ گھر کے استعمال کے لیے ممنوع قرار دیے گئے۔ اسی طرح شکر اور نیل پر بھی زیادہ ٹیکس عاید کیے گئے۔ برطانیہ کی اشیاء کی حفاظت کے طور پر ہندوستانی اشیاء پر عاید ٹیکس کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے ولسن کا خیال ہے کہ 'یہ ضروری ہو گیا کہ برطانوی کاریگروں کی حفاظت یا تو مال کی قیمت پر 70 سے 30 فیصد ٹیکس عاید کر کے یا مثبت طور پر مال کا داخلہ بند کیا جائے۔' آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ 'اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو پسلے اور مانچسٹر کی ملیں شروع ہی میں بند ہو گئی ہوتیں اور دخانی طاقت کے باوجود مشکل سے پھر جاری ہو سکتیں۔ ان کا وجود ہندوستان کے کاریگروں کو قربان کر کے ہوا۔ اگر ہندوستان آزاد ہوتا تو وہ اس کا جواب دیتا، برطانیہ کے مال پر ناقابل برداشت ٹیکس لگاتا اور اپنی صنعت کو ختم ہونے سے بچا لیتا۔ اس کو اپنی مدافعت کی اجازت نہ تھی۔ وہ اجنبیوں کے رحم و کرم پر تھا۔ برطانیہ کا مال زبردستی اس پر بلا کسی ٹیکس کے لاد دیا گیا اور بیرونی مال تیار کرنے والوں نے سیاسی ناانصافی کا بازو ایک ایسے مقابل کو نیچے گرانے اور آخر کار گلا گھونٹ دینے کے لیے استعمال کیا جسے وہ برابری کے مقابلے میں ہرا نہیں سکتے تھے۔'

برطانیہ کا تیار شدہ مال ہندوستان بھیجا جاتا تھا۔ اس میں 1813 کے بعد بے تحاشہ اضافہ اس وقت ہوا جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی اجارہ داری ختم کر دی گئی اور ہندوستان کی تجارت سبھی کے لیے کھول دی گئی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ برطانوی مال کی قیمت گر گئی تھی بلکہ اس کی زیادہ تر وجہ برطانیہ کی تجارتی پالیسی اور ہندوستان پر اس کا سیاسی اقتدار تھا۔ کمپنی نے اس ترکیب سے چیزوں کی قیمتیں رکھیں رکھیں کہ کاریگر تباہ ہو جائے۔ اس نے بنکروں پر ستم ڈھایا اور ایسی پالیسی اختیار کی جس سے بنگال کی سوتی صنعت تہہ و بالا ہو گئی۔ کمپنی کے ایک معترض کا خیال ہے کہ 'ملک کے اندر کی کل تجارت جس ڈھنگ پر سر دست چلائی جا رہی ہے اور اس سے بھی زیادہ جس عجیب انداز میں ملک کا سرمایہ یورپ میں لگایا جا رہا ہے وہ ظلم کا ایک نہ منقطع ہونے والا سلسلہ ہے جس کے مضر اثرات کو ملک کا ہر جولاہا اور ہر کاریگر محسوس کر رہا ہے کیوں کہ ہر چیز

جو تیار ہوتی ہے اس پر اجارہ داری ہے جس میں انگریز بنیے اور کالے گماشتے مل کر من مانے طور پر طے کرتے ہیں کہ کتنی مقدار میں ہر کاریگر پر چیز دے اور اس کی اسے کیا قیمت ملے۔'ہندوستان کا مال خریدنے اور ہندوستان میں کمپنی کو سرمایہ مہیا کرنے کا انتظام کچھ اس طرح کیا گیا تھا کہ اس کا نتیجہ ظلم اور ''غریبوں کا حق مارنے'' کے طور پر سامنے آیا۔ کمپنی کے گماشتے مقررہ وقت پر گاؤں میں جاتے تھے۔ان کو من مانے طور پر تھوڑی بہت رقم دیتے اور معاہدے پر زبردستی دستخط کرا لیتے۔اگر کوئی بنکر اس رقم کو لینے سے انکار کرتا تو اس کو ہاتھ، پیر اور کمر سے باندھ دیا جاتا تھا اور کوڑے لگانے کے بعد ہی چھوڑا جاتا تھا۔کچھ بنکروں کے نام کمپنی نے رجسٹر میں زبردستی لکھ لیے گئے تھے۔ان کو کسی دوسرے کے یہاں کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔کسی نے اپنا مال از خود بیچنا چاہا تو اسے گرفتار کر لیا جاتا تھا۔لوہے کی ہتھ کڑیاں اور بیڑیاں پہنا دی جاتی تھیں۔ اس طرح ظلم اور لقدی کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔

بنگال میں سیاسی اقتدار سنبھالنے کے بعد کمپنی ملک کی تجارتی کارروائیوں پر بھی کنٹرول کرنے لگی۔ہندوستانی اور بیرونی تاجروں کے مال واسباب پر زیادہ ٹیکس عاید کر کے نیز زیادہ اہم اشیا پر تجارتی اجارہ داری قائم کر کے انہیں باقاعدہ طور پر باہر نکال دیا۔کلائیو کے زمانے میں تقریباً تمام اندرونی تجارت پر کمپنی اور اس کے ملازمین کی اجارہ داری تھی۔اندرونی ملک کی اس تجارت سے کمپنی کے بد کردار ملازمین میں کثیر دولت جمع کر لی۔اس قسم کی تجارت میں ہندوستانی تاجروں کا بہت زیادہ خسارہ ہوا۔اس تجارت میں اشیاء تیار کرنے والے اور اسے استعمال کرنے والے دونوں گھائے میں رہے کیوں کہ اشیاء کرنے والوں کو اپنا مال سستے میں فروخت کرنا پڑتا تھا اور استعمال کرنے والوں کو گراں خرید ہونا پڑتا تھا۔1770 کا بنگال کا قحط تجارت میں ان ہی اجارہ داریوں کے سلسلے کی کارروائیوں کا نتیجہ تھا۔انگریزوں نے کل چاول خرید کر اور پھر اس کو بیچنے سے انکار کر کے مصنوعی قحط کا ماحول تیار کیا۔دوسرے طریقوں سے بھی کمپنی نے اپنے رقیب تاجروں کو تجارت سے باہر کیا۔اکثر دیکھنے میں آیا کہ نجی تاجروں کی چیزیں اس اجارہ داری کے نتیجہ میں عام سڑک پر روک دی جاتی تھیں۔ان کو کرایہ وصول کرنے والے گوداموں تک لے جایا جاتا تھا۔ان اشیاء کے تاجروں کو ان کے مرضی کے خلاف ان کے سامان ایسے جہازوں میں لادنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا جن کی کارکردگی اچھی نہیں ہوتی تھی۔ان کے سامان راستے کے باہر اور نامانوس جگہوں پر چھوڑ دیے جاتے تھے جس سے ان کا نقصان تو ہوتا ہی تھا کبھی کبھی وہ ضائع بھی ہو جاتے تھے۔بنگال میں اقتدار حاسل کرنے کے بعد انگریزوں نے تجارتی اشیاء کے نقل وحمل کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔اس قسم کے محاصل عاید کرنے کے دو اہم مقاصد تھے اول یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے رقیبوں کو اندرونی تجارت سے باہر نکال دیا جائے،دوسرے کمپنی کے خزانے میں کارآمد اضافہ ہو۔اس رقم کے ایک جزسے برطانیہ بھیجنے کے لیے ہندوستانی سامان خریدے جاتے تھے۔ ان محاصل عبور میں اٹھارہویں صدی کے آخر میں کمی کی گئی اور بعد ازاں 1838 میں اسے قطعی طور پر ختم کر دیا گیا۔

8.7 1813 کا ایکٹ اور اس کے اثرات (The Act of 1813 and Its Impact)

مخالف حالات کے باوجود انیسویں صدی کے ابتدائی مرحلے تک بنگال کی گھریلو صنعت پوری طرح سے برباد نہیں ہو پائی تھی، لیکن 1813 کے چارٹر ایکٹ برطانیہ کی معاشی پالیسیوں اور ہندوستانی معیشت میں بڑی تبدیلی لائی۔اس کے پیچھے بہت سے عوامل کارفرما تھے۔بین

چندر کے مطابق برطانیہ کے صنعتی انقلاب نے برطانیہ کی معیشت اور ہندوستان کے ساتھ اس کے معاشی رشتوں کو پوری طرح تبدیل کر دیا۔ دراصل اس وقت کمپنی کی معاشی پالیسی برطانیہ میں رائج نظریات اور انگریزی معاشی مفادات سے متاثر تھی۔ برطانیہ کی صنعتی ترقی، صنعتی سرمایہ داروں اور پیداوار کرنے والے طبقہ کے عروج نے کمپنی کو اس بات کے لیے مجبور کیا کہ وہ اپنی معاشی پالیسیوں میں تبدیلی لائے۔ ان کی دلچسپی ہندوستان سے برآمد اشیاء میں نہیں تھی بلکہ وہ اپنے یہاں تیار کیے گئے سامانوں کو بیچنے کے لیے بازار کے خواہش مند تھے۔ وہ اپنی صنعتوں کے لیے خام مال چاہتے تھے۔ اس کے نتیجے میں انھوں نے سرکار پر دباؤ ڈال کر ہندوستانی تجارت پر کمپنی کی اجارہ داری کو ختم کروا دیا اور آزاد تجارت (Free Trade) کی پالیسی اپنانے کو مجبور کیا۔ آزاد تجارت کی پالیسی کے نتیجے ہندوستانی صنعتوں کے لیے مہلک ثابت ہوئے۔ اب برطانیہ میں تیار شدہ سامان ہندوستان میں برائے نام ٹیکس کی ادائیگی پر آنے لگے۔ ان کی قیمت بھی بہت کم تھی۔ چوں کہ ان کو مشینوں کی مدد سے بڑے پیمانہ پر تیار کیا جاتا تھا اس لیے اس پر لاگت کم آتی تھی۔ اس کے برخلاف ہندوستانی کپڑوں کے بیرون ملک جانے پر بے تحاشہ ٹیکس عاید کیا گیا جس سے وہ بہت مہنگے ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں ان کی مانگ گھٹنے لگی۔ دوسری طرف ہندوستان سے خام مال برطانیہ بھیجنے کا نظم کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دست کاروں کو خام ملنا مشکل ہو گیا۔ ہندوستان سے کپاس، کچا ریشم، انیم، تیل، چائے اور اناج کی برآمد بڑے پیمانے پر شروع ہوئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ انیسویں صدی کے نصف اول تک 'زراعت پر منحصر ہندوستان کو برطانیہ کی معاشی نوآبادی بنا دیا گیا۔ 1813 کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی پالیسی برطانوی صنعتوں کے موافق بنائی اور نافذ کی گئی۔ اس کا خاص مقصد ہندوستان کو برطانیہ میں تیار مال کے صارف اور خام مال کے فراہم کرنے والے ملک کی شکل میں تبدیل کر دینا تھا۔'

1773 میں ہندوستان میں چارٹر ایکٹ کے نفاذ سے ہی اس امر کی گنجائش رکھی گئی تھی کہ ہر بیس سال میں پارلیامنٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں جانچ کر کے مالکان صنعت کو یہ موقع فراہم کر کے کہ برطانیہ کی جو تجارتی پالیسی مرتب کی جائے اس پر اثر ڈال سکیں۔ 1793 سے 1813 تک بیس سالوں کے درمیان برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان تجارت کی مقدار دو ملین پونڈ کی سالانہ اوسط قیمت کے حساب سے تھی۔ 1813 میں چارٹر کی تجدید کے وقت کمپنی کو اجارہ اری کے جو حقوق دیے گئے تھے ان پر سخت حملہ ہوا اور تجارت میں دی گئی ان مراعات کو واپس لینے کے مطالبہ نے زور پکڑ لیا۔ تجدید کے نتیجہ میں کمپنی اجارہ داری سے محروم ہو گئی اور تجارت میں برطانیہ میں بسنے والے تمام لوگوں کے لیے کھول دی گئی۔ بعد ازاں برطانیہ کے باشندوں کو ہندوستان کے اندر بسنے کی اجازت دے دی گئی اور برطانیہ کے سرمایہ داروں کو مستقل قیام اختیار کرنے اور صنعتوں اور کاشت کاری میں سرمایہ لگانے کی اجازت مل گئی۔ کمپنی کی اجارہ داری ختم ہونے کے بعد ہندوستان اور برطانیہ کے مابین تجارتی تعلقات میں ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ اجارہ ختم ہونے کے بعد ہندوستان میں برطانیہ کے مال کی برآمد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ 1814 میں 8.1 ملین پونڈ کی قیمت کی اشیاء درآمد کی گئی تھی جبکہ 1819 میں ایسے تیار شدہ برطانوی مال کی مقدار 5.4 ملین پونڈ کی قیمت کی ہو گئی۔ 1814 سے 1829 کے درمیان پندرہ سالوں کے اندر مقدار کے لحاظ سے برطانیہ نے جو مال ہندوستان کی برآمد کیا وہ بڑھ کر چوگنا ہو گیا۔ 1813 میں کمپنی کی جانب سے پورے وثوق سے یہ اعلان کیا گیا کہ اس کا امکان باقی نہیں رہا ہے کہ جو اشیا ہندوستان کے لوگوں کے استعمال کے لیے موزوں ہیں ان کی مقدار ہیں یا ان کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور اس طرح اس کا بھی امکان نہیں ہے کہ جو

چیز ہندوستان تبادلہ میں فراہم کر سکتا ہے ان کی مقدار یا ان کے تنوع میں اجافہ کیا جاسکے۔

8.8 ہندوستان کے تجارتی ڈھانچے میں تبدیلی (Change within the Structure of Indian Trade)

سلطنت کی توسیع اور کمپنی کی تجارت میں کمی کے ساتھ رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی۔ 1824 کے بعد کمپنی نے ہندوستان کو تجارتی مال بھیجنا بند کر دیا۔ ہندوستان کو مال بھیجنا بند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے بدلے میں برطانیہ بھیجنے کے لیے ہندوستان کی پیداوار یا مصنوعات کا حاصل کرنا مشکل تر ہوتا جارہا تھا۔ ہندوستان کی صنعتوں کا زوال ہو چکا تھا اور کمپنی صرف ہندوستان کا خام ریشم، کچھ ریشمی کپڑے شورہ اور نیل برطانیہ بھیجتی تھی۔ نیل کی خرید کلکتے میں کی جاتی تھی۔ خام ریشم اور شورہ خود کمپنی کے کارخانوں میں تیار کیا جاتا تھا اور ریشم کے تھان حاصل کرنے کے لیے بنکروں کے سربراہوں سے معاہدے کیے جاتے تھے۔ برطانیہ کو ہندوستانی شکر کی برآمد بھی رک چکی تھی۔ ہندوستان کے ساتھ کمپنی کی تجارت میں رفتہ رفتہ ہونے والی کمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1833 میں جارٹر کی تجدید کے وقت کمپنی کی تجارت بالکل ختم کر دی گئی۔

ہندوستان سے کمپنی کی تجارت کی کمی سے نجی تاجروں کو آگے بڑھنے کا موقع ملا جنھیں 1813 میں پہلی بار تجارت کی اجازت ملی تھی۔ 1813 کے بعد سولہ برسوں میں کمپنی کی سالانہ تجارت کا اوسط 18,82,718 پونڈ تھا اور نجی تجارت کا سالانہ اوسط 54,51,542 پونڈ تھا۔ نجی تجارت کمپنی کی تجارت کی تین گنی تھی۔ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے مالکوں کے مقابلے میں نجی تاجر ہندوستان سے تجارت کرنے کے زیادہ اہل ثابت ہوئے۔ لیکن نئے انتظام میں بھی ہندوستانی مصنوعات کو ختم کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ 1813 میں کلکتہ سے دو ملین پونڈ کی مالیت کا سوتی کپڑا لندن بھیجا گیا۔ 1830 میں اس کی مقدار بڑھ کر 40,00,000 پونڈ ہو گئی۔ اس کے علاوہ اونی کپڑا، تانبا، سیسہ، لوہا، شیشے کا سامان اور مٹی کے برتن بھی درآمد کیے جاتے تھے۔ کلکتہ میں درآمد ہونے والی برطانوی مصنوعات پر ڈھائی فیصد کا معمولی ٹیکس عاید کیا جاتا تھا جبکہ برطانیہ میں درآمد ہونے والی ہندوستانی مصنوعات کی قیمت پر 400 فیصد تک ٹیکس عاید کر کے درآمد میں رکاوٹ ڈالی جاتی تھی۔

برطانیہ مین درآمد ہونے والی مصنوعات پر غیر منصفانہ اور بھاری محصول کے خلاف لوگوں میں بے چینی پائی جاتی تھی۔ اس ناانصافی کے خلاف ہاؤس آف کامنز میں عرضداشتیں بھی پیش کی گئیں۔ ایسی ہی ایک عرضداشت شکر اور عرقیات پر لگنے والی ڈیوٹی کے خلاف پیش کی گئی تھی۔ اسپر چار سو انگریز اور ہندوستانی تاجروں کے دستخط تھے۔ سوتی اور ریشمی کپڑوں پر محصول کم کرنے کے لیے بھی درخواست دی گئی تھی مگر یہ درخواست مسترد کر دی گئی۔ اس غیر منصفانہ تجارتی پالیسی نے ہندوستان کی مصنوعات کو بہت زیادہ تباہ کیا۔ تیس سال کی مدت میں کلکتہ کے بندرگاہ سے جو مال باہر بھیجے گئے اس کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ یوروپی باغداد (Planters) کے پیدا کردہ نیل کی مقدار بڑھتی رہی۔ خام ریشم کی برآمد بحال رہی لیکن ریشمی کپڑے کی برآمد کم ہوتی گئی۔ روئی کی برآمد بھی کم ہو رہی تھی لیکن سوتی کپڑے کی صنعت میں بہت اضافہ ہوا تھا۔ 1801 سے 1804 کے درمیان ممانعت اور پابندی عاید کرنے والی ڈیوٹی کے باوجود کلکتہ سے ہر سال چھ ہزار سے پندرہ ہزار تک گانٹھیں برطانیہ درآمد کی جاتی تھیں۔ بعد میں یہ تعداد تیزی سے کم ہونے لگی۔ 1813 میں تجارت کا حق نجی تاجروں کو حاصل ہو گیا تو

1815 میں برطانیہ جانے والی گانٹھوں یک بیک اضافہ ہو گیا۔ لیکن یہ اضافہ بہت دنوں کے لیے نہیں ہوا۔ 1830 کے بعد سوتی کپڑا بنانا اور باہر بھیجنا کم ہوتا گیا اور ایک مرحلہ ایسا آیا کہ اس کے بعد اس میں اضافہ نہ ہو سکا۔ دنیا کے دوسرے ممالک بالخصوص امریکہ، ڈنمارک اسپین، پرتگال، ماریشس اور ایشیا کی دوسری منڈیوں کو جانے والے سوتی کپڑے کی مقدار میں کمی واقع ہونے لگی۔ یہی صورت حال خلیج عرب اور خلیج فارس کے ممالک کو بھیجی جانے گانٹھوں کے معاملے میں بھی رہی۔

تجارتی ڈھانچے میں تبدیلی کا یہ اثر ہوا کہ ہندوستان سے باہر ہندوستان کی تیار کردہ اشیا کا بازار ختم ہو گیا۔ دوسری طرف خود ہندوستان میں بیرونی ممالک کے اشیا کا سیلاب آگیا۔ ریشم، اونی کپڑے، دھات سے تیار شدہ اشیا ہندوستان میں درآمد ہوتی تھیں۔ باہر سے آنے والے مال سے مقابلے کی صورت میں ہندوستانی صنعت برباد ہو گئی اور مزدوروں کے سامنے بے روزگاری کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ہندوستان سے برآمد کی جانے والی اشیا میں روئی، فام ریشم، غذائی اشیا، افیون، نیل اور جوٹ شامل تھے۔ اس نے ملک کو زراعتی پیداوار میں بچت سے محروم کر دیا۔ اس کے نتیجے میں کچے مال کی قیمت بڑھ گئی اور آئندہ برسوں میں زراعتی پیداوار میں کمی آ گئی جس کے نتیجے میں سنگین قحط رونما ہوئے اور جس کا اثر تقریباً ایک سو سال تک رہا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں بیرونی تجارت، ہندوستانی معیشت کے استحصال اور غلامی کا ایک ذریعہ تھی۔

8.9 1833 کا چارٹر ایکٹ اور تجارت (The Charter Act of 1833 and Trade)

1813 کے چارٹر ایکٹ کی رو سے مشرق کی تجارت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری ختم کر دی گئی تھی۔ نجی تجارت کی اجازت ملنے کے بعد اس کا حجم بڑھنے لگا اور کمپنی کی تجارت کم ہونے لگی۔ 1833 میں چارٹر کی دوبارہ تجدید ہوئی۔ جب تجدید کا وقت قریب آیا تو کمپنی کی تجارت کو یکسر ختم کرنے کے سوالات اٹھنے لگے۔ برطانیہ کی رائے عامہ کا خیال تھا کہ برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان ہونے والی تجارت کو بالکل ہی ختم کر دیا جائے اور یہ تجارت کا حق نجی تاجروں کے سپرد کر دیا جائے کیوں کہ ان کا ماننا تھا کہ کمپنی کو تجارت پر دی گئی اجارہ داری ایک غیر منصفانہ فیصلہ ہے۔ اس کے لیے لندن اور برطانیہ کے دوسرے تجارتی مراکز کے تاجروں نے زیادہ سے زیادہ زور دینا شروع کیا۔ یہ تجارتی کمپنی کو حاصل مراعات سے حسد کرنے لگے تھے اور انہیں یہ توقع تھی کہ کمپنی کی تجارت ممنوع قرار دیے جانے کے بعد ان کی تجارت میں اضافہ ہو جائے گا۔ چنانچہ 1833 میں کمپنی کی تمام تجارت ممنوع قرار دی گئی۔ اس کے بعد سے کمپنی نے محض ہندوستان کے حکمراں کی حیثیت اختیار کر لی اور ہندوستان کی آمدنی میں سے اپنا منافع لینے لگی۔

8.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

یوروپی ممالک سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات زمانہ قدیم سے ہیں۔ عہد وسطی میں یہ تجارتی تعلقات بدستور قائم رہے۔ سولہویں سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں یورپ کی مختلف اقوام نے ہندوستان، جنوبی ایشیا اور مشرق لبید کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے میں بہت زیادہ دلچسپی دکھائی۔ نئی جغرافیائی دریافتوں سے تجارتی نوعیت میں بہت زیادہ تبدیلیاں آئیں۔ تجارتی معاملات میں یورپ اور ایشیا کے تعلقات پوری طرح سے بدل گئے۔ عالمی تجارت میں برتری حاصل کرنے کے معاملے میں برطانیہ، ہالینڈ اور فرانس کے درمیان چپقلش بڑھنے لگی۔

عالمی تجارت میں اسپینی اور پرتگالی اجارہ داری کے خلاف ان اقوال نے سخت جدوجہد شروع کی۔اس جدوجہد کے نتیجے میں انڈونیشیا پر ڈچوں کا اور ہندوستان، سری لنکا اور ملایا پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ایشیائی تجارت میں پرتگالیوں کے ہونے والے منافعوں کو دیکھتے ہوئے انگریز بھی ایسے منافعوں کے لیے بے چین ہوگئے۔انگریزی تاجروں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام سے لے کر بعد کے زمانے تک اپنے مفاد کو ملحوظ خاطر رکھا۔انھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے تجارتی مراکز قائم کیے۔اپنے تجارتی مفاد کے تحفظ کے لیے سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے بھی کوششیں کیں۔اس سلسلے میں انہیں بڑی کامیابی اس وقت ملی جب پلاسی اور بکسر کی جنگوں کے نتیجے میں ہندوستان کے زرخیز علاقوں پر ان کا قبضہ ہوگیا۔اقتدار کے حصول سے ان کو بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ انھوں نے برطانیہ سے سونا اور چاندی (Bullions) لانا بند کردیا اور ہندوستانی محصولات کو سرمایہ کاری میں استعمال کیا۔شروعاتی دور میں تو وہ ہندوستانی اشیا کو برطانیہ میں فروخت کرتی تھی مگر بعد میں برطانیہ کے رائے عامہ کے مدنظر اپنی تجارتی پالیسی میں تبدیلی شروع کردی۔اب ہندوستان سے تیار مال کی جگہ خام مال برطانیہ بھیجے جانے لگے۔رفتہ رفتہ ہندوستانی صنعتوں کو برباد کرنے کی پالیسی اپنائی گئی۔صنعتوں کی بربادی کی وجہ سے ہندوستان میں بے روزگاری میں بے پناہ اضافہ ہوا۔اس کے نتیجہ میں بھیانک قحط رونما ہوا۔سامراجی وادی معاشی پالیسی کے پیش نظر انگریزوں نے ہندوستانی اشیاء پر بہت زیادہ تکمیل عاید کرکے اس کی ہمت شکنی کی۔برطانیہ کا تیار شدہ مال ہندوستان بھیجا جانے لگا۔1813 کے بعد اس میں بے تحاشہ اضافہ ہوا۔تجارت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری ختم ہونے کے بعد تجارت سبھی کے لیے کھول دی گئی۔اب ہندوستانی تجارت میں برطانیہ کے تمام باشندے حصہ لے سکتے تھے۔ بعدازاں برطانیہ کے باشندوں اور سرمایہ کاروں کو ہندوستان کے اندر بسنے اور صنعتوں اور کاشت کاروں میں سرمایہ کاری کی بھی اجازت مل گئی۔ تجارت پر اجارہ ختم ہونے کے بعد ہندوستان میں برطانیہ کے مال کی برآمد بے تحاشہ اضافہ ہوا۔1824 کے بعد کمپنی نے ہندوستان کو تجارتی مال بھیجنا بند کردیا۔1832 میں چارٹر کی تجدید کے وقت کمپنی کی تجارت بالکل ختم کردی گئی۔ہندوستان اور برطانیہ کے مابین تجارتی ڈھانچے میں زبردست تبدیلی آئی۔اس تبدیلی کا یہ اثر ہوا کہ ہندوستان سے باہر ہندوستان کی تیار کردہ اشیا کا بازار ختم ہوگیا۔دوسری طرف ہندوستان میں بیرونی ممالک کی اشیا کا سیلاب آگیا۔ہندوستانی صنعت برباد ہوگئی۔

8.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

ڈچ	:	ولندیزی باشندہ
جغرافیائی دریافت	:	نئے خطوں، نئے علاقوں اور نئے تجارتی راستوں کی دریافت
راس امید	:	جنوبی افریقہ کے کیپ جزیرہ نما کے آخری کنارہ۔اس کی تلاش سے ایک نئے بحری راستے کی شروعات ہوئی۔یہ راستہ تجارت کے معاملے میں نیک خیال ثابت ہوا۔
دادنی	:	اٹھارہویں صدی کے بنگال میں ایک قسم کی تجارتی نظم جس میں اہل حرفہ وصنعت کو سامان تیار کرنے کے لیے پیشگی رقم دے دی جاتی تھی۔
اجارہ داری	:	ٹھیکہ داری۔ایک طرح کی تجاتی پالیسی جس میں ایک کمپنی یا گروپ کو بازار پر کنٹرول کرنے کا

اختیار حاصل ہوتا ہے۔

آزاد تجارت : تجارت کی ایک پالیسی جس میں برآمدات اور درآمدات پر پابندی نہیں ہوتی۔

8.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Question)

8.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Questions)

1. عہد وسطیٰ میں ایشیائی ممالک سے ہونے والی تجارت پر کس کا غلبہ تھا؟
2. عہد وسطیٰ مین یورپ اور اشیا کی تجارت پر کن اقوام کی بالادستی تھی؟
3. ڈچوں کی تجارتی دلچسپی کس علاقے میں تھی؟
4. سورت میں ایسٹ کمپنی نے تجارتی مرکز کب کھولا؟
5. تجارتی مراعات حاصل کرنے کے لیے سر تھامس رو جہانگیر کے دربار میں کب پہنچا؟
6. 'انڈیا ٹوڈے' کے مصنف کا نام بتایئے۔
7. آر۔پی۔دت نے برطانوی سامراجی معاشی پالیسی کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا ہے؟
8. ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کس سال ختم کردی گئی؟
9. 'آزاد تجارت' کی پالیسی کب اپنائی گئی؟
10. ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی سرگرمیاں کب ختم کردی گئیں؟

8.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1. سترہویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی سرگرمی پر مختصر نوٹ لکھئیے۔
2. 1757 سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں کا خاکہ پیش کیجیے۔
3. 1757 سے قبل ہندوستان کی تجارت پر ایک نوٹ لکھئیے۔
4. ہندوستانی تجارت پر 1813 کے ایکٹ کے اثرات بیان کیجیے۔

8.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سولہویں اور سترہویں صدی میں یورپی تجارتی کمپنیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیجئے۔
2. 1757 کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت کا خاکہ پیش کیجیے۔
3. آزاد تجارت کے عہد میں ہندوستانی تجارت کی بدلتی نوعیت کو بیان کیجیے۔

8.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Chandra, Bipan, *History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2014 (first pub. 2009).
5. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
6. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
7. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
8. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
9. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
10. Sarkar, Sumit, *Modern India*, *1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
11. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
12. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 9۔ ریلوے کی آمد: معاشی اور سیاسی اغراض؛ ریلوے کے سماجی-معاشی نتائج

(Introduction of Railways: Economic and Political Motives;
Socio-Economic Consequences of Railways)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید
9.1 مقاصد
9.2 یورپ میں ریلوے کی ابتدائی ترقی
9.3 ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا
9.4 ریلوے کی تعمیر کے مختلف مراحل
9.5 ریلوے کی تعمیر کے اغراض ومقاصد
9.6 مختلف تحقیقاتی اور سفارشاتی کمیشن اوران کی سفارشات
9.7 ریلوے سے متعلق قوم پرست رہنماؤں کے خیالات
9.8 ہندوستان کی معیشت پر ریلوے کے اثرات
9.9 ریلوے کی ترقی کے سماجی اور سیاسی نتائج
9.10 ریلوے بمقابلہ آبپاشی کا نظام
9.11 اکتسابی نتائج
9.12 کلیدی الفاظ
9.13 نمونہ امتحانی سوالات
9.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید (Introduction)

زمانۂ قدیم سے آمد و رفت کے وسائل انسانی تہذیب کی ضرورت تھے۔ 'دنیا کی کوئی بھی تہذیب سواری کے بغیر جامد و ساکت تھی۔' روایتی آمد و رفت کے وسائل ترقی کرتے ہوئے ریلوے کی اختراع تک پہنچے۔ ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا 1853 میں ہوئی۔ ایسٹ انڈیا ریلوے کا خیال سب سے پہلے ایک سول انجینئر، رولینڈ میکڈونالڈ اسٹیفنسن کو آیا کیوں کہ اس کے آباؤ اجداد ہندوستان میں رہ چکے تھے۔ اس نے ہندوستان میں ریلوے کی شروعات اور اس کے امکانات کے مطالعہ کے بعد ریلوے کا منصوبہ 1940 میں برطانوی حکومت کو پیش کیا جس کو کورٹ آف ڈائریکٹرس نے مسترد کر دیا۔ اس نے دوبارہ اس کی تجارتی اور معاشی اہمیت کو جب اجاگر کیا تو بالآخر حکومت نے اسے تسلیم کر لیا۔ ریلوے کی ابتدا کے پس پردہ صنعتی انقلاب کی ضروریات اور تقاضے تھے۔ صنعتی انقلاب کی وجہ سے مشینوں کے استعمال نے پیداوار کے نظام کو تبدیل کر دیا تھا۔ پیداوار کے لیے بازار کی تلاش اور پھر نو آبادیات میں مشینی مصنوعات کے تقسیم کے لیے سستے، محفوظ اور یقینی آمد و رفت کے وسائل اور پھر نو آبادیات سے خام مال کی برآمد کے لیے تیز رفتار سواری کی ضرورت نے ریلوے کی ابتدا کو ناگزیر بنا دیا۔ اس کی تعمیر کی ابتدا سے ہی ہندوستانی اور برطانوی دانشوروں میں نظریاتی اور عملی اختلاف شروع ہو گیا۔ ریلوے کی تعمیر کے کئی مرحلے تھے اور مختلف طریقہ کار سے اس کی تعمیر کا کام چلتا رہا۔ برطانیہ میں اضافی سرمایہ کی ہندوستان میں سرمایہ کاری کا یہ سنہرا موقع تھا۔ ریلوے کی تعمیر سے ہندوستان کی معیشت سماجی زندگی و ثقافتی امور پر انقلابی اثرات مرتب ہوئے۔ ہندوستان رائے عامہ کا خیال تھا کہ ریلوے کی تعمیر برطانیہ کے مفاد کے پیش نظر عمل میں آیا ہے جب کہ غیر ملکی دانشوروں اور سرمایہ کاروں کا خیال تھا کہ اس سے ہندوستان میں ترقی کے امکانات روشن ہوئے اور جدید صنعتوں کے آغاز سے جدید ہندوستان کی تعمیر نو ہو گی۔

9.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا اور اس کے اغراض و مقاصد کے بارے میں جان سکیں گے
- ریلوے کی تعمیر میں سرمایہ کاری اور اس کی تعمیر کے مختلف مراحل اور عوامل کو سمجھ سکیں گے۔
- ہندوستانی معیشت اور سماج پر ریلوے کے اثرات کے تجزیاتی اور تنقیدی مباحثہ کو سمجھ سکیں گے۔
- ریلوے بمقابہ آبپاشی کے نظام کے تنازعہ کے متعلق دلائل اور مباحثہ سے واقفیت ہو گی۔
- ہندوستان کی جنگ آزادی میں ریلوے کی خدمات کی جانکاری ہو سکے گی۔

9.2 یورپ میں ریلوے کی ابتدائی ترقی (Early Development of the Railways in Europe)

ریلوے لائن کی ابتداء یورپ میں ہوئی تھی۔ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے 1515 میں لکڑی کا ریلوے لائن، آسٹریا میں شروع ہوا اور اس کو کھینچنے کے لیے انسانی اور جانوروں کا وسیلہ لیا گیا۔ یہ آج بھی موجود ہے۔ عہدِ وسطیٰ اور مابعد عہد وسطیٰ میں بحری راستوں

کے ذریعہ ہی اشیاء کو ایک ملک سے دوسرے ملک لے جایا جاتا تھا۔ یہی رسل ورسائل کا سب سے اہم ذریعہ تھا۔ پھر بحری راستوں کو نہروں سے منسلک کرکے انہیں زیادہ سے زیادہ استعمال کے قابل بنایا گیا۔ صنعتی انقلاب کے دوران اشیاء کی درآمد اور برآمد اعلیٰ پیمانے پر ہونے کی وجہ سے ذرائع ابلاغ کے وسائل کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ اس طرح انیسویں صدی کے ابتدائی عشرے میں ہی بھاپ کے انجن اور ریلوے کا استعمال شروع ہو گیا جس نے صنعتی انقلاب کی رفتار کو مزید تیز کر دیا۔ جارج اسٹیفنسن ایک میکینکل انجینئر تھا۔ بھاپ کے انجن کی اختراع کا سہرا اسی کے سر جاتا ہے۔ 1813 میں اس نے بھاپ کے انجن کو چلا کر پہلا کامیاب تجربہ کیا تھا۔ 1825 میں اسٹوکٹن اور ڈارلنگٹن کے درمیان ریل لائن تعمیر کرنے کا بھی منصوبہ بنایا۔ اس کو دنیا کی پہلی ٹرین کہا جاتا ہے لیکن لیورپول سے لے کر مانچسٹر تک ریل لائن بنا کر ٹرین چلانے کا دوسرا منصوبہ 1830 کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ جدید ریلوے کا آغاز تھا۔ 1835 تک برطانیہ میں لگ بھگ سو میل ریلوے لائن کی تعمیر ہو چکی تھی۔ پھر یورپ کے دیگر علاقوں سے ہوتے ہوئے ہندوستان آئی۔ ابتدائی دنوں میں ریلوے لائن کی تعمیر نجی کمپنیوں اور نجی سرمایہ کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکی۔ برطانیہ، بیلجیم اور فرانس کے بعد جرمنی میں ریلوے کی ابتدا ہوئی۔ 1835 تک مغربی یورپ میں ریلوے نظام قائم ہو چکا تھا۔ 1807 میں امریکہ میں پہلی ریل لائن تعمیر ہوئی اور 1820 میں کناڈا میں برطانوی انجینئروں کے تعاون سے ریلوے لائن تعمیر ہو سکی۔ امریکہ میں بھی برطانوی ساخت اور ڈیزائن کے بھاپ کے انجن ہی استعمال ہوئے۔

9.3 ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا (Beginning of the Railways in India)

ہندوستان میں ریلوے کی شروعات سے پہلے نقل و حمل کے وسائل بہت ہی قدیم اور روایتی تھے۔ جدید طرز کے نقل و حمل کے وسائل کی غیر موجودگی میں ہندوستان پوری دنیا سے الگ تھلگ تھا اور ملک کا ہر علاقہ تنہا معاشی خطہ تھا۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے دوران ریلوے کی افادیت کے پیش نظر اسٹیفنسن نامی ایک انجینئر نے سب سے پہلے 1840 میں ہندوستان میں ریلوے لائن تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی تھی لیکن اس تجویز کو 'وائلڈ پروجیکٹ' کہہ کر کورٹ آف ڈائریکٹرس نے نامنظور کر دیا۔ لیکن 1845 میں صنعتی انقلاب کے تقاضوں کی بنا پر ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی کی شروعات ہوئی۔ کیوں کہ 1846 میں امریکی کپاس کی فراہمی، فصل کی پیداوار میں کمی کے باعث متاثر ہو گئی لہٰذا لنکا شائر اور مانچسٹر کے صنعتکاروں کی توجہ ہندوستانی کپاس کی درآمد پر گئی اور اس کے لیے ریلوے کی ابتداء بالکل ناگزیر ہو گئی۔ ڈلہوزی نے اپنے منشور میں ریلوے کی معاشی اور سیاسی افادیت کی پرزور حمایت کی تھی۔

ہندوستان میں سب سے پہلی ریل گاڑی 18 نومبر 1852 کو بمبئی سے تھانہ کے لیے چلائی گئی تھی۔ یہ 23.8121 کلو میٹر کی مسافت تھی۔ اس کے بعد باقاعدہ طور پر 16 اپریل 1853 کو سرکاری طور پر ریلوے کی ابتدا ہوئی۔ دوسرا تجربہ 15 اگست 1854 کو ہاوڑہ ممبئی کے بیچ کامیابی کے ساتھ ریل چلا کر کیا گیا۔ برطانیہ میں ضرورت سے زیادہ سرمایہ موجود تھا۔ ملک میں مزید سرمایہ کاری کی گنجائش کم تھی اور منافع کے لحاظ سے یہ کام سودمند نہیں تھا۔ لہٰذا نوآبادیات میں سرمایہ کاری سے ایک طرف سرمایہ کاری پر منافع کی بہت گنجائش تھی، وہیں صنعتی انقلاب کے پیش نظر تجارتی فائدہ کے روشن امکانات نے برطانیہ کے سیاستدانوں اور صنعت کاروں کی ہندوستان میں سرمایہ کاری کے لیے

حوصلہ افزائی کی۔ کپاس کے لیے امریکہ پر انحصار کم کر کے دوسرا متبادل تلاش کرنا بھی صنعتکاروں کی ترجیحات میں شامل تھا۔ لہٰذا نو آبادیات مثلاً ہندوستان اس کے لیے موزوں ترین ملک تھا۔ ہندوستان آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا ملک تھا لہٰذا مشین سے بنے مصنوعات کے لیے یہ بہت سود مند بازار بن سکتا تھا، اگر آمد و رفت کے وسائل کو ترقی دیا جاتا۔ ریلوے یقینی طور سے سب سے بہتر، سستا اور تیز رفتار متبادل تھا۔ لہٰذا برطانوی حکومت نے ریلوے کی تعمیر پر ضرورت سے زیادہ سرمایہ کاری کر کے اپنے تجارتی اور معاشی مفاد کو تحفظ فراہم کیا۔

برطانوی ہندوستان میں ریلوے کی تاریخ کی ابتدا اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔ ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر کے کئی دور ہیں مثلاً پہلا دور صنعتی ریلوے کا 1832 سے لیکر 1852 کا ہے۔ 1832 میں برطانوی حکومت نے پہلا ریلوے کا منصوبہ مدراس میں بنایا تھا۔ مدراس میں 1837 میں ملک کا پہلا ریل، ریڈہل ریلوے تھا۔ یہ ریڈہل سے لے کر چنتادرپیڈپل تک چلا گیا۔ آرتھر کاٹن نے معدنیات کو لے جانے کے لیے 1836 میں شروع کیا تھا 1845 میں مدراس ریلوے اور اس کے بعد ایسٹ انڈیا ریلوے کا آغاز ہوا۔ 1849 میں گریٹ انڈیا پینسولر ریلوے قائم ہوا۔ 1855 میں رورکی میں سولانی ریلوے بنایا گیا اور اسی کو تھامسن لوکوموٹیو انجن کے ساتھ کامیابی کے ساتھ چلایا گیا۔ دوسرا دور 1853 سے لے کر 1924 تک کا تھا، جب پسینجر ریلوے ٹرینوں کا باقاعدہ کامیاب تجربہ کیا گیا۔ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل بن کر ہندوستان آیا تو اس نے سیاسی اور معاشی سطح پر کئی تجربات کیے۔ اس کے کچھ منصوبے کامیاب ہوئے تو کچھ بہت زیادہ تخریبی کاروائیوں کے باعث بنے۔ ریلوے کی ابتدا اس کا کامیاب ترین منصوبہ تھا۔ 16 اپریل 1853 کو ہندوستان میں پسنجر ریلوے ٹرین کے پہلے کامیاب تجربے کا سہرا لارڈ ڈلہوزی کو جاتا ہے۔ پسنجر ٹرین کا پہلا کامیاب تجربہ ممبئی کے پوری بندر سے تھانے کے مابین ہوا تھا۔ یہ فاصلہ تقریباً 34 کلو میٹر کا تھا۔ 14 بوگی ڈبوں کے اس ٹرین کو تین لوکوموٹیو انجن صاحب، سندھ اور سلطان نے چلایا تھا۔ اس ٹرین میں کوئی 4 سو مسافر تھے دوسرا کامیاب تجربہ مشرقی ہندوستان میں 15 اگست 1854 کو ہاوڑہ سے ہگلی کے مابین ہوا تھا۔ جنوبی ہندوستان میں ریل یکم جولائی 1856 کو مدراس کے روما پورم سے ضلع ارکاٹ کے والا جاہ اسٹیشن کے مابین چلائی گئی۔ 1862 میں جمال پور، بہار میں ریلوے کا پہلا کارخانہ قائم کیا گیا۔ 1864 میں دہلی جنکشن، شمالی ہندوستان کا پہلا ریلوے اسٹیشن بنا۔ ہندوستان کا پہلا گھوڑے سے کھینچے جانے والا ٹرام وے کلکتہ اور مالدہ کے مابین 24 فروری 1873 کو چلا گیا۔ تیسرے دور میں ریلوے لائن کی تعمیر میں کافی اضافہ ہوا۔ اسی دور میں بجلی سے چلنے والی ٹرینوں کی شروعات ہوئی جس نے آمد و رفت کو مزید تیز اور فعال بنا دیا۔ یہ دور 1925 سے شروع ہو کر 1946 تک رہا۔ اسی دور میں 1924 میں ریلوے کا ایک علیحدہ بجٹ پیش کیا گیا۔ ہندوستان کی پہلی الیکٹرک پسنجر ٹرین 3 فروری 1925 کو وکٹوریہ ٹرمینس سے کرلا بندرگاہ تک چلا گیا۔ چوتھا دور ہندوستان کی آزادی اور ملک کی تقسیم شروع ہو کر 1950 تک قائم رہا۔ آزادی کی جنگ کے آخری دور میں ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ ریلوے کی تعمیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ تقسیم ہند نے ریلوے کی ترقی اور تعمیر کو مزید مشکل بنا دیا۔ تقسیم ہند کے بعد اول تو سرمائے کا فقدان ہو گیا۔ دوسرے ملک کا 40 فیصد ریلوے لائن پاکستان کو چلا گیا۔ رفتہ رفتہ ہندوستان نے مزید ریلوے لائن بچھا کر اسی کمی کو پورا کیا اور آج ہندوستان کا ریلوے دنیا کا سب سے بڑا نیٹ ورک ہے۔ جس میں دنیا کے سب سے زیادہ ملازم کام کرتے ہیں۔ ملازمت مہیا کرانے میں ہندوستانی ریلوے کا دنیا میں اوّلین مقام ہے۔

9.4 ریلوے کی تعمیر کے مختلف مراحل (Various Stages for the Construction of Railways)

ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر تین مختلف مراحل سے گزری۔ تینوں مرحلوں کی اپنی خوبیاں اور خامیاں تھیں۔ تینوں کی الگ الگ خصوصیات تھیں۔ تینوں مراحل میں ریلوے کی تعمیر کے الگ الگ اہداف تھے۔ لارڈ ڈالگن رپورٹ کرتا ہے ہندوستان کے وسائل نے ریلوے کو فروغ دینے میں قابل ذکر سہولیات فراہم کیں۔ تمام بحث و مباحثہ کے بعد 1849 میں سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان نے ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی(East India Railway Company)اور گریٹ انڈین پیننسولا ریلوے کمپنی (Great Indian Peninsula Railway Company)کا پہلا ریلوے معاہدہ کیا تھا۔

قدیم ضمانتی نظام (Old Guarantee System)

1869 تک ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر قدیم ضمانتی پالیسی کے تحت عمل میں آئی۔ اس پالیسی کو نافذ العمل کرنے والا لارڈ ڈلہوزی تھا۔ اس نے اپنے مشہور مسودہ میں ریلوے کی تعمیر کے متعلق لکھا تھا کہ اس کے لیے سرمایہ پرائیویٹ کمپنیاں فراہم کریں گی اور جس کی نگرانی سرکار کرے گی۔ سرمایہ کاری پر ریلوے کی ترقی دہندگان کو 5 فیصد سود کی ضمانت دی گئی۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری ہو سکے۔ 5 فیصد سے زیادہ منافع کی صورت میں کمپنی اور حکومت کے مابین تقسیم کی بات طے ہو گئی۔ ڈلہوزی ابتدائی طور پر تینوں پریسیڈینسیز کو جوڑنا چاہتا تھا اور پھر ان کے دیگر علاقوں کو بندرگاہوں سے جوڑنے کا منصوبہ بنایا۔ قدیم ضمانتی سسٹم کی خصوصیات مختلف تھیں مثلاً: ریلوے کی تعمیر کے لیے درکار زمین سرکار 99 سال کے ٹھیکہ پر فراہم کرے گی۔ اور نجی کمپنی کو اس کے لیے کسی معاوضہ دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے علاوہ سرکار سرمایہ کاری پر 5۔4 فیصد سے لے کر 5 فیصد تک سود کی ضمانت دے گی۔ ہر 25 سال کے بعد ریلوے لائن کو خریدنے کا حکومت کو اختیار حاصل تھا۔ لیز کی میعاد پوری ہونے پر ریلوے لائن حکومت کی ملکیت ہو جاتی تھی نگرانی کا عمومی اختیار اور کنٹرول حکومت کو حاصل تھا۔

قدیم ضمانتی سسٹم بہت جلد تنقید کی زد میں آگیا۔ کیوں کہ قومی رہنماؤں کی نظر میں یہ نظام غیر ضروری اور فضول خرچی پر مبنی تھا۔ ایک پہلو سے یہ غیر کفایت شعاری بھی تھی کیوں کہ ریلوے لائن کی تعمیر میں بے جا خرچہ ہو رہا تھا۔ ایچ۔ ایل۔ جنکس (HL Jenks) کے ایک تخمینہ کے مطابق ایک میل ریلوے لائن بچھانے کا خرچہ 8 ہزار پونڈ ہونا چاہیے تھا۔ اس نظام کے تحت ایک میل کی تعمیر میں 18 ہزار پونڈ کا خرچہ ہوا، جو تخمینہ سے بہت زیادہ تھا۔ اس سے سرکاری خزانے پر بوجھ بڑھتا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے قرض بھی بڑھ گیا اس کے علاوہ ضمانتی سود کی رقم میں بھی گراں قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق سود کی ضمانتی شرح کی مجموعی رقم 57-1856 میں چار لاکھ چھیانوے ہزار سے بڑھ کر 69-1968 میں اڑتیس لاکھ ترانوے ہزار پونڈ ہو گئی جو معاشی لحاظ سے پریشان کن تھا۔ لیکن ریلوے کی تعمیر کے حامیوں کا خیال تھا کہ اگر ضمانتی سود کی شرط نہیں ہوتی تو اس قدر سرمایہ کی فراہمی کو یقینی نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ ریلوے کی تعمیر میں سرمایہ کاری سے برطانیہ کو دو فائدے ہوئے اوّل برطانیہ میں دستیاب کثیر فاضل سرمائے کے لیے ہندوستان میں بہت ہی مفید وسیلہ مل گیا دوم ریلوے کی تعمیر میں سرمایہ کاری نے برطانوی املاک کے برآمد کا موقع فراہم کر دیا جو برطانیہ کی صنعت کے لیے مفید تھا۔ چونکہ ضمانتی سسٹم میں فضول

خرچی سے بچنے کے لیے 1867 میں اس وقت کے وائسرائے لارڈ لورینس نے اس کو ترک کرنے کی تجویز پیش کی اور اس کی جگہ ریلوے کی تعمیر براہِ راست حکومت کے زیر نگرانی کی تجویز رکھی۔ جس کو عملی طور پر قبول کر لیا گیا۔

ریلوے لائن کی تعمیر کا دوسرا مرحلہ 1869 میں شروع ہوا اور 1882 تک رہا جو براہ راست حکومت کی نگرانی اور اس کی ماتحتی میں شروع ہوا۔ اس کے تحت زیادہ تر چھوٹی لائنوں (Narrow Gauge) پر کام ہوا۔ اس کی تعمیر میں لاگت سرمایہ پر 4 فیصد ضمانتی شرح سود تھی۔ اس منصوبہ کے تحت ملک میں کوئی گیارہ سو میل ریلوے لائن تعمیر کرنا تھی اور ہر سال کے لیے تین سو میل کا ہدف رکھا گیا۔ ایک میل ریلوے لائن کی تعمیر پر 12 ہزار پونڈ کی لاگت متوقع تھی۔ دوسرا مرحلہ میں ریلوے لائنوں کی تعمیر میں 88 فیصد کے اضافہ کے ساتھ 400 میل کا ہدف پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس مرحلہ میں کفایتی اور سستی کارکردگی کا مظاہرہ ہوا۔ یہ مرحلہ 1882 میں اختتام پذیر ہو گیا کیوں کہ حکومت کی مال حالت کئی وجوہات کی بنا پر بہت خراب ہو چکی تھی۔ مثلاً روپیہ کا شرح مبادلہ کم ہو گیا تھا دوسرے قطع میں مالی امداد پر سرکار کا خرچ بڑھ گیا تھا۔ اسی اثنا میں افغان جنگ نے بھی حکومت کے سرکاری خزانہ پر بوجھ بڑھا دیا۔ اس اسکیم کو ختم کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ 1974 کے قحط کے پیش نظر 1880 کے قحط کمیشن نے ریلوے لائن کی تعمیر کو تیز کر کے پانچ ہزار پھر 22 ہزار میل بڑھانے کی سفارش کی۔ حکومت مالی بحران کے پیش نظر یہ ہدف پورا کرنے سے قاصر تھی۔ لہٰذا اس سسٹم کو ترک کر دیا گیا۔

نیا ضمانتی نظام (New Guarantee System)

1882 میں تیسرا مرحلہ شروع ہوا جسے نیا ضمانتی نظام کہا جاتا تھا۔ اس مرحلہ میں حکومت کو نجی سرمایہ پر انحصار کرنا پڑا۔ اگرچہ اس کے شرائط پہلے سے علیحدہ تھے۔ دراصل یہ حکومت اور پرائیویٹ کمپنیوں کے مابین ایک شراکت داری پر مبنی سسٹم تھا۔ اس کی خصوصیات پہلے دو سسٹم سے الگ تھا حکومت براہ راست قرض لے کر کچھ سرمایہ فراہم کرے گی۔ بقیہ پرائیویٹ کمپنی کے ذریعہ اکٹھا کیا جائے گا۔ اس سسٹم کے تحت زیر تعمیر ریلوے سکریٹری آف اسٹیٹ کے تحویل میں ہو گی اور اس کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ پرائیویٹ کمپنیاں کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں۔ پرائیویٹ کمپنیوں کو ان کے ذریعہ خرچ کیے گئے سرمایہ پر 3.5 فیصد کا ضمانتی سود شرح متعین کیا گیا۔ ریلوے سے حاصل شدہ آمدنی میں کمپنی اور حکومت کا حصہ 60 اور 40 فیصد کا تناسب طے کیا گیا۔ ریلوے لائن کو خریدنے کی کا حق حکومت کو حاصل تھا۔ نیا ضمانتی سسٹم قدیم ضمانتی سسٹم سے کافی مؤثر اور کارگر ثابت ہوا۔ کیوں کہ ضمانتی شرح سود اس میں کم تھا۔ اس سسٹم کے تعمیر شدہ ریلوے لائن حکومت کی ملکیت تھی۔ نئے ضمانتی سسٹم کے تحت ریلوے لائن کے نیٹ ورک میں بہت اضافہ ہوا۔ سالانہ اوسطاً 744 میل ریلوے لائن کا اضافہ ہوا اس طرح 1882 میں کل 10069 میل ریلوے لائن بھی بڑھ کر 1900 میں 18 سال کے عرصے میں 24752 میل ہو گیا۔ یہ ایک گراں قدر اضافہ تھا۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں ریلوے لائن نہ صرف کہ ایک بڑا نیٹ ورک تھا بلکہ بہت ترقی یافتہ بھی بن چکا تھا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں 1869 سے قبل ریلوے لائن کی تعمیر میں صرفہ بہت زیادہ تھا۔ لارڈ ڈلہوزی کے تخمینہ کے مطابق ایک میل ریلوے لائن کی تعمیر میں آٹھ ہزار پاؤنڈ کا خرچہ تھا مگر غیر عدم احتیاط کی وجہ سے یہ اٹھارہ ہزار پاؤنڈ ہو گیا تھا جب کہ حکومت زمین مفت فراہم

کرتی تھی۔ ہاؤس آف کامنس کے 1834 کے رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں اس ریلوے لائن کی تعمیر میں 16536 پاؤنڈ کا خرچہ آیا تھا۔ جب کہ آسٹریلیا میں یہ 12000 پاؤنڈ اور کناڈا میں 8500 پاؤنڈ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف قومی رہنما بلکہ اعلی برطانوی حکمراں پرائیویٹ کمپنی کے ذریعہ ریلوے کی تعمیر ک خلاف تھے۔ گوپال کرشن گوکھلے، ابراہیم رحمت اللہ نے حکومت کے ذریعہ ریلوں کی تعمیر کی حمایت کی۔

9.5 ریلوے کی تعمیر کے اغراض و مقاصد

(Aims and Objectives of the Construction of Railways)

ریلوے کی تعمیر کے پس پردہ انگریزوں کے سیاسی اور معاشی بالخصوص تجارتی مقاصد تھے۔ مثلاًان کا خیال تھا کہ ریلوے کی دور سے ملک میں سیاسی استحکام قائم کرنے میں مدد ملے گی اور ہندوستان کی سیاست۔۔۔ دوسرے ان کو یقین تھا کہ ہندوستان میں بہتر اور تیز رفتار ذرائع ابلاغ ان کے تجارتی مفاد کو بہتر طریقے سے تحفظ فراہم کرے گا۔ صنعتی انقلاب کے بعد صنعتی مصنوعات دوسرے ممالک بالخصوص ہندوستان میں برآمد کر کے کچھ وسیع و عریض خطّوں میں پہنچانے میں مدد ملے گی۔ فیکٹریوں کو خام مال کی ضرورت اور مزدور طبقہ کے لیے اناج کی فراہمی کو ریلوے کی مدد سے یقینی بنانا ممکن تھا انگریزوں نے ہندوستان کے بندرگاہ مثلاً کلکتہ، مدراس اور ممبئی اور سورت کو ملک کے تمام شہروں سے منسلک کر دیا۔ اس طرح ان کو مشین سے تیار شدہ مال کو ملک کے دیہی علاقوں تک پہنچانے میں سہولت ہو گئی۔ وہیں فیکٹریوں کے لیے درکاز زرعی پیداوار اور خام مال کو بندرگاہ ک لانا بہت آسان اور سستا ہو گیا۔ پھر بندرگاہوں ے جہاز کے ذریعہ برطانیہ کو یہ مال برآمد کرنا بھی قدرے آسان ہو گیا۔ ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر کے پس پردہ انگریزوں کا فوجی مقصد بھی کار فرما تھا۔ ریلے کی مدد سے فوجیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تیز رفتاری اور آسانی کے ساتھ بھیجا جاسکتا تھا۔ ملک کے کسی بھی خطہ میں بغاوت، انقلابی صورت حال سے نپٹنا بھی بہت آسان ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ برطانیہ میں ریلوے بہت مفید اور منافع بخش ثابت ہوا۔ جس کی وجہ سے انگریز اور تاجر طبقہ اپنے منجمد اثاثہ کو ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر میں سرمایہ کاری کر کے منافع کمانے کا خواہشمند تھا۔

لارڈ ہارڈنگ نے 1843 میں کہا تھا کہ ریلوے کی تعمیر سے تجارت اور حکومت کو فائدہ ہونے کے ساتھ ساتھ، فوجی سطح پر ملک پر انگریزوں کی گرفت مضبوط ہو جائے گی۔ ریلوے کی تعمیر ہندوستانیوں کی مانگ نہیں تھی بلکہ تیز رفتاری سے اس کی تعمیر کے لیے برطانیہ کے شہر مینچسٹر، گلیسکو کے چیمبر آف کامرس اور کلکتہ اور بمبئی میں قائم یوروپین چیمبر آف کامرس نے ہندوستان کے خام مال کے استعمال کے لیے ریلوے کی تیز رفتاری سے تعمیر کی مانگ کر رہے تھے۔ ہندوستان میں برطانوی فتوحات اور ریاستوں کے الحاق سے انگریز ایک وسیع و عریض علاقے پر حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اپنی حکومت قائم کرنے اور اس پر اپنی انتظامی اور سیاسی گرفت مضبوط بنانے کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس وقت ہندوستان میں موجودہ نقل و حمل کے وسائل تشفی بخش نہیں تھے۔ سڑکیں خستہ حال تھیں اور روایتی سواریوں سے سفر دشوار کن تھا۔ اس کے پیش نظر تیز رفتار اور سستے نقل و حمل کے وسائل کی شدید ضرورت تھی۔ اسی غرض سے انگریزوں نے ریلوے کو شروع کیا۔ مزید 1857 کو غدر نے انگریزوں کے سامنے قانون کے نفاذ اور کے سد باب کے مسئلے کو اجاگر کیا۔ فوج کو تیز رفتاری سے ایک

جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر شورش زدہ علاقوں میں قانون کا نفاذ اور بغاوتوں کو کچلنے کے لیے تیز رفتار سواری کی شدید ضرورت نے انگریز حکام کو ریلوے کی تعمیر کو تیز رفتاری سے کرنے کے لیے آمادہ کیا۔

20 اپریل 1853 کو اپنے مشہور دستاویز میں لارڈ ڈلہوزی نے ریلوے کی تجارتی افادیت پر زور دیا تھا۔ ڈلہوزی نے اپنے دستاویز میں لکھا تھا کہ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے پیش نظر سوتی کپڑوں کی پیداوار کے لیے کپاس کی بڑی مقدار کی ضرورت تھی اور ہندوستان میں معیاری کپاس کی کافی مقدار میں کھیتی ہوتی ہے۔ اگر نقل و حمل کے وسائل کے ذریعہ جن مقامات میں اس کی پیداوار ہوتی ہے ان کو بندر گاہوں سے منسلک کر دیا جائے تو برطانیہ کو ضرورت کی کپاس بر آمد کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اور ریلوے اس کام کو بخوبی انجام دے سکتا تھا۔ لہٰذا ریلوے کی تعمیر میں سرمایہ کاری کے ساتھ تیز رفتاری سے ریلوے لائن بچھانے کے کام کو فوقیت دی گئی۔ ڈلہوزی نے اپنے دستاویز میں اس کی بھی وضاحت کی تھی کہ ریلوے کی ترقی سے برطانوی صنعتی مصنوعات کے لیے ہندوستان جیسا بازار مل جائے گا اور اس کی بدولت فیکٹریوں میں پیداوار کو مطالبہ کے پیش نظر برقرار بھی رکھا جا سکتا ہے۔ ڈلہوزی کی اس دلیل کی تائید برطانیہ میں سیاسی اور صنعتکار حلقوں میں کی گئی۔ لوگوں نے بھی اس کی خوب پذیرائی کی کیوں کہ سوتی کپڑوں کی صنعت کی ترقی کے لیے کپاس کی ضرورت کے لیے صدفی صد امریکہ پر منحصر ہونا عملی طور پر صحیح نہیں تھا۔ لہٰذا اس کے لیے متبادل کے طور پر ہندوستان سے کپاس کی در آمد کو یقینی بنانا بھی از حد ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ریلوے کی ابتدا کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں زرعی تجارت کاری کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ کسانوں کو تجارتی اشیا کی پیداوار پر زور دیا۔ جب امریکہ میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا تو ڈلہوزی کا قیاس سچ ثابت ہوا۔

برطانیہ میں نو آبادیات سے حاصل شدہ دولت کی وجہ سے ضرورت سے وافر سرمایہ موجود تھا اس منجمد سرمایہ کو سرمایہ کاری کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ منافع بخش بنانے کے لیے اس کی سرمایہ کاری کے لیے متبادل کے طور پر ریلوے ایک اہم ذریعہ تھا۔ برطانیہ میں وافر سرمایہ کی منافع بخش سرمایہ کاری کی گنجائش اور مواقع محدود تھے۔ برطانیہ آبادی کے لحاظ سے ایک چھوٹا ملک تھا لہٰذا مزدور طبقہ کی کمی کی بدولت صنعتوں کی وسعت کے لیے سرمایہ کاری کی گنجائش ناگزیر ہو چکی تھی۔ لہٰذا برطانیہ کی سیاسی، صنعتی اور پالیسی سازوں نے اس وافر سرمایہ کو ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر میں سرمایہ کاری کو منافع بخش اور برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی بقا کے لیے اہم تصور کرتے ہوئے ریلوے کی تعمیر کو اوّلین ترجیح دی۔ ریلوے کی تعمیر، بنیادی ڈھانچہ کی ترقی (Infrastructural Development) کا ایک ایسا شعبہ تھا جو برطانیہ کی مختلف صنعتی اکائیوں کی ترقی کے لیے موزوں اور اہم ہونے کے ساتھ وہاں کی معیشت کے لیے مفید بھی تھا۔ کیوں کہ ریلوے کی ضرورت کی تمام مشینی چیزوں کی در آمد برطانیہ سے ہوتی تھی جس کی بدولت برطانیہ کی لوہے اور اسٹیل کی صنعت تیز رفتاری سے ترقی کرنے لگی۔ اسی کے ساتھ مکینکل انجینئرنگ کے شعبہ میں بھی خوب ترقی ہوئی۔ وہاں کی فیکٹریوں نے مطالبہ کے پیش نظر اپنی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کر دیا جس سے ان کی معیشت بہت مضبوط ہونے لگی۔ یہی نہیں بلکہ دیگر تعمیری اشیا کی مانگ سے بڑھ گئی اور انگریزوں نے ان اشیا کی در آمد برطانیہ سے ہی کی جس کا فائدہ بالآخر برطانیہ کو ہی ملا۔

کچھ مورخین کا یہ خیال ہے کہ ریلوے کی تعمیر کے پس پردہ مقاصد میں تباہ کن قحط سے لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد قحط کے واقعات میں قدرے اضافہ ہو گیا جس سے لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن جاتے تھے۔ تحفظ کی فراہمی کے پیش نظر ریلوے ضرورت بن چکی تھی کیوں کہ تیز رفتار نقل و حمل کے ذرائع کے بغیر قحط کو کنٹرول کرنا ممکن نہیں تھا۔ ڈی پی اگروال کا خیال ہے کہ 'قحط سے تحفظ' ہی ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر اور توسیع بنیادی مقصد تھا۔ بلاشبہ ریلوے نے قحط کے تباہ کن اثرات کو کم کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوا۔ قحط کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ہلاکتوں کا مطالعہ کا نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھا تھا جن علاقوں میں نقل و حمل کے وسائل کمتر تھے وہاں ہلاکتیں زیادہ تھیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریلوے نے قحط کے تباہ کن اثرات کو ایک حد تک کم کر دیا۔ لیکن یہ کہنا کہ قحط سے تحفظ ہی ریلوے کی توسیع کا بنیادی مقصد تھا تو یہ صحیح نہیں کیوں کہ مورخین نے اور بھی بہت سے عوامل کا تذکرہ کیا ہے مثلاً صنعتی انقلاب کے بعد تجارت کا حجم کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ کیوں کہ فیکٹری سسٹم سے پیداوار کے نظام میں انقلابی تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ لہٰذا نقل و حمل کے وسائل کو فروغ دیے بغیر صنعتی انقلاب کو مزید مفید نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ لہٰذا نقل و حمل کے وسائل کی توسیع انقلاب کی ضرورت تھی۔ ریلوے کی تعمیر سے متعلق ایک کمیٹی نے اپنی سفارشات میں ریلوے کی تعمیرات میں مزید تیزی لانے پر زور دیا تھا کیوں کہ قحط سے تحفظ کے علاوہ ریلوے لائن سے منسلک علاقوں میں نقدی فصل اگانے پر بھی زور تھا۔ ریلوے کو کوئلہ کی کانوں سے بھی منسلک کرنا تھا۔ مزید یہ کہ لوگوں کی معاشی حالات کو بہتر بنانا بھی حکمران طبقہ کے پیش نظر تھا۔

اس کے برعکس ہندوستان کی قومی قیادت نے ریلوے کی تیز رفتاری سے تعمیر اور توسیع پر سوالیہ نشان اٹھاتے ہوئے انگریزی حکومت کی منشا پر سوال اٹھایا کہ آخر اتنی جلدی کیا تھی۔ اور اس کے پس پردہ کیا مقاصد کار فرما تھے۔ ہندوستانی قومی قیادت کے شکوک و شبہات بجا تھے کیوں کہ حکمراں طبقہ ہندوستانیوں کے مفاد یا پھر ہندوستان کی معاشی ترقی کی بنا پر ریلوے کی سرعت کے ساتھ تعمیر نہیں کر رہا تھا بلکہ ان کے اپنے سیاسی اور معاشی اغراض و مقاصد کار فرما تھے۔ بپن چندرا کا خیال ہے کہ قومی قیادت کے نزدیک ریلوے کی تعمیر اور تیز رفتاری کے پیچھے ان کے اپنے خود غرضانہ مفاد تھے، برطانیہ کے تاجروں، صنعتکاروں اور سرمایہ کاروں کا حکمراں طبقہ پر ریلوے کی تعمیر کا بڑھتے ہوئے مطالبہ نے تعمیر کی رفتار کو تیز کر دیا۔ ریلوے نیٹ ورک کا بنیادی مقصد برطانوی کاروباری مہم کو ہندوستان کے خام مال کے استعمال کے مواقع فراہم کرنا بھی برطانوی صنعتی انقلاب کو اشد ضرورت تھی۔ ریلوے کی تعمیر کے پس پردہ انگریزوں کا مقصد ہندوستانی خام مال کے خزانہ کو ہندوستان سے برطانیہ برآمد کرنا تھا۔ مزید انقلاب نے برطانیہ میں مزدوروں کا ایک بڑا طبقہ پیدا کر دیا تھا۔ اس طبقہ کو نئے اناج کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے نقل و حمل کے وسائل کو بہتر بنانے اور ریلوے کے ذریعے دیہی علاقوں کو جوڑنا ضروری تھا اور اسی مقصد کو حصول کے لیے ریلوے نیٹ ورک کو بڑے پیمانے پر پھیلانے پر انگریز حکومت نے اپنی پوری توجہ اور طاقت مرکوز کر دیا۔

ریلوے کی تعمیر اور برطانیہ کی اسٹیل کی صنعت کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق تھا۔ برطانیہ میں اسٹیل کی صنعت کو فروغ دینے کے لیے نوآبادیات مثلاً ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر میں تیز رفتاری لاناوقت کی ضرورت تھی کیوں کہ ریلوے کی تعمیر میں ضرورت کی اشیا مثلاً لوہے کی پٹری، انجن، مال بردار گاڑیوں کا ویگن اور دوسری مشنری برطانیہ سے درآمد ہو کر ہندوستان آتا تھا۔ حتیٰ کہ بنیادی ضرورت مثلاً نٹ

بولٹ بھی برطانیہ سے درآمد ہوتا تھا۔ لہٰذا انگریز حکمرانوں اور سرمایہ کاری کا مقصد برطانیہ کی اسٹیل کی صنعت کی حوصلہ افزائی اور فروغ دینا تھی۔ اس لیے ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر میں تیزی لائی گئی۔ پھر اسٹیل کی صنعت کو چلانے کے لیے خام معدنیات کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ریلوے نقل و حمل کا اہم وسیلہ تھا۔

ریلوے کی تعمیر سے کارل مارکس بہت پر امید تھا کہ 'یہ ہندوستان میں جدید صنعت کا پیش رو ہوگا' کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان جیسے طویل و عریض کے ملک میں ریلوے نیٹ ورک کی توسیع کا کام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خود ہندوستان میں ریلوے کی ضرورت کی مشینوں کو بنانے کے کارخانوں کو ترقی نہ دی جائے۔ لہٰذا ریلوے کی ضرورت کی مشینوں کے پیش نظر ہندوستان میں کل پرزوں کے کارخانوں کو کھولنا ناگزیر بن جائے گا اور انگریز اس میں سرمایہ کاری کریں گے جس سے ہندوستانیوں کو روزگار کے مواقع بھی میسر آئیں گے۔ اس کے علاوہ کارل مارکس کو قوی امید تھی کہ ریلوے کی ابتدا سے ہندوستانیوں کو سائنسی علوم بالخصوص میکینکل انجینئرنگ اور سول انجینئرنگ کے شعبہ میں حصول علم سے فائدہ ہوگا۔ کیمبل نے ریلوے کی تعمیر سے ہندوستانیوں میں تکنیکی صلاحیتوں کے گراں قدر اضافہ کی نشاندہی کی تھی۔ اس کے مطابق ہندوستانیوں کا ایک بڑا طبقہ صنعتی توانائی سے آشنا ہو سکے گا۔ کیمبل نے کہا تھا کہ 'ہندوستانیوں کی دانشورانہ صلاحتیں بے مثال ہیں' ریلوے نظام سے پیدا شدہ جدید صعنتی ترقی، ہندوستان میں پیشے کی موروثی تقسیم (hereditary division of labour) کو تحلیل کردے گی جس پر ہندوستانی ذات پات کا نظام قائم ہے جو ہندوستانی اقتدار اور ترقی کی راہ میں فیصلہ کن رکاوٹ ہے۔' کارل مارکس ریلوے کی تعمیر کو زرعی ترقی سے وابستہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ریلوے نے زرعی ترقی کی راہ کو ہموار کیا۔ ریلوے کے بعد نقدی فصلوں کو اگانے کی حوصہ افزائی سے کسانوں کی آمدنی میں اضافہ کو بہت ساری سہولیات بھی دستیاب ہوئیں۔ ریلوے لائن کے کنارے تالاب اور نالے بنائے گئے جس نے کسانوں کو سنچائی کی سہولت فراہم کی جس سے مسلسل قحط کے اثرات کو کم کرنے میں مدد ملی۔

جی۔ سبرامنیا ایر (G. Subramania Iyer) نے ریلوے کی تعمیر کی حوصلہ افزائی کی سرکاری پالیسی اور اس کے اغراض و مقاصد کو قومی نقطۂ نظر سے ان لفظوں میں بیان کیا ہے 'سرمایہ کاروں، کمپنی کے ترقی دہندگان، بینکر، لوہا و کوئلہ کے مالکان، ریلوے انجینئرس، ڈائریکٹرس اور ان کے علاوہ سبکدوش اینگلو انڈین افسران بھی اپنی پینشن میں اضافہ کے متمنی تھے اور سبھی ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر میں دلچسپی رکھتے تھے۔ یورپی تاجر جن کی ہندوستان کی غیر ملکی تجارت پر بالادستی تھی جو کہ مخصوص شہروں یا پھر ساحلی علاقوں تک محدود ہونے کے بجائے دور دراز کے گاؤں تک پہنچ گئی تھی، بھی ریلوے کی سرعت سے توسیع میں دلچسپی رکھتے تھے، تاکہ ان کی تجارت کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو جائے۔ لارڈ ڈالگن سرکاری نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ 'ریلوے کی تعمیر سے ملک کی ترقی ممکن تھی اور یہی طریقہ تھا جس سے ہم زراعت پر منحصر ایک بڑی آبادی کی مادی زندگی کو یقینی طور پر سرعت کے ساتھ بہتر بنا سکتے تھے۔' تاہم، ریلوے کی توسیع کا منفی پہلو ہندوستانیوں کے لیے تکلیف دہ تھا کیوں کہ انگریز صرف اور صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے پالیسی بنا رہے تھے جس کی وجہ سے ہندوستانی، ریلوے کی تعمیر کو ملک کے استحصال کے مترادف تصور کرتے تھے۔ قومی تجزیہ نگاروں نے ابتدائی ایّام میں اس کے فوائد اور مادّی ترقی پر سوالیہ نشان اٹھایا تھا۔ اس کے برخلاف قومی رہنما گوپال کرشن گوکھلے اس کے مقاصد اور افادیت کو تنقیدی نقطۂ نظر سے تجزیہ

کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 'ہندوستانی عام طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ ریلوے کی تعمیر، برطانوی تجارتی اور سرمایہ دار طبقہ کے بنیادی مفاد کے پیش نظر عمل میں آئی تھااور ریلوے نے ہمارے وسائل کا مزید استحصال کرنے میں تعاون دیا۔''

اس کے علاوہ بپن چندرا کا ماننا ہے کہ ریلوے کی مدد سے غیر ملکی برطانوی، ہندوستان کی سیاست پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ڈینیل تھورنر نے اشارہ کیا ہے کہ ریلوے کے ترقی دھندگان نے کمپنی کے حکاّم کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ریلوے، کمپنی کے نقل و حمل کے اخراجات کو کم کردے گی اور اس کی سیاسی اور فوجی گرفت کو بھی مضبوط کردے گی۔' ریلوے کی ترقی کے حامی صنعتکاروں نے یہ بھی بتانے کی کوشش کہ کہ افغانستان اور پنجاب اینگلو سکھ جنگ میں اگر ریلوے موجود ہوتی تو ذلت آمیز شکست سے بچا جا سکتا تھا۔ریلوے کا ماہر معاشیات ہائڈ کلارک اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ ریلوے کوئی غلط ہمدردانہ منصوبہ نہیں تھا بلکہ عملی سیاسی بصیرت کا تقاضا تھا۔غرض کہ ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر کو برطانوی حکومت کی توسیع اور استحکام سے تحریک ملی تھی۔ولیم پیٹرک انڈر پورا سی بات کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''ہندوستان میں ریلوے کی ترقی ملک میں سیاسی حکمران کو قوت عطا کرنے، باصلاحیت بنانے اور ملک کو درست بنانے کا ایک آلہ کار تھا۔''

9.6 مختلف تحقیقاتی و سفارشاتی کمیشن اور ان کی سفارشات

(Various Inquiry and Recommendation Commissions and their Suggestions)

ریلوے کا تعمیراتی منصوبہ تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔اسی اثنا میں کمپنی مینجمنٹ اور سرکاری مینجمنٹ کا تنازعہ بھی ابھر کر سامنے آ گیا۔ انگریز حکمراں طبقہ اور سیاسی رہنما اپنے اپنے نقطۂ نظر سے الگ الگ منصوبے کی حمایت کر رہے تھے۔1901 میں حکومت ہند نے تھامس رابرٹس کی قیادت میں ایک کمیٹی بنائی تاکہ وہ ریلوے سے متعلق انتظامیہ اور اس کے طریقہ کار کی تحقیق کرکے اپنی سفارشات پیش کرے۔ اگرچہ اس نے اپنی رپورٹ میں سرکاری انتظامیہ کی حمایت کی اور اس کی کارکردگی کو کفایتی بتایا مگر عملی منصوبوں کے پیش نظر کمپنی مینجمنٹ کے تحت ریلوے کی تعمیر کے منصوبے کی سفارش کی۔1908 میں کمپنی نے بھی رابرٹسن کی سفارشات کی حمایت کی۔رابرٹسن نے اپنی 1902 کی رپورٹ میں 3 ممبران پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دینے کی تجویز پیش کی جس کے سپرد انتظامیہ اور ریلوے کی ترقی سے متعلق امور کی نگرانی تھی۔ نتیجتاً 1905 میں ریلوے بورڈ کی تشکیل کی گئی جس کو ریلوے کا کنٹرول اور نگرانی کے اختیارات تفویض کیے گئے۔ریلوے بورڈ حکومت ہند کا ایک اہم شعبہ تھا۔ریلوے بورڈ کے ذمہ اخراجات سے متعلق منصوبہ بندی، ریلوے کی تعمیر و توسیع کی ذمہ داری تھی۔

ریلوے کی تعمیر اور اس کے مختلف منصوبوں کو لے کر آگے چل کر بھی سرکاری اور غیر سرکاری طور پر کئی تنازعات سامنے آئے۔ان کے حل کے لیے حکومت ہند نے نومبر 1920 میں ایک کمیشن مقرر کیا اور اس کی قیادت سر ولیم ایکورتھ کو سونپی۔ولیم ایکورتھ بین الاقوامی شہرت یافتہ ماہر ریلوے امور تھے۔اس کمیشن کے ہندوستانی اور برطانوی ارکان نے بہت جانفشانی سے ریلوے کی تعمیر، اس کی انتظامی امور اور تنازعات کا مطالعہ کرکے 1921 میں اپنی سفارشات پیش کیں۔اس کی اہم سفارشات مندرجہ ذیل ہیں۔

- ہندوستانی ریلوے کے استحکام اور قومیانے کی سفارش کی۔
- ریلوے بجٹ کو عام بجٹ سے الگ کرنے کی تجویز پیش کی جو سب سے اہم سفارش تھی اور اس کی بنیاد پر ہندوستان میں 1925 میں پہلا علیحدہ ریلوے بجٹ پیش کیا گیا جسے حال میں نریندر مودی سرکار نے عام بجٹ میں ضم کر دیا۔
- ریلوے انتظامیہ کو محکمہ مالیات سے آزاد کرنے کی سفارش بھی شامل تھی۔
- اسٹینڈنگ فائنینس کمیٹی قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔
- ریلوے بورڈ کے ممبروں کی تعداد 5 کرنے کی تجویز پیش کی۔
- متواتر نظر ثانی کی ضرورت پر زور دیا۔

1944 تک اس کمیشن کی تمام سفارشات کو حکومت ہند نے منظور کر لیا۔ آر سی دت ریلوے کی تعمیر سے متعلق اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ 'ہندوستان میں ریلوے کی توسیع کا خاص مقصد قحط سے تحفظ فراہم کرنا تھا اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ ریل نے قحط کے اثرات کو کم کرنے میں بڑی مدد کی۔' انگریزی حکومت نے اس بات کو تسلیم کیا کہ قحط سے متأثرہ علاقوں کو ریلوے نے بہت حد تک تحفظ فراہم کیا۔ آر سی دت کا ماننا ہے کہ قحط سے بچاؤ ہی ریل کی توسیع کا واحد سبب نہیں تھا بلکہ پالیسی سازوں کے مطابق کئی دیگر اسباب تھے مثلاً ملکی اور غیر ملکی تجارت کا فروغ، نقدی فصلوں کی پیداوار کی حوصلہ افزائی، نئے معدنیات مثلاً کوئلہ کی کھدائی اور برطانوی پالیسی سازوں، سیاستداوں اور صنعتکاروں کے تجارتی مفاد وغیرہ۔ برطانوی حکمرانوں نے ریلوے کے تعمیراتی منصوبوں میں تیز رفتاری لانے پر زور دیا۔ لہٰذا ریلوے کے تعمیری منصوبہ میں تیزی لانے اور متوقع ہدف کو پورا کرنے کے لیے حکومت ہند نے ایک دوسرا تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا۔ یہ کمیشن 1908 میں ریلوے کی مالی ضرورتوں اور منتظمہ کے ڈھانچہ پر اپنی سفارشات پیش کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس کمیٹی کے صدر سر جیمس میکے تھے۔ اس کمیٹی نے ریلوے بورڈ کے طریقہ کار اور اس کی کارکردگی کا مطالعہ کیا اور اس سے متعلق باپنی سفارشات پیش کیں۔

پہلی جنگ عظیم کے وقت فوجی ضرورت کے تحت ریلوے کا استعمال بڑھ گیا جس کی وجہ سے تجارتی ضروریات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ریلوے لائن کی تعمیر پر سرمایہ کی فقدان کی وجہ سے کٹوتی کر دی گئی۔ مثلا 1913 میں ریلوے بجٹ 18.4 کروڑ سے گھٹ کر 1916 میں 2.92 کروڑ روپیہ ہو گیا۔ اس طرح ریلوے کی خدمات متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس طرح پہلی جنگ عظیم کے بعد جب دنیا عالمی عظیم مندی سے گزر رہی تھی اس وقت ریلوے بھی بری طرح متأثر ہوئی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران فوجی ضرورتوں کی وجہ سے آوا جاہی بڑھ گئی۔ جنگی ضرورتوں کی وجہ سے ریلوے کے تعمیراتی اور انتظامی امور بے توجہی کا شکار ہو گئے، لیکن معاشی اعتبار سے ریلوے کے لیے یہ مدت کافی مفید ثابت ہوئی کیونکہ ریلوے کی آمدنی میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ ایک اندازہ کے مطابق 1938 سے 1939 تک ریلوے کی آمدنی کل 94 کروڑ روپیے سے بڑھ کر 45-1943 میں 226 کروڑ روپیہ ہو گئی لیکن 1947 کی تقسیم ہند کی وجہ سے ہندوستانی ریلوے کو بہت خسارہ ہوا کیوں کہ 4950 میل ریلوے ٹریک پاکستان کو چلا گیا۔

اگر ہم پہلی جنگ عظیم کی بات کریں تو ریلوے پر بوجھ بڑھ گیا کیونکہ مسافر بردار گاڑیوں کے ساتھ فوجیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے اور جنگی ساز و سامان اور اسلحہ ڈھونے کی وجہ سے ریلوے پر کافی دباؤ تھا۔ نقل و حمل کی مشکلات کی وجہ سے مشینری کی درامد بالکل بند ہو گئی۔ جنگ کی وجہ سے برطانیہ میں صنعتی پیداوار کی ترجیحات بھی تبدیل ہو گئی جس کی وجہ سے ریلوے کی تعمیر اور مرمت کے کاموں میں رکاوٹ آگئی۔ پہلی جنگ عظیم کا فوری اثر ریلوے کی آمدنی پر پڑا۔ ریلوے کی آمدنی گھٹ گئی کیونکہ ریلوے کی تجارتی ترجیحات تبدیل ہو گئی تھیں اور جنگی تقاضوں کو پورا کرنے میں ریلوے نے اپنے تمام ذرائع صرف کر دیے تھے۔ ریلوے پر سرمایہ کاری میں کافی کمی آگئی۔ 1913-14 میں ایک اندازے کے مطابق بنیادی خرچہ (Capital Expenditure) 18.54 کروڑ سے گھٹ کر 1916-17 میں 2.97 کروڑ ہو گیا۔ انہیں مسائل سے الجھ رہے ریلوے کے لیے ایکورتھ کمیشن مقرر کیا گیا تاکہ وہ اپنی سفارشات پیش کرے۔

پہلی جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد ریلوے آپریشن ڈویژن میں، ریلوے انجینیئرس کا ونگ قائم ہوا۔ اس کا مقصد جنگ کے مختلف محاذ پر ریلوے کو کامیابی کے ساتھ چلانا تھا۔ ٹرین کے ذریعے اناج اور دیگر معدنیات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں ریلوے نے اہم کردار ادا کیا لیکن جنگ کے دوران ریلوے کو تعمیراتی اور انتظامی سطح پر کئی چیلنجز کا سامنا بھی کرنا پڑا مثلاً ریلوے لائن اور ریلوے پلوں کی مرمت کا مسئلہ تھا۔ دوسرے ریلوے کو ایک گوج سے دوسرے گوج میں تبدیل کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ تیسرا ریلوے ٹریفک بہت بڑھ گیا تھا اور پرانی سڑک پر ٹریفک کا بڑھتا ہوا بوجھ بہت سنگین مسئلہ تھا۔ اس کے علاوہ ریلوے نقل و حمل کا سب سے اہم وسیلہ تھا، جو جنگ کے میدان سے زخمیوں اور قیدیوں کو ڈھونے میں بھی استعمال ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی تو ٹرینوں کو ہاسپٹل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ جنگ عظیم کے بعد حکومت نے ریلوے کو صحیح طریقے سے منظم کرنے اور ریلوے کو فروغ دینے پر خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

عظیم کساد بازاری کے دوران ریلوے کی ترقی میں بھی منفی رجحانات دیکھنے کو ملے۔ ریلوے کی آمدنی میں کافی گراوٹ آئی کیونکہ تجارت عالمی سطح پر کساد بازاری کی وجہ سے متاثر ہو رہی تھی۔ اسی دوران ریلوے کی معیشت اور اخراجات سے متعلق امور پر تجاویز کے لیے کمیٹیاں بنائی گئیں۔ 1936 میں والف ویج ووڈ (Ralph Wedgwood) کمیٹی بنائی گئی۔ اس کی اہم تجاویز میں سے ایک فنڈ قائم کرنا تھا تاکہ سود اور قرض کی قسط وار ادائیگی کی جا سکے۔ دوسری اہم سفارش یہ تھی کہ ریل اور روڈ کے مابین نقل و حمل میں ہم آہنگی پیدا کی جا سکے اور ایک دوسرے کو متلازم بنایا جا سکے۔ 1937 کے بعد ریلوے کی آمدنی میں تشفی بخش اضافے کی شروعات ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران بھی ریلوے پر گراں قدر اضافی بوجھ بڑھ گیا کیونکہ فوجیوں اور جنگی ساز و سامان کی ڈھلائی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ ریلوے ٹریفک بڑھنے سے ریل پٹریوں پر کافی بوجھ بڑھ گیا۔ پیٹرول کی کمی کے باعث سڑکوں پر چلنے والی گاڑیاں متاثر ہوئیں۔ اس کی وجہ سے ریلوے پر نقل و حمل کا بوجھ بڑھتا چلا گیا۔ مسافر بردار گاڑیوں میں بھیڑ بڑھ گئی۔ اشیائے خورد و نوش کی سپلائی میں تاخیر ہونے لگی جس سے لوگوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی دوران ہندوستان چھوڑو تحریک نے ریلوے کے انتظامی امور اور نقل و حمل کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ 1947 میں ملک کی آزادی اور تقسیم نے ریلوے انتظامیہ کو مزید متاثر کیا اور کئی سطح پر ریلوے کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان کی نئی سرکار کی کاوشوں اور جامع منصوبہ بندی کی مدد سے ریلوے نے ان مسائل کو حل کیا اور ایک نئے سفر کا آغاز کیا۔ ہندوستانی ریلوے دنیا کا سب سے بڑا نیٹ ورک بن گیا۔

9.7 ریلوے سے متعلق قوم پرست رہنماؤں کے خیالات

(Views of the Nationalist Leaders on Railways)

1853 میں ریلیے کی ابتدا سے ہی قومی رہنماؤں ے ریلوے کی مخالفت کی تھی۔ یہ مخالفت ہندوستان کی معاشی حقائق کی بنیاد پر تھی۔ ہندوستان ایک زرعی ملک تھااور اس کو ریلوے کے بجائے آبپاشی کے نظام کی سخت ضرورت تھی کیوں کہ مانسون کی غیر یقینی صورت حالت اور ناکامی کی صورت میں قحط کا سامنا کرناپڑتا جس کی وج سے فاقہ کشی کی نوبت آتی تھی۔ اور لاکھوں افراد لقمۂ اجل بن جاتے تھے۔ ریلوے کی تعمیر اور اس کی تیز رفتاری اور معاشی پہلو پر قومی رہنما اپنے خیالات کا اکثر اظہار کرتے تھے۔ بپن چندر کے مطابق ان کے سامنے سب سے اہم سوال ریلوے کی تعمیر میں تیز رفتاری سے ریلوے ٹریک کا بچھائے جانا تھا۔ اگر چہ ریلوے ہندوستان کی ضرورت تھی مگر صرف ریلوے پر توجہ دینااور دیگر منصوبوں کو نظر انداز کرناان کے لیے باعث تشویش تھا۔

ہندوستانی رائے عامہ ریلوے کی ترقی اور توسیع اور بالخصوص مال برداری کی پالیسی سے ناخوش تھے۔ ہندوستانی رہنماؤں کا ماننا تھا کہ ریلوے کا مقصد صرف برطانوی مفاد کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی ایّام میں ریلوے کو تمام بندر گاہوں سے جوڑنے کے لیے ریلوے لائن کی تعمیر کی گئی۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ گاڑنٹی سسٹم میں ممکنہ تخمینہ سے کئی گنا زیادہ روپیہ ریلوے لائن کی تعمیر میں لگتا تھا۔ ہندوستانی قومی رہنماؤں نے اس بے جا صرفہ کو ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے مطابق برطانیہ کے اضافی اثاثہ کا ریلوے میں سرمایہ کاری کرکے انگریز کئی طریقے سے منافع کماتے تھے اور یہ ہندوستان سے دولت کی نکاسی کا بہت بڑا چینل تھا۔ دادا بھائی نوروجی نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے گارنٹی سسٹم کو تنقید کا نشانہ بنایااور دولت کی نکاسی میں تیزی کے لیے ریلوے کمپنیوں کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ کیوں کہ ریلوے میں غیر ملکی ملازمین کی بھاری بھر کم تنخواہ اور مراعات بھی اس نکاسی کے لیے ذمہ دار تھی۔ بعد میں انگریز مورخین نے بھی اس کو تسلیم کیا۔ چوں کہ قدیم گارنٹی سسٹم ایک مل پر تعمیر کا خرچہ 18 ہزار پاؤنڈ آتا تھا جب کہ حقیقی معنوں میں اس کا تخمینہ تقریباً 8 ہزار سے زیادہ نہیں تھا۔

ہندوستانی رہنماؤں نے برطانوی حکومت کے خلاف شدید احتجاج کیااور ان کی پالیسی کو اس لیے تنقید کا نشانہ بنایا کہ انگریزوں نے ہندوستان میں آبپاشی کے نظام کی ترقی کے بجائے ریلوے کی تعمیر کو فوقیت دی۔ 1880 کے قحط تحقیقاتی کمیشن نے حکومت کو ریلوے اور آبپاشی دونوں پر یکساں توجہ دینے پر زور دیا تھا۔ کیوں کہ قحط کی وبا سے نمٹنے کے لیے دونوں ہی ضروری تھے۔ لیکن کمیشن نے آبپاشی کے نظام کو ریلوے پر ترجیح دیا تھا کیوں کہ زرعی پیداوار ہندوستان جیسے کثیر آبادی والے ملک کے لیے بہت ضروری تھی۔ کمیشن کی سفارشات کے باوجود برطانوی حکومت نے ریلوے کی تعمیر کو ہی فوقیت دی کیوں کہ برطانوی صنعتکاروں اور معاشی...اس کی پر زور وکالت کر رہے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق 1882-83 میں آبپاشی پر سرکار نے 2.5 کروڑ روپیہ خرچ کیا۔ 1892-93 میں یہ بڑھ کر 3 کروڑ ہو گیا۔ لیکن اسی ریلوے پر 24 کروز کیا گیا مزید اسی دوران ریلوے پر کل خرچہ 218 کروڑ ہو گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ تک ریلوے کے تمام کل پرزے

لندن میں واقع انڈیا آفس سے خرید ناہوتا تھا جس کا براہ راست فائدہ برطانیہ کی حکومت کو صنعتی ترقی کی شکل میں پہنچتا تھا۔ برطانیہ کو زر مبادلہ کی شکل میں فائدہ ہندوستان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہا تھا جس نے دولت کی نکاسی کی شرح کو مزید بڑھادیا۔ ریلوے پر کثیر سرمایہ کاری اور اس کے ہندوستان کی معیشت پر منفی اثرات نے ہندوستانی قومی رہنماؤں کے لیے باعث تشویش بنتا جا رہا تھا اور یہی وجہ ہے کہ ریلوے کی تعمیر میں تیز رفتاری پر انہوں نے سوال اٹھایا اور آبپاشی کے نظام کو نظر انداز کرنے پر حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر اور اس کی توسیع کا ہندوستانی معیشت اور اس سے منسلک دوسرے شعبوں پر زبردست اثر پڑا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے ہندوستانی معاشرے، اس کی سوچ کو تبدیل کر دیا۔

9.8 ہندوستان کی معیشت پر ریلوے کے اثرات (Impact of Railways on Indian Economy)

ہندوستان کی معیشت پر ریلوے کی تعمیر کا مثبت اور منفی دونوں اثر پڑا۔ عام طور پر مورخین کا خیال تھا کہ ریلوے کی تعمیر سے کسانوں کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ کیوں کہ زرعی پیداوار کی برآمدآت کے نتیجے میں کسانوں کی آمدنی میں اضافہ ہوگا اور خوشحالی آئے گی۔ لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہو سکا۔ کیوں کہ برطانوی حکومت کسانوں سے سستے داموں میں زرعی اشیاء کو خرید کر فروخت کر دیتی جس کی بدولت بازار میں اس کی سپلائی کم ہو جاتی۔ چونکہ آبادی زیادہ تھی اس لیے مانگ بھی اسی تناسب سے زیادہ تھی لہٰذا قیمتوں میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ مہنگائی کے ساتھ ساتھ کسانوں کی آمدنی اور بجٹ اعلیٰ سطحی ٹیکس کی وجہ سے بہت کم تھا لہٰذا ان کی قوت خرید بہت کم تھی۔ لہٰذا بازار میں سامان مہیا ہونے کے باوجود کسان اور دوسرا غریب طبقہ اسے خریدنے سے قاصر تھا۔ اس وجہ سے لوگ مفلسی اور غربت کا شکار ہو جاتے تھے۔ زرعی پیداوار میں کسی بھی وجہ سے ناکامی کی بدولت کسانوں کی حالت مزید ابتر ہو جاتی کیوں کہ قحط جیسے حالات پیدا ہو جاتے اور لوگ بھکمری کا شکار ہو کر مرنے لگتے۔ خورد و نوش کی اشیا جیسے چاول، گیہوں، جو وغیرہ کی پیداوار میں گراں قدر کمی کی وجہ Commercialization of Agriculture بھی ہو رہا تھا۔ ریلوے کی تعمیر کے بعد برطانوی حکومت نے کسانوں کو ترغیب دی کہ وہ نقدی فصل اگائیں جیسے کپاس، تمباکو، تلہن لہسن وغیرہ۔ کسانوں کی دلچسپی نقدی فصل اگانے میں یہ تھی کہ ان کو نقد قیمت مل جاتی جس سے وہ مقررہ وقت پر لگان چکا دیتے تھے۔ لیکن ریلوے کی تعمیرات کے بعد اس کی حوصلہ افزائی اور حکومت کی جانب سے کسانوں کو نقدی فصل اگانے کے لیے مجبور کرنے کی وجہ سے خورد و نوش کی فصلوں کی پیداوار میں کمی آگئی اور اس کی قدروں اور پرانی روایتی عادت کو بھی متاثر کیا ایسا گریش مشرا کا ماننا ہے اور اس خیال کو دیگر مورخین نے تسلیم بھی کیا ہے کیوں کہ ریلوے نے مختلف سماجی طبقات کو ایک دوسرے سے اختلاط کا موقع فراہم کیا۔ اس نے ہندوستانیوں کی سوچ، فکر اور عادات و اطوار پر گہرا نقش مرتب کیا۔

برطانوی رائے عامہ نے ریلوے کے اثرات کو ہندوستانیوں کے لیے فائدہ مند بتایا۔ ان کا خیال تھا کہ ریلوے کی تعمیر میں تیزی سے ملک میں مسلسل قحط کو ختم کرنے میں معاون ہوگی اور اس طرح ملک میں بڑھتی غربت و افلاس کو کم کیا جا سکتا ہے۔ 1884 پارلیمانی سیلیکٹ کمیٹی نے ریلوے کی توسیع کی حمایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''اس کی تیز رفتاری سے قحط سالی سے تحفظ فراہم ہوگا، ملکی اور بیرون ملک تجارت کو

فروغ ملے گا معدنیات تک رسائی ہوگی اور لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہوگی''۔ ریلوے کی تعمیر سے یہ بات سچ ثابت ہوئی۔ ریلوے نے آمد و رفت کے وسائل میں انقلاب برپا کر دیا۔ ریلوے نے سستا، محفوظ اور تیز رفتار وسائل فراہم کیے جس نے مسافت کی دقت کو کم کر دیا۔ اشیا کی فراہمی کو زیادہ یقینی بنادیا۔ عوام اور اشیا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں بہت آسانی پیدا ہوگئی۔ برسات کے دنوں میں سڑکوں کے ذریعے مسافت اور سامان کی ڈھلائی بہت مشکل ہو جاتی تھی۔ ریلوے نے اس کو بہت آسان بنادیا۔ ریلوے نے ملک میں متحدہ قومی بازار تشکیل دینے میں بھرپور مدد کی۔ علاقائی بازار تھے پیداوار مقامی بازار یا علاقائی بازار تک محدود تھا اس لیے اشیاء کی پیداوار بھی محدود تھی۔ آمد و رفت کے وسائل میں کمی کے باعث سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا بہت مشکل تھا۔ اس طرح اس کی کمی کی وجہ سے مہنگائی اور بھکمری کے حالت پیدا ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ برطانوی عہد میں قحط کی...... بڑھ گئی۔ جس کو روکنے کے لیے انگریزوں نے خاطر خواہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس سے حالات بدتر ہوگئے۔

مورخین کا ماننا ہے کہ نقل و حمل کے ذرائع میں انقلابی تبدیلی سے لوگوں کی زندگی میں لازمی طور پر بہتری آئی۔ پر سدھا آ گیا لیکن ریلوے تعمیر سے صرف اور صرف انگریزوں کے معاشی مفاد وابستہ ہونے کی وجہ سے ہندوستانیوں کو اس کا خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ جو ملک آزاد تھے، جن کی معیشت نوآبادیات کا حصہ نہیں تھیں مثلاً لیٹن امریکہ، میکسکو، برازیل وغیرہ ان کی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی آمدنی میں 1870 سے لے کر 1910 میں کوئی 110 فیصد اضافہ ہوا جب کہ ہندوستان میں یہ اضافہ محض 31 فیصد دیکھا گیا۔ نوآبادیت ہونے کی وجہ سے ہندوتانیوں کو بہت بڑی قیمت چکانی پڑی۔ ریلوے کے ذریعے سامان کی ڈھلائی، روایتی وسائل بالخصوص بیل گاڑی یا وفاکشی کے ذریعہ پوری سستا ثابت ہوتا تھا۔ اس کے برعکس بیل گاڑی سے سامان کی ڈھلائی بہت مہنگی ہوتی تھی جس کی وجہ سے بازار میں چیزیں مہنگے داموں میں ملتی تھیں۔ اس طرح جان ایم ہرڈر کے مطابق ریلوے نے قومی بجت میں 9 فیصد کا اضافہ کیا۔ اس اضافی رقم کو حکومت نے دوسرے ترقیاتی امور پر خرچ کیا جس سے ملک کی ترقی اور دوسری معاشی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا۔ جس سے ملک میں نوکریوں میں اضافہ ہوا۔ ریلوے جہاز رانی اور دوسرے روایتی آمد و رفت کے وسائل کے مقابلہ میں بہت سستا ثابت ہو رہا تھا کیوں کہ ایک اندازے کے مطابق 1900 میں ریلوے کے ذریعہ اشیا کی ڈھلائی کا خرچہ نسبتاً 373 ملین روپے کم تھا۔ اس ضمن میں جان ایم ہرڈ کا بیان قابل توجہ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''آزادی سے قبل ہندوستان نے جو محدود معاشی ترقی کا تجربہ حاصل کیا اس میں ریلوے نے بلا مبالغہ ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔

ریلوے کی تعمیر سے ہندوستانی تجارت پر نمایاں اثرات دیکھنے کو ملے۔ ریلوے نے تیز اور بھروسہ مند آمد و رفت کے وسائل پیدا کیے۔ سامان کی ڈھلائی پہلے کے مقابلہ میں کئی گنا سستی ہوگئی۔ ایک اندازے کے مطابق 1871 سے لے کر 1901 ریلوے سے 13 گنا زیادہ سامان کی ڈھلائی ہوئی۔ ہندوستان میں زرعی پیداوار کی برآمدات میں بھی کئی گنا اضافہ دیکھنے کو ملا جس نے ہندوستانی زراعت کی اور زرعی تجارت کی حوصلہ افزائی کی۔ چاول، گیہوں، کپڑا، کپاس، جوٹ نیل، دلہن، تلہن کی برآمد میں تیزی آئی۔ ریلوے سے پہلے ہندوستان میں گیہوں برآمد نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن ریلوے کی تعمیر کے بعد صنعتی برطانیہ میں مزدوروں کی ضرورت کے پیش نظر گندم کی برآمد میں 1886

میں 23 فیصد اضافہ ہوامالیت کے لحاظ سے ہندوستانی برآمدات میں 1863 سے لے کر 1929 تک 230 فیصد کااضافہ ہوا۔اسی طرح در آمدات میں بھی اضافہ ہوا۔ مثلاً 1862 سے لے کر 1929 تک ہندوستانی درآمد جو مشین سے بنی مصنوعات اور مشینری پر مشتمل تھااس میں 350 فیصد کااضافہ ہوااس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریلوے نے ہندوستان کے غیر ملکی تجارتی ڈھانچہ کو مکمل طور پر تبدیل کر دیااور ہندوستان کا برطانوی معیشت سے گہرا ربط بھی قائم ہوا،جو ریلوے کی عدم موجودگی میں ناممکن تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ریلوے کی عدم موجودگی میں مال برداری ہر لحاظ سے مہنگی ہوتی کیونکہ جہاز اور سمندر کے راستے سامان لے جانا مہنگااور غیر محفوظ ہوتا تھا۔ ریلوے کی ابتدا سے پہلے ملکی اور غیر ملکی بازاروں میں سامان کی فراوانی ویسی نہیں تھی جیسی ریلوے کی ابتدا سے ہوئی۔ ریلوے کے بعد قومی اور بین الاقوامی تجارت میں انقلابی سطح پر اضافہ ہو گیا۔ تجارت کا حجم کئی گنا بڑھ گیا۔اس کی وجہ سے خوردونوش اور دیگر اشیا کی مانگ میں اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ صنعت و حرفت میں ترقی ہوئی۔ نوکریوں میں اضافہ ہوا۔ لیکن اسی کے ساتھ عدم صنعتکاری میں اضافہ سے قدیم روایتی پیشہ ورانہ طبقہ کو ملازمت سے محروم بھی ہونا پڑا۔ غرضیکہ ریلوے کے آغاز سے معاشی میدان میں غیر متوقع تبدیلیاں ہوئیں جس کا اثر سماج پر بھی دیکھنے کو ملا۔

اگر زراعت پر ریلوے کے اثرات کی بات کہی جائے تو اس شعبہ میں معاشی اعتبار سے اہم تبدیلی رونماہوئیں مثلاً زرعی پیداوار کا نظام ما قبل ریلوے صرف اور صرف مقامی ضروریات کے لیے تھا لیکن اب زراعت قومی اور بین الاقومی بازار کی ضروریات سے منسلک ہو گئی۔ جس کا اثر یقینی طور پر زراعت پر ہوا۔ کیوں کہ قومی اور بین الاقوامی بازار میں اشیا کی مانگ کی بنیاد پر زرعی پیداوار کی سمت طے ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ملکی اور غیر ملکی قیمتوں کی شرح کی بنیاد پر بھی کسان زرعی پیداوار کے انتخاب کے لیے پابند ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ریلوے کی ابتدا کے بعد ہندوستان میں زراعت کی کاروباری/ تجارتی رجحانات دیکھنے کو ملے۔ کسانوں نے اپنی فصلوں کو اگانے کی ترجیح دی جس سے ان کو فوری آمدنی/ نقدی کے حصول کی گنجائش تھی۔ ایسی فصلوں کو نقصدی فصل بھی کہا جاتا تھا مثلاً تمباکو، گنّا، کپاس، گیہوں وغیرہ۔ برطانوی حکومت میں کسانوں کو نقدی فصلوں کو اگانے کے لیے مجبور بھی کیا جاتا تھا۔ بعد میں اس کے منفی اثرات بھی دیکھنے کو ملے، مثلاًاشیائے خوردونوش کی قلت پیدا ہو گئی اور قحط سالی کے دوران غریب لوگ بھکمری کا شکار ہو کر جاں بحق ہونے لگے۔ لیکن بڑے کسانوں مجموعی طور پر منافع بخش زرعی پیداوار کے رجحان سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قومی رہنماؤں نے اس کے برخلاف ریلوے کی تعمیر کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا کہ اس نے اشیائے خوردونوش کی برآمد کو سہولیات فراہم کیا کیوں کہ برطانیہ میں صنعتی انقلاب نے مزدوروں کے ایک بڑے طبقہ کو جنم دیا۔ ان کے لیے غذا کی فراہمی کے لیے ہندوستان ایک بڑاذریعہ بنایا گیا۔اس کا براہ راست نتیجہ ہندوستان کی معیشت اور سماجی زندگی پر مرتب ہوا۔ عام دنوں میں بھی اچھی پیداوار ہونے کے باوجود ملک میں غذائی اشیاء کا فقدان ہونے لگااور ملک میں اناج کی سپلائی میں کمی آنے لگی۔اس وجہ سے بھی ملک میں بار بار قحط سالی جیسے حالات پیدا ہونے لگے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قحط سالی کے تباہ کن اثرات کو کم کرنے میں ریلوے نے ایک طرف گراں قدر کردار ادا کیا، وہیں اناج کی برآمدات نے ملک میں اناج کی کمی کے باعث مہنگائی اور بھکمری جیسے حالات پیدا کر دیے۔

ریلوے کی تعمیر کے بعد جب تجارتی حجم بڑھنے لگا ار ہندوستان سے نقدی فصلوں اور غلہ بر آمد کیا جانے لگا تو کسان منافع بخش تجارت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور دیہی زندگی میں خوش حالی رونما ہوئی جس سے زراعت میں سرمایہ کاری کا نیا موقع فراہم ہوا۔ گریش مشرا کے مطابق ''زرعی میدان میں ملازمت کے خوش آئند مواقع میسر ہوئے۔''اس کے بر خلاف کچھ مورخین کا خیال ہے کہ ریلوے نے تجارت اور صنعتی ترقی کو نقصان پہنچایا۔ برطانوی دانشوروں کا یہ خیالکہ ریلوے نے تجارت کو فروغ دیا صحیح نہیں ہے کیوں کہ جی ایس آئیر نے ایک مطالعہ میں شماریاتی شواہد کی بنیاد پر یہ بات واضح کر دی کہ ریلوے سے سامان کی ڈھلائی جہازوں سے مال برداری 1896-97اور 92-1891 کے دوران نقصان نسبتاً زیادہ تھی۔ جی ایس آئیر لکھتے ہیں کہ اگر انگریز ملکی تجارت کو فروغ دینے میں دلچسپی رکھتے تھے تو ان کو مقامی دیہی سطح پر آمد و رفت کے وسائل کو فروغ دینا چاہیے تھا لیکن انگریزوں نے اپنے تجارتی تحفظات کی بنا پر تمام بڑے شہرں کو بندر گاہوں سے جوڑا اور پھر بڑے شہروں کو ایک دوسرے سے مربوط کیا۔ اس سے صرف برطانیہ کو فائدہ ہوا۔ دوسرے مورخین مثلاً جی وی جوشی بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مورخین کا ماننا ہے کہ ریلوے کی تعمیر سے قحط سالی کے تباہ کن نتائج سے نمٹنے میں آسانی ہوئی۔ اگر کسی خطہ میں قحط آجائے تو ریلوے کی مدد سے خورد و نوش کی اشیاء کو معاشرہ علاقوں میں پہنچانا آسان ہو گیا اور فاقہ کشی کے شکار لوگوں کو جب اناج مہیا ہو جاتا تو موت کی شرح کو روکنے میں مدد مل جاتی ہے۔ اس طرح ریلوے نے تباہ کن قحط سالی کے اثرات کو کم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ریلوے کی تعمیر میں اگرچہ اعلیٰ عہدوں سے لیکر کلرک یورپی ہوتے تھے لیکن ریلوے لائن کی تعمیر محنت کش مزدوروں کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ لہٰذا مزدوروں کے ایک بڑے طبقہ کو یومیہ مزدوری کی شکل میں آمدنی حاصل ہو جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کی قوت خرید بڑھ گئی اور بازار میں موجود اشیا کو خریدنے کی استطاعت نے ان کو بھکمری سے بچا لیا۔

ریلوے کی تعمیر کے حمایتی انگریز حکام اور برطانیہ کا سرمایہ دار طبقہ اس بات کی وکالت کر رہا تھا کہ اس نے روزگار کے مواقع فراہم کیے۔ موجودہ دور میں ریلوے سب سے بڑا روزگار فراہم کرنے والا شعبہ ہے۔ اسی طرح انیسویں صدی کے اواخر میں روزگار فراہم کرنے والا سب سے بڑا شعبہ تھا۔ گریش مشرا نے اپنے مطالعہ میں اس بات کی جانکاری دی ہے کہ 1865 میں ریلوے سے منسلک مختلف شعبوں میں 34ہزار ہندوستانی برسر روزگار تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے زیادہ تر کم تر شعبوں اور عہدوں پر فائز تھے۔ 1895 میں یہ تعداد بڑھ کر 2 لاکھ 73 ہزار ہو گئی اور عظیم کساد بازاری 1928 سے قبل یہ تعداد 7 لاکھ 90 ہزار تک پہنچ گئی۔ ملک کی آزادی کے وقت ہندوستانی ملازمین کی تعداد 10 لاکھ 47 ہزار سے بھی تجاوز کر گئی۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک طرف ریلوے نے ملازمت فراہم کی وہیں دوسری طرف جو لوگ روایتی آمد و رفت کے وسائل سے وابستہ تھے ریلوے سے مقابلہ آرائی نہ کر سکے اور اپنی ملازمتیں گنوا بیٹھے۔ لیکن مورخین کا اتفاق رائے ہے کہ تمام منفی اثرات کے باوجود بھی ملازمتیں پیدا ہوئیں۔

ریلوے کی ابتدا سے متعلق یہ تنازعہ بھی قابل غور اور دلچسپی کا باعث ہے کہ ریلوے نے ہندوستان میں صنعتی ترقی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ ریلوے سے قبل ہندوستان میں جدید صنعتوں کی بہت ترقی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن برطانوی سرمایہ دار طبقے کا یہ ماننا ہے کہ ریلوے نے خام مال کی ڈھلائی کو یقینی اور محفوظ بنایا اور جن شہروں میں فیکٹریاں نصب تھیں وہاں سے خام مال سرعت سے فراہم کر کے

پیداوار میں قدرے اضافہ کیا۔ پھر فیکٹریوں کی بنی مصنوعات کو ملکی اور غیر ملکی بازاروں میں جہاں ان کی مانگ تھی، بھیجنے میں اضافی کردار ادا کیا۔اس طرح انیسویں صدی کے آخری عشرے میں ہندوستان میں جدید صنعت کا آغاز ہوا۔ یہ بات بھی معاشی اور صنعتی اعتبار سے اہم ہے کہ ابتدائی ایّام میں ریلوے کی ضرورت کے تمام کل پرزے اور مشنیری برطانیہ سے درآمد کیے جاتے تھے جس کی وجہ سے وہاں کی صنعتی پیداوار میں کئی گنا اضافہ دیکھنے کو ملااور صنعتی ترقی میں ریلوے کا بہت اہم کردار ابھر کر سامنے آیا۔

کارل مارکس کی ریلوے سے متعلق پیشین گوئی بھی مورخین کے مابین موضوع بحث رہی ہے۔ کارل مارکس نیویارک ڈیلی ٹریبون کے نامہ نگار کی حیثیت سے 18 اگست 1853 کے اپنے ایک مضمون میں ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا کو ہندوستان کی صنعتی ترقی سے جوڑ کر بہت ہی پر امید نظر آتا ہے۔ اپنے مضمون 'The Future Results of British Rule in India' میں کارل مارکس لکھتا ہے کہ ریلوے کی مشنیری اور دیگر چیزوں کی ضروریات کے پیش نظر برطانوی حکومت کو ہندوستانیوں میں مشینری اور کل پرزے بنانے کے کارخانے کھولنے ہی ہوں گے۔اس کے بغیر اس کی ضرورتوں کو پورا کرنا ممکن نہیں۔اس طرح ریلوے ہندوستان میں جدید صنعت کا نقیب بن جائے گا۔ کارل مارکس تو اور بھی پر امید نظر آتا ہے جب وہ لکھتا ہے کہ ریلوے سے جنم لینے والی جدید صنعت موروثی تخصیص کار کو تحلیل کرنے میں معاون ثابت ہوگی جس پر ہندوستانی ذات پات کا نظام قائم ہے۔ جو ہندوستانی ترقی میں فیصلہ کن رکاوٹ تھا۔ ریلوے کی تعمیر اور اس کی ترقی سے متعلق کارل مارکس کا پر امید ہونا کہ ہندوستان میں اس سے صنعتی ترقی ہوگی اور ملازمت پیدا ہوگی صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ وہ برطانوی سامراجیت اور اس کی خصوصیات و نفسیات کو سمجھنے میں کہیں نہ کہیں غلطی کر بیٹھا۔ برطانوی سرمایہ کاری اور مینجمنٹ جو ریلوے کی تعمیر میں اہم ستون تھے ان کا بنیادی مقصد برطانوی معیشت اور صنعت کو ترقی دینا تھا اور اس کے مفاد میں کام کرنا تھا۔ ان کو ہندوستان کی صنعتی ترقی اور ہندوستانیوں کی ملازمت میں شمولیت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ریلوے کی تعمیر سے متعلق تمام مشینری کی خریداری برطانیہ ہی سے ہوتی تھی جس کا مقصد برطانیہ کی صنعتی ترقی کو فروغ دینا تھا اور برطانوی اشیا کو خریدنے کی پالیسی نے ہندوستانی صنعت و حرفت کو ترقی کے بجائے مزید پستی میں دھکیل دیا۔ کیوں کہ ریلوے نے عدم صنعتکاری کے عمل کو مزید تیز کر دیا۔ جس نے ہندوستانی معیشت کو پسماندہ بنادیا۔اور اس کے نتیجے میں ملازمتیں ختم ہو گئیں۔ہندوستان کی زرعی معیشت دیہی اور زرعی میں تبدیل ہو گئی۔

قومی رہنماؤں نے ریلوے کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے سب سے زیادہ نقصان صنعتی سرگرمیوں کو پہنچایا۔ کیوں کہ برطانیہ کی مشین کی بنی ہوئی اشیا کو ریلوے نے ملک کے کونے کونے تک پہنچادیا اور یہ مقامی اشیاء کے مقابلے سستی دستیاب ہونے کی وجہ سے لوگوں کی پسند اور ترجیح بن گئی اور اس نے مقامی روایتی صنعت و حرفت کو ناقابل تلافی سطح پر پامال کر دیا۔ ملک کی معیشت دیہی معیشت میں تبدیل ہو گئی اور ہندوستان برطانیہ کے لیے ایک زرعی نوآبادی بن گیا جس کا صنعتی برطانیہ کی زرعی پیداوار کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خوب استحصال کیا گیا۔ ریلوے کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ دولت کی نکاسی میں تیزی آ گئی۔ ما قبل ریلوے دولت کی نکاسی سے ہندوستان کی معیشت اور سماج پر منفی اثر پڑا تھا جب کہ مابعد ریلوے نے معیشت اور صنعت و حرفت کو منجمد کر دیا اور ہندوستان کی صنعتی ترقی سرمایہ کے فقدان میں بالکل سست رفتاری کا شکار ہو گئی۔ غیر ملکی سرمایہ پر سود ادائیگی ہندوستان کی سالانہ آمدنی سے سے ہوتی تھی۔اس کے علاوہ حکام اور ملازمین کی

تنخواہوں کی شکل میں ایک بہت بڑی رقم برطانیہ کو چلی جاتی تھی۔ تیسرے ریلوے کی ضرورت کی تمام مشینری برطانیہ سے درآمد ہوتی تھی۔ اس کی قیمت کی ادائیگی بھی ہندوستانی خزانہ سے ہوتی تھی جس کی وجہ سے دولت کی نکاسی کا عمل تیز ہو گیا۔ ملک میں تعمیراتی منصوبوں پر اخراجات کے لیے سرمایہ میں واضح کمی آگئی۔

کچھ ہندوستانی رہنما اس بات ے متفق نظر آتے ہیں کہ ریلوے سے درآمد اور برآمد کی وجہ سے تجارتی ترقی ہوئی اور ملک میں تجارت کئی گنا بڑھ گئی۔ لیکن کچھ سیاسی مفکرین اس سے اتفاق نہیں رکھتے کیوں کہ ان کا ماننا ہے کہ اس نے ملکی تجارت اور صنعتی ترقی کو نقصان پہنچایا۔ برطانوی سرمایہ داروں کا یہ نعرہ کہ ''ریلوے نے تجارت دی'' کے شماریاتی تجزیہ کے بعد ہندوستانی تجزیہ نگاروں نے اس کے برخلاف نتیجہ اخذ کیا جو چونکانے والا بھی ہے اور حقیقت کی غمازی بھی کرتا ہے۔ جی۔اے آئر نے 1898 میں اپنے ایک تجزیہ میں لکھا تھا کہ ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ تک سامان کی اوسطاً ڈھلائی 1891 سے لے کر 1897 تک 13 کروڑ سے لے کر 17 کروڑ من کے قریب تھا۔ وہیں بندرگاہوں تک جانے والا سامان 7 کروڑ من سے لے کر 9 کروڑ من تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اندرون صوبہ جاتی تجارت میں بندرگاہوں سے جانے والا سامان کم تھا اور دوسری اہم بات جی۔ ایس۔ آئر نے یہ بتائی ہے کہ اگر برطانوی حکومت کو ملکی تجارت کو فروغ دینا مقصد ہوتا تو دیہی علاقوں میں آمد و رفت کے وسائل اور سڑکوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دیتے جس کہ ایسا نہیں ہوا۔ بپن چندرا کا خیال ہے کہ ریلوے سے پیدا شدہ مسائل مثلاً مالی بوجھ اور معاشی انتشار کے باوجود حکومت اپنے حکام کو تکنیکی تعلیم اور ریلوے سے متعلق امور میں ٹریننگ دے کر ان کو مستقبل میں اعلیٰ مواقع فراہم کرنے میں تعاون دیتی رہی لیکن ہندوستانی قیادت نے اس کو واضح کیا کہ برطانوی حکومت نے ایسی حوصلہ افزائی اور ٹریننگ سے ہندوستانیوں کو ہمیشہ دور رکھا اور ان کو اعلی تکنیکی عہدوں اور اعلیٰ تنخواہوں والے عہدوں ے الگ رکھا۔

ریلوے کے معاشی نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے جی وی جوشی نے 1888 میں لکھا تھا کہ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے لیے ریلوے بہت نقصان دہ ثابت ہو گا۔ اور ریلوے کو صنعتی ترقی روکنے پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ جی وی جوشی کے نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے جی۔ ایس آئیر نے حکومت کی موجودہ ریلوے پالیسی کو کئی طرفہ برائی بتایا تھا، ملک نے ریلوے، ٹیلیگراف اور روڈ کو اس وجہ سے تنقید کا ناشنہ بنایا تھا کہ اس کی ترقی سے ملک کو بہت کم فائدہ حاصل ہو سکے گا اور انہوں نے اس عمل کو 'دوسرے کی بیوی کی زیبائش کرنے سے تعبیر کیا تھا۔' ہندوستانی معیشت پر جہاں ریلوے کہ بہت سے منفی نتائج مرتب ہوئے وہیں اس کے نتیجے میں ملک میں تکنیکی تعلیم کی ترقی سے انکار نہیں کیا جا سکتا مثلا ریلوے کی تعمیر سے سول انجینئرنگ کے شعبہ کی مانگ بڑھی۔ اسی کے ساتھ ریلوے نے میکینکل انجینئرنگ کے شعبہ کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ملک بھر میں ریلوے ورک شاپ قائم کیے گئے۔ 1916 تک ملک میں چھوٹے بڑے کل ملا کر 40 ورکس شاپ قائم کیے گئے جمال پور، بہار، بمبئی، لاہور ان میں قابل ذکر ہیں۔ لیکن ہندوستان میں قائم شدہ فیکٹری کو مشینری کی پیداوار پر مکمل آزادی نہیں تھی۔ کیوں کہ ممبئ ورک شاپ ریلوے انجن بناتا تھا لیکن اس کی مجموعی تعداد کم تھی کیوں کہ زیادہ تر ریلوے انجن برطانیہ سے ہی درآمد کر لیے جاتے تھے۔

1865 سے لے کر 1941 تک ہندوستانی کارخانوں نے کل 40 بھاپ کے انجن بنائے جب کہ 12 ہزار انجن برطانیہ سے درآمد کیے گئے تھے۔ اس سے بھی دولت کی نکاسی میں اضافہ ہوا اور ملکی سرمایہ کے ذخیرہ میں گراں قدر کمی آئی۔ ریلوے میں پیشہ وارانہ ملازمتوں کے لیے ہندوستانیوں کی پیشہ ورانہ تربیت کا انتظام تھا لیکن ان کو ریلوے کا محکمہ محروم رکھتا تھا۔ اس لیے فورمین سے آگے ان کے پروموشن کے امکانات کم تھے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ریلوے کی ابتدا سے بہتر ملازمت کے روشن امکان تھے۔ صنعتی ترقی کے لیے دانشور پرامید تھے لیکن ایسا قطعی طور پر نہیں ہو سکا لیکن ریلوے کی آمدنی سے معدنیات میں کوئلے کے شعبہ نے بہت ترقی کی۔ برطانیہ سے کوئلہ لانا مشکل تھا کیوں کہ یہ وزنی ہوتا تھا لہٰذا سرکار نے کوئلے کی کانوں کی کھدائی بڑے پیمانے پر کرائی۔ 1900 میں ریلوے کم سے کم 30 فیصد کوئلہ سے اپنی ضرورت پوری کرتا تھا۔ اس سے کوئلے کی صنعت کو بڑھاوا ملا۔ ملازمتوں میں اضافہ ہوا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جدید صنعتوں میں لوگوں کو ملازمت کے مواقع فراہم ہوئے۔ لیکن عدم صنعتکاری کے نتائج کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ دیسی صنعتوں اور ہینڈ لوم میں کام کرنے والوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ دوسری جنگ عظیم کے وقت ریلوے کے ورک شاپ میں کام کرنے والوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔

ریلوے میں سرمایہ کاری کا معاملہ بھی موضوعِ بحث رہا ہے۔ یہ بات واضح تھی کہ ریلوے میں سرمایہ کاری کے لیے 99 فیصد سرمایہ برطانیہ سے آیا اور باقی 1 یک فیصد سرمایہ ہندوستانی تھا تو اس سے حاصل ہونے والا فائدہ بھی برطانیہ کو گیا نہ کہ ہندوستان کو۔ ریلوے کی ابتدا کے بعد بقول بپن چندرا زراعت میں تجارتی انقلاب آ گیا جس کو ریلوے کے تبصرہ نگار نظرانداز کر گئے مثلاً نقدی اناجوں کی پیداوار میں گراں قدر اضافہ ہوا اسی کے ساتھ مخصوص علاقوں میں مخصوص فصلوں کو اگانے کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی جس کو بپن چندرا مکمل نہیں تو جزوی طور پر ریلوے کی پیداوار تسلیم کرتے ہیں ریلوے نے ملک میں اشیا کی قیمتوں کو یکسانیت بخشی جس کو کچھ مورخین ریلوے کا اہم نتیجہ تصور کرتے ہیں سیاسی مبصرین نے ریلوے کی بدولت دیہی معیشت میں تبدیلیوں کو بھی نظرانداز کیا کیوں کہ تجارتی سرمایہ دیہی علاقوں میں بھی پہنچ گیا جسے معاشی اعتبار سے سازگار ترقی / تبدیلی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔

ہندوستانی رہنماؤں یا ماہرین معاشیات نے کبھی بھی ریلوے کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا ماننا تھا کہ انگریزی حکومت کو ہندوستان کے سیاسی سماجی اور معاشی پس منظر کو سمجھتے ہوئے سرمایہ کاری کو ترجیح دینا چاہیے تھا۔ ہندوستان ایک زرعی ملک تھا اس کو نظرانداز نہیں کرنا تھا بلکہ اس کے پیش نظر سرمایہ کاری زرعی شعبہ بالخصوص آبپاشی کے نظام پر بھی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن انگریزوں نے ریلوے کو ترجیح دی اور اس سے جو فوائد حاصل ہوئے اس سے انکار ناممکن ہے۔ اور وہ انگریزوں کے حصے میں گئے۔ ریلوے اس صورت میں فائدہ کا سودا ہوتا اگر ملکی صنعتوں کی ترقی پر توجہ مبذول کی جاتی اور مقامی صنعتوں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ لیکن سرمایہ کی نکاسی کی صورت میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا کیوں کہ انگریزوں نے وقتی تقاضوں کو مد نظر رکھنے سے گریز کیا۔ معاشی ذرائع کو بہتر طریقے سے استعمال کر کے ملک کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا جا سکتا تھا جس سے ملک کی معیشت ترقی یافتہ ہوتی۔

9.9 ریلوے کی ترقی کے سماجی اور سیاسی نتائج
(Social and Political Consequences of the Development of Railway)

16 اپریل 1853 ہندوستانی ریلوے کی تاریخ کا اہم دن تھا کیونکہ اسی دن سب سے پہلے ممبئی سے تھانہ کے لیے مسافر ٹرین روانہ ہوئی تھی۔ ریلوے، برطانیہ کے لیے معاشی اور سیاسی سطح پر بہت مفید ثابت ہوا۔ مثلاً اس نے برطانوی معیشت کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ کیوں کہ ریلوے کی تعمیر میں سرمایہ کاری پر حکومت برطانیہ کو 5 فیصد کا منافع سود کی شکل میں دستیاب تھا۔ ریلوے کی ابتدا نے ملکی اور غیر ملکی تجارت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اندرون ملک کی تمام دیہی منڈیاں ایک دوسرے سے براہِ راست منسلک ہو گئیں جس سے اندرونی تجارت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ پھر ملک کی منڈی بین الاقوامی منڈیوں سے براہ راست منسلک ہو گئیں جس سے تجارت کا حجم کئی گنا بڑھ گیا۔ اور اس نے صنعتی ترقی کی رفتار کو تیز کر دیا۔ ریلوے نے زرعی پیداوار کو بڑھاوا دیا کیوں کہ اب صنعتی برطانیہ کو ہندوستان سے ضرورت کا سامان اور خام مال لے جانے میں بہت سہولت ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ہندوستان کے زرعی میدان میں زراعت کی تجارت کاری کا آغاز ہوا۔ ریلوے کے آغاز سے سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ روایتی رسل و رسائل کے ذرائع پر انحصار ختم ہو گیا اور ریلوے نے ایک سستا اور تیز رفتار ذرائع ابلاغ فراہم کر کے معاشی اور سیاسی میدان میں انقلاب برپا کر دیا۔ بی۔ آر ٹاملنسن کا ماننا ہے کہ ریلوے نے ملکی اور غیر ملکی تجارت کو بہت وسیع کر دیا۔ اس نے ریلوے کی افادیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ روایتی آمد و رفت کے وسائل پر ڈھلائی خرچ بہت زیادہ تھا۔ ریلوے نے اس کو حیرت انگیز سطح پر کم کر کے ملک کی قومی آمدنی میں گراں قدر اضافہ کیا۔

اگرچہ ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا انگریزوں نے اپنے سیاسی اور معاشی مفاد کے پیش نظر شروع کی تھی مگر اس کے کچھ غیر ارادی مثبت نتائج بھی سامنے آئے جس نے ہندوستانی سیاست اور بالخصوص قومی تحریک کو زیادہ فعال اور مؤثر بنا دیا۔ ریلوے نے متحرک علاقوں اور مختلف سماجی گروہوں میں باہمی اختلاف دور کر کے اتحاد پیدا کر دیا مثلاً ٹرینوں میں مختلف علاقوں کے مختلف طبقوں کے لوگ سفر کرتے وقت ایک دوسرے کے براہِ راست تعلق میں آئے۔ ان میں باہمی ربط و ضبط ہوا۔ ایک دوسرے سے آشنا ہوئے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملا۔ گفت و شنید میں ایک دوسرے کے مسائل الغرض انگریزوں کی استعمال کی پالیسی اور امتیازی سلوک سے واقف ہوئے۔ ایک دوسرے کی تہذیب اور مذہبی رجحان کو سمجھنے کا موقع ملا جس نے ایک تہذیبی اتحاد پیدا کیا۔ اس تہذیبی اتحاد نے سیاسی اور قومی یکجہتی پیدا کی، جس نے جنگ آزادی کی تحریک کو جلا بخشی۔

ہندوستان اب تک علاقوں میں تقسیم تھا اور علاقائی تشخص ہی ان کی پہچان اور قومیت کی علامت تھی۔ مگر ریلوے نے ہندوستانیوں میں ایک متحدہ قومیت جسے ہندوستانیت کہا جا سکتا ہے، کا جذبہ پیدا کیا اور یہی ہندوستانیت ان کی قومی تشخص کی علامت بن گئی جس نے ذات اور فرقوں میں منقسم ہندوستانیوں کی صف میں اتحاد کا تصور قائم کر دیا اور جنگ آزادی کی تحریک اب ہندوستانیوں کی بقا کی جنگ تھی جس میں ہندوستانیوں نے اپنی آزادی کی مانگ تیز کر دی۔ مسافر ٹرینوں نے عوام کی نقل و حرکت کو تیز کر دیا۔ لوگوں میں باہمی تبادلۂ خیال سے سیاسی

بیداری اور سماجی شعور پیدا ہوا۔ سفر کے دوران بحث و مباحثہ سے لوگوں میں ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے ایک دوسرے کے رسم ورواج کو جاننے سے باہمی ہم آہنگی پیدا ہوئی اور تاریخی شعور پیدا ہوا جس کے نتیجے میں روشن خیالی نے جنم لیا۔ یورپی ممالک کی جمہوریت کی افادیت اور اہمیت کو جاننے کا موقع ملا جمہوری اداروں کے متعلق جانکاری سے ہندوستانیوں میں ایسے اداروں کے قیام اور آزادی و مساوات کی مانگ بڑھنے لگی۔ قومی رہنماؤں سے ملاقات اور ربط وضبط کا سلسلہ بڑھا جس کی بدولت لوگوں میں مشترک اور آزاد خیالی جیسے رجحانات نے جنم لینا شروع کر دیا۔ ملک میں جدیدیت کا آغاز ہوا۔

ہندوستان میں ریلوے کی تعمیر سے سب سے بڑا فائدہ سیاسی اتحاد کا وجود میں آنا تھا اور جس نے ہندوستانی معیشت کو یکجا کر دیا۔ اس نے ملک میں بقول بپن چندرا قومی ہم آہنگی اور باہمی اتحاد پیدا کر دیا۔ بپن چندرا کے مطابق ریلوے کی تعمیر سے ہندوستانی عوام کی زندگی، ثقافت اور معیشت پر ایک انقلابی اثر پڑا۔ ریلوے سے متعلق دانشوروں کا خیال ہے کہ اپنی ابتدا سے لے کر ملک کی آزادی تک ریلوے سب سے اہم ترقیاتی منصوبہ تھا۔ ریلوے ہندوستانیوں کی زندگی کے تمام شعبوں سے وابستہ تھا اور ریلوے نے سماجی اور سیاسی زندگی کے تمام امور کو متاثر کیا جس کا تجزیہ مورخین نے اپنے تحقیقاتی نتائج میں بیان بھی کیا ہے۔ سیاسی بالا دستی اور اقتدار پر بعض سیاسی رہنماؤں کے نظریات نے بھی ریلوے سے وابستہ پالیسیوں کو متاثر کیا مثلا برطانیہ کی سیاسی جماعتوں کے نظریاتی اصول نے بھی ہندوستانی معاشی نظام کو بہت متاثر کیا کرتے۔ بیسویں صدی میں ریلوے تعمیراتی ترقی کے ساتھ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تحریک کا ایک اہم ستون بن گیا۔

1853 میں ریلوے کی ابتدا ہوئی۔ 1857 میں غدر کا آغاز ہوا جس نے برطانوی حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ غدر پورے ملک بالخصوص شمالی ہندوستان میں پھیل گیا۔ اس وقت ریلوے نے بغاوت کو فرو کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا کیوں کہ ملک کے کسی حصہ میں بغاوت کی صورت میں فوجیوں کی منتقلی کو ریلوے نے بہت آسان بنا دیا اور اس طرح حکومت فوجیوں کی مدد سے بغاوت کو کچلنے میں کامیاب ہوئی۔ ریلوے کی مدد سے جنگی ساز و سامان و اسلحہ جات کو ایک علاقے سے دوسرے متاثرہ علاقے میں لے جانا بہت آسان ہو گیا۔

ریلوے نے ملک میں باہمی ہم آہنگی اور میل جول پیدا کر کے ملک کو سیاسی اتحاد دیا۔ مثلاً 1857 کی جنگ آزادی سے پہلے ہندوستانیت یا پھر قومیت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ لوگوں کی شناخت در اصل ان کی علاقائی نسبت سے کی جاتی تھی مثلاً پنجابی، مدراسی، بنگالی وغیرہ۔ لوگوں نے ریل میں سفر کرنا شروع کیا آپسی روابط بڑھے، آپسی ملاقات بات سے لوگوں کا اختلاط ہوا۔ ایک دوسرے کو سمجھنے اور جاننے کا موقع ملا ایک دوسرے کے مسائل اور برطانوی حکومت کی استحصال کی پالیسیوں اور امتیازی سلوک کو جاننے کا موقع ملا۔ لوگوں نے اپنی زندگی کے بارے میں ایک دوسرے سے ساجھا کیا۔ باہمی اختلاط نے سیاسی بصیرت پیدا کی۔ روشن خیالی آئی سماجی بیداری پیدا ہوئی جس نے قومیت کو جنم دیا۔ ہندوستانیت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریلوے نے سیاسی بیداری پیدا کر کے لوگوں کو ملک کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی۔

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام 1885 میں عمل میں آیا۔ اس کا سالانہ اجلاس ملک کے مختلف شہروں میں منعقد ہوتا۔ ریلوے نے

مندوبین کو اجلاس تک پہنچانے میں مدد کی کیوں کہ آمدورفت کا یہ ایک سستا وسیلہ تھا جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ لک کے ہر حصہ سے لوگ جمع ہونے لگے اور ہندوستانی قومیت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ چمپارن ستیہ گرہ کے وقت مہاتما گاندھی نے ریل سے سفر کرنے کو ترجیح دی تاکہ ہر اسٹیشن پر لوگوں سے براہ راست رابطہ ہو سکے اور ہر اسٹیشن پر گاندھی کے دیدار کے لیے بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوئے اور سیاسی اختلاط اور نعروں کے جوش سے ملک کی آزادی کی فضا ہموار ہونے لگی۔ ملک کی جنگ آزادی کے وقت سیاسی تحریکوں نے جب زور پکڑا تو ریلوے بھی متاثر ہوا کیوں کہ سیاسی جذبہ سے سرشار کارکنان ریلوے کی پٹری کو نقصان پہنچاتے یا پھر اسٹیشن کو آگ لگا دیتے۔ عدم تعاون اور خلفات تحریک کے دوران چوری چورا کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ آزادی کے بعد ریلوے لائن کا بہت بڑا حصہ پاکستان چلا گیا جس کی بدولت ہندوستان کو بہت بڑا خسارہ ہوا جس کو بعد میں قومی رہنما اور سیاسی قیادت نے اپنی بصیرت اور تعمیراتی منصوبوں کو فروغ دے کر ملک کی ترقی کا راستہ ہموار کیا۔ بپن چندرا کے مطابق ریلوے کی تعمیر کا ایک مقصد غیر ملکی حکومت کو سیاسی طور پر استحکام بخشنا تھا وہیں ملک کی سیاست اور معیشت پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنا تھا۔ ڈینیل تھورنر مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ہندوستان میں ریلوے کی مدد سے انگریز اپنے اخراجات کو کم کر سکتے تھے اور اپنی سیاسی اور فوجی طاقت کو مزید بڑھا سکتے تھے۔ برطانوی دانشوروں کا خیال تھا کہ ریلوے کی موجودگی میں افغانستان میں 1842 میں اور 1840 میں انگریز سکھ جنگ کے دوران ذلت آمیز شکست سے ممکنہ طور پر بچا جا سکتا تھا۔ ہائیڈ کلارک جو ریلوے کے معاشی امور میں مہارت رکھتا تھا اسکا خیال تھا کہ یہ کوئی رفاہی کام نہیں تھا بلکہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کی توسیع اور تقویت بخشنے کے جذبہ سے اس کام کی ترغیب ملی تھی تاکہ ہندوستانی مفاد پر ان کے مفاد کو بالادستی حاصل ہو سکے۔ ولیم پیٹرک انڈریو ریلوے کی تعمیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندستانی میں برطانوی سیاست کو تقویت دینے، بہتر استعداد قابلیت اور متانت پیدا کرنے کی غرض سے ریلوے کو بطور آلہ کار کے طور پر ترقی دی گئی۔ یہ منصوبہ بند اور منظم سوچ کی پیداوار تھی۔

9.10 ریلوے بنام آبپاشی نظام (Railways vs Irrigation System)

ابتدا سے ہی قومی رہنماؤں اور دانشوروں نے ریلوے سے متعلق اپنی تشویش کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ آیا ہندوستان جو ایک زرعی پیشہ ملک ہے یہاں ریلوے یا پھر آبپاشی کے نظام کو فوقیت دی جانی چاہیے۔ انگریزوں نے ریلوے کو ترجیح دی کیوں کہ ان کا خیال تھا ریلوے کی مدد سے ملکی معیشت کو بہتر بنایا جا سکتا ہے اسی کے ساتھ ہندوستان کو مسلسل تباہ کن قحط سالی سے بھی بچایا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ہندوستانی رہنماؤں کی دلیل تھی کہ ہندوستان کی آبادی چونکہ زراعت پر منحصر ہے لہٰذا آبپاشی کے نظام کو فوقیت دینی چاہیے۔ دوسرے مسلسل تباہ کن قحط سالی سے تحفظ کے لیے آبپاشی کے نظام کو ترقی دینا ضروری ہے۔ دلیل اور جوابی دلیل سے ریلوے بمقابلہ آبپاشی کے نظام کا تنازعہ بڑھتا گیا۔ برطانوی حکمت کی ترجیحات میں شامل ہونے کی وجہ سے برطانوی حکمراں طبقہ، تاجر اور سرمایہ داروں نے ریلوے میں سرمایہ کاری کو ترجیح دی جب کہ آبپاشی کا نظام خاص توجہ کا طالب ہونے کے باوجود عدم توجہی کا شکار رہا۔ بپن چندرا نے اپنے شماریاتی شواہدات کی روشنی میں اس تنازعہ کے تجزیاتی مطالعہ میں یہ باور کرایا ہے کہ 1902 تک بڑے اور چھوٹے آبپاشی کے منصوبوں پر سرکار نے 3 کروڑ روپیہ کی معمولی رقم خرچ کی جب کہ 1905 تک برطانوی سرکار نے ریلوے پر 359 کروڑ روپے کی خطیر رقم خرچ کی۔ اسی وجہ سے ہندوستانی رہنماؤں نے انگریزی

حکومت پر آبپاشی کے نظام کو نظر انداز کرنے کا الزام عائد کیا۔ ان کی دلیل تھی کہ عوام کے مفاد کے پیش نظر سرکار کو آبپاشی کے منصوبوں پر زیادہ رقم خرچ کرنی چاہیے تھی۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہندوستان میں زراعت مانسون پر منحصر ہوتی تھی۔ مانسون کی بے ترتیبی کی صورت میں فصل کی ناکامی اور قحط کی تباہی کے امکان کے پیش نظر ہندوستانی رہنماؤں کے مطابق آبپاشی کے نظام کو اوّلیت ملنی چاہیے تھی۔ موجودہ آبپاشی کا نظام ضرورت کے لحاظ سے ناکافی تھا۔ انہوں نے حکومت ہند سے تقاضا کیا کہ برطانوی حکومت سے قبل مغل حکمرانوں یا پھر علاقائی حکومتوں نے جس طرح آبپاشی کے نظام کو فروغ دینے میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا اسی جذبہ کو برطانوی حکومت کو قبول کرتے ہوئے آبپاشی کے نظام میں سرمایہ کاری کو مزید بڑھانا چاہیے۔ جس سے ہندوستان کا کسان طبقہ زیادہ سے زیادہ مستفیض ہو سکے۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ہندوستانی رہنماؤں نے ریلوے پر آبپاشی کو ترجیح اس لیے دی کہ ان کی نظر میں اس سے قحط سالی کی تباہ کاریوں کو کم کرنے میں یقیناً مدد ملتی۔ ریلوے اس کی تباہ کاریوں کو کم کرنے میں معاون تو ہو سکتا تھا لیکن آبپاشی کا منصوبہ قحط سالی کی تباہ کن نتائج کو ختم کرنے میں کارگر ثابت ہو سکتا تھا۔ دانشوروں کا خیال تھا کہ قحط سالی کے دوران ریلوے کی مدد سے غلہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا کر تباہ کن اثرات کو کنٹرول تو کیا جا سکتا تھا لیکن آبپاشی کے منصوبوں کے ذریعے زرعی پیداوار کو بڑھا کر تباہ کن صورت حال پر بخوبی کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستانی رہنما ریلوے کی تنقید اس لیے بھی کرتے تھے کہ اس کی مدد سے غلہ ایک صوبہ سے برآمد کر کے دوسری جگہ پہنچانے میں معاون ضرور ہے لیکن اس صوبہ میں زیادہ برآمدات کی وجہ سے غلہ کا فقدان ہونے کی صورت میں بھکمری کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔

قومی رہنما آبپاشی کے منصوبوں کی حمایت بقول بپن چندرا اس لیے بھی کرتے تھے کہ سرکار کو اس سے فوری منافع ملنے لگتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق 6 سے لے کر 9 فیصد منافع حاصل ہو رہا تھا تو وہیں دوسری طرف ریلوے ابتدائی عشروں میں خسارہ میں تھا۔ ان کے مطابق نہروں کو سستے آمد و رفت کے ذرائع کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا تھا جس کا فائدہ عوام کو ملتا۔ آبپاشی کے منصوبوں کو فروغ دینے پر ہندوستانی رہنماؤں کے اسرار کے پس پردہ یہ دلیل تھی کہ آبپاشی کے نظام میں نہریں، کنوئیں، تالاب، چینل کی کھدائی سے لوگوں کو ملازمت ملے گی جب کہ ریلوے پر سرمایہ کاری صرف اور صرف غیر ملکیوں کو فائدہ پہنچ رہا تھا کیوں کہ ریلوے کی ضروریات کی سبھی مصنوعات برطانیہ سے درآمد کی جا رہی تھی۔ بپن چندرا کا خیال ہے کہ آبپاشی کے نظام کو نظر انداز کرنے کے پس پردہ انگریزوں کا اپنا تجارتی مفاد تھا۔ کیوں کہ غیر ملکی حکومت اپنی عوام اور ملک کے مفاد کو فوقیت دیتی ہے نہ کہ نوآبادی ملک کو۔

9.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ریلوے کی ابتدا اور اس کے توسیعی منصوبوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا اپنے معاشی اور سیاسی مقصد کے لیے کی تھی۔ اس اکائی میں ریلوے کی تعمیر کے اغراض و مقاصد پر تفصیلی گفتگو شامل ہے۔ اس اکائی میں ریلوے تعمیر کے مراحل اور سرمایہ کاری پر بھی مدلل بحث اس اکائی میں شامل ہے۔ اسی کے ساتھ اس اکائی ہندوستانی قومی رہنماؤں کا ریلوے

کی تعمیر پر اعتراض اور انگریز سیاستدانوں اور صنعتکاروں کے ردّ عمل پر بھی تنقیدی جائزہ شامل ہے۔ ہندوستانی دانشوروں اور ماہر معاشیات کا ماننا ہے کہ ریلوے ہندوستانیوں کے مفاد کے پیش نظر تعمیر نہیں کی گئی کیوں کہ ان کی بنیادی ضرورتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انگریزوں کے معاشی مفاد کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے عمل میں لایا گیا۔ ریلوے کی ابتدا نے ہندوستان کو مکمل طور پر ایک ایسے نو آبادیاتی ملک میں تبدیل کر دیا تھا جس کا مقصد برطانوی مفادات کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قومی رہنماؤں نے ریلوے کی تیز رفتاری پر سوال اٹھایا اور ساتھ ہی آبپاشی کے نظام کو یکساں طور ترجیح دینے کی مانگ کی۔ اپنی تمام خامیوں کے باوجود ریلوے کی تعمیر و توسیع ہندوستان کی صنعتی ترقی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ملک کی آزادی کے بعد ہندوستان نے اپنی معاشی ترقی کے پیش نظر آمد و رفت کے وسائل کو فروغ دینے کو ترجیح دی۔ ہندوتان اور ہندوستانی ریلوے آج دنیا کا سب سے بڑا نیٹ ورک بن گیا ہے۔

9.12 کلیدی الفاظ (Keywords)

صنعتی انقلاب	:	برطانیہ میں آنے والا ایک ایسا انقلاب جس میں حیوانی محنت کی جگہ مشینوں نے لے لی۔
عظیم کساد بازاری	:	1929 میں پوری دنیا کے شیئر بازاروں کی تباہی اور عالمی پیمانے پر اشیا کی طلب میں انتہائی گراوٹ
گوج	:	ریلوے کی پٹریوں کی چوڑائی مثلاً' نیرو گوج' جسے چھوٹی لائن کہا جاتا ہے۔

9.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

9.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کس نے ریلوے کا منصوبہ 1940 میں برطانوی حکومت کو پیش کیا؟
2. کس انقلاب کی وجہ سے ہندوستان میں ریلوے کو متعارف کرانا ضروری ہو گیا تھا؟
3. ریلوے لائن کی ابتداء کس براعظم میں ہوئی تھی؟
4. بھاپ کے انجن کی اختراع کا سہرا کس کے سر ہے؟
5. امریکہ میں پہلی ریل لائن کب تعمیر ہوئی؟
6. 1845 میں کس ریلوے کمپنی کی شروعات ہوئی؟
7. ہندوستان میں سب سے پہلی ریل گاڑی 18 نومبر 1852 کو کہاں سے کہاں کے لیے چلائی گئی تھی؟
8. کیا قومی تحریک کے ارتقا میں ریلوے کا کردار تھا؟
9. 'The Future Results of British Rule in India' کس کا مضمون ہے؟
10. گریش مشرا کے مطابق 1865 میں ریلوے سے منسلک مختلف شعبوں میں کتنے ہندوستانی برسر روزگار تھے؟

9.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. یورپ میں ریلوے کی ابتدائی ترقی پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. ہندوستان میں ریلوے کی ابتدا پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. قدیم ضمانتی نظام پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. نئے ضمانتی نظام پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. ریلوے سے متعلق قوم پرست رہنماؤں کے خیالات پر روشنی ڈالیے۔

9.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ریلوے کی تعمیر کے اغراض و مقاصد پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. مختلف تحقیقاتی و سفارشاتی کمیشن اور ان کی سفارشات کا تفصیلی تجزیہ کیجیے۔
3. ہندوستان کی معیشت پر ریلوے کے اثرات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

9.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

---

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Chandra, Bipan, *History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2014 (first pub. 2009).
5. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
6. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
7. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
8. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
9. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
10. Sarkar, Sumit, *Modern India*, *1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
11. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
12. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 10۔ سینچائی منصوبے اور نہریں

(Irrigation Projects and Canals)

اکائی کے اجزا

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 قدیم عہد میں آبپاشی کا نظام

10.3 عہد وسطی میں آبپاشی نظام کا ارتقا

10.4 برطانوی عہد میں آبپاشی کا نظام

10.5 آبپاشی کمیشن اور اس کی سفارشات

10.6 آبپاشی کا اہم منصوبہ اور برطانوی اقدامات

10.7 آبپاشی کا نظام اور زرعی زندگی پر اس کے اثرات

10.8 آبپاشی ریلوے بمقابلہ مباحثہ

10.9 اکتسابی نتائج

10.10 کلیدی الفاظ

10.11 نمونہ امتحانی سوالات

10.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

10.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

10.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

10.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید (Introduction)

قدیم تہذیبوں کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ یہ زیادہ ترندیوں کے کنارے ترقی پذیر ہوئیں۔اس کی دووجوہات تھیں ایک توآبپاشی کے لیے پانی مل جاتا تھا کہ بہتر طریقے سے زراعت ہوسکے،دوم یہ کہ اس زمانے میں سڑکیں نہیں تھیں لہٰذاندیوں کے ذریعہ آمدورفت میں آسانی ہوتی تھی۔آبپاشی کاسب سے قدیم نظام مصراور میسوپوٹامیہ میں 4000 قبل مسیح شروع ہوا۔چونکہ دریائے نیل میں ہرسال برسات کی وجہ سے طغیانی آتی تھی لہٰذالوگوں نے سیلاب کے پانی کوزرعی علاقوں میں منتقل کرکے اس کااستعمال سینچائی میں شروع کردیا۔قدیم عہد میں زراعت لوگوں کاسب سے اہم پیشہ تھا۔لہٰذازراعت کی ترقی کے لیے آبپاشی کے نظام کوترقی دینااہم معاشی ضرورت تھی۔ ہندوستان میں قدیم زمانے میں جب لوگوں نے کھیتی کرناشروع کردیااسی وقت آبپاشی کی ضرورت کے پیش نظرلوگوں نے آبپاشی کے ذرائع دریافت کرلیے ،مگروید میں سب سے پہلے کنویں سے سینچائی کاذکرملتاہے۔بعد میں پلینی پتنجلی کی تصانیف میں سینچائی کے ذرائع کاتذکرہ ملتاہے۔ موریہ عہد کے تاریخی مآخذ سے پتہ چلتاہے کہ موریہ حکمرانوں نے سینچائی کی غرض سے بڑے بڑے تالاب بنوائے تھے۔ عہد وسطی کے تاریخی ماخذ میں آبپاشی کے ذرائع اور سلاطین دہلی کے آبپاشی کے نظام سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم ہوتی ہے۔غیاث الدین تغلق اور بالخصوص فیروز شاہ تغلق کانام اس ضمن میں قابل ذکر ہے۔فیروز شاہ نے آبپاشی کے لیے بہت سی نہریں تعمیر کروائیں تاکہ کسانوں کوآبپاشی کی سہولت فراہم کی جاسکے۔برطانوی عہد حکومت میں انگریزوں نے ابتدائی دور میں آبپاشی کے نظام کوترقی دینے پر کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن بعد میں لوگوں کی مانگ اور قحط کی تعداد میں مسلسل اضافہ کی وجہ سے آبپاشی کے لیے نہر،تالاب،پشتہ وغیرہ تعمیر کروایا۔ہندوستان میں قومی تحریک کے آغاز کے بعد زرعی پیداواراور زراعت کی ترقی کے لیے قومی رہنماؤں کی مانگ کے پیش نظرانگریزوں نے سرمایہ کاری شروع کی۔ یہ سرمایہ کاری ریلوے پر کی جانے والی سرمایہ کاری کے مقابلہ بہت معمولی تھی جس کے خلافقومی رہنماؤں نے اپنااحتجاج درج کرایا۔

10.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

- قدیم اور عہد وسطی میں آبپاشی کے روایتی نظام کی تاریخ سے واقف ہوسکیں گے۔
- برطانوی عہد میں آبپاشی کے نظام میں بنیادی تبدیلیوں اوراس کی اہمیت سے واقف ہوسکیں گے۔
- زراعت اور زرعی پیداوار پر آبپاشی کے اثرات کاتجزیہ کرسکیں گے۔
- آبپاشی کے نظام کوترقی دینے کے لیے مختلف آبپاشی کمیشن اوران کی سفارشات کاتنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔
- آبپاشی کی ترقی کے لیے برطانوی حکومت کے اہم منصوبوں کے بارے میں واقفیت حاصل کرسکیں گے۔
- آبپاشی بمقابلہ ریلوے کے موضوع پر مباحثہ اور مورخین کی رائے سے روشناس ہوسکیں گے۔

10.2 قدیم ہندوستان میں آبپاشی کا نظام (Irrigation System in Ancient India)

تاریخی ماٰخذ مثلاًرگ وید، اتھر وید، پران وغیرہ میں آبپاشی سے متعلق جانکاری ملتی ہے۔ خانہ بدوشی کی زندگی ترک کرکے جب انسان نے مستقل رہائش اختیار کی تو اس نے زندگی گذارنے کے لیے زراعت پر انحصار کیا۔ زراعت کا انحصار مانسون پر تھا۔ مانسون کی ناکامی کی شکل میں زراعت تباہ ہو جاتی اور بھکمری جیسے حالات پیدا ہو جاتے تھے جسے لفظ کہا جاتا تھا لٰہذا زراعت پیشہ لوگوں نے بارش کی ناکامی کے متبادل کے طور پر روایتی اور دیسی سینچائی کا نظم تلاش کر لیا۔ ہڑپہ تہذیب ایک ترقی یافتہ تہذیب تھی جو اپنی شہر کاری اور پانی کی نکاسی کے بہترین انتظام کے لیے مشہور تھی۔ ہڑپہ تہذیب کے باشندے سینچائی کے نظام سے واقف تھے۔ ماہر آثار قدیمہ گورڈن چائلڈ اور مورٹیمر وہیلر اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آبپاشی کی مدد سے وہ فصلیں اگاتے تھے اور ان کی معیشت سینچائی پر منحصر کھیتی پر تھی۔ لوتھل میں گودی اور بند بنا کر پانی اکٹھا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ رگ وید میں مختلف قسم کے کنوؤں کا ذکر ملتا ہے۔ ڈھینکلی کا بھی لوگوں نے استعمال شروع کر دیا تھا۔ ویدک عہد میں نہروں کے ذریعہ مصنوعی طور سے پانی سے سینچائی کا ذکر ملتا۔ تالاب سینچائی کا دوسرا ذریعہ تھا یجروید میں باندھ اور نہر سے سینچائی کا ذکر ملتا ہے اتھر وید میں ندی سے نہر نکال کر سینچائی کرنے کی جانکاری ملتی ہے۔ انڈیکا کا مصنف میگاستھنیز جو ایک یونانی سفیر تھا، ہندوستان میں آبپاشی کا ذکر کرتا ہے اور زرعی خوشحالی کا تفصیلی ذکر کرتا ہے۔ چول حکمرانوں نے آبپاشی کے نظام کو بہتر طریقے سے منظم کرنے کے لیے انتظامی سطح پر ایک کمیٹی بنائی تھی جو مختلف علاقوں میں ضرورت اور وسائل کی بنیاد پر آبپاشی کے نظام کو فروغ دینے کے لیے کوشاں رہتی تھی۔ اور خوشحالی کے لیے ترقی یافتہ زراعت کو اہم وجہ تسلیم کرتے ہیں۔ زراعت کی ترقی کے لیے چولا حکمرانوں کے ذریعہ بنوائے گئے آبپاشی کے منصوبوں کا اہم کردار تھا۔ راجہ راجا اور راجندر چولا کا نام آبپاشی کے منصوبوں کو ترقی دینے میں خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ بنگال کے پالا اور سینا حکمرانوں کا نام بھی آبپاشی کے نظام کی ترقی کے ضمن میں قابل ذکر ہے۔ لٰہذا یہ کہنا، بجا طور پر صحیح ہے کہ ہندوستان کے ایک زرعی ملک ہونے کے ناطے حکمرانوں نے زمانہ قدیم سے آبپاشی کے نظام کو فروغ دینے کو اپنی ذمہ داری تسلیم کرتے ہوئے فوقیت دی۔ اے ایل باشم نے آبپاشی کے متعلق لکھا ہے کہ رحمدل بادشاہوں نے عوام کی بھلائی اور مذہبی فرض کے طور پر آبپاشی کے عمدہ انتظامات کیے۔ اس ضمن میں گرنار کی جھیل قابل ذکر ہے جس کی جانکاری گرنار کتبے سے ہوتی ہے۔ گرنار کا مصنوعی بند چندر گپت موریہ نے بنوایا تھا۔ شک خاندان جس کو مغربی چھترپ بھی کہا جاتا ہے، کے مشہور حکمراں ردرامن نے اس کی مرمت کرائی تھی۔ گیارھویں صدی کے وسط میں دھار کے بادشاہ بھوج پرمار نے بھوپال کے نزدیک بھوج پور میں ایک بڑا تالاب تعمیر کروایا تھا۔ نویں صدی میں کشمیر کے حکمراں اونتی ورمن کے انجینئر سویا (Suyya) نے دریائے سندھ اور جہلم سے ایک پرنالہ نکالا تھا جو سینچائی کے کام آتا تھا۔

10.3 عہد وسطیٰ میں آبپاشی کا نظام کا ارتقا

(Development of the Irrigation System in Medieval Period)

دہلی سلطنت کے تاریخی ماٰخذ سے پتہ چلتا ہے کہ زراعت کی ترقی کے پیش نظر سلطان علاءالدین خلجی نے آبپاشی کے مختلف ذرائع

تعمیر کروائے تھے۔ برنی لکھتا ہے کہ سلطان نے کئی تالاب بنوائے۔ان میں سب سے مشہور حوض خاص تھا۔اس کے علاوہ حوض علائی اور حوض سلطانی بھی قابل ذکر ہیں۔آبپاشی کے نظام کو مزید بہتر بنانے اور زراعت کو فروغ دینے کی غرض سے نہریں تعمیر کروانے کے لیے تغلق سلاطین کی خدمات قابل ذکر ہیں۔انہوں نے پوری مملکت میں حوض،تالاب، کنویں، باولی،آبی نالہ،نہریں وغیرہ تعمیر کروائے،تاکہ لوگوں اور چرند پرند کو پینے کے لیے اور کاشت کاروں کو سینچائی کے لیے پانی دستیاب کرایا جاسکے۔ محمد بن تغلق نے اپنے نئے دار السلطنت دولت آباد میں بھی تالاب اور حوض تعمیر کروائے جس کا ذکر سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں تفصیل سے کیا ہے۔ پانی کے تحفظ بالخصوص بارش کے پانی کے لیے فیروز شاہ تغلق نے نہ صرف تالاب اور پر نالے بنوائے بلکہ بڑے بند بنوا کر پانی کو برسات کے بعد استعمال کرنے کے لیے محفوظ کرایا۔ یہ پہلا حکمراں ہے جس نے اپنی مملکت میں پانی کی سہولیات اور آبپاشی کے لیے آبپاشی کے منصوبوں پر منظم طریقے سے کام کیا۔ ہم عصر تاریخی مآخذ مثلاً ابن بطوطہ کے رحلہ اور عصامی کی فتوح السلاطین میں چشمہ آفتاب اور سورج کنڈ کا تذکرہ ملتا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کی تصنیف کردہ فتوحات فیروز شاہی میں پانی کو محفوظ کرنے کے ذرائع کی تفصیلی معلومات ملتی ہے۔ فرشتہ اپنی کتاب تاریخ فرشتہ میں فیروز تغلق کے ذریعہ بنوائے گئے 30 آبی ذخائر کا ذکر کرتا ہے۔ شمس سراج عفیف، فیروز شاہ تغلق کے تعمیر کردہ بہت سے آبی ذخائر کا ذکر کرتا ہے۔ دہلی سلطنت کے زوال کے بعد علاقائی ریاستوں کا ظہور ہوا۔ان ریاستوں کے سلاطین نے بھی زراعت کی ترقی کے لیے کئی آبی ذخائر تعمیر کروائے۔

آبپاشی کے نظام میں دہلی سلطنت میں کافی ترقی ہوئی۔ سب سے بڑی ترقی ندیوں پر باندھ بنا کر وہاں سے نہریں نکالی گئی تاکہ زراعت کے لیے سینچائی کا انتظام کر کے دور دراز کے علاقوں کو قابل ذراعت بنایا جاسکے۔ مثلاً فیروز شاہ تغلق نے دریائے ستلج پر بند بنا کر دہلی اور دوآب تک بڑی نہر تعمیر کرائی۔ جمنا اور گنگا ندی پر بھی بند بنا کر نہریں نکالی گئیں مثلاً سیرت فیروز شاہی میں نہر گنگ کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن علاقوں میں آبپاشی کا انتظام ہوتا اور زراعت سرکار کے ذریعہ تعمیر کردہ نہروں سے ہوتی، وہاں 'حق شرب' محصول لگایا جاتا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں 1495 میں ایک بڑا قحط پڑا۔ سلطان نے ایک طرف تو وقتی طور پر ٹیکس وصولی کو ملتوی کر دیا تو دوسری طرف سینچائی کے معقول بندوبست کے لیے نہروں کی تعمیر جاری رکھی۔ رجبا اور الغ خانی دو بڑی نہریں تھیں جن کی تعمیر سے 160 میل تک کا علاقہ سیراب ہو سکا اور لوگوں کو آبپاشی کی سہولت مہیا ہو سکی۔ سرکاری خزانہ کو آبی محصولات سے بہت فائدہ ہوا۔

مغلیہ عہد میں مغل حکمرانوں نے آبپاشی کی سہولیات فراہم کرنے میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا کیونکہ زراعت کی ترقی اول یہ کہ سرکاری آمدنی کا اہم ذریعہ تھی تو دوسری طرف ملک کی خوشحالی کے لیے زراعت کا ترقی یافتہ ہونا ضروری تھا۔ سلطنت میں ہریانہ اور دوآب کے علاقہ میں نہر کے ذریعہ آبپاشی زراعت کی ترقی کا ایک اہم ذریعہ تھا اس عہد میں مصنوعی آبپاشی کے نظام کی ترقی قابل ذکر ہے۔ اس کے تحت کنویں تالاب اور حوض کی تعمیر ہوتی تھی جو روایتی طرز کا ایک اہم سینچائی کا ذریعہ تھا۔ بہت سے مورخین نے مغلیہ عہد کے نہروں کے جال اور کنویں سے پانی نکالنے کی روایتی اور جدید ٹکنالوجی پر اظہار خیال کیا ہے۔ فیروز شاہ کی تعمیر کردہ جمنا نہر کو توسیع کر کے دور دراز علاقوں میں آبپاشی کی سہولیات فراہم کی گئی تھی بابر کی مشہور تصنیف تزک باہری میں آبپاشی کے مختلف ذرائع کا تذکرہ ملتا ہے۔

10.4 برطانوی عہد میں آبپاشی کا نظام (Irrigation System in British Period)

اٹھارہویں صدی میں سیاسی اور سماجی انتشاری کی وجہ سے آبپاشی کے نظام کی ترقی کی طرف مقامی اور انگریزی حکومتوں نے کسی خاص دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ مزید تباہی کا شکار ہو گیا، کیونکہ مانسون کی ناکامی کی صورت میں مصنوعی آبپاشی کے ذرائع ہی قحط سے تحفظ فراہم کر سکتے تھے۔ انگریزوں نے 1801 میں موجودہ آبپاشی کے ذرائع کی مرمت اور تحفظ کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ یہ کمیٹی اگرچہ اپنے مقاصد میں بہت موثر ثابت نہیں ہوئی پھر بھی حکومت کی زیر نگرانی مغربی اور مشرقی جمنا نہر کی تجدید کاری اور مرمت کا کام تشفی بخش حد تک مکمل ہوا۔ اسی طرح جنوبی ہندوستان میں کاویری باندھ اور اس سے منسلک نہروں کی بھی تجدید کاری ہوئی۔ ابتدا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ترجیحات میں آبپاشی کے نظام کو ترقی دینا شامل نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مانسون کی کمی یا ناکامی کی صورت میں قحط جیسی صورت حال پیدا ہو جاتی اور زراعت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتی۔ آبپاشی کے نظام کو ترقی نہ دینے کے پس پردہ برطانوی حکومت کی یہ سوچ تھی کہ آیا یہ کام ہمارے لیے معاشی اعتبار سے فائدہ مند ثابت ہو گا یا نہیں، کیونکہ معاشی مفادات ان کی پہلی ترجیح تھی۔ ہندوستان پر قبضہ اور پھر اس پر اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ہونے والے اخراجات نے برطانوی حکومت کو پہلے سے ہی مقروض بنا دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ معاشی حالت ابتر ہونے کی وجہ سے آبپاشی کے نظام کو بہتر بنانے پر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ریلوے کے مقابلے میں آبپاشی ان کی ترجیحات میں شامل نہیں تھی۔ کاویری باندھ، جو جنوبی ہندوستان میں آبپاشی کا ایک بہت بڑا منصوبہ تھا، اس پر مقامی حکومتوں نے تجدید کاری اور آبپاشی کے لیے استعمال کے لائق بنانے کی طرف توجہ دی لیکن یہ اہم منصوبہ بھی انگریزوں کی بے توجہی کا شکار رہا۔

لارڈ ہیسٹنگز نے مغربی جمنا نہر کی مرمت اور تجدید کاری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس سے زراعت میں توسیع ہو گی اور 'کمپنی کی مالگزاری میں بڑا اضافہ ہو گا۔' اس طرح اس کی مرمت اور تجدید کاری کا کام شروع ہوا اور اس سے دہلی تک کے علاقوں کو سیراب کیا گیا۔ اومیش چندر کے مطابق 1837 کے قحط کے زمانے میں اس نہر کے پانی کی وجہ سے 345 ملین پاؤنڈ کی رقم کے برابر فصلوں کو بچایا جا سکا۔ اس نہر کی لمبائی تقریباً 445 میل تھی۔ مشرقی جمنا نہر کی تعمیر مسلم حکمرانوں نے آبپاشی کے لیے کرائی تھی۔ اس کی تجدید کاری کے لیے دو انجینئر کرنل رابرٹ اسمتھ اور کرنل برڈ اسمتھ کو ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ نہر 155 میل لمبی تھی اور انگریز حکمرانوں کے زیر نگرانی اس کی تجدید کاری کا کام بہت ہی بہتر طریقے کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ اسی طرح گنگا کی نہروں کی زرعی اہمیت کے پیش نظر انگریز گورنر جنرل نے اس کی تجدید کاری اور مرمت کو فوقیت دی تاکہ اس کے کنارے آباد علاقوں کی سینچائی کے لیے بہتر متبادل فراہم کرایا جا سکے۔ کورٹ آف ڈائریکٹرس نے بھی اس کی حمایت کی اور اس کی معاشی اہمیت کے پیش نظر ایک ملین پاؤنڈ کا عطیہ بھی فراہم کیا۔ اس کی مجموعی لمبائی تقریباً 900 میل تھی جس سے مزید 425 ملین ایکڑ زمین کی سینچائی ممکن ہو سکی۔ اس نہر کو 'قومی افتخار و امتیازی کی علامت' بھی کہا جاتا تھا جس سے زراعت کو بہت ترقی ملی۔ ایک اندازے کے مطابق اس سے سینچائی کے باعث سالانہ پیداوار 2 لاکھ پاؤنڈ سے بڑھ کر 7 ملین پاؤنڈ تک پہنچ گئی، جس سے خوشحالی کے ساتھ ساتھ قحط سالی سے بھی تحفظ فراہم کرنے میں مدد ملی۔

لارڈ ڈلہوزی نے اینگلو پنجاب جنگوں کے بعد امر تسر کے معاہدہ کے تحت پنجاب پر قبضہ کر لیا۔اس زمانے میں پنجاب میں سیلابی اور مستقل نہریں آبپاشی کا اہم ذریعہ تھیں اور پنجاب کی زرعی خوشحالی کا انحصار انہیں نہروں پر تھا۔ لہٰذا پنجاب پر قبضہ کے بعد ان نہروں کو برقرار رکھا گیا اور ان کی تجدید کاری اور مرمت پر سرکار نے الگ سے رقم فراہم کی۔لارڈ ڈلہوزی کے زمانے میں ریل اور نہروں کی تعمیر کے لیے ایک الگ شعبہ یعنی شعبہ تعمیرات عامہ جس کو عمومی طور پر پی ڈبلیوڈی (PWD) کہا جاتا تھا، قائم ہوا جو عوام کے فلاحی اور غلامی کاموں کے لیے ذمہ دار تھا۔ڈی آر گاڈگل کا ماننا ہے کہ ''آبپاشی اور ریلوے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔کیونکہ ان دونوں کی فوری توسیع کا سبب ایک ہی تھا یعنی قحط سے تحفظ۔'

کمپنی حکومت نے پنجاب میں بڑی دوآب نہر تعمیر کی جو زراعت کے میدان میں اس کا بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ نہر 450 میل لمبی تھی اس پر ایک ملین پاؤنڈ کا خرچہ آیا تھا۔اس نہر کی تعمیر کا سہرا بالخصوص ڈلہوزی اور جان لارنس کو جاتا ہے۔ جان لارنس کا خیال تھا کہ اس منصوبہ پر جو خرچ ہو گا اس سے دس گنا زیادہ رقم مالگزاری کی شکل میں سرکاری خزانہ میں وصول ہو جائے گا۔اس کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ وہ ایک انسان دوست افسر تھا۔ وہ پنجاب پر برطانوی تسلط کے نتیجہ میں ہوئے بے روزگار لوگوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''اگر ہم ان لاکھوں انسانوں کو غذا فراہم کرنا چاہتے ہیں جو حکومت کی تبدیلی کی بنا پر بے روزگار ہو گئے ہیں تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم نئی نہریں تعمیر کریں اور پرانی نہروں کی مرمت کریں۔'' بڑی دوآب نہر پنجاب کی زراعت کے لیے خوش آئند منصوبہ ثابت ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں آبپاشی کا ممتاز ماہر بیرڈ اسمتھ تھا۔آبپاشی کے متعلق اس کی رائے اور مشاہدات بہت ہی اہمیت کے حامل تھے کیونکہ اس نے اٹلی اور امریکہ کی آبپاشی کے نظام کا مطالعہ ان ممالک میں رہ کر کیا تھا۔اور یہی وجہ ہے کہ اس نے پنجاب میں آبپاشی کے نظام کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

بمبئی پریسیڈنسی میں نربدا اور تاپتی ندیاں تھیں اور ان سے بہت ہی محدود علاقوں میں سینچائی ہو سکتی تھی۔اسی لیے یہاں روایتی ذرائع کا استعمال ہوتا تھا لیکن انگریزوں نے روایتی آبپاشی کے ذرائع کو فروغ دینے میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ مدراس پریسیڈنسی میں پانی کے ذخائر کے مصنوعی ذرائع کا ذکر وہاں کی علاقائی زبانوں کے مآخذ اور کتبوں میں ملتا ہے۔ بکانن نے اپنے سفر نامہ میں ان آبی ذخائر کا ذکر کیا ہے جو اس کی نظر میں حیران کن تعمیرات تھیں۔ انگریزی حکومت نے پرانے خستہ حال آبی نظام کے ذرائع کی مرمت کی طرف کوئی دلچسپی نہیں دکھائی اور نہ ہی اس علاقہ میں نئے آبپاشی کے نظام کو ترقی دینے کی کوئی منصوبہ بند کوشش کی جس کی وجہ سے مانسون کی ناکامی کے باعث زراعت بری طرح متاثر ہوئی۔ قحط یا قحط جیسی صورت حال پیدا ہو گئی۔ گوداوری اور کرشنا کاویری ڈیلٹا کے علاقوں میں قدیم زمانے سے لیکر عہد وسطی اور پھر بعد کی علاقائی حکومتوں نے باندھ بنا کر نہروں کے ذریعہ سینچائی کے نظام کو فروغ دیا تھا۔ جب ٹیپو سلطان نے زراعت کو فروغ دینے کے لیے کاویری ندی پر باندھ بنا کر پانی کا ذخیرہ قائم کرنے یا نہروں میں پانی سپلائی کرنے کے منصوبہ پر کاربند تھا اس وقت کھدائی میں ایک کتبہ ملا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کبھی باندھ بنا کر پانی کا ذخیرہ کیا گیا تھا یہاں جس انگریز افسر نے نہروں کے ذریعہ آبپاشی کے سہولیات فراہم کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں اس میں سر ارتھر کاٹن کا نام سرفہرست تھا۔اس نے جنوبی ہندوستان میں قدیم آبپاشی کے ذرائع بالخصوص کاویری کے معاون دریا کولیرون کی مرمت اور تجدید کاری کا کام شروع کروایا۔اس سے منسلک نہریں نکال کر تنجور، تترچنابلی اور آرکوٹ کے کچھ علاقوں

میں سینچائی کے لیے نہریں بنوائی گئیں۔ سر آرتھر کاٹن کا کولیرون کا بالائی بندھ بنوانا بہت بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔

آبپاشی کے نظام کو بہت بڑے پیمانے پر ترقی دینے والے برڈ اسمتھ نے بھی کارٹن کے اس کارنامہ کو بہت سراہا اور اسے اس کی انتھک کاوشوں کا ثمرہ قرار دیا۔ کولیرون کا بند بنا کر ایک بہت بڑے علاقے کو آبپاشی کی سہولت فراہم کرنا کارٹن ارتھر کا ''جرأتمندانہ'' قدم تسلیم کیا جاتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ گوداوری کے بند بنانے کے منصوبے کی ذمہ داری بھی اس کو تفویض کی گئی۔ کاویری اور گوداری کے آبپاشی کے منصوبوں پر کامیابی کے ساتھ عمل درآمد کرکے آرتھر کاٹن نے مالگزاری سے حاصل شدہ رقم میں کئی گنا اضافہ کردیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں نہروں کی تعمیر کا مقصد مانسون کی ناکامی کی صورت میں کسانوں کو زراعت کے لیے پانی مہیا کرانا تھا۔ جب برطانوی عہد حکومت میں قحط کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو نہروں سے سینچائی کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ اس کے برخلاف برطانیہ اور مغربی ممالک میں نہروں کی تعمیر کا مقصد نہروں کے ذریعہ آمد و رفت کی ذرائع کو فروغ دینا تھا۔ اندرون مملک نہروں کے ذریعہ نقل و حمل کے ذرائع کو فراغ دینے کی ذمہ داری مغربی ممالک میں نجی اداروں پر تھی جبکہ ہندوستان میں ایسی تمام سہولیات اور آبپاشی کے نظام کو ترقی دینے کی ذمہ داری سرکار پر عائد ہوتی تھی۔ تجدید کاری اور مرمت کے لیے نجی اداروں کو ذمہ داری بطور تجربہ ناکام رہا۔ اس لیے سرکار ہی ایسی ایجنسی تھی جو تعمیر اور تجدید کاری کے ذمہ داری تھی۔

ریلوے کی نسبت آبپاشی پر کم لاگت آتی تھی اور یہ منافع بخش بھی ثابت ہو رہا تھا مگر برطانوی حکومت آبپاشی کو ترجیح نہ دیکر ریلوے پر سرمایہ کاری میں دلچسپی لیتی تھی۔ جبکہ ریلوے سے ابتدائی عشروں میں سرمایہ کاری کے مناسبت سے آمدنی بہت کم تھی اور کبھی کبھی خسارہ بھی ہو رہا تھا۔ آبپاشی سے زراعت اچھی ہوتی تھی۔ پیداوار میں اضافہ ہوتا تھا اور مانسون کی ناکامی کی صورت میں قحط سے بھی تحفظ ہوتا تھا۔ ریلوے نقل و حمل میں معاون ضرور تھی لیکن زرعی پیداوار کے لیے اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ 1830 میں برطانوی پارلیامنٹ نے ایک سلیکٹ کمیٹی تشکیل دی۔ جس کے دائرہ اختیار میں ہندوستان میں نہر اور ریلوے کی تعمیر سے متعلق معلومات فراہم کرنا اور اس کی تعمیرات کے ممکنات کا مطالعہ تھا۔ لیکن یہ کمیٹی بروقت کوئی تجویز پیش کرنے میں ناکام رہی جس کی وجہ سے کمپنی حکومت آبپاشی سے متعلق کوئی پالیسی وضع کرنے سے قاصر رہی۔ اور مقامی سرکار میں اپنے اپنے علاقوں میں محدود وسائل سے آبپاشی کے سہولیات مہیا کراتی رہیں۔ آبپاشی کے منصوبوں پر عمل درآمد کرنے میں سب سے بڑی دشواری سرمایہ کاری کی تھی۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کمپنی حکومت نے شمالی ہندوستان میں آبپاشی کی سہولیات فراہم کرنے کے عوض میں آبی ٹیکس عائد کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ جن علاقوں میں آبپاشی کی سہولت سے کاشتکاری ہو رہی تھی وہاں لگان بڑھا دیا گیا اور مالگزاری سے سرکاری آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح جب آرتھر کاٹن نے جنوبی ہندوستان میں نہروں، نالوں اور تالاب کی مرمت اور تجدید کاری کرکے آبپاشی سے زراعت کو فروغ دیا تو سرکاری آمدنی میں لاگت کے تناسب سے 70 فیصد تک اضافہ نوٹ کیا گیا۔ جنوبی ہندوستان میں ایک اندازے کے مطابق چھوٹے بڑے آبپاشی کے 36 منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر کسانوں کو آبپاشی کی سہولت فراہم کرائی گئی۔

10.5 انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں آبپاشی کے اہم منصوبے

(Major Irrigation Projects in the Second Half of the 19th Century)

ہندوستان میں تعمیری منصوبوں پر عمل درآمد کا اختیار ملیٹری بورڈ کے پاس تھا۔ 1855 میں لارڈ ڈلہوزی نے تعمیری منصوبوں کی پایۂ تکمیل کے لیے مرکزی حکومت کے ماتحتی میں ایک نیا شعبہ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ قائم کیا۔ لٰہذا 1857 کے غدر کے بعد انتظامی تبدیلی ہوئی تو ہندوستان میں کمپنی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور حکومت برطانوی شہنشاہیت کے زیر اقتدار آگئی۔ پی ڈبلیو ڈی سبھی تعمیراتی اور تخلیقی منصوبوں کی سب سے اہم ایجنسی تھی۔ کچھ منصوبوں مثلاً تعلیم پر اخراجات کے بعد منافع کی توقع نہیں تھی جبکہ تعمیراتی منصوبہ مثلاً آبپاشی کو بطور تجارتی منصوبہ تصور کرتے ہوئے عمل درآمد کیا جاتا۔ کورٹ آف ڈائریکٹرس کو تحلیل کرکے اس کی جگہ انڈیا آفس کا قیام عمل میں آیا جو ہندوستان میں سیاسی اور معاشی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور انتظام وانصرام کے لیے ذمہ دار تھا۔ آبپاشی کے منصوبوں پر سرمایہ کاری سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ آرتھر کاٹن نے نجی اداروں کو فروغ دینے اور سرمایہ کاری کرنے کا مشورہ دیا، جو تنقید کی زد میں آکر ٹھنڈے بستے میں چلا گیا۔ پھر بھی اس نے نجی کمپنی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مدراس آبپاشی اور نہر کمپنی لمیٹیڈ کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1859 میں سیکریٹری آف اسٹیٹ نے اس کمپنی کو نجی سرمایہ اکٹھا کرنے کی منظوری دے دی۔ اس کمپنی نے کرنول ضلع میں تنگبھدرا ندی پر Anicut (ایسا بند جو ندی کے عوض میں قائم کیا جاتا ہے۔ تاکہ پانی بلند ہوکر نہروں میں جاسکے) تعمیر کیا گیا کرنول سے لے کر کڈپا نہر کی تعمیر سے علاقوں کے کسانوں کو بڑی راحت ملی۔ اس کے بعد ایک دوسری نجی کمپنی ایسٹ انڈیا اریگیشن کمپنی 1860 میں وجود میں آئی۔ اس نے بھی نجی طور پر 20 لاکھ پاؤنڈ جمع کرلیا۔ اڑیسہ میں اس کمپنی نے مہاندی پر ایک بڑا آبپاشی کا منصوبہ تعمیر کیا جس سے کوئی 5 لاکھ ایکڑ زمین کی سینچائی ممکن ہو سکی اور اس علاقہ کے لوگوں کو قحط کے دوران بہت زیادہ مدد ملی۔

آبپاشی کی تعمیر پر اخراجات سے متعلق تنازعہ برطانوی حکام کے مابین جاری رہا۔ کچھ کا ماننا تھا کہ نجی سرمایہ سے تعمیرات کی تکمیل میں آسانی ہوگی۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال تھا کسانوں کے مفاد اور رفاہی امور کے طور پر سرکار کو اپنی سطح پر اس کام کو انجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ شمالی مغربی علاقوں میں 1860 کے قحط سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی سرکاری صرفہ پر تعمیر کردہ آبپاشی کے ذرائع والے علاقوں میں لگان کی عام معافی یا پھر جزوی معافی سے کاشتکاروں کو قحط کی تباہی سے بچایا جاسکتا تھا۔ جو نجی سرمایہ کاری سے تعمیر آبی منصوبوں والے علاقے میں مشکل تھا۔ 1864 میں غوروخوض کے بعد سیکریٹری آف اسٹیٹ حکومت ہند سے مفاہمت کے بعد سرکاری ایجنسیوں کو آبپاشی سے متعلق منصوبوں کی تعمیرات کی ذمہ داری دے دی گئی۔ لیکن اس وقت پالیسی سازوں کے مابین ایک دوسرا مباحثہ شروع ہوگیا۔ کیونکہ شمالی ہند کے مقابلہ میں جنوبی ہند میں آبپاشی کے منصوبے زیادہ منافع بخش تھے۔ شمالی ہند میں ایسے منصوبے پر خرچ بہت ہوتا تھا جبکہ جنوبی ہند میں Anicut بنایا جاتا تھا اور اس پر خرچ نسبتاً کم آتا تھا۔ اور دوم یہ کہ زمانہ قدیم سے تعمیر شدہ آبپاشی کے ذرائع کو مرمت یا پھر تجدید کاری کے ذریعہ استعمال کے لائق بنالیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ شمالی ہند میں نہروں کی تعمیر پر اخراجات بڑھنے کی ایک دوسری وجہ کثیر آبادی اور گھنی بستیوں کا ہونا تھا۔ کیونکہ نہروں پر پل کی تعمیر کرنے میں صرفہ بہت آتا تھا اور خرچ بڑھ جاتا تھا۔ اس لحاظ سے منافع بھی کم ہوتا تھا۔ آبپاشی کے منصوبوں

کو پایہ ٔ تکمیل تک پہنچانے میں سب سے بڑی دشواری سرمایہ کی فراہمی تھی۔ لیکن منافع کے نقطۂ نظر سے آبپاشی کے منصوبوں کو شمالی اور جنوبی ہندوستان کے تناظر میں دیکھنا کسانوں کے حق میں منصفانہ قدم نہیں تھا۔ اس منصوبہ کو قحط سے تحفظ فراہم کرنے کے مقصد سے وقت کی ضرورت تھی۔ ہندوستان میں آبپاشی کے نظام کو منصوبہ بند طریقے پر عمل درآمد کرنے کے لیے دو زمرہ میں تقسیم کر دیا گیا تھا پہلا بڑا منصوبہ اور دوسرا چھوٹا منصوبہ تھا۔ آبپاشی کے بڑے منصوبے کے لیے سرمایہ اور اخراجات کا مفصل حساب رکھا جاتا تھا۔ چھوٹے منصوبہ کا حساب نہیں رکھا جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ آبپاشی کے بڑے منصوبوں کو افادیت کے لحاظ سے دو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا: اول منافع بخش منصوبے، دوم تحفظاتی منصوبے۔ منافع بخش آبپاشی کے نظام کی ترقی سے زراعت کی ترقی ہوتی تھی کیونکہ نہر کی مدد سے سینچائی مصنوعی طور پر ممکن تھی اور آمدنی بھی اچھی ہوتی تھی۔ حفاظتی منصوبہ کے تحت زیادہ تر ان نہروں کا شمار ہوتا تھا جن سے معاشی فائدہ کی گنجائش نہیں تھی بلکہ اس منصوبے پر سرکار کا ہی خرچ ہوتا تھا۔ لیکن قحط سے بچنے کے لیے ایسے آبپاشی کے منصوبے بہت اہم تھے۔ اوّل زمرہ میں گنگا، سندھ کی نہریں آتی تھیں۔ حفاظتی منصوبے بمبئی اور مدراس پریسیڈنسی کے علاوہ دکن اور بندیل کھنڈ میں ملتے ہیں۔ حفاظتی آبپاشی کے منصوبے قحط اور دیگر قدرتی آفات سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے اتنا ہی ضروری تھے جتنا کہ منافع بخش منصوبے۔

ہندوستان کی آزادی تک سرکاری اور نجی آبپاشی کے منصوبوں پر عمل درآمد ہوتا رہا لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ ''حکومت کے ذریعہ تعمیر شدہ منصوبہ نجی طور پر تعمیر شدہ منصوبوں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ تھے۔'' آر سی دت کے مطابق 1903 میں آبپاشی کے کل حصے کا 43 فیصد زرعی علاقہ سرکاری منصوبوں سے سیراب ہوتا تھا جبکہ بقیہ نجی ذرائع سے۔' تاریخی مآخذ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ روایتی آبپاشی کا نظام مثلاً کنوؤں کی کھدائی کچھ علاقوں میں مہنگی ثابت ہوتی تھی مگر یہ دیرپا ہوتی تھی۔ باندھ یا پھر تالاب بنا کر بھی بارش کے پانی کو محفوظ رکھنے کا طریقہ بڑے پیمانے پر رائج تھا اور سستا بھی ہوتا تھا۔ باندھ کے ذریعہ زمین کے کٹاؤ کو بھی روکنے میں مدد ملتی تھی۔ اس طرح کے باندھ، آر سی دت کے مطابق خاندیش اور ناسک میں ملتے ہیں۔ سرکاری حکام تقادی 'جو ایک قسم کا زرعی قرضہ تھا، کسانوں کو فراہم کرنے کی پرزور حمایت کی تاکہ کسان آبپاشی کے نجی ذرائع کو اپنا سکیں۔ 1880 تک آبپاشی کے منصوبوں کی تعمیر سست روی کا شکار رہی۔ جن منصوبوں پر عمل درآمد ہوا ان کا ڈیزائن ناقص تھا۔ لیکن 1880 کے بعد حکومت نے قحط کمیشن کی سفارشات کی بنیادوں پر عمل کر کے رفاہی عمل کو مزید پائدار بنانے کی کوشش تیز کر دیں۔ منافع بخش منصوبوں پر عمل پیرا ہونے سے پہلے ان کی معاشی افادیت کو ترجیحی بنا پر فوقیت دی گئی اور اخراجات کے علاوہ اس منصوبہ پر کم سے کم 4 فیصد منافع کی گنجائش رکھی گئی۔ جیسا کہ ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ کاویری، کالیرون منصوبہ تو منافع بخش ثابت ہوا لیکن اس سے نکلا کرنول۔ کڈپا نہر پر لاگت کے حساب سے آمدنی نہیں ہو سکی۔

10.6 آبپاشی کمیشن اور اس کی سفارشات (Irrigation Commission and Its Recommendations)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہندوستان ایک زرعی ملک ہے۔ یہاں زراعت کا دارومدار بارش پر تھا۔ بارش کی کمی سے زرعی پیداوار بہت جلد متاثر ہو جاتی تھی۔ ایسی صورت حال میں بہتر آبپاشی کے نظام کی ضرورت تھی۔ قدیم ہندوستان سے لے کر برطانوی حکومت کے قیام تک

آبپاشی کی سہولت فراہم کرنا مقامی حکمرانوں کی اہم ذمہ داری تھی۔ زراعت کی ناکامی کی صورت میں کسانوں کے لگان میں تخفیف بالکل عام معافی ان کے رفاہی منصوبوں کا حصہ تھی۔ لیکن برطانوی عہد حکومت میں آبپاشی سے متعلق کوئی متعین منصوبہ نہیں تھا۔ قحط کے زمانے میں آبپاشی کے نظام کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ مگر اس کے تدارک کے لیے کوئی عملی اور پائیدار منصوبہ تیار نہیں ہو پاتا تھا۔ اسی لیے فیمنس کمیشن نے آبپاشی کے نظام کو بہتر بنانے کی ہمیشہ پر زور سفارش کی تھی۔ 1881 کے قحط کمیشن نے آبپاشی سے متعلق ایک منظم اور جامع منصوبہ کی سفارش کی تھی تاکہ زراعت کو فروغ دیکر قحط کے تباہ کن اثرات کو کچھ حد تک کم کیا جاسکے، اور قحط سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے حکومت کے رویہ میں بہت زبردست تبدیلی دیکھنے کو ملی یہی وجہ ہے کہ محدود معاشی ذرائع کے باوجود آبپاشی کی سہولیات کو منظم کرنے میں حکومت نے سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قحط کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے تجویز کردہ سبھی منصوبوں کو مکمل کرلیا گیا۔ ستلج اور دریائے چناب سے نکالی گئی نہروں، گنگا اور دریائے بیٹوا کی نہریں تعمیر کی گئیں۔ قحط امداد اور بیمہ فنڈ 1877 کے قحط کی تباہیوں کے بعد بنایا گیا تھا اس فنڈ کا مقصد حفاظتی تعمیرات کو مالی مدد فراہم کرنا تھی، لیکن قحط امداد اور بیمہ فنڈ میں سرمایہ کا فقدان تھا۔ اس لیے بہت سے اہم حفاظتی منصوبوں پر کام نہیں ہو سکا۔ اس کے تحت بندیل کھنڈ میں بیتوا نہر منصوبہ مکمل ہو سکا۔ بمبئی ور دکن میں بھی حفاظتی تعمیرات پر سرمایہ کاری ہوئی۔ اس ضمن میں نیرا نہر سسٹم اہم حفاظتی منصوبہ تصور کیا جاتا ہے۔

آبپاشی کے نظام کے لیے سرمایہ کاری اور منصوبہ بند طریقہ سے قوانین مرتب کرنے کے لیے 1901 میں حکومت نے ایک آبپاشی کمیشن مقرر کیا۔ یہ کمیشن سر کولن اسکاٹ، مانکریف کی زیر صدارت تشکیل دیا گیا۔ اس کا مقصد حالات کا مکمل جائزہ لے کر آبپاشی سے متعلق تفصیل سفارش پیش کرتی تھی۔ اس نے حفاظتی آبپاشی منصوبوں کی اہمیت اور ضرورت کی بنیاد پر ترجیح دینے کی سفارش کی جو ان علاقوں کو سیراب کرنے کے لیے تعمیر کیا جانا تھا جو قحط سے جلد متاثر ہو جاتے تھے، جہاں نفع بخش منصوبوں پر کوئی کام نہیں ہو سکا تھا۔ فصلوں کی ناکامی اور قحط سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے دکن، بمبئی اور مدراس، مرکزی صوبوں اور بندیل کھنڈ کے علاقہ میں حفاظتی آبپاشی منصوبوں کی بہت سخت ضرورت تھی۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی بھی توضیح پیش کی کہ سرکار نے آبپاشی کی ترقی پر اس کی اہمیت کے مطابق توجہ نہیں دی جس کا نتیجہ تباہ کن قحط کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کمیشن نے سروے کے بعد اپنے مطالعہ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل سفارشات پیش کیں جسے مستقبل کے لیے ایک منظم پالیسی کے طور پر حکومت نے منظور کرلیا۔

1. پنجاب میں برفانی ندیوں پر آبپاشی کی سہولیات فراہم کرنا بہت آسان تھا۔ یہاں تعمیراتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں دوسرے علاقوں کے نسبت دشواریاں کم تھیں اور نہروں کے ذریعہ دور دراز علاقوں میں آبپاشی کی سہولت فراہم کرنا اس لیے آسان اور مفید ثابت ہوا۔
2. صوبہ سندھ میں دریائے سندھ پر سکر باندھ بنا کر آبپاشی کی سہولت فراہم کرائی گئی۔
3. کمیشن نے گجرات میں دریائے سابرمتی اور تاپتی پر دو نہر بنانے کی تجویز پیش کی۔ اس کے علاوہ روایتی آبپاشی کے ذرائع مثلاً 387 چھوٹے آبپاشی کے تالاب بنوانے کی بھی تجویز رکھی۔ جو جغرافیائی حالات کے پیش نظر عملی طور پر ممکن تھا۔

4. جیسا کہ 1880 کی قحط کمیشن نے اپنی سفارشات میں تنگ بھدرا منصوبے کو دکن کے لیے اہم قرار دیا تھاٹھیک اسی طرح آبپاشی کمیشن نے بھی تنگ بھدرا منصوبے کو مکمل کرنے اور کرنول- کڈپا نہر کو توسیع دینے کی سفارش کی تا کہ قحط سے متاثرہ علاقوں کو سیر اب کر کے زراعت کو ترقی دی جا سکے۔اس کی سفارشات میں تیس ہزار تالابوں کی بحالی کی تجویز شامل تھی۔
5. مرکزی صوبوں میں نرمدا، مہاندی اور بان گنگا جمنی ندیاں موجود ہونے کے باوجود حکومت نے آبپاشی کا کوئی بھی منصوبہ تعمیر نہیں کروایا تھا۔ کمیشن نرمدا گھاٹی میں نہر بنوانے اور مہاندی پر چھوٹی نہریں بنانے کی سفارش کی تا کہ قحط سے متاثرہ علاقوں کے زیادہ سے زیادہ حصے کو سیر اب کیا جا سکے۔
6. کمیشن نے بنگال اور اس سے منسلک علاقوں میں آبپاشی کی سہولیات فراہم کرنے سفارش کی۔
7. موجودہ اترپردیش میں بھی کمیشن نے دریائے کین پر باندہ بنا کر نہر نکالنے اور باندہ ضلع کو سیر اب کرنے، دسان نہر سے حمیر پور اور گون نہر سے الہ آباد، بیلان نہر سے مرزاپور اور کرم ناسا نہر سے بنارس کو سیر اب کرنے کے پیش نظران نہروں کی تعمیر کی حمایت کی۔ ڈی۔ آر۔ گاڈگل کے مطابق اس کمیشن نے قحط سے بچاؤ کی خاطر آبپاشی کی توسیع کی اہمیت اور افادیت کی طرف توجہ دلائی۔ 1903 کے بعد شروع ہوئے تمام تعمیراتی منصوبے اس کمیشن کی سفارشات کا نتیجہ تھے۔"

اس کمیشن نے آبپاشی کے منصوبوں پر نجی کمپنیوں کے ذریعہ سرمایہ کاری اور تعمیرات کی حمایت کی۔ کیونکہ کمیشن نے سروے کے دوران پایا کہ برطانوی ہندوستان کا لگ بھگ 60 فیصد حصہ زیر سینچائی تھا۔اس کے 50 فیصد حصے میں کنویں سے اور 5 فیصد میں تالاب سے بقیہ حصے میں دوسرے ذرائع سے آبپاشی ہوتی تھی۔ کمیشن نے حکومت کو اس طرح کے پرائیوٹ ذرائع کی حوصلہ افزائی کی درخواست کی۔ یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ آبپاشی کمیشن نے ایک 20 سالہ جامع منصوبہ تیار کیا جس کی لاگت 44 کروڑ روپئے تھی۔اس میں سے 15 کروڑ روپیہ منافع بخش اور 30 کروڑ روپیہ حفاظتی منصوبہ پر خرچ کرنے کی تجویز تھی اور 9 کروڑ روپیہ درمیانی نوعیت کے منصوبہ کے لیے مختص کیا گیا۔ کمیشن نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ حفاظتی نوعیت کے منصوبوں کو محض اس لیے نہیں روکا جا سکتا کہ اس رقم کو کسی اور منافع بخش کام پر خرچ کرنا ہے۔آبپاشی کمیشن کے منصوبوں کی تعمیر کر کے پورے ہندوستان کو یقینی طور پر قحط سے تحفظ فراہم کیا جا سکتا ہے۔"اس کے پیش نظر کمیشن نے منافع بخش اور حفاظتی منصوبوں میں بہت فرق روا نہیں رکھا۔ کمیشن کی سفارشات کے فوری نتائج تو سامنے نہیں آئے لیکن اس کے دوررس نتائج نے آبپاشی کے منصوبوں پر عمل درآمد کرنے کا وسیع تر حوصلہ عطا کیا۔

پنجاب نہر کالونی (Punjab Canal Colony)

گریش مشرا کا خیال ہے کہ 'جدید ہندوستان میں آبپاشی کی ترقی پر مباحثہ پنجاب نہر کالونی کے تذکرہ کے بغیر نامکمل ہے۔' وہ مزید لکھتے ہیں کہ '1880 تک کہ آبپاشی کے منصوبوں پر عمل درآمد کا مقصد زراعتی علاقوں میں زراعت کو زیادہ منافع بخش اور یقینی بنانا تھا۔' پنجاب نہر کالونی کا منصوبہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد منصوبہ تھا جس کو برطانوی حکومت نے فروغ دیا تھا۔ پنجاب نہر کالونی منصوبہ کے تحت ایک ایسے بنجر علاقہ میں جہاں زراعت ممکن نہیں تھی آبپاشی کی سہولت فراہم کر کے کاشت کے قابل بنا کر پوری آبادی بسا دی گئی۔ یہ منصوبہ چناب نہر کی

شکل میں فروغ دیا گیا۔اس کی مدد سے اس بنجر و غیر آباد علاقہ میں کھیتی ہونے لگی جو برطانوی حکومت کی ایک بڑی حصولیابی تھی۔

گریش مشرا نے پنجاب نہر کالونی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'یہ ایک کامیاب تجربہ ثابت ہوا۔ بعد میں حکومت کو اس قسم کے منصوبہ چلانے میں بڑی تقویت ملی۔ان نہری آبادیوں میں سرمایہ کاری حکومت کے لیے منافع بخش ثابت ہوئی اور پنجاب کے زرعی علاقوں میں کئی گنا اضافہ ہونے سے مشرقی پنجاب کے گنجان ضلعوں میں آبادی کا دباؤ بہت حد تک کم ہو گیا۔ان گنجان علاقوں سے لوگ ہجرت کر کے ان علاقوں میں آباد ہو گئے۔' دراصل پنجاب نہر کالونی کا علاقہ قدیم سندھ گھاٹی تہذیب کا علاقہ تھا جہاں اس تہذیب کے باقیات کی شکل میں بڑے بڑے ٹیلے تھے۔کھدائی کے بعد اس تہذیب کی عظمت کا اندازہ ہوا۔اسی کے ساتھ پورے علاقے میں آبپاشی کے نظام کو مہیا کرا کے بنجر زمین کو زیر کاشت لایا گیا اور پھر لوگوں کو بسانے کے منصوبہ کو حکومت نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔اس طرح ایک بنجر علاقہ نخلستان بن گیا جو یقیناً انجینئروں اور حکام کا ایک بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا تھا۔اس علاقہ میں چناب نہر تعمیر کر کے یہ کامیابی حاصل کی گئی۔اس کی تعمیر 1892 میں مکمل ہوئی اور اس پر 9 لاکھ روپیہ کی لاگت آئی تھی۔اس نہر کی وجہ سے ایک بہت بڑا علاقہ سیراب ہوا جس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔یہ آبادی کے مسئلہ کو بھی حل کرنے میں معاون ثابت ہوا۔کیونکہ آباد علاقوں سے لوگ ہجرت کر کے اس غیر آباد علاقہ میں آئے اور ایک نئی زندگی کی شروعات کی۔تیسرا اہم فائدہ حکومت کو اضافی لگان کی شکل میں ہوا کیونکہ سرمایہ کار نے زیر آبپاشی علاقوں میں آبی ٹیکس عائد کر دیا تھا۔

10.7 آبپاشی کا نظام اور زرعی زندگی پر اس کے اثرات
(Irrigation System and Its Impact on Agrarian Life)

آبپاشی کے منصوبوں کی توسیع اور تعمیر میں تیزی کی وجہ سے سماجی اور معاشی زندگی میں کئی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔بی۔ایم بھاٹیہ لکھتے ہیں کہ 'وقتی قحط اور فقدان جیسی صورت حال سے آبپاشی کے منصوبہ ملک کے عوام کو بچانے سے قاصر تھے مگر اس کی تعداد اور تباہ کاریوں کو آبپاشی سہولت فراہم کر کے بہت حد کم کیا جا سکتا تھا۔کاشتکاروں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کی غرض سے قحط کو روکنا ضروری تھا کیونکہ کاشتکار ہی سب سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔' بھاٹیہ مزید لکھتے ہیں کہ تین اہم وجہ جو کسانوں کی قوت برداشت کو کم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ان میں سے ایک قرض ہے جس سے کسانوں کو غربت کا شکار ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس سے جب ایک کسان قرض کے جال میں پھنس جاتا ہے تو وہ پوری زندگی قرض کا سود ہی جمع کرتا رہ جاتا ہے۔دوسری اہم وجوہات جس سے کسان غریبی کا شکار ہوتا ہے وہ ہے لگان کی شرح کا بہت زیادہ ہونا تھا اور تیسری وجہ کسانوں سے جو زمیندار جو ٹیکس وصول کرتا تھا،ان قواعد وضوابط میں اصلاح کی ضرورت تھی۔مگر اصلاح کرنا حکمرانوں کے ہاتھ میں تھا۔اصلاح کی کوششیں بھی ہوتی تھیں لیکن ان کا عملی طور پر نفاذ نہیں ہو پاتا تھا۔آبپاشی کے نظام میں بہتری اور سہولیات نے کسانوں کے مانسون پر انحصار کو بہت حد تک کم کر دیا۔اسے زرعی زندگی میں غیر یقینی کی صورت حال کا سامنا کر رہے کسانوں کو راحت ملی۔قحط کی تباہیاں اور اثرات میں کمی واقع۔قحط سے تحفظات نے کسانوں کو یقینی طور پر زراعت میں سرمایہ کاری اور محنت کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔

آبپاشی کے منصوبوں کی تعمیر نے کسانوں اور دیہی باشندوں کو روزگار فراہم کر کے ان کی مفلوک الحالی کو کم کیا۔ کسانوں کو اس ملازمت سے کچھ آمدنی ہوئی جس کو خرچ کر کے وہ غلہ خریدنے کے لائق ہوئے اور قحط کے ایام میں اس طرح زندہ بچ سکے۔ آبپاشی کے منصوبہ کی تعمیر سے قحط کی شدت کم ہوئی جس سے لوگوں کو بڑی راحت ملی۔ آبپاشی کے پراجیکٹس کے ذریعہ زرعی علاقوں کو سیراب کیا گیا اور آبپاشی کی سہولت نے زراعت کو فروغ دیا جس سے زرعی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ جس کی بدولت حکومت نے غلہ کے فقدان کو آسانی سے حل کیا۔ اور کسان بھی برے وقت کے لیے کچھ غلہ بچا کر رکھنے کے قابل ہو سکا۔ زراعت کا مکمل انحصار آبپاشی پر تھا۔ اگر مانسون اچھا ہوا تو زرعی پیداوار اچھی ہوتی تھی۔ مانسون کی ناکامی اور پھر آبپاشی کی جدید / مصنوعی سہولت مہیانہ ہونے کی صورت میں فوراً پورا علاقہ فوراً قحط کی زد میں آجاتا تھا۔ آبپاشی کی سہولت سے کسان سال میں ایک ہی کھیت میں کئی فصل اگاتے تھے۔ اس سے آمدنی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ پھر کسان بہتر کھیتی کے طور طریقہ اور سائنسی تکنیک کا استعمال کر کے پیداوار کو بڑھاتا تھا۔ اس طرح منافع کی امید میں کسان سرمایہ کاری کے لیے بھی آمادہ رہتا تھا۔

بہتر آبپاشی کی سہولت نے کسانوں کو نقدی فصلیں اگانے پر آمادہ کیا۔ نقدی فصلوں کی بازار میں مانگ تھی اور کسانوں کو نقدی مل جاتی تھی جس سے کھیتی میں سرمایہ کاری کا موقع مل جاتا وہیں قوت خرید بہتر ہونے سے وہ ضروریات زندگی کی اشیاء خریدنے کے قابل ہو جاتے۔ نقدی فصلوں کی پیداوار نے تجارت کو فروغ دیا اور زراعت پر منحصر صنعتوں کی ترقی بھی ممکن ہو سکی جس کی بدولت کسانوں میں خوشحالی آئی۔ کسانوں اور زرعی مزدوروں کی آمدنی سے بازار میں اشیائی مانگ بڑھنے سے تجارت کو فروغ ملا۔ اس کا نمایاں فرق سرکار کی آمدنی میں اضافہ تھا کیونکہ آبپاشی کی وجہ سے زراعت کو ترقی ملی۔ زرعی پیداوار بڑھنے سے استمراری بندوبست والے علاقے کے علاوہ دوسرے علاقوں میں حکومت نے لگان بڑھا دیا اور آبی ٹیکس لاگو کر دیا جس سے حکومت کی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ اور یہ سب کچھ آبپاشی کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ آبپاشی کے ذرائع کی تعمیر، مرمت اور تجدید کاری نے روزگار کے مواقع فراہم کئے۔ علاقہ کے لوگوں کو وقتی اور جزوی طور پر روزگار مل جاتا تھا۔ جس سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا۔ وہ برے وقت کے لیے بھی کچھ بچا کر رکھ لیتے جو قحط کے ایام میں ان کے کام آتا تھا۔ تعمیراتی منصوبوں کی وجہ سے سول انجینئرس کی مانگ بڑھ گئی ٹھیک اسی طرح تکنیکی صلاحیتوں کے حامل لوگوں کی مانگ میں اضافہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تکنیکی تعلیمی اداروں کی مانگ بڑھنے لگی اور اس کی وجہ سے کئی کالج قائم ہوئے۔ مثلاً روڑکی میں تھامسن کالج 1848 میں قائم ہوا۔ 1854 میں پونا سول انجینئرنگ کالج، 1856 میں شب پور انجینئرنگ کالج قائم ہوا۔ اس طرح ہندوستان میں آزادی سے قبل قدیم اور جدید آبپاشی کے ذرائع بہت حد تک ترقی یافتہ ہو چکے تھے۔ اور زرعی پیداوار میں اضافہ کے سبب کسانوں کی زندگی میں مثبت تبدیلی دیکھنے کو ملتی تھی۔

آبپاشی کے مثبت اثرات کے ساتھ ساتھ اس کے منفی اثرات بھی سامنے آئے۔ اس کے کچھ نقصادہ نتائج بھی تھے۔ مثلاً کچھ علاقوں میں پانی کی نکاسی کا کوئی بندوبست نہیں ہونے کی وجہ سے پانی جمع ہو جاتا تھا جہاں مچھروں کی افزائش ہوتی اور بہت بڑے علاقوں میں ملیریا جیسی بیماری پھیل جاتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں بنائی گئی نہروں میں پانی کی نکاسی کی یہ خامی خاص طور پر پائی گئی۔ جس سے زمین میں گیلا پن اور دلدل ہو جاتا تھا اور لوگ طرح طرح کے موسمی بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کے فوائد کے پیش نظر حکومت نے اس منصوبہ کو اس کی تمام خامیوں کے باوجود جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ 1943 میں ہریانہ کا کرنال علاقہ شدید متعدی بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی وجوہات

کو جاننے کے لیے سرکار نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے اپنی رپورٹ میں بہتر پانی کی نکاسی کے طریقوں کو اپنانے کی تجویز پیش کی تا کہ پانی آبادی کے آس پاس کے علاقہ میں جمع نہ ہو سکے۔ مختلف قسم کے امراض پھیلنے کی وجہ سے علاقوں میں جہاں نہریں تعمیر ہوئیں تھیں لوگوں میں غم و غصہ تھا کہ سرکار نے حفاظتی انتظام کئے بغیر نہروں کی تعمیر کی جس سے بیماری پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ 1857 کے غدر کی بہت سے وجوہات میں یہ بھی ایک وجہ تھی۔ نہروں کے ذریعہ سینچائی کا دوسرا منفی اثر بھی دیکھنے کو ملا۔ بالخصوص اترپردیش اور پنجاب کے علاقوں میں جہاں تعمیر ہوئی اس کے آس پاس کے علاقوں میں مٹی میں ایم پیدا ہوئی جس نے مٹی کی تیزابیت کو بڑھادیا جس نے زمین کی زرخیزی کو گھٹادیا اور ریخ زدہ مٹی کھیتی کے لیے موزوں نہیں تھی جس سے پیداوار میں کمی آگئی۔ جس کو کسان خود مقامی طریقوں سے نمٹتے تھے۔

10.8 آبپاشی بنام ریلوے مباحثہ (Debate on Irrigation vs Railways)

مورخین اور پالیسی سازوں کے مطابق آبپاشی کسی بھی زرعی ملک کے لیے اہم تصور کیا جاتا ہے۔ ڈی آر گاڈگل ریلوے اور آبپاشی میں براہ راست تعلق کے توسط سے لکھتے ہیں کہ 'ہندوستان میں ریلوے اور نہروں میں وہ مطابقت نہیں جو دنیا کے دوسرے حصوں میں پائی جاتی ہے۔ برطانیہ میں تجارتی انقلاب بلاشبہ ریلوے کی تعمیر سے عمل میں آیا ہو، وہ دراصل نہروں کی تعمیر سے شروع ہوا۔' یورپ اور بالخصوص برطانیہ میں نہریں نقل و حمل کی اہم وسیلہ تھیں کیونکہ ان میں سالوں بھر پانی رہتا تھا لیکن ہندوستان میں نہروں کا استعمال بطور نقل و حمل نہیں ہوتا تھا۔ صرف ندیوں کا استعمال آبی راستوں کے طور پر ہوتا تھا۔ آر۔ سی۔ دت لکھتے ہیں کہ : 'قحط کے زمانے میں ریلوے غذا کو تقسیم کرنے میں معاون و مددگار ضرور ثابت ہوتی تھی لیکن وہ اناج کی پیداوار میں اضافہ نہیں کر سکتی تھی۔ صرف آبپاشی کے ذرائع ہی زرعی پیداوار میں اضافہ کر سکتے تھے اور خشک سالی کے دور میں فصلوں کی ضمانت دے سکتے تھے۔' بقول آر۔ سی۔ دت یہی وجہ کہ ہندو اور مسلم حکمرانوں نے آبپاشی کے ذرائع پر بہت توجہ دی جو ان کی دوراندیشی کا ثبوت تھی۔'' یہی وجہ ہے کہ جب برطانوی حکومت نے آبپاشی کے منصوبوں پر کام شروع کیا تو آبپاشی کے ذرائع کے باقیات کثرت سے ملے جن کو انگریزوں نے مرمت اور جدید کاری کے ذریعہ قابل استعمال بنادیا۔ ان پر سرکاری لاگت بھی امید سے کم آئی۔

ہندوستان میں آبپاشی کی تعمیر سے یقینا حکومت کو فائدہ حاصل ہوا جب کہ تھا کہ ابتدائی ایام میں ریلوے سے سرکار کو نقصان اٹھانا پڑا۔ برطانوی حکمرانوں سے لہٰذا یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ ریلوے کے مقابلہ آبپاشی کی تعمیر پر توجہ دیں گے اور سرمایہ کاری کریں گے۔ لیکن آر۔ سی۔ دت کے مطابق ''انگریز اپنے ملک میں نہروں کے مقابلے ریلوے سے زیادہ واقف تھے۔ انگریز صنعتکاروں کا خیال تھا کہ نہروں کے مقابلے ریلوے ہندوستان کی داخلی منڈیوں تک جلدی پہنچنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی حکومت ریل کی توسیع پر زور دینے لگی۔''
چونکہ برطانوی حکومت میں ہندوستانیوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے آبپاشی کی افادیت اور اہمیت پر کوئی دلیل دینے والا نہ تھا لہٰذا آبپاشی کے نظام کو نظرانداز کیا گیا صنعتی ضرورتوں کے پیش نظر ریلوے کی توسیع انقلابی سطح پر ہوئی اور ریلوے بمقابلہ آبپاشی کا مباحثہ بھی قومی رہنماؤں کا ایک دلچسپ موضوع بنا رہا۔ اسی کے ساتھ ہی حکومت ریلوں کو نہروں پر ترجیح دیتی رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ 'ان کے لیے پانی کی ضرورت نہیں

ہوتی۔' آر۔ سی۔ دت لکھتے ہیں کہ 'آئندہ دہائیوں میں نہروں اور ریلوں کے تقابلی فوائد پر مباحثے ہوتے رہے اور توقع کے مطابق ریلوں کو ترجیح دی گئی جس سے ہندوستان میں برطانوی تجارت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔' انگریزوں کے لیے تجارت پہلے (Trade First) کا اصول اہم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہروں کو ترجیح نہیں دی گئی جن سے ہندوستان کی زراعت کو فائدہ پہنچتا۔ ریل کی تعمیر کو ہندوستانی حکمراں طبقہ نے اس بات کی ضمانت دی کہ ریلوے میں سرمایہ کاری پر سود ہندوستان کی سرکاری آمدنی سے ادا کیا جائے گا۔ یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے آر۔ سی۔ دت نے لکھا کہ 'ریلوے کی تعمیر پر 22 کروڑ 50 لاکھ پاؤنڈ خرچ کیا گیا جب کہ آبپاشی پر 2 کروڑ 50 لاکھ پاؤنڈ خرچ کیا گیا۔'

اگرچہ ریلوے اور آبپاشی پر سرمایہ کاری کے موضوع پر برطانوی حکام مختلف خیال رکھتے تھے مگر ان میں اتفاق رائے نہیں تھی۔ کچھ حکام مثلاً ٹریویلین اور لارڈ لارنس آبپاشی کے ذرائع کی اہمیت کو ہندوستانی معیشت کے پس منظر میں تسلیم کرتے تھے۔ سر چارلس ٹریلویلین کا خیال تھا کہ 'ہندوستان کے لیے آبپاشی کے ذرائع سب کچھ ہیں۔ پانی بیش بہا چیز ہے۔ جب زمین کی آبپاشی ہوتی ہے تو اس کی پیداواری صلاحیت کم سے کم چھ گنا بڑھ جاتی ہے۔ پانی کی وجہ سے وہ بڑے علاقے پیداوار کے قابل ہو جاتے ہیں جن میں سے کچھ میں بہت کم پیداوار ہوتی ہے۔' ٹریلویلین سے اتفاق رکھتے ہوئے لارڈ لارنس بھی آبپاشی کے ذرائع کی تعمیر اور ترقی کا زبردست حامی تھا وہ 'ملک کی ضرورت کے لیے ریلوے کے مقابلہ آبپاشی کے ذرائع کو بہت اہم سمجھتا تھا۔' ایسا آر۔ سی۔ دت کا ماننا ہے کہ اس کے خیال اور کوشش کو بہت پذیرائی نہیں ہوئی۔ حکومت نے اس کے دلائل کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ لہٰذا اس کے دور میں بھی آبپاشی کے مقابلے میں ریلوے کی تعمیر تیزی سے ہوئی۔ آر۔ سی۔ دت نے مارچ 1870 سے لیکر 1880 تک ریلوے اور آبپاشی پر ہونے والی سرمایہ کاری کا حساب لگا کر بتایا کہ ریلوے پر کل 25 ملین پاؤنڈ اور آبپاشی پر کل 12 ملین پاؤنڈ خرچ ہوا۔ اس سے برطانوی سرکاری کی منشا اور ترجیحات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آر۔ سی۔ دت نے لکھا کہ 'آبپاشی کے ذرائع ان کے لیے اجنبی تھے، ان پر پیسہ خرچ کرنا ان کے خیال میں روپیہ برباد کرنا تھا۔'

سر آرتھر کاٹن ایک ہندوستان پرست افسر تھا۔ اس کی نگاہ میں آبپاشی کی ترقی عوام کی فلاح و بہبود کا سب سے موزوں منصوبہ تھا۔ اسی لیے وہ ہمیشہ اس کی تائید کرتا رہا کہ 'ریلیں، قحط کے خلاف تحفظ نہیں کر سکتی ہیں۔' اس نے زور دیکر کہا کہ 'ریلیں، انسانوں اور جانوروں کے لیے غذا نہیں فراہم کر سکیں۔ سستی سواری، لاگت اور قرض پر سود ادا نہیں کرتی اور ملک کے عوام کو پانی مہیا نہیں کر سکتی۔ آبپاشی کے ذرائع سے یہ سب کچھ ہوا اور ہو سکتا ہے۔' سا آرتھر کاٹن کا خیال تھا کہ آبپاشی پر سرمایہ کاری نہ صرف ہندوستان بلکہ برطانوی حکومت کے لیے بھی فائدہ کا سودا ہے۔ آبپاشی سے متعلق قحط کمیشن نے لکھا تھا 'جہاں تک اس میں لگائی جانے والی رقم پر ملنے والی افادیت کا تعلق ہے اس کا نتیجہ ریاست کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ ان سے عام حالات میں ملک کی دولت میں اضافہ ہوا اور خشک سالی کے زمانوں میں قحط نہ پڑا یا اس کی شدت کم ہو گئی۔' قحط کی تاریخ کے مطالعہ سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ اگر سرکار نے سر آرتھر کاٹن کی تجاویز اور منصوبوں پر باریک بینی سے غور کیا ہوتا تو ہندوستان کی معیشت کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہوتا۔ آر۔ سی۔ دت نے تسلیم کیا کہ اگر ''سر آرتھر کاٹن کی دور اندیشی اور جان برائٹ کی فراخدلانہ ہمدردی نے جو موقع دیا تھا اس کو اس طرح کھو دیا گیا کہ وہ اس صدی میں پھر کبھی حاصل نہ ہو سکا۔'' قحط کمیشن نے مزید آبپاشی کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ ''ہندوستان کو خشک سالی کی بنا پر پڑنے

والے قحط سے محفوظ رکھنے کے لیے جو تدبیریں کی جانی چاہئیں ان میں یقینی طور سے اولیت سینچائی کے کاموں کو دی جانی چاہئے۔"اسی کے پیش نظر ارتھر کاٹن چاہتا تھا کہ ریلوے کو وقتی طور پر ملتوی کر کے "آئندہ دس یا بیس سالوں تک دس ملین کی رقم ہر سال آپ رسانی کے ذرائع پر خرچ کی جائے۔"ان سفارشات کو نظرانداز کر کے ریلوے کی تعمیر پر بے تحاشا روپیہ خرچ کیا گیا۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1853 کل 20 میل ریلوے لائن کی تعمیر ہوئی اور 1900 میں تقریباً 25 ہزار میل ریلوے لائن کی تعمیر مکمل کر لی گئی، جن پر 1891 تک کل ملا کر ایک اندازے کے مطابق 23 کروڑ پاؤنڈ خرچ ہو گیا تھا اور 1892 سے لیکر 1896 تک تقریباً 23 کروڑ پاؤنڈ خرچ ہوا جبکہ آبپاشی پر خرچ ہونے والی رقم بہت معمولی تھی۔ ریلوے پر 226 ملین اور آبپاشی پر تقریباً 24 ملین پاؤنڈ خرچ ہوا۔

10.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس باب میں آبپاشی کے نظام کا قدیم عہد سے لیکر برطانوی حکومت کے ذریعے تعمیر کردہ منصوبوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا۔اسی کے ساتھ آبپاشی کے ذرائع اور ان کا استعمال کی نوعیت پر بھی بحث شامل ہے۔زمانے قدیم کے حکمرانوں کے ذریعہ تعمیر کردہ آبپاشی کا نظام اور عہد وسطیٰ میں سلاطین دہلی اور مغل حکمرانوں کے ذریعے آبپاشی کے نظام کو ترقی دینے کے مقاصد پر بھی تفصیلی گفتگو شامل ہے۔سب سے اہم تفصیل برطانوی عہد حکومت میں اہم منصوبوں کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ہندوستان کے ایک زرعی ملک ہونے کے ناطے اس کے حکمرانوں نے قحط سے حفاظت کے لیے آبپاشی کے منصوبوں کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ برطانوی عہد میں لگان بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے کسان روایتی ذرائع کی تعمیر سے بھی قاصر تھا کیونکہ اس کے پاس اس میں سرمایہ کاری کے لیے پیسہ نہیں تھا۔ لہٰذا اس عہد میں مانسون کی ناکامی یا پھر کمی کی صورت میں زراعت متاثر ہو جاتی اور پیداوار گھٹ جاتی اور لوگوں کو خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا۔اور عوام بھکمری کا شکار ہو کر مرنے لگتے۔ ایسی صورت حال میں سرکار کو منصوبہ بند طریقہ سے جس کی حمایت سرارتھر کاٹن کرتا تھا توجہ دینی چاہئے تھی لیکن برطانوی حکام نے ریلوے کی تعمیر میں دلچسپی تو دکھائی لیکن آبپاشی کی طرف بہت کم توجہ دی۔ کیونکہ دونوں منصوبوں سے آمدنی اور افادیت کے تقابلی تجزیہ سے انگریز ریلوے کو ترجیح دینے پر مجبور تھے۔ قحط کمیشن کی سفارشات اور آبپاشی کمیشن کی سفارشات آبپاشی کو منظم کرنے اور اس کے ذرائع کے فروغ دینے کی پر زور حمایت کرتے تھے۔اس کے باوجود برطانوی حکومت نے ریلوے کو برطانیہ کی معاشی افادیت پر جو صنعتی انقلاب کی وجہ سے پیدا ہوا تھا ترجیح دیکر سرمایہ کاری کی۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی سے قبل کے عشروں میں چند قحط ایسے بھی آئے جس نے ہندوستان کی آبادی کے ایک تہائی حصہ کو موت کی نیند سلادیا۔ 1947 میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو ملک کے حکمرانوں نے ہندوستان کی زرعی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے آبپاشی کے بڑے بڑے منصوبے تعمیر کرائے۔ جس کی بدولت زرعی انقلاب ممکن ہو سکا۔اسے آزاد ہندوستان کی سب سے بڑی کامیابی تصور کیا جاتا ہے۔ آبپاشی نظام کے تحت تعمیر کردہ نہروں کی افادیت سے ہم بخوبی واقف ہیں لیکن نہروں کے بعد انکے منفی نتائج و بائی امراض کی شکل میں آئے۔ جس کو بعد میں پالیسی سازوں نے درست کرنے کی کوشش کی۔اسی کے ساتھ زمین کی تیزابیت بڑھنے کا مسئلہ بھی سامنے آیا جس نے پیداوار کو کم کر دیا تھا۔ منفی نتائج کے باوجود آبپاشی کے منصوبہ ملک کے لیے عمومی طور پر منافع بخش ثابت ہوئے۔اس سے انکار ناممکن ہے۔اس قحط کے اثرات کو کم کر دیا۔ قحط کے تناظر میں آبپاشی کے مطالعہ سے اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔اس کے مفید اثرات میں نمایاں

طور پر زرعی پیداوار میں اضافہ ہے۔ لوگ آبپاشی کی سہولت کی وجہ سے نقدی فصلوں، جو زیادہ منافع بخش دیں اگانے کو ترجیح دینے لگے۔ کسان اب بازار کے لیے غلہ پیدا کرنے لگا جو کہ ان کے لیے مفید ثابت ہو رہا تھا۔ ڈی آر گڈ گل لکھتے ہیں کہ اس طرح زراعت کو تجاری بنانے کی تحریک کو تقویت ملی اور گھریلو استعمال کے علاوہ بازار میں فروخت کرنے کے لیے غلہ پیدا کرنے کا رجحان بڑھنے لگا۔"

10.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

آبپاشی نظام	:	پانی سے کھیت کی سینچائی کا نظام
ارتھ شاستر	:	چندر گپت موریہ کے وزیر کوٹلیہ کی طرف منسوب کتاب

10.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

10.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کوٹلیا اپنی کتاب ارتھ شاستر میں آبپاشی کے متعلق کیا کہتا ہے؟
2. کشمیر کے متعلق آبپاشی کے ذرائع کا ذکر کس تاریخی ماخذ میں ملتا ہے؟
3. فرانسس بکانن ہیملٹن نے جنوبی ہندوستان میں آبپاشی کے متعلق کیا کہا تھا؟
4. فیروز شاہ تغلق کے ذریعہ تعمیر کردہ چند نہروں کے نام بتائیے۔
5. پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کس نے قائم کیا تھا۔
6. گنگا نہر کس نے تعمیر کرایا تھا؟
7. آبپاشی کے ذرائع کو کن دو زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے؟
8. قحط کمیشن کب اور کس کی سربراہی میں قائم ہوا تھا؟
9. کاویری، کایرون آبپاشی منصوبہ کس نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا؟
10. تھامس انجینئرنگ کالج کب اور کہاں قائم کیا گیا۔

10.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. برطانوی عہد سے پہلے کے آبپاشی نظام پر روشنی ڈالیے۔
2. فیروز شاہ تغلق نے آبپاشی کے نظام کو ترقی دینے کے لیے کیا کیا اقدام کیے؟ لکھئیے۔
3. برطانوی عہد کے آبپاشی کے اہم منصوبوں کی تعمیر کا جائزہ لیجئے۔
4. سر آرتھر کاٹن کی آبپاشی کے میدان میں خدمات کا جائزہ پیش کیئے۔

5. آبپاشی منصوبوں سے ہندوستانی کسانوں کو کیا فائدہ ہوا؟ تفصیل سے لکھیے۔

10.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. آبپاشی کمیشن کی سفارشات کی تنقیدی جائزہ لیجیے۔
2. آبپاشی بمقابلہ ریلوے مباحثہ کا تقابلی مطالعہ مثالوں کے ساتھ پیش کیجیے۔
3. آبپاشی منصوبوں کے اثرات کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

10.12 مزید مطالعہ کے لیے تجویز کردہ کتابیں Suggested Books for Further Reading

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
5. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
6. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
7. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
8. Sarkar, Sumit, *Modern India*, *1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
9. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
10. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 11۔ قحط سالی: اسباب اور نتائج

(Famines: Causes and Consequences)

اکائی کے اجزا

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 قدیم ہندوستان میں قحط الی

11.3 عہد وسطیٰ میں قحط اور حفاظتی اقدامات

11.4 مغلیہ عہد میں قحط اور مغل بادشاہوں کے رفاہی اقدامات

11.5 برطانوی عہد حکومت میں قحط اور اس کی وجوہات

11.6 برطانوی حکومت کے دوران کچھ اہم تباہ کن قحط

11.7 قحط کمیشن اور اس کی سفارشات

11.8 1883ء کا قحط کوڈ اور امتناعی اقدامات

11.9 قحط کا ہندوستان کی حیثیت اور سماج پر اثرات

11.10 اکتسابی نتائج

11.11 کلیدی الفاظ

11.12 نمونہ امتحانی سوالات

11.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

11.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

11.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

11.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید (Introduction)

''کسی علاقہ کی آبادی، جب اشیائے خوردہ نوش کی معمولات کی سپلائی میں کمی کے باعث شدید بھوک سے دوچار ہو جائے''، اس کو انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کے مطابق قحط کہا جاتا ہے۔ بی-ایم-بھاٹیہ نے اپنی کتاب *Famines in India: A Study in Some Aspects of the Economic History of India with Special Reference to Food Problem, 1860–1990* میں مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ صنعت، تجارت اور آمد ورفت کے وسائل میں جدید ترقی نے قحط کے مسئلہ کا معنی ومطلب اور نوعیت، دونوں کی ساخت کو مکمل تبدیل کر دیا۔ دور جدید میں جب غذائی اشیاء کی قیمتوں میں گرانقدر اضافہ کی وجہ سے وہ غریبوں کی قوت خرید سے باہر ہو جائے تو لوگ بھکمری کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ بھاٹیہ کا خیال ہے کہ اگرچہ دور جدید میں غذائی اشیاء منڈی میں ہمہ وقت دستیاب ہوں گی لیکن قیمت اتنی زیادہ ہوگی کہ غریب لوگ اس کو خرید نہیں سکیں گے اور ملک میں قحط کی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ جس کا تدارک کرنا حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ تاریخی مآخذ میں قحط کو ہمیشہ ایک فطری آفت تصور کیا جاتا ہے۔ دنیا کے کچھ تباہ کن قحط میں ہندوستان میں آنے والے قحط کا بھی ذکر ملتا ہے۔ قدیم زمانے سے لے کر موجودہ دور تک ملک میں کسی نہ کسی خطے میں قحط اور اس کے تباہ کن نتائج کا تذکرہ تاریخی ماخذ میں ملتا ہے۔ تاریخی مآخذ مثلاً وید، بدھ اور جین مذہب کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہندوستان میں قحط کا ذکر ملتا ہے۔ موریہ عہد میں کوٹلیا اپنی کتاب ارتھ شاستر میں قحط کا ذکر تفصیل سے کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک حکمراں کو سینچائی کا انتظام کرنے چاہیے کیونکہ زیادہ تر لوگوں کو انحصار زراعت پر تھا اور زراعت کا انحصار مانسون پر تھا۔ مانسون کی ناکامی کی صورت میں لوگوں کو قحط کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے آبادی کا بہت بڑا حصہ بھکمری کا شکار ہو کر لقمہ اَجل بن جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوٹلیا حکمرانی کے اصولوں میں رفاہی کاموں کو ترجیح دیتے ہوئے بادشاہ وقت کو ہدایت دیتا ہے کہ اس کو اپنی ریاست میں سینچائی کا معقول بندوبست کرنا چاہیے اور امداد کے کام پر توجہ دینی چاہئے مثلاً عوام میں غلہ تقسیم کرنا، ٹیکس معاف کرنا، لنگر چلانا، لگان کو وقتی طور پر معاف کرنا، تالاب کنویں نہریں اور دوسرے سینچائی کے ذرائع فراہم کرنا تھا۔ کوٹلیا تو یہاں تک کہتا ہے کہ سرکار کو امیروں سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کر لوگوں میں تقسیم کرنا چاہیے۔ 1850ء کے بعد یورپ میں قحط کے واقعات ناپید ہونے لگے مگر ایشیا میں اس کی تعداد بڑھنے لگی۔ موجودہ دور میں قحط، قحط ایک فطری وبا نہ ہو کر انسان کے ذریعہ پیدا کردہ مصنوعی آفت بن گئی۔ کیونکہ اس کا براہِ راست تعلق اشیائے خوردنوش کی کمی یا پھر قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے ان کا لوگوں کی قوت خرید سے بالاتر ہونا تھا۔ غربت نے اس مسئلہ کو ہندوستان میں مزید سنگین بنا دیا۔ تصنیفات مثلاً ارتھ شاستر اور اشوک کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں قحط آتا تھا اور حکمراں اس کے نتائج کے تدارک کے لیے مختلف قدم اٹھاتے تھے تاکہ لوگوں کو مرنے سے بچایا جا سکے۔ سلطنت اور مغل عہد کے تاریخی ماخذ میں بھی قحط کا ذکر ملتا ہے۔ محمد بن تغلق کے عہد میں قحط اور اس کے تباہ کن اثرات کا تذکرہ ملتا ہے جس میں ہزاروں لوگوں کی موت ہو گئی تھی اور بادشاہ اس قدرتی آفت سے صحیح طریقہ سے نمٹ نہیں سکا۔ عبدالقادر بدایونی اپنی کتاب منتخب التواریخ میں قحط کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مغلیہ عہد میں کچھ تباہ کن قحط آئے جس میں بہت بڑی تعداد میں لوگوں کا انتقال ہوا تھا اور لوگ مردار کھانے کو مجبور ہوئے تھے۔ اکبر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب نے قحط سے نمٹنے کے لیے سرکاری طور پر اقدامات کئے جس میں لوگوں اور کسانوں کو مدد دینا اولین ترجیح تھی۔ اس کے علاوہ غیر ملکی سیاحوں کے سفر ناموں میں بھی قحط اور اس کے سماجی ومعاشی اثرات کا

تذکرہ ملتا ہے۔ ملک کے ہر خطہ میں کہیں نہ کہیں قحط آتا تھا کیونکہ مانسون کی صورت حال غیر یقینی تھی۔ ملک میں سینچائی کا نظام بہت ترقی یافتہ نہیں تھا۔ سترہویں صدی میں دکن اور گجرات میں تباہ کن قحط نے بہت تباہی مچائی۔ مراٹھا تاریخی ماخذ میں بھی اس طرح کی قحط سالی کا ذکر ملتا ہے۔ مشتاق احمد کاؤ نے بتایا کہ کشمیر میں سولہویں صدی میں کئی قحطوں کا ذکر ملتا ہے۔

11.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ۔

- ہندوستان میں قدیم عہد سے لے کر برطانوی حکومت میں قحط سالی کے بارے میں جان سکیں گے۔
- قحط سالی کی وجوہات اور اس کے معاشرے پر تباہ کن اثرات سے واقف ہو سکیں گے۔
- برطانوی عہد میں قحط کے واقعات میں مسلسل اضافہ اور اس کی تباہ کاریوں کی وجوہات سے روشناس ہو سکیں گے۔
- قحط کے تباہ کن اثرات سے بچنے کے لیے حکومت کے رفاہی کاموں اور حفاظتی اقدام سے متعلق واقفیت ہو گی۔
- مختلف کمیشن کی سفارشات اور اس کا نفاذ اور قحط کوڈ کے تحت لیے گئے اقدامات کی جانکاری ہو سکے گی۔

11.2 قدیم ہندوستان میں قحط سالی (Famines in Ancient India)

قدیم تاریخی ماخذ وید، پران، اوتھ شاستر، غیر ملکی سیاحوں کے سفر نامے اور کتبوں سے قدیم ہندوستان میں قحط سالی اور اس سے متعلق بہت سی جانکاری ملتی ہے۔ کسی علاقوں میں آبادی اشیائے مخدود وتوش کی قلت کے باعث بھکمری کا شکار ہو کر مرنے لگے تو اس حالت کو قحط کہتے ہیں۔ اور اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی اس کرہ ارض پر بنی نوع انسان کا وجود۔ قدرتی آفت سوکھا یا سیلاب یا پھر کسی اور وجہ سے جب فصل تباہ ہو جاتی تو غذائی اشیا کی قلت ہو جاتی تھی۔ چونکہ قدیم زمانے سے آمد ورفت کے وسائل بہت محدود اور روایتی تھے اس لیے اناج کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا دشوار کن مرحلہ تھا۔ تجارت بھی بہت ترقی یافتہ نہیں تھی لہٰذا غذائی اشیا کی قلت سے بھکمری کی کیفیت پیدا ہوتی اور لوگ ہفتوں فاقہ کرکے مرنے لگتے تھے۔ ہڑپہ تہذیب ایک ترقی یافتہ شہری تہذیب تھی لیکن موسمیاتی تبدیلی کے قہر نے ان کی زندگی کو بھی متاثر کیا اور اس تہذیب کے لوگوں کے ذریعے آباد شہروں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں جا کر بسنے کے پختہ شواہد ملتے ہیں۔ ہجرت کی وجہ قحط یا دبائی امراض کا پھیلنا ہو سکتا تھا۔ سنسکرت ماخذ لوک پران میں شک بادشاہوں کے عہد میں ایک طویل مدتی قحط کا ذکر ملتا ہے۔ ایم ڈی این ساہی کے لوک پران کے توسط سے گنگا گھاٹی میں قحط کے معاشی صورت حال پر اپنے مطالعہ میں لوگوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے کی خاص وجہ قحط بتائی ہے۔ اپنے ریسرچ پیپر 'قدیم ہندوستان میں قحط' میں آر گنگولی نے چھندوگیہ اپنشد کے حوالہ سے چھٹی، ساتوی قبل مسیح میں قحط اور اس کی تباہ کاریوں کا تذکرہ کیا ہے۔ بدھ مذہب کے تاریخی مآخذ سمیوتر نکائے، انگوتر نکائے اور دویہ دان میں ما قبل موریہ عہد میں قحط اور اس میں انسانی جانوں کی زیاں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مہابھارت اور رامائن میں چندر گپت معدیہ اور مابعد موریہ عہد قحط کی واضح مثالیں ملتی ہیں۔

ہندوستان ایک زرعی ملک تھالوگوں کا انحصار زراعت پر ہوتا تھایہی وجہ ہے کہ قدیم تہذیبیں زیادہ تر ندیوں کے کنارے آباد ہوتیں تھیں تاکہ سینچائی کے لیے پانی مل جائے۔ان کا انحصار بارش/مانسون پر تھا۔ بارش کی کمی یا پھر مانسون نہ آنے پر سوکھاپڑ جاتا تھااور قحط کے لیے یہی ذمہ دار تھا۔ سوکھا کے علاوہ سیلاب بھی قحط کا دوسرا اہم سبب تھا۔ کوئی بھی قدرتی آفت جس سے زرعی فصلیں تباہ ہوتی اس سے قحط کی صورت حال پیدا ہو جاتی تھی کیونکہ اشیائے خورد ونوش اور غلہ کی فراہمی ختم ہو جاتی تھی اور لوگ بھکمری کا شکار ہو کر مرنے لگتے تھے۔ شہری آبادکاری بڑھنے سے لوگ جنگلوں کو کاٹنے لگے اور جنگلوں کی کمی کے باعث ماحولیاتی تبدیلی آئی جس کی وجہ سے بارش میں کمی آنے لگی۔ مانسون کی صورت حال غیر یقینی ہو گئی اور پھر سوکھاپڑنے لگا۔ جب ایسی صورت حال کئی سالوں تک بنی رہتی تو قحط سالی کے اثرات اور نتائج انسانوں اور جانوروں کے لیے تباہ کن ثابت ہونے لگتے۔آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے زمینی وسائل کے بیجا استعمال سے بھی ماحولیاتی توازن بگڑنے لگااور قحط جیسے حالات پیدا ہو جاتے۔ مصنوعی سنچائی کے وسائل میں کمی کے باعث بھی زراعت متاثر ہوتی اور بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضروریات پوری نہیں ہو پاتی اور مانسون کی تھوڑی کمی کے باعث بھی قحط جیسی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ قحط کبھی کبھی اتنا طویل اور تباہ کن ہوتا تھا کہ بقول ایتر ئی بسواس، لوگ جانوروں اور مردار کھانے کے لیے مجبور ہو جاتے۔ عام دنوں میں لوگ صدقہ خیرات کرتے تھے لیکن قحط جیسی صورت حال میں وہ صدقہ دینا بند کر دیتے تھے جس سے بھکاری اور مذہبی طبقے کے لوگ بہت متاثر ہوتے تھے کیونکہ ان کا انحصار خیرات پر ہوتا تھا۔ قحط کا اثر دھرمایادو کے مطابق سماجی رشتوں پر بھی پڑتا تھا۔ لوگ رشتہ ناطے منقطع کر لیتے۔ کچھ بدھ مذہبی تصنیفات کے مطابق ایسی صورت حال میں چوری ڈکیتی بہت بڑھ جاتی تھی۔ اتیری بسواس لکھتی ہیں کہ قحط کی وجہ سے فاحشہ اور طوائفوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔

قحط سالی کے دوران حکومت اور بادشاہ وقت رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اناج کی سپلائی کو یقینی بناتے۔ لنگر کا انتظام کرتے، کسانوں کو قرض دے کر کھیتی کے لیے حوصلہ افزائی کرتے اور سنچائی کا انتظام کرتے۔ مثلاً چندر گپت موریہ نے قحط کی روک تھام اور لوگوں کو پانی مہیا کرانے کے لیے سدرشن تالاب بنوایا۔ کوٹلیہ، قحط یا قحط جیسی صورت حال کے تدارک کے لیے آبپاشی کے نظام کو فروغ دینے کی تلقین کرتا ہے۔ ہم کو ایسی بے شمار مثالیں قدیم عہد میں ملتی ہیں جب بادشاہوں نے آبپاشی کا معقول انتظام کرایا تاکہ مانسون کی ناکامی کی صورت میں کسانوں کو آبپاشی کی سہولت مہیا کرائی جاسکے۔ چول بادشاہوں مثلاً راجندر چول نے بالخصوص آبپاشی کے نظام کی دیکھ بھال کے لیے علاقائی طور پر کمیٹی بنائی تھی اور آبپاشی کی سہولیات کے لیے تالاب کھدوائے تھے۔

11.3 عہد وسطیٰ میں قحط سالی اور حفاظتی اقدامات

(Famine and Preventive Measures in Medieval Period)

قدیم ہندوستان کے مقابلہ میں دہلی سلطنت میں قحط کی تعداد بڑھ گئی تھی کشمیر میں 10ویں صدی میں قحط سالی کی وجہ سے بہت تباہی آئی تھی۔ اس دور میں بھی قحط نے بہت بناہی بچائی تھی عہد وسطیٰ کے تاریخی ماٰخذ نے اس عہد میں قحط کی آمد اور اس کے وجوہات پر تبصرہ کیا تھا۔ مثلاً ضیاءالدین برنی قحط کے وجوہات میں کسانوں پر بے جا محصولات کا اضافہ اور ان کا استحصال بتایا تھا۔ اسی کے ساتھ قدرتی آفات کو بھی اس کے

لیے موردالزام ٹھہرایا۔ التمش کے عہد میں قحط کا ذکر ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے کافی احوات ہوئی تھیں۔ سلطان علاءالدین خلجی جو بازار کنٹرول پالیسی کے لیے مشہور تھا اس کے عہد میں بھی قحط کے واقعات رونما ہوئے اس نے احتیاطی تدابیر کے طور پر یہ قانون نافذ کیا کہ کوئی بھی اپنی ضرورت سے زیادہ اناج نہیں خرید سکتا۔ محمد بن تغلق کے ناقص پالیسوں مثلاً ٹوکن کرنسی اور دوآبے میں لگان بڑھانے کی وجہ سے لوگ ، معاشی تنگی کا سامنا کر رہے تھے۔ مزید برآں یہ کہ اناج کی قیمتوں میں اضافے نے لوگوں کو بھکمری کے دہانے پر پہنچادیا اور قحط جیسی صورت حال پیدا ہو گئی دہلی سے دولت آباد دارالسلطنت کی منتقلی اور عوام کی ہجرت سے بھی دہلی میں قحط کی صورت حال پیدا ہو گئی سلاطین دہلی نے قحط کو کرنے کے لیے رفاہی کاموں کے ساتھ پیمائی کے بہتر انتظام کی طرف بھی توجہ دیا اس کی مثال فیروز شاہ تعلق تھا اس کے علاوہ عوام میں کھانا مفت تقسیم کروانا، لگان معاف کرنا، لوگوں کو کھیتی کے لیے قرض دینا وغیرہ شامل تھا۔ شیر شاہ کے عہد حکومت میں منتخب اللباب کے مصنف کے مطابق شدید قحط آیا تھا۔ اس نے سرکاری خزانہ سے لوگوں کو فراخ دلی سے تعاون کیا۔ اس نے 'سری' نام کا ایک ٹیکس لاگو کیا جس کے تحت لوگوں کو غلہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ دہلی سلطنت کے زوال کے بعد جنوبی ہندوستان میں بہمنی اور وجے نگر کی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ ان دونوں مملکتوں کو بھی قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ عبدالرزاق اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ وجے نگر کی آبادی 15 ویں صدی میں بہت زیادہ تھی لیکن قحط کی وجہ سے 16 ویں صدی میں اس کی آبادی میں نمایاں کمی دیکھنے کو ملتی ہے۔

11.4 مغلیہ عہد میں قحط اور مغل بادشاہوں کے رفاہی اقدامات

(Famine in Mughal Period and the Welfare Measures of the Mughal Emperors)

مغلیہ عہد کے تاریخی مآخذ میں قحط اور اس سے متعلق نقصانات اور عوام کی پریشانیوں کا ذکر ملتا ہے۔ تزک بابری، تزک جہانگیری، اکبر نامہ، منتخب التواریخ، مراۃ احمدی، بادشاہ نامہ، عالمگیر نامہ، آداب عالمگیری، منتخب اللباب، تاریخ سندھ، غیر ملکی سیاحوں کا سفر نامہ، یورپی کمپنیوں کے دستاویزات اور کتبوں میں قحط سے متعلق معلومات دستیاب ہیں۔ قدیم ہندوستان اور دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح مغلیہ عہد میں قحط یا پھر قحط جیسی صورت حالی بار بار پیدا ہوئی جو حکمراں اور عوام دونوں کے لیے ہی پریشان کن ثابت ہوئی اس دور میں قحط نے سماجی زندگی کو بہت متاثر کیا اس کے ساتھ معاشی زندگی اور زرعی نظام کی تباہی کے شواہد بھی تاریخی مآخذ میں ملتے ہیں۔ دہلی سلاطین کی طرح مغل حکمرانوں نے بھی آبپاشی نظام کو بہتر بنانے کے لیے کئی اقدامات کئے ان میں نہریں تعمیر کروانا، تالاب، کنویں، پانی کے چشم اور دیگر دیہی اور دونوی سہولیات فراہم کرنا شامل تھا۔ کیونکہ اس حقیقت سے وہ بخوبی واقف تھے کہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے اور زراعت کو فروغ دینے کے لیے آبپاشی کی سہولیات فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

مغل عہد حکومت میں ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ایام میں قحط آنے کے شواہد ملتے ہیں۔ 1526 میں گجرات کا قحط بہت تباہ کن ثابت ہوا۔ وہاں کے حکمراں سلطان بہادر نے لنگر چلانے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو کھانا مہیا ہو سکے۔ اکبر کی تاج پوشی 1556 میں ہوئی تھی اسی وقت دہلی اور آگرہ قحط کی ڈر میں آگیا اور ابوالفضل کے مطابق یہ بہت شدید قسم کا قحط تھا جس میں بڑی تعداد میں لوگوں کی جان چلی گئی۔ اس

کے بعد ملک کے کسی نہ کسی حصہ قحط آتا رہا۔ 1573 میں ایک نیاہ کن قحط تجرات میں شدید برف باری کی وجہ سے آیا جس میں کافی لوگ موت کی نذر ہو گئے کیونکہ شرح موت بہت زیادہ تھی۔ مشتاق احمد کاؤ نے کشمیر میں قحط اور اس کے اثرات کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے۔ کشمیر میں 1576 کا قحط اپنی تباہ کاریوں کی وجہ سے آج بھی لوگوں کی یادداشت میں محفوظ ہے۔ 1595 میں کشمیر بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط کی زد میں آگیا۔ شہنشاہ اکبر نے نمبر با اور قحط زدہ لوگوں کو کھانے کے لیے تین شہروں میں سرکاری تعاون سے بڑے پیمانے پر لنگر کا انتظام کروایا سوکھے کی وجہ سے 1615 مین پورا پنجاب اور اس کے گردونواح کا علاقہ قحط کی زد میں آگیا۔ یہاں مزعیہ دو قحط کاذکر ضروری ہے پہلا 1623 کا جو پورے ہندوستان میں پھیل گیا پھر دوسرا قحط 1630 میں آبپاشی میں پورا گجرات اور دکن کا علاقہ متاثر ہوا۔ اناج کی شدید قلت ہوئی۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ مراۃ احمدی کے مصنف علی محمد خاں نے 1630 سے قحط کی تباہ کن اثرات کا ذکر کیا ہے جب لوگ جانوروں کا گوشت اور درختوں کے پتے اور چھال کھانے کو مجبور تھے۔ قحط کی وجہ سے لوگ بڑے پیمانے پر ہجرت کرنے کے لیے مجبور ہوتے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر جان حفاظت کے لیے دوسرے علاقوں میں چلے جاتے قحط کے دوران محصولات میں بہت کمی آجاتی کیونکہ زراعت کی ناکامی کی وجہ سے لوگ لگان دینے سے قاصر ہوئے۔ آبادی میں کمی آجاتی۔ زراعت ختم ہو جاتی ایسی صورت حال میں علاقائی یا پھر مرکزی حکومتیں عوام کی امداد کے لیے بہت سے رفاحی کام کرتی جس سے متاثرہ لوگوں کی مدد ہوتی تھی۔

راجستھان جس کو راجپوتانہ بھی کہا جاتا تھا، ریگستانی علاقہ تھا جہاں بارش کم ہوتی تھی۔ اگر کسی سال بارش نہیں ہوتی تو پورا علاقہ قحط کی زد میں آجاتا۔ 1634 میں وہاں اس طرح کا شدید قحط آیا تھا 1646 میں آگرہ قحط سے متاثر ہوا۔ شاہ جہاں نے قحط سے متاثرہ علاقوں میں لنگر چلانے کے لیے بڑا عطیہ دیا جس سے مختلف علاقوں میں کوئی دس لنگر خانے تقسیم کرنے پر مامور تھے۔ قحط سے نمٹنے کے لیے اس نے حکام مقرر کئے تاکہ اس کے تباہ کن اثرات کو کم کیا جاسکے۔ سندھ، اودھ، بنگال اور بہار بھی مغلیہ عہد میں مسلسل قحط کی زد میں آنے کی وجہ سے معاشی اور سماجی مسائل کا سامنا کرتے رہے۔ مراۃ احمدی میں ایسے زمانے کا ذکر ہے جس میں حاکم وقت نے لگان میں کمی کا اعلان کیا تھا۔ اورنگ زیب نے اناج کی سپلائی پر راہ دری ٹیکس کو قحط کے دوران اناج کی سپلائی کو یقینی اور جاری رکھنے کے لیے ختم کر دیا تھا۔

قحط سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے بادشاہوں نے اپنی اپنی ممالکت میں بطور حفاطی اور رفاہی کاموں کو فروغ دینے میں اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اس ضمن میں آبپاشی کے نظام کی ترقی قابل ذکر ہے۔ سلاطین دہلی بالخصوص فیروز شاہ تغلق اور دلنات الدین تغلق کا نام قابل ذکر ہے۔ مغلیہ عہد میں اکبر، شاہ جہاں اور نگ زیب نے آبپاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے ساتھ پرانے آبپاشی کے نظام کی تجدید کاری اور مرحت کو بھی ترجیح دیا تاکہ مانسون کی ناکامی کی صورت میں سنچائی کے ذرائع کو استعمال میں لاکر زرعی پیداوار میں اچانک آتی کمی کو کم کیا جاسکے۔ کنویں، تالاب، نہریں، پانی کے چشمہ، ذخیرہ وغیرہ تعمیر کرنے پر مغلیہ حکمرانوں نے نہ عطیات کے ذریعہ اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ اکبر نے فتح پور سیکری کے پاس تالاب بنوایا تاکہ اس پاس کے علاقہ کے لوگوں کو پینے اور سنچائی کے لیے پانی دستیاب ہو سکے اسی طرح چولا حکمرانوں نے خاص طور پر آبپاشی کے لیے بڑے بڑے تالاب بنوائے وار قحط جیسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ایک آبپاشی کمیٹی قائم کی۔ گولکنڈہ کے حکمراں بھی پارس کے پانی کے ذخیرہ اندوزی کے لیے تالاب/ساگر بنوائے جو قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے ایک اہم پیش رفت تھی۔

11.5 برطانوی عہد میں قحط سالی اور اس کی وجوہات (Causes for Famines in British Period)

قدیم اور وسطیٰ کی طرح جدید ہندوستان میں قحط کا سلسلہ جاری رہا اس کے تباہ کن اثرات نے سماجی اور معاشی زندگی کو بہت متاثر کیا۔ برطانوی عہد میں قحط اور اس کی تباہی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی عہد میں قحط کے تباہ کن اثرات کے لیے انگریزوں کو مورد الزام ٹھہرایا گیا۔ دانشوروں، مورخین اور ماہر معاشیات، کا بین مباحچہ کا موضوع بن گیا کہ قحط ایک فطری آفت ہے اس کے لیے انگریزوں کو مورد لازام ٹھہرانا کسی قدر حق بجانب ہے۔ دوسرا اہم موضوع جو تنازعہ کا باعث ہے اور مباحثہ میں شامل ہے وہ یہ کہ اگر انگریزوں نے قحط اور اس سے متعلق مسائل کو بخوبی انتظام اور انصرام کیا ہوتا تو اس کے نتائج اس قدر تباہ کن اور جان لیوا ثابت نہیں ہوتے جیسا کہ شواہد پیش کرتے ہیں۔ انگریزوں پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آبپاشی کے نظام کو فروغ دینے میں کسی خاص دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا جس کی وجہ سے مانسون کی ناکامی کی صورت میں قحط کی تباہیاں بھیانک شکل اختیار کر لیتی۔ انسانی جانوں کو اموات سے بچایا جاسکتا تھا۔ اور تباہی کو بھی بہتر طریقے سے انتظام کر کے کم کیا جاسکتا تھا۔ قدیم ار عہد وسطیٰ کے لیے قحط پر کوئی مربوط اور منظم مآخذ نہیں ملتا۔ لیکن موجودہ شواہد تحت کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر 50 سال میں عوام کو ایک بڑے قحط کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ولیم ڈگی کے مطابق 11 ویں صدی کی ابتدا سے لیکر سترہویں صدی کے اختتام تک ہندوستان میں 14 بڑے قحط کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن انیسویں صدی میں قحط کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہونے لگا جو باعث تشویش تھا کیونکہ 1765 سے لیکر 1857 کے کمیشن کے مطابق عذر تک ملک میں 12 قحط اور 4 اناج کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا تھا عذر کے بعد قحط کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا جس کو قومی رہنماؤں نے تنقید کا نشانہ بنایا۔

11.6 برطانوی عہد میں قحط کے اوصاف میں تبدیلی
(Change in the Characteristics of Famines in British Period)

انیسویں صدی تک قحط کے اوصاف میں یہ بات شامل تھی کہ کسی بھی خطہ کی مکمل آبادی اس سے متاثر ہوتی تھی کیونکہ اناج کی مکمل قلت ہو جاتی اور روزگار کے مواقع کا فقدان تھا بازار میں اشیائے خورد نوشی ختم ہو جاتی۔ لوگوں کے پاس پیسہ ہونے کے باوجود بھی حقیریں دستیاب نہیں تھیں۔ غیر متاثرہ علاقوں سے بھی منگانہ مشکل تھا کیونکہ ڈھلائی کے وسائل بہت روایتی تھا یا پھر مہنگا تھا۔ سڑکیں ترقی یافتہ نہیں تھیں۔ 1857 کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستانی انتظامیہ اور فوجی قوت کو دوباہ منظم کر کے اپنی گرفت مضبوط کر لی اور 1853 میں ریلوے کا آغاز کر کے آمدورفت کے وسائل کو فروغ دیا تو اناج کی ڈھلائی آسان اور سستا ہو گیا۔ اور اسی کے ساتھ قحط کے اوصاف خصلت میں تبدیلی دیکھنے کو ملتی۔ قحط چونکہ قدرتی آفت تھے اور اس کے قدرتی وجوہات کے مثلاً مانسون کی ناکامی یا کمی، سیلاب، زلزلہ، برف باری، ٹڈیوں کا حملہ، طوفان، فصلوں کی بیماری وغیرہ مغلیہ کے آخری دور میں جنگوں کی وجہ سے سیاسی او سماجی انتشار نے بھی زرعی پیداوار کو متاثر کیا اور قحط جیسی صورت حال پیدا ہو گئی۔

برطانوی عہد میں مسلسل قحط میں اضافہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ریلوے تعمیر کے بعد قحط کا مسئلہ بہت سنگین ہو گیا

کیونکہ اس کی بنیادی خصلت تبدیل ہو گئی بغاوت سے قبل قحط ایک مقامی مسئلہ تھا کیونکہ پورے ملک میں قحط آنے کا امکان کم ہوتا تھا اور اس کی مثال بھی ناپید ہے۔ لیکن ریلوے نے مقامی قحط کے اثرات کو ختم کر دیا۔ کیونکہ اناج کی قلت کی صورت حال ریلوے کی حد سے اناج اس علاقہ تک پہنچادیا جاتا تھا بازار میں اناج مہیا تھا لیکن مانگ یا ضروریات کے مطابق سپلائی میں کمی وقوع ہو جانے سے قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا اور غریبوں کی قوت خرید سے باہر ہو جاتی۔ اناج منڈی میں ہونے کے باوجود خریدنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ انیسویں صدی نے دوسرے نصف سے پہلے اناج کی سپلائی کی کمی کے باعث قحط کے واقعات رونما ہوتے تھے لیکن دوسرے نصف میں قوت خرید میں کمی کے باعث لوگ اناج خریدنے سے محروم ہو کر بھکمری کا شکار ہو جاتے اور قحط کی صورت حال پیدا ہو جاتی۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب نے دنیا بالخصوص نوآبادیات کی معاشی زندگی کو تبدیل کر دیا صنعتی انقلابنے نوآبادیاتی نظام کو فروغ دیا کیونکہ اس کو فیکٹریوں میں بنے مصنوعات کے لیے بازار چاہئے تھے۔ دوم اپنی صنعتوں کو مسلسل جاری رکھنے کے لیے خام مال ضرورت تھی فیکٹریوں میں کام کرنے والوں مزدوروں کو اناج کی ضرورت تھی۔ اسی کے پیش نظر انگریزوں نے ہندوستان میں ریلوے کو فروغ دیا جس کے ذریعہ ان کی دونوں ضروریات پوری ہو گئیں بنا ہوا سامان ہندوستان کی منڈی میں آنے لگا اور یہاں سے خام مال اور اناج کی سپلائی برطانیہ کو ہونے لگی۔

غلہ ہندوستان سے برطانیہ کو برآمد ہونے لگا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں غلہ کی کمی واقع ہو گئی۔ غلہ کی برآمندات کی وجہ سے گھریلو ذخیرہ جسے عام اپنے برے دنوں کے لیے بچا کر رکھتی تھی وہ ختم ہو گیا۔ اور غلہ کی کمی کے باعث قحط کے دوران قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ ہو جاتا۔ دوسرے صنعتی انقلاب کی ضرورتوں کے پیش نظر برطانوی حکومت نے ہندوستان کی زرعی پالیسی کو اپنے تجارتی مفاد کے پیش نظر تبدیل کرنا شروع کر دیا انہوں نے ہندوستان میں زراعت کی تجارت کاری کی پالیسی کو نافذ کیا۔ اس کے تحت کسانوں کو نقدی فصلیں اگانے کے لیے مجبور کیا گیا مثلاً کپاس، نیل، گیہوں، گنا، تمباکو کی کھیتی کرنے کی ترغیب دی گئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کے غیربوں کے موردوتوش کے اناج مثلاً جو، جوار، باجرہ، مکا وغیرہ کی پیداوار میں کمی آگئی۔ مانسون کی ناکامی کی صورت میں سوکھا پڑنے کی وجہ سے ہندوستان کے غریب طبقہ کی رسائی اناجوں تک پیداوار میں کمی کے باعث محدود ہو گئی یا پھر یہ طبقہ پوری طرح اناج سے محروم ہو گیا۔

ریلوے نے دوسرے علاقوں سے غلہ کی ڈھلائی کر کے اناج بہم پہنچایا تاکہ لوگوں کو اناج مل سکے لیکن سپلائی کی کمی کے باعث اناج کی قیمتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ منڈی میں اناج موجود تھا پھر بھی لوگ اس کی بے تحاشہ اضافہ کی وجہ سے خریدنے سے قاصر تھے کیونکہ ان کی قوت خرید بالکل ختم ہو گئی تھی۔ ان کے پاس نقدی نہیں تھا۔ کیونکہ برطانوی حکومت کی لگان کی پالیسی مثلاً بندوبست استمراری، رعیت داری یا پھر محل داری میں کسانوں کے بے جا استحصال رگن مانی لگان وصوتی نے ان کی معاشی حالت کو تباہ کر کے ان کو مغلوک الحالی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد برطانوی فیکٹری مصنوعات کی ہندوستان میں درآمد نے یہاں کی صنعت و حرفت کو رفتہ رفتہ تباہ و برباد کر دیا اور انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ہندوستان غیر متوقع حالات جسے عدم صنعتکاری کہا جاتا ہے، سے گذرنے لگا۔ صنعتیں بند ہونے لگیں لوگوں کی ملازمتیں ختم ہونے لگی۔ آمدنی کا ذریعہ ختم ہونے لگا اور لوگ بے روزگار اور بے کار ہو گئے۔ اگرچہ ایسی صورت حال میں منڈی میں اناج ہونے کے باوجود عام ہندوستانی اسے خریدنے سے قاصر تھا اور قحط کے دوران وہ بھکمری کا جلد شکار ہو جاتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ قومی رہنماؤں نے انگریزوں کو قحط اوراس کے تباہ کن اثرات کے لیے مورد الزام ٹھہرایا۔اور یہ کہا جانے لگا کہ قحط ایک فطری آفت تھی جس کو انگریزوں نے ہندوستان میں انسانی وضع کردہ بنادیا۔بی۔ایم۔بھاٹیہ کے مطابق قدرتی وجوہات کے بجائے انسانی اور ادارتی وجوہات،غلہ کے فقدان اور قحط کے اہم وجوہات بن گئے۔برڈ اسمتھ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ 'برآمدات کی وجہ سے اناج کی قیمت میں اضافہ ہوا۔' اگر چہ غلہ وافر مقدار میں موجود تھا پھر بھی قحط کی صورت حال پیدا ہوگئی۔الون 1861 کے قحط کے تعلق سے لکھتا ہے کہ مظفر نگر میں آبپاشی کی وجہ سے فصل بہت اچھی ہونے کے باوجود عوام ہنگائی کی وجہ سے بھکمری کا شکار تھے ریلوے اور غلہ کی برآمد دونوں نے مقامی قحط کے مسئلہ کو علاقائی مسئلہ کو علاقائی مسئلہ میں تبدیل کردیا جس کی زد میں بیک وقت ملک کا ایک بڑا حصہ آجاتا تھا کیونکہ ہنگائی وجہ سے لوگ اناج نہیں خرید پاتے اور بھکمری کاآسانی سے شکار ہو جاتے۔

11.7 برطانوی عہد حکومت میں قحط کی تعداد میں اضافہ اوراس کے وجوہات

(Increasing Famines under British Rule and Its Causes)

قدیم ہندوستان میں قحط کی اصلی تعداد معلوم کرنا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ تاریخی مآخذ میں سلسلہ وار جانکاری نہیں ملتی۔قحط سے متعلق دستاویزات کی کمی ہے۔لوڈے کے مطابق 297 سے لیکر 1907 تک ملک میں کوئی 69 تباہ کن اور شدید قحط آئے۔وہ مزید بیان کرتا ہے کہ 69 میں سے 32 قحط تو صرف 1757 سے لیکر 1907 تک انگریزی حکومت کے قیام کے بعد ہی آئے۔بھاٹیہ کا خیال ہے کہ گیارہویں صدی سے لے کر چودہویں صدی تک 400 سال کے عرصہ میں صرف 14 شدید تباہ کن نوعیت کے قحط آئے۔برطانوی حکومت کے قیام کے بعد ہر نصف صدی میں شدید قسم کے قحط کی جانکاری ملتی ہے۔برطانوی عہد حکومت میں سلسلہ وار اور مسلسل قحط آنے کی مورخین نے مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

اوّل: ہندوستان ہمیشہ سے ایک زرعی ملک رہا ہے زراعت یہاں کے لوگوں کا اہم پیشہ تھا۔گاؤں کا دیہی طبقہ اپنے آپ میں خود کفیل تھا۔ضرورت کی ساری چیزیں مقامی طور پر مہیا نہیں لوگ اپنی آمدنی کو دیہی صنعت و حرفت اور دستکاری کے ذریعہ تقویت دیتے۔عہد وسطیٰ میں دیہی دستکاری اور مقامی صنعت و حرفت ترقی یافتہ تھی عمدہ قسم کے ریشمی سوتی کپڑوں کے لیے ہندوستان یورپ میں جانا جاتا تھا۔سوتی کپڑوں کے کارخانہ ترقی پر تھے۔یہاں کے کپڑوں کی مانگ یورپ کی منڈی میں تھا جس کے بدلے ہندوستان کو زر مبادلہ کے طور پر خوب آمدنی ہوتی تھی،ملک میں خوشحالی تھی،لیکن برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے بعد یہ نظرنامہ تبدیل ہوگیا۔ہندوستان جو آمدات کے لیے جانا جاتا تھا اب ایک درآمد کرنے والا ملک بن گیا ہندوستان برطانیہ کے فیکٹریوں میں بنے مصنوعات کا ایک بہت بڑا بازار بن گیا جس کے نتیجے میں یہاں کی سوتی کپڑے اور دیگر مقامی صنعتوں کا زوال شروع ہوگیا جس کے بدولت ان کارخانوں میں مزدوری کرنے والے مزدوری کو اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا۔بہت بڑی تعداد بے روزگار ہوگئی۔بے روزگار طبقہ اپنے آبائی وطن کو لوغ گیا جہاں وہ مزدوری کرنے پر مجبور ہوگیا۔زراعت پر بوجھ بڑھ گیا۔دیہی علاقوں میں غربت افلاس بڑھ گئی۔کسی بھی وجہ سے فصلوں کی ناکامی کی صورت میں یہ طبقہ بھکمری کا شکار ہو جاتا تھا۔بیتک لکھتا

ہے کہ عدم صنعتکاری کی وجہ سے لاکھوں لوگ بے روزگار ہوگئے اور قحط کے دوران گنگا دوآبے میں بوک مری کی وجہ سے جو لاکھوں کی ہڈیا بکھری پڑی تھیں۔

دوم: برطانوی حکومت کے قیام کے بعد زرعی پالیسی کے تحت لگان اور محصول کا نظم تبدیل ہوگیا۔ بازارا کونومی کا آغاز ہوگیا۔ جس کے تحت کسانوں کو نقدی میں ٹیکس کی ادائیگی کرنی پڑی تھی کسانوں کو نئے نظام میں کئی دشواریوں کا سامنا کرناپڑتا۔ برآمدات کی وجہ سے ان کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تھا غلہ کی پیداوار جب کم ہوتی تو منڈی میں اناج مہنگا ہو جاتا لیکن ذخیرہ نہ ہونے کی وجہ سے کسان کو فائدہ نہیں ہو پاتا۔ جب فصل اچھی ہوتی تو قیمت گر جاتی اور اس کو اپنا تمام ذخیرہ فروخت کردیناپڑتا تاکہ وہ اپنی زرعی اور محصول کی ضروریات پورا کرسکے۔ ان حالات میں جب حکومت نے زرعی تجارت کاری.................. کو فروغ دینا شروع کیا کسان نقدی فصلوں کی زراعت کو ترجیح دینے لگا مگر اس کے ساتھ نقدی فصلوں کو اگانے کے لیے حکومت کا دباؤ بھی تھا۔ زرعی جانکاری کی وجہ سے روزمرہ کی استعمال کے اناج کی پیداوار میں کمی واقع ہوگئی تھی اگر کسی وجہ سے فصل تباہ ہو جاتی تو لوگ قحط اور فاقہ کشی کا شکار ہو جاتے۔

سوم: انگریزوں نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے بعد ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ لگان کے بندوبست کا تھا جو بہت ہی پیچیدہ مسئلہ تھا انگریزوں نے اپنی معاشی مفاد کے پیش نظر 1192 میں بندوبست استمراری نافذ کیا۔ جس کے تحت زمینداروں کا ایک نیا طبقہ وجود میں آیا۔ جس کی بدولت دیہی معیشت میں دوررس نتائج وقوع پذیر ہوا مثلاً زمینداروں اور کاشکاروں کے تعلقات میں نمایا تبدیلی آئی۔ زمینداروں کو حق ملکیت تفویض کردی گئی جس سے زمین کا خرید و فروخت ممکن ہوگیا جس کی بدولت دولتمند اور حکمراں طبقہ جس کے پاس دولت تھی اسنے سماجی بالادستی کے لیے زمین خریدنا شروع کردیا اسی کے ساتھ شرح لگان بہت زیادہ تھی اور بہت ہی سختی سے وصولنے اور جابرانہ طور پر واجب الدوالگان طے کرنے کی وجہ سے کاشتکاروں کے لیے زراعت فائدہ کا سودا نہیں رہا۔ انہوں نے زراعت ترک کردیا۔ اور بے زمین مزدور بن کر رہ گئے قحط کی صورت حال میں یہ طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہوتا کیونکہ بازار میں اشیائے خورد و نوش موجود ہونے کے باوجود یہ طبقہ اس کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا کیونکہ نئے بندوبست نے اس کو قروض اور بے زمین مزدور بنادیا تھا اور یہ لوگ بہت آسانی سے بھکمری کا شکار ہو کر جاں بحق ہو جاتے تھے۔

چہارم: بلاشبہ زمانہ قدیم سے ہندوستان ایک زرعی ملک تھا۔ جس کا انحصار قدرتی بارش پر تھا۔ قدرتی بارش کے پانی کو عوام الناس تالاب، کنوں اور نالوں میں محفوظ کر لیتے جنکا استعمال پورے سال سنچائی کے لیے کرتے تھے۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کی آمدنی کا دارومدار بھی زرعی محصولات پر تھا لٰہذا وہ زراعت کو فروغ دینے کے لیے کسانوں کی حوصلہ افزائی کرتے اور آبپاشی کے مصنوعی ذرائع کا انتظام کرتے جیسے بڑے بڑے تالاب بنواتے یا پھر نہریں کھدواتے تھے یا پانی کے ذخائر کے لیے حوض بنواتے تھے۔ ہمیں عہد وسطیٰ کے تاریخی مآخذ میں ایسے حوض اور بندوں کا خاص طور پر ذکر ملتا ہے مثلاً سدرشن تالاب، فیروز شاہ تغلق کی بنوائی نہریں، چول حکمرانوں کے بنوائے ہوئے تالاب اور ٹیپو سلطان کے ذریعہ کاویری ندی پر بنوایا ہوا ڈیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن مابعد مغل عہد میں انگریزوں نے آبپاشی کے ذرائع کی ترقی پر کوئی

خاص توجہ نہیں دی جس کی وجہ سے اگر مانسون کی مکمل یا جزوی طور پر ناکامی کے باعث زراعت متاثر ہو جاتی اور پیداوار میں مکمل یا پھر جزوی کمی آجاتی اور اگر آنے والے سالوں میں مانسون کی کمی کے باعث قحط جیسی صورت حال پیدا ہو جاتی تو انسان اور جانور بھکمری کا شکار ہونے لگتے۔

پنجم: عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں کاشکار روایتی طور پر میرے دن کے لیے انان یا رقم کی شکل میں کچھ بچا کر رکھ لیتا ہے۔ بات بالکل صحیح ہے لیکن برطانوی حکومت کے قیام کے بعد جب بندوبست اراضی کو از سر نو تشکیل دیا گیا تو بندوبست الگ الگ علاقاں میں نافذ الحصل ہوئے۔ بندوبست استمراری، رعیت واری نظام اور محل واری بندوبست۔ ان تینوں بندوبست کے اغراض و مقاصد میں یہ بیان کیا گیا کہ کاشتکاروں یا رعیت کے حالات زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اہم پیش رفت ہے۔ لیکن حقیقت میں جب ایسے عملی طور پر نافذ کیا تو اس کی استحصالانہ خامیاں نظر عام پر آئیں۔ مثلاً مالگزاری کی شرح جابرانہ طور پر طے کی گئی۔ زرعی پیداوار کی تخمینہ اندازاے کے مطابق بہت زیادہ لگایا گیا۔ اور مالگزاری وصول کرنے کا طریقہ بہت سخت تھا۔ کسی بھی صورت اگر لگان کی ادائیگی میں کسی قسم کی تاخیر یا کوتاہی کے نتائج کی شکلک میں زمیندار کو اپنی زمینداری سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا پھر کاشتکاروں کو کاشتکاری سے دسبردار کر دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ بے زمین مزدور بن جاتے تھے بندوبست استمراری میں زمینداروں کو کاشتکاری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی انہیں صرف اور صرف لگان سے مطلب تھا اور وہ لوگ شہروں میں رہنے لگے تھے جس نے غیر موجود زمینداری کو جنم دیا۔ جس کی وجہ کہ محصولاتی نظام مزید پیچیدہ ہو گیا۔ مالگزاری بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے کسان ایک طرف تو پریشان تھا ہی وہیں ذیلی جاگیر داری کی وجہ سے کئی سطح پر اس کا استحصال ہونے لگا۔ وہ ساہوکاروں کے ہاتھوں مقروض ہوتا چلا گیا پھر تنگ آکر کاشتکاری چھوڑ دیتا اور قحط کے دوران یہی طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہوتا کیونکہ اس کے پاس نہ اناج ہوتا اور نہ ہی پیسہ۔

ششم: انگریزوں کے ذریعہ نئے بندوبست راضی اور مالگزاری کے نظام میں ٹیکس کی ادائیگی نقدی میں ہونی تھی۔ اس کے لیے کسان نقدی فصلوں کی کاشت کی طرف متوجہ ہوا۔ نقدی فصلوں کی زراعت کی وجہ سے کھانے والے اناج میں کمی واقع ہوئی اور قحط کی صورت حال میں اناج مہنگا ہو گیا۔ جو غریبوں کی استطاعت خرید سے بالاتر ہو گیا۔ اور یہ طبقہ بہت متاثر ہوا۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ محصول بہت زیادہ طے ہوئے اور لگان سختی سے وصول کرنے کی وجہ سے کسان بہت پریشان تھا کیونکہ لگان جمع کرنے کے بعد اپنی ضروریات زندگی اور کھیتی میں سرمایہ کاری کے لیے درکار روپئے بہت کم رہ جاتا لگان کی بروقت ادائیگی کی صورت میں وہ بنیوں اور ساہوکاروں سے قرض لیتا اور پھر اسی قرض کے جال میں پھنس کر رہ جاتا۔ کیونکہ مرکب سود اور پھر اعلیٰ شرح سود کی وجہ سے مجبور بے بس ہو جاتا ساہوکار اور بنیا اس کی زمین ہڑپ کر لیتے اور وہ بقیہ زندگی بنائی دار یا مزدور بن کر رہ جاتا تھا۔ اسی طرح زرعی پیداوار متاثر ہو جاتی اور کسان کی زندگی مزید ابتر ہو جاتی اور مانسون کی ناکامی یا پھر سیلاب کی وجہ سے فصل کی ناکامی کی صورت میں قحط جیسی صورت حال پیدا ہو جاتی اور پھر کسان غربت کا شکار ہو کر لقمہ چل بن جاتا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں مغلوک الحالی ہندوستانی کسانوں کا مقدمہ تھی اور بھی غربت ان کو قحط کے ایام میں موت کے منہ میں ڈھکیل دیتی۔ جس کے لیے حکومت کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا تھا کیونکہ قحط کے ایام میں بھی ٹیکس کی وصولی میں سرکار کوئی رعایت یا تخفیف نہیں کرتی جیسا کہ قدیم عہد اور عہد وسطیٰ میں سلاطین رفاہ عامہ کے پیش نظر ...... عام معافی کا اعلان کرتے تھے اور پھر قرض دیکر نئی زراعت کے لیے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

ہفتم: ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام اور معاشی پالیسوں میں تبدیلی کے بعد زرعی نظام میں بہت تبدیلیاں رونما ہوئیں جس سے نظام پیداوار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا ہندوستانی معاشرہ معاشی اعتبار سے صدیوں سے خود کفیل تھا۔ اور ضروریات زندگی کی ہر چیز لوگوں کو نظامی سطح پر میسر تھی۔ لیکن انگریزوں کی پالیسی نے نہ صرف دیہی معاشرتی زندگی کو تبدیل کیا بلکہ معاشی اعتبار سے ہندوستان اپنی تشخص بھی کھونے لگا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ہندوستان میں آمد ورفت کے ذرائع وہی صدیوں پرانا بیل گاڑی ہی تھا سڑکیں کچی تھیں سامان کی ڈھلائی مشکل ترین مرحلہ تھا لیکن 1853 میں ایک دوسری اہم تبدیلی سوئزنہر کی افتتاح تھی۔ اب ہندوستان سے غلہ بغیر کسی روکاوٹ کے برطانیہ کو بہت بڑی مقدار میں برآمد کیا جانے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں اناج کی قلت ہونے لگی۔ اناج کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا۔ تاجروں نے فصل کی کٹائی کے وقت ہی ذخیرہ اندوزی شروع کر دیا تاکہ اس کو برآمد کیا جاسکے یا پھر مہنگائی کے وقت زیادہ منافع کے ساتھ قطائی بازار میں فروخت کیا جاسکے جس کی وجہ سے غلہ کی کمی ہوگئی اور لوگوں کی دسترس سے باہر ہونے کی صورت پر قحط جیسے حالات پیدا ہوگئے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان سے برطانیہ کو غلہ کی برآمد میں کئی گنا اضافہ ہوگیا مثلاً 1860 میں اناج کی برآمد کی مملکیت 356 کروڑ سے بڑھکر 1780 میں 959 کروڑ روپیہ ہوگئی تھی۔ 1868 میں چھ لاکھ پچاس ہزار کن اناج برآمد ہوا جو 1880 میں بڑھ کر 12 لاکھ 50 ہزار تن ہوگیا غلہ ہندوستان سے برآمد کیا جانے والا سب سے اہم چیز تھی۔ انگریزوں نے برطانوی مل مزدوروں کے مفاد اور صنعتی ضرورتوں کو ترجیح دیکر ہندوستانیوں کے مفاد کو نظر انداز کیا جس کی وجہ سے لاکھوں ہندوستانیوں کو مفلوک الحالی یا قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان میں زراعت، تجارت اور صنعت، معیشت کے تینوں شعبہ بیک وقت برطانوی پالیسوں کے نتیجے میں بری طرح تباہی کا شکار ہوگئے۔ جس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھ گئی روایتی دستکاری کے زوال نے بے روزگاری کو مزید اضافہ کردیا۔ مہنگائی کے تناسب میں مزدوری میں کوئی اضافہ نہیں ہوا جس سے مزدوری کی آمدنی متاثر ہوئی۔ اسی اثنا میں آسٹریلیا اور دیگر دوسرے ممالک میں سونے کی کھدائی سے ہندوستان میں قیمتی دھاتوں کی درآمد سے کرنسی کا سرکولیشن بڑھ گیا ہنگامی میں مزید اضافہ ہوگیا اور غریبوں کی پریشانی بھی بڑھ گئی۔

ہشتم: قومی رہنماؤں نے قحط کی تباہ کاریوں کے لیے برطانوی حکومت کو اس لیے بھی موردالزام ٹھہرا کیا یہ انہوں نے قحط کے امداد کے لیے کسی دلچسپی یا پھر معقول انتظام نہیں کیا برطانوی حکومت کی یہ دلیل تھی کہ انیسویں صدی کے دوسرے نصف کے ابتدائی عشروں میں زراعت کا کوئی اشاریہ موجود نہیں تھا۔ پیداوار کا مکمل تخمینہ نہیں تھا۔ غلوں کی کھیتی اور اس کے پیداوار کی زمرہ بندی نہیں تھی یہاں تک کہ 1871 سے قبل آبادی کا کوئی تخمینہ نہیں تھا کیونکہ مردم شماری سب سے پہلے باقاعدہ طور پر 1771 میں ہوئی تھی جس سے سرکار کو امداد کو تقسیم کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستانی کسانوں پر ایک الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ کاہل اور کام چور تھے محنت و مشقت کے عادی نہیں تھے جس کے بدولت زرعی پیداوار میں کمی دیکھنے کو ملتی تھی۔ لوڑے نامی فقدان تھا جس کی وجہ سے بہتر کھاد اور بیج کسان نہیں خرید پاتے تھے نہ کہ صلاحیت اور قوت کا فقدان تھا۔

11.8 ہندوستان میں قحط اور اس کے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ

(An Analytical Study of Famine and Its Effects in India)

اگرچہ قحط کی تاریخ بہت پرانی ہے مگر برطانوی عہد میں قحط کے اثرات تباہ کن اور جان لیوا ثابت ہوئے۔ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ انسانی جانوں کی زیاں کو اگر سرکار چاہتی تو روکا جاسکتا تھا سرکار نے قحط اور اس کے متعلقہ اثرات پر کئی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا جس سے یہ مہلک ثابت ہوا۔ 1890 کے قحط کمیشن کی رپورٹ کے مطابق 1770 سے لیکر 1858 تک ہندوستان کو 12 قحط اور چار اناج کی شدید ملت کا سامنا کرنا پڑا۔ بنگال میں دوہری سرکار قائم تھی۔ جس کے تحت ان کے پاس اقتدار اور دولت تھی لیکن ذمہ داری نہین تھی نواب کے پاس ذمہ داری تھی لیکن سیاسی قوت اور دولت نہیں تھی جس کی وجہ سے سرکاری مشنری بالکل مفلوج ہو چکی تھی۔ ایسے حالات میں 1770 کا قحط آیا جسے بنگال کی مجموعی آبادی کا ایک تہائی لقمہ ادل بن گئی۔ کئی سالوں سے مانسون کی ناکامی کی وجہ سے یہ قحط رونما ہوا بارش کی کمی کے باعث پیداوار میں اچانک کمی آگئی اور اسی کے ساتھ برطانوی حکام نے بازار میں موجود غلہ سستے داموں خرید کر ذخیرہ اندوزی کرنے لگے جس کی وجہ سے اناج مہنگا ہو گیا جو لوگوں کی قوت خرید سے باہر تھا لہٰذا لوگ مرنے لگے۔ یہ قحط ہلاکت خیز اس لیے بھی ہو گیا کہ سرکار نے مالگزاری کے وصولیابی میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کی دوسرے سرکار نہ کوئی بھی قحط کی روک تھام کے لیے رفاہی اقدامات نہیں اٹھائے۔ ایک اندازے کے مطابق سال 1770 میں لگان کی وصولی معمول سے کہیں زیادہ تھی جس سے برطانوی حکومت کا استحصال کی پالیسی پر عمل پیرا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قحط کے دوران اموات کی وجہ سے مزدوروں کی کمی کے باعث زراعتی علاقوں میں 30 فیصد کمی واقع ہو گئی۔ روزگار کی تلاش میں لوگوں نے بنگال سے ہجرت شروع کر دیا جس کی وجہ سے وہاں کی آبادی میں کمی دیکھنے کو ملتی تھی۔

زراعت کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے بیج، مویشی اور کھیتی کے اوزار کی ضرورت تھی۔ کسانوں کے پاس پیسہ نہیں تھا کہ وہ کھیتی کی ضرورت کی چیزیں خرید سکیں کیونکہ قدیم اور عہد وسطیٰ کے حکمراں کسانوں کو از سر نو کھیتی کی حوصلہ افزائی کے لیے نہ صرف قرض دیتے بلکہ تمام سہولیات مہیا کراتے اور مالگزاری بھی معاف کر دیتے لیکن برطانوی کے لیے نہ صرف قرض دیتے بلکہ تمام سہولیات مہیا کراتے اور مالگزاری بھی معاف کر دیتے لیکن برطانوی حکومت نے کوئی بھی تعاون نہیں کیا۔ 1781 سے لیکر 1792 تک ملک کے جنوبی اور مغربی علاقوں سے قحط آیا۔ جنوبی ہندوستان میں قحط کی اہم وجہ جنگی معرکے تھے جس نے زراعت کو تباہ کر ڈالا اور قحط کی صورت حال پیدا ہو گئی مغربی ہندوستان میں ٹڈیوں کے حملہ سے فصلیں تباہ ہو گئیں اور قحط کی صورت پیدا ہو گئی قحط کی وجہ سے شرح اموات میں اضافہ ہو گیا اور لوگ ہجرت کرنے لگے۔ 1799 سے لیکر 1801 تک جو قحط آیا اس نے ملک کے بڑے حصہ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ایک اندازے کے مطابق 80 لاکھ لوگ جاں بحق ہو گئے۔ 1806 سے لیکر 1855 تک مغربی ہندوستان میں چھوٹے بڑے ملا کر 8 قحط آئے 1860 کا قحط غدر کے بعد اور کمپنی کے عہد کے خاتمہ اور برطانوی ملک کے زیر حکومت کا سب سے تباہ کن قحط تھا اس عہد میں قحط کی بنیادی خصلت تبدیل ہو گئی تھی کیونکہ قحط اناج کی قلت کے باعث نہیں بلکہ مفلسی اور غربت کی وجہ سے تھی غلہ منڈی میں تھالی کن غربت کی وجہ کر لوگوں کے پاس خریدنے کے لیے پیسہ نہیں تھا۔

ریلوے کی ابتدا، سڑکوں کی تعمیر اور سوئز نہر کا افتتاح ہندوستان سے غلہ کی برآمدات کو کئی گنا بڑھادیا۔ صنعتی انقلاب کے زرعی خام حال کی ضرورتوں کے پیش نظر برطانوی حکومت نے زرعی تجارتکاری کی حوصلہ افزائی کی جس سے اناج کی پیداوار میں بڑی کمی آگئی۔ جس سے ہندوستان کی الگ بڑی آبادی کے سامنے اناج کی قلت کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ 1857 کا غدر اور جنگی تباہیوں کے بعد 1860 کا قحط مزید تباہ کن ثابت ہوا جس نے شمالی مغربی صوبوں کو اپنی چپیٹ میں لے لیا تھا اس کے علاوہ بمبئی، مدراس، دکن اور بنگال بھی اس سے متاثر ہوئے۔ لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرکے اور غلہ کی فراہمی سے ہزاروں لوگوں کی جان بچائی جاسکتی تھی۔ لیکن سرکار ہمیشہ کی طرح غیر متحرک رہی۔ انجام کا عوام کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ لوگ ہجرت کرنے لگے۔ زمینیں کسانوں کے ہاتھ سے نکل ساہوکار، تاجر اور پیشہ ور لوگوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ امداد بہت محدود تھا جس سے عوام کو خواطر خواہ فائدہ نہیں مل سکا۔

1865-66 کا قحط بہت وسیع علاقہ میں پھیل گیا۔ بارش میں کمی کی وجہ سے یہ قحط آیا۔ اناج کی سپلائی خراب موسمی حالات کی وجہ سے متاثر ہوگیا۔ جس کی وجہ سے مہنگائی بڑھ گئی مزدور طبقہ اناج دستیاب ہونے کے باوجود خریدنے سے قاصر تھا۔ مقافع خوری اور ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے بھی غلہ کی مصنوعی قلت پیدا ہوگئی۔ سرکاری رفاہی کام اور امداد غیر تشفی بخش اور غیر مفطح ہونے کی وجہ سے اابادی کا ایک بڑے حصہ تک مدد نہیں پہنچ سکی۔ حکومت مکمل طور پر مہنگائی روکنے میں ناکام رہی اور نہ ہی برآمدات کو کنٹرول کرسکی۔ جس کی وجہ سے منڈی میں غلہ کی قلت مزید بڑھ گئی۔ فوڈ رائٹس قحط زدہ علاقوں میں بھڑک اٹھی جس نے حالات کو سنگین بنادیا۔ 1866 میں جارج کیمپبیل کی صدارت میں اڑیسہ فیمنس کمیشن قائم کیا گیا تاکہ وہ قحط کے وجوہات اور اس کے تدارک کے لیے اقدام کی سفارش کرسکے۔ اپنی نوعیت کا پہلا کمیشن تھا جس کو قحط سے متعلقہ امور پر غور و خوض کے لیے مقرر کیا گیا تھا اس نے اپنی سفارشات میں رفاہی کاموں پر ضرور دیا تھا اسی طرح کی ایک تحقیقاتی کمیٹی ایف آر کا کربل کی نگرانی میں بہامیں قحط کے مطالعہ کے لیے مقرر کی گئی۔ اس نے امداد کو بہتر طریقے سے تقسیم کرنے کے لیے خردم شماری اور آبادی کی تفصیل پر زور دیا۔ یہ قحط اتنا شدید اور تباہ کن تھا کہ اڑیسہ کو ضلعوں میں بہت بڑی آبادی کو...... گنوانا پڑی کیونکہ سرکاری امداد یا تو دیر سے پہنچا یا پھر ناکامی تھی۔ کیمپبیل کی رپورٹ نے ہندوستان میں قحط کی حتمی پالیسی وضع کرنے کی بنیاد رکھی۔ 70-1878ئ، 1873-74 اور 1876-78 انیسویں صدی کی آخری نصف میں متعدد تباہ کن قحط نے پورے ملک کو اپنے گرفت میں لے لیا۔ 1680 سے لیکر 1878 تک تین بڑے قحط نے ملک میں امرجنسی جیسی صورت حال پیدا کردیا۔ 1868 کا قحط نے پورے راجپوتانہ کو اپنی زد میں لے لیا۔ 1872 کے قحط کے دوران پورا بھنگال قحط کی لپیٹ میں آگیا حالانکہ بنگال میں سرکار نے بہت منتظم طریقہ سے امداد پہنچانے کی کوشش کی تاکہ جانی نقصان کم سے کم ہوسکے اس قحط کے دوران حکومت نے کچھ حفاظتی اقدامات بھی شروع کئے مثلاً شمالی بنگال اور گنڈک پیشہ کی تعمیر اور لوگوں نقدی فراہم کی گئی تاکہ بیم خرید سکیں اور از سرنو کھیتی شروع کرسکیں۔

1876 کا قحط انیسویں صدی میں آنے والے قحط میں سب سے شدید تھا جنوبی ہندوستان میں تقریباً 14 لاکھ لوگ جاں بحق ہوگئے کیونکہ اناج کا ذخیرہ بالکل ختم ہوگیا تھا قحط کے ساتھ ساتھ کئی علاقوں میں وبائی امراض جیسے کالرا، چیچک وغیرہ پھیل گیا اور کافی لوگ وبائی امراض کا شکار ہوکر فوت کرگئے۔ قحط کے تباہ نتائج اور اس سے متعلق مختلف پہلوؤں پر غور خوض اور تفتیش کے لیے حکومت نے

سرو چرڈ اسٹر یچی کی سربراہی میں 1880 میں ایک کمیشن تشکیل دیا۔ اس کمیشن کی تفتیش دائرہ اختیار میں قحط سے تحفظ کے لیے عام قانون بتانے سے لیکر حفاظت تدابیر تجویز کرنا تھا تاکہ لوگوں کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ عام انسانوں کی زندگی کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے حکومت پر ذمہ داری عائد کی گئی۔ اس کمیشن نے بھی......سے متعلق تمام جانکاری حاصل کرنے، اعداد و شمار جمع کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ اس کے بنیاد پر لوگوں کو امداد پہنچایا جائے۔ اس کمیشن کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے حکومت نے 1883 میں فیمائن کوڈ وضع کیا، فیمائن ریلیف اینڈ انشورنس اسکیم شروع کی جس کے لیے حکومت نے کوئی 15 ملین روپیہ مختص کیا۔ 1896 سے لیکر 1947 تک جو ہندوستان کی تاریخ کا اہم دور تھا کیونکہ روز بروز جنگ آزادی کی تحریک تیز سے تیز ہو رہی تھی لیکن یہی وہ دور تھا جب قحط کی وبا بھی آتی رہی اور قومی رہنماؤں کی سیاسی گفتگو میں قحط سے نجات کی بھی بات ہوتی رہی۔ حکومت نے اپنی پالیسیوں میں تبدیلی کرکے اسے کنٹرول کرنے کی کوشش بھی کیں، لیکن ہندوستان چھوڑو تحریک کے فوراً بعد پورا بنگال ایک شدید قحط کی زد میں آگیا۔ بنگال کی قحط کے بارے میں دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ یہ پہلے کے قحط سے بالکل مختلف تھا کیونکہ یہ پوری طرح انسانی وضع کردہ پالیسیوں کا نتیجہ تھا۔ 1940 اور 1941 دونوں سال فصل ناکام رہی۔ پیداوار توقع سے بہت کم ہوئی۔ حکومت نے اس کی طرف بے توجہی کا مظاہرہ کیا۔ اناج کی قلت کو کنٹرول کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ فصل کی ناکامی اور اناج کی قلت کے ساتھ ساتھ دوسری جنگ عظیم نے بھی اناج کی قلت کو مزید پیچیدہ مسئلہ بنادیا۔ قحط کونسل جو حکومت کا ایک ذیلی ادارہ تھا اگر اس کی رپورٹ پر یقین کریں تو اس نے 1943 کے سنگین قحط کے لیے آبادی میں غیر فطری بڑھوتری اور بارش کی کمی کو ذمے دار بتایا۔ نوبل انعام یافتہ امرتیہ سین کے مطابق: پچھلے پانچ سالوں کے مقابلہ 1943 میں کوئی خاص تبدیلی دیکھنے کو نہیں ملتی اور پچھلے پانچ سالوں کے مقابلے اناج کی پیداوار میں اوسطاً پانچ فیصد کی کمی واقع ہوئی تھی۔ 1941 کے مقابلہ 1943 میں اناج کی پیداوار میں 13 فیصد کا اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے لیکن پھر بھی یہ قحط بہت تباہ کن ثابت ہوا۔ امرتیہ سین نے اپنے مطالعہ میں اس قحط کے مندرجہ ذیل وجوہات بتائے ہیں:

1. دوسری جنگ عظیم کے دوران پیپر کرنسی/نوٹ کی چھپائی زیادہ ہونے کے باعث پیسہ کا چلن بازار میں بڑھ گیا جس کی وجہ سے مہنگائی بہت بڑھ گئی۔
2. جنگ کی وجہ سے ساز و سامان کی مانگ میں اضافہ ہوا۔ تجارت کا دائرہ بڑھنے کی وجہ سے کچھ لوگوں کو مالی اعتبار سے فائدہ ہوا اور انہوں نے ضرورت سے زیادہ غلہ بالخصوص چاول خرید کر ذخیرہ کرلیا۔
3. جنگ کے دوران جاپان نے برما پر قبضہ کرلیا۔ برما سے چاول کا درآمد پوری طرح بند ہوگیا۔ تاجروں نے کلکتہ شہر چھوڑنا شروع کردیا اور دوکانداروں نے دکانیں بند کردیں جس سے لوگوں میں خوف پھیل گیا۔ حکومت نے راشن اکٹھا کرنا شروع کردیا کہ شہر کی آبادی کو رسد پہنچائی جاسکے۔ اس سے خرید کا بحران بڑھ گیا۔
4. تاجروں کی ذخیرہ اندوزی اور سرکاری خریداری نے حالت کو ابتر بنادیا۔ بازار میں اناج کی قلت ہوگئی جس کی وجہ سے قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا اور خریداری لوگوں کی دسترس سے باہر ہوگئی۔
5. مقامی علاقوں جیسے مدناپور، 24 پرگنا، باقر گنج وغیرہ سے حکومت نے بڑی مقدار میں دھان خریدنا شروع کردیا کیونکہ جنگ کب تک چلے گی اس کا اندازہ نہیں تھا۔ چونکہ دھان کی یہ خریداری برطانوی فوجیوں کے لیے تھی اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر جاپانی بنگال میں

داخل ہو جاتے ہیں تو ان کو دفاعی حکمت عملی کے طور پر چاول جو ان کی اہم غذا ہے، سے محروم کر دیا جائے۔

اس طرح قدرتی طور پر بارش میں کمی، طوفان وغیرہ کے بدولت پیداوار میں کمی اور پھر قومی سطح پر ہندوستان چھوڑو تحریک اور عالمی سطح پر دوسری جنگ عظیم جس جاپان ہندوستان کے مشرقی علاقوں کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا بنگال کی اہم غذا چاول کا فقدان ہو گیا جس کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہو گیا اور غریب مزدور خریدنے سے قاصر ہو گئے اور بھکمری سے شکار ہو کر کرنے لگے۔ مرنے والوں کی تعداد کا تخمینہ 15 سے لیکر 35 تک بتایا جاتا ہے۔ یہ بھی قابل افسوس ہے کہ شرح اموات 108 فیصد ہو گئی تھی۔ انگریز یقینی طور پر قحط کے لیے قدرت کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور رقحط کو غربت کے لیے۔ ہندوستانی قومی رہنما اس کے برعکس برطانوی حکومت کی معاشی پالیسیوں کو غربت کے لیے مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور غربت کو قحط کے لیے ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اگر برطانوی حکومت کے رپورٹ کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے مطابق قحط کے دو وجوہات سامنے آتے ہیں۔ پہلا آبادی میں اضافہ اور دوسرا مانسون کی ناکامی تھی۔

11.9 قحط کمیشن اور ان کی سفارشات (Famine Commissions and their Recommendations)

66-1865 میں ایک قحط آیا جس نے پورے بنگال، بہار، اڑیسہ اور مدراس کو اپنے چنگل میں لے لیا۔ ایک اندازے کے مطابق کوئی 20 لاکھ لوگ قحط کی نذر ہو گئے۔ اڑیسہ میں مرنے والوں کی تعداد نسبتاً بہت زیادہ تھی۔ حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق 20 لاکھ میں 10 لاکھ لوگ اڑیسہ کے تھے جن کی موت سوکھے سے ہوئی تھی۔ اسی لیے اس کو اڑیسہ قحط کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ سر جارج کیمپ بیل کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تاکہ اس کے وجوہات اور اثرات کی تحقیق ہو سکے۔ برطانوی عہد حکومت میں قحط یا پھر غذائی قلت بار بار رونما ہو رہی تھی اس سے متعلق بہت سے خدشات اور قیاس آرائیاں بھی تھیں۔ سب سے اہم تنازعہ جو موضوع بحث تھا وہ یہ کہ اس دور میں قحط کی تعداد میں اضافہ کے لیے انگریزی حکومت ذمہ دار تھی کیونکہ زرعی پیداوار بڑھانے اور زراعت کے لیے ایک طرف تو کوئی منصوبہ بند پروگرام نہیں تھا دوسری طرف زراعت کے لیے آبپاشی کی ضرورت کے تحت انگریزوں نے آبپاشی کے نظام کی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ قحط کے ممکنہ وجوہات کے اثرات اور رفاہی امور سے متعلق حکومت نے وقتاً فوقتاً قحط کمیشن کی تقرری کی کہ تاکہ اصل وجوہات کی تفتیش کر کے اس کا تدارک کیا جا سکے۔ 1876 سے لیکر 1880 تک جاری قحط کی تباہیوں اور اس کے اسباب کا مطالعہ کرنے کے لیے حکومت نے سب سے پہلا قحط کمیشن 1880 میں مقرر کیا تاکہ وہ قحط سے نمٹنے کے لیے عام قوانین وضع کرے اور اسی کے ساتھ قحط کے تدارک اور لوگوں کی زندگی کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اپنا مشورہ بھی پیش کرے۔ اس کمیشن نے قحط کے اہم وجوہات اور اس سے بچنے کے لیے حفاظتی اقدامات کی سفارش کی۔ 1876 کے قحط کے بعد وائسرے لارڈ لٹن نے سر رچرڈ اسٹریچی کے زیر صدارت ایک قحط کمیشن مقرر کیا۔ ان کی سفارشات کی بنیاد پر لارڈ رپن کے زمانے میں 1883 کا قحط کوڈ (Famine Code) مرتب ہوا۔ اس کی اہم شقیں یہ ہیں۔

- صوبائی حکومت تک دیہی علاقوں سے مسلسل جانکاری بہم پہنچانے کے لیے ایک منظم نظام قائم کرنا۔
- قحط کے ابتدائی ایام سے ہی امداد کا انتظام کرنا۔

- امداد کے طور پر مزدوروں کے لیے تعمیراتی منصوبہ بنانا۔
- گاؤں، قصبوں کی نگرانی کرنا تاکہ سبھی لوگوں کو امداد مہیا کرایا جاسکے۔
- لوگوں کو مفت راشن تقسیم کرنے کا جامع منصوبہ تیار کرنا۔
- مالگزاری یا پھر کسی قسم کی ٹیکس کی ادائیگی کو فی الفور بند کر دینا تاکہ عوام کو فوری راحت مل سکے۔
- عہد قدیم یا عہد وسطیٰ کی حکمرانوں کے طرح ناگفتہ بہ حالات میں تقاوی/قرض کا مہیا کرانا۔
- جانوروں کے لیے چارہ کا انتظام کرنا، ان کو تحفظ فراہم کرانا کیونکہ جانوروں کا تحفظ از سر نو کھیتی کے لیے سب سے اہم تھا۔
- قحط کے دوران سہولیات مہیا کرانا حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل تھی۔

قحط کوڈ 1883 میں نافذ العمل ہوا جس میں قحط کے متاثرین کو راحت دینے کے لیے رفاہی اور مدافعتی منصوبوں کا ذکر تھا۔ لیکن کانگریس نے اس کوڈ کی متاثرین کے لیے راحت پہنچانے کی کوششوں کو ناکافی بتایا تھا۔ کانگریس نے ایک جامع پالیسی بنانے کی حمایت کی تاکہ سنگین قحط کے متاثرین کو از سر نو بسایا جائے اور زراعت کو فروغ دیا جائے جس کے لیے ایک فنڈ قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ جس کا مقصد قحط کے متاثرہ آبادی کو فوری طور پر امداد مہیا کرانا تھا کانگریس پارٹی نے قحط کی روک تھام اور تحفظ کے لیے کئی سفارش بھی کیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1. زرعی بینک کے قیام کی تجویز پیش کی تاکہ متاثرہ لوگوں کو قرضہ فراہم کر کے ان کو نئے سرے سے زراعت کے فروغ دینے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
2. انکم ٹیکس قانون کے تحت 500 روپیہ کی آمدنی والے لوگوں کو ٹیکس لگانے کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ کانگریس نے اس کو بڑھا کر ایک ہزار روپیہ کرنے کی تجویز رکھی۔
3. بندوبست استمراری کو بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں نافذ کرنے کی تجویز پیش کی کیونکہ قحط کی تعداد ان علاقوں میں زیادہ تھی جہاں رعیت واری بندوبست نافذ تھا۔
4. قحط سے تحفظ کے لئے کانگریس نے تعلیم کی توسیع بالخصوص تکنیکی تعلیم پر زیادہ زور دیا۔ اسی کے ساتھ مقامی نظام پیداوار کو بھی مضبوط کرنے پر زور دیا۔

حالانکہ، قحط کوڈ کی سفارشات محض وعدہ ہی رہا اس پر عملی طور پر حکومت نے خاطر خواہ عمل نہیں کیا۔ اور یہ منصوبہ لوگوں کے لیے بہت مفید ثابت ہو سکا۔ اس کے باوجود امداد سے متعلق کچھ حکومت کے کچھ اقدامات قابل ستائش بھی تھے مثلاً حکومت نے رفاہی کام/پبلک ورکس شروع کئے جس سے عام مفلوک الحال لوگوں کو فائدہ پہنچا مثلاً گنڈگ ندی پر پشتہ اور قحط زدہ علاقوں میں ریلوے لائن کی تعمیر وغیرہ۔ اس سے لوگوں کو وقتی طور پر نوکری/مزدوری مل گئی جو ان کے لیے بہت بڑی راحت تھی۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے امداد کو کارگر بنانے کے لیے مرکزی، صوبائی اور قصباتی سطح پر امداد کمیٹی بنائی تاکہ لوگوں کو فوری مدد مل سکے۔ 12 اگست 1877 کے لارڈ لٹن کے دستاویز نے ایک منظم اور مربوط قحط امداد پالیسی بنائی۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ بھوک سے کسی کی موت نہ ہو لارڈ لٹن نے رفاہی کاموں کو فعال بنانے پر

زور دیا۔ 1880 کے قحط کمیشن نے، قحط سے متاثرہ علاقوں میں قحط کمشنر تقرر کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ امداد کو مزید پراثر بنایا جائے۔

1896-97 کے قحط کے بعد حکومت نے ایک دوسرا کمیشن 1897 میں سر جیمس لائل کی صدارت میں قائم کیا۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ 1898 میں جمع کی۔ اس کمیشن نے قحط سے حفاظت کے لیے ملک میں آبپاشی کے نظام کو بہتر بنانے اور اس کے لیے نہروں کی تعمیر پر زور دیا کیونکہ اس قحط سے پورا ملک متاثر ہوا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق 34 ملین آبادی اس سے متاثر ہوئی تھی۔ اس کمیشن کی تحقیقات کے دائرہ اختیار میں قحط کوڈ کے تحت قحط امداد اور امدادی تنظیموں کی کارکردگی بھی تھی۔ اس کمیشن نے مالگزاری میں تخفیف یا پھر وقتی طور پر بالکل ختم کرنے کی حمایت کی۔ زمینداروں کو قرض کی فراہمی کی تجویز دی تاکہ زمیندار مزدوروں کو مزدوری فراہم کریں اور ان کی قوت خرید میں اضافہ ہو سکے اور حکومت پر امداد کا دباؤ کم ہو سکے۔ بھاٹیہ کے مطابق 1898 میں نافذ کیے جانے والے ان اقدامات میں 1896 کے قحط سے متاثرہ لوگوں کے شامل ہونے کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی 1859 کے بعد قحط امداد سے متعلق لوگوں کے خیالات میں کوئی نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ مانچیسٹر گارجین کے نامہ نگار، ویوگھن ناش قحط امداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مزدوروں کو ملنے والی مزدوری حد سے زیادہ کم تھی جس سے گذارا مشکل تھا۔ 1899-1900 کا قحط پچھلے کئی قحط کے مقابلہ زیادہ تباہ کن ثابت ہوا۔ ہر قسم کی سرکاری اور غیر سرکاری رفاہی تنظیموں کی رفاہی امداد کے باوجود لوگوں کی تکالیف اور پریشانیوں میں کوئی خاطر خواہ کمی نہیں آئی۔ لارڈ کرزن نے اس قحط کو سب سے شدید اور خطرناک قحط قرار دیا۔ بارش کم ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے بہت بڑے علاقہ میں سوکھا پھیل گیا۔ ایک اندازہ کے مطابق برطانوی ہندوستان کی تقریباً 28 ملین آبادی اس قحط سے متاثر ہوئی۔ اس میں جانور بڑی تعداد میں مرے۔ اس قحط نے اعلیٰ طبقہ کو بھی متاثر کیا۔ اس قحط کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ پرانا مفروضہ کہ اس طرح کا شدید قحط 50 سالوں میں ایک بار آتا ہے، غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اس طرح کا قحط بار بار آرہا تھا۔

تباہ کن اثرات اور وجوہات کی تفتیش کے لیے لارڈ کرزن نے ایک کمیشن سر انتھونی میکڈانل کی نگرانی میں تشکیل دیا۔ اس نے اپنی رپورٹ 1901 میں جاری کی۔ اس کمیٹی کی یہ خصوصیت تھی اس نے قحط کی روک تھام کے لیے اخلاقی حکمت عملی کو بنیاد بنانے کی پیش کش کی۔ اس کا ماننا تھا قحط کے ابتدائی ایام میں ہی قرض فراہم کرنا چاہئے تاکہ لوگ پیسہ کی قلت کے سبب زراعت کو نہ ترک کریں۔ اس کمیشن نے بھی پیش رو کی طرح قحط کمشنر متعین کرنے کی صلاح دی تاکہ امداد کو زیادہ اثر انداز بنایا جاسکے۔ اسی کے ساتھ غیر سرکاری امداد کو بھی کمیشن نے بہتر آمد و رفت کے وسائل کی فراہمی، زرعی بینک کھولنے، آبپاشی کو منصوبہ بند طریقہ سے نافذ کرنے پر زور دیا۔ لارڈ کرزن نے اس میں سے کئی سفارشات پر عمل درآمد کیا لیکن اس کے جانے کے بعد نئے وائسرائے نے متعدد سرگرمیوں کی وجہ سے بہت دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

11.10 قحط کے ہندوستان کی معیشت اور سماج پر اثرات

(Impact of Famines on Indian Economy and Society)

برطانوی عہد میں قحط کے تباہ کن نتائج کے بارے میں یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ قانون خداوندی سے زیادہ برطانوی سرکار کی

لاپرواہی، غفلت اور نارواسلوک کی وجہ سے تھا۔ امدادی اقدامات تاخیر سے آنے اور ناکافی ہونے کی وجہ سے عوام کی تکالیف میں اضافہ ہوا اور شرح اموات بڑھ گئی۔ مالی تحفظات کی وجہ سے امدادی امور پر سرکار نے کٹوتی شروع کر دی جس کی وجہ سے بھی لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ ہوا۔ سرکاری حکام کی امدادی کاموں میں تاخیر اور ظالمانہ رویہ بھی امداد بہم پہنچانے میں بہت بڑی روکاوٹ بنے رہے۔ سرکاری حکام کی غفلت پسندی نے قحط کے نتائج کو مزید سنگین بنادیا۔ لگاتار پچھلے سالوں میں فصل کی ناکامی اور بارش کی کمی اس بات کی علامت تھی کہ اناج کی قلت ہونے والی ہے، سرکار کو تحفظاتی اقدام کے لیے سرگرم ہو جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا، جس کی وجہ سے قحط اور بھکمری کے حالات پیدا ہو گئے جس نے کبھی پورے ملک کو یا پھر کسی خطہ کو اپنی زد لے میں لیا۔ انتظامیہ کی غیر مستعدی، نااہلی اور تاجروں کے لالچ نے نتائج کو مزید سنگین بنادیا کیونکہ اناج کی قلت کے وقت ذخیرہ اندوزی کو نظرانداز کرنا ناقابل تلافی جرم تھا، جس کو انتظامیہ نے نظرانداز کیا۔ اس کی بدولت مہنگائی بڑھنے لگی۔ پھر سرکار نے مہنگائی کی روک تھام کے لیے پیشگی کوئی نظم نہیں کیا جس کی وجہ سے قحط بسااوقات مثالی سانحہ بن جاتا تھا۔ قحط اور قحط جیسے حالات کے نتائج اگرچہ بہت سنگین تھے لیکن سرکار تحفظاتی اقدامات کے ذریعہ اس کے نتائج کو کم کر سکتی تھی۔ قحط کا ایک اہم نتیجہ یہ تھا کہ آبادی اور آبادی کی شرح نشوونما میں کمی دیکھنے کو ملتی۔ قحط کے بعد عموماً وبائی امراض پھیل جاتے جس کی وجہ سے کافی لوگ اپنی جان گنوا بیٹھتے تھے۔ بی ایم بھاٹیہ کا ماننا ہے کہ 'جو لوگ قحط اور وبائی امراض سے بچ جاتے تھے مگر ان کی صحت اور حوصلہ پست اور کمزور ہو جاتا۔' قحط میں انسانی جانوں کے نقصان کے ساتھ ساتھ جانور بھی چارہ کی کمی کے باعث بڑی تعداد مر جاتے تھے۔ جانوروں کی بغیر کھیتی ممکن نہیں تھی لہٰذا قحط کے بعد زراعت کو از سر نو شروع کرنے کے مویشیوں کی کمی کی وجہ سے کئی سال تک غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

قحط کی وجہ سے زرعی ترقی بہت متاثر ہوتی تھی۔ قحط کی ایک اہم وجہ مانسون کی ناکامی تھی جس کی وجہ سے زمین کی زرخیزی اور نمی ختم ہو جاتی تھی اور زرعی پیداوار میں گراوٹ آجاتی۔ قحط کی وجہ سے کسانوں کی آمدنی بھی متاثر ہو جاتی کیونکہ بار بار قحط آنے کی وجہ سے کسانوں کے پاس بچت کے نام پر کچھ نہیں رہتا تھا۔ وہ زراعت میں سرمایہ کاری کے قابل نہیں رہ پاتے تھے جس سے وہ جانور، بیج یا پھر آبپاشی کا کوئی انتظام نہیں کر پاتے تھے۔ قحط کی وجہ سے چونکہ وہ ہمت اور حوصلہ ہار چکے ہوتے تھے اسی لیے بھی وہ زراعت کو پوری ہمت اور حوصلہ سے کرنے کا عزم نہیں جٹا پاتے۔ مانسون کی غیر یقینی بھی ان کے حوصلہ کو پست کر دیتی تھی جس کی وجہ سے نتائج زیادہ سنگین ہو جاتے تھے۔ قحط کی وجہ سے کسانوں کے پاس بچا سرمایہ اناج خریدنے میں خرچ ہو جاتا تھا لہٰذا وہ مغلوک الحال ہو جاتے اور زراعت کو از سر نو شروع کرنے کے لیے ان کے پاس سرمایہ کے نام پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ نفسیاتی طور پر متاثرہ کسان قرض لے کر بھی زراعت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو مانسون کے غیر یقینی ہونے کی وجہ سے فصل کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہمیشہ ستاتا رہتا تھا اس لیے وہ بہتر طور پر بہتر کھاد یا سنچائی کا انتظام کرنے سے گریز کرتے تھے۔

قحط کی وجہ سے ایک بہت بڑی آبادی بے زمین ہو کر مزدوری کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے جو لوگ قحط سے بچ جاتے تھے وہ عموماً کم خوراک یا پھر بتر تغذیہ کا شکار ہو کر بیمار ہو جاتے بالخصوص بچے اور عورتیں کم غذابت کا شکار ہو جاتے۔ متاثرہ علاقوں میں تغذیہ کا شکار لوگ ڈھانچہ یا پنجر کی طرح چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ جو ہماری تاریخ کا بہت بڑا المیہ تھا۔ قحط کا ایک بڑا اثر قحط زدہ علاقوں میں صنعت و حرفت کی ترقی

پر پڑتا تھا۔ صنعتوں کو دو کار لقوی فصلوں کی پیداوار میں کمی آجاتی تھی جس کی وجہ سے دیہی باشندوں کی آمدنی بھی کم ہو جاتی تھی کیوں کپڑوں کی مانگ کم ہو جاتی تھی جس کی وجہ کسی کپڑے کی صنعت پر منفی نتائج برآمد ہو جاتا تھا۔ دستکاری اور دستکار بھی بری طرح متاثر ہو جاتے۔ غرضکہ صنعت و حرفت کے زوال کے ساتھ اس سے منسلک پیشہ ور بھی مغلوک الحالی کا شکار ہو جاتے تھے۔ قحط کی وجہ سے آبادی کا ہجرت متاثرہ علاقہ سے بڑھ جاتا۔ لوگ ان علاقوں کو سفر کرتے جہاں ان کو نوکری، کھانا پینے کو پانی ملتا۔ قحط کے خاتمہ کے بعد کچھ لوگ اپنے آبائی وطن لوٹ آئے اور کچھ لوگ وہیں مستقل سکونت اختیار کر لیتے۔ قحط کی وجہ سے دیہی علاقوں میں نامساوات بڑھ جاتا تھا غریب کسانوں کے ہاتھوں سے زمین نکل کر زمینداروں، تاجروں یا پھر مالدار لوگوں کی چلی جاتی۔ جن کے پاس غلہ کا ذخیرہ ہوتا تو لوگ موقع کا فائدہ اٹھا کر اس کو اعلیٰ قیمتوں پر فروخت کرتے تھے اور منافع کماتے بنئے غریب کسانوں کو اعلیٰ شرح سود پر قرض دیتے اور عدم ادائیگی کی صورت میں زمین پر قابض ہو جاتے تھے۔ قحط کے اثر سے سرکاری خزانہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا کیونکہ مالگزاری یا دوسرے ٹیکس کی وصولی میں قحط کی وجہ سے بہت کمی آجاتی تھی۔ اس کے علاوہ امدادی امور میں کافی پیسہ خرچ ہو جاتا جس کی وجہ سرکار کو مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ تجارت بھی اس سے متاثر ہوتی۔

11.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

قحط کے وجوہات اور اس کے نتائج کے مختلف پہلوؤں سے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اگرچہ قحط قدرت خداوندی کی طرف سے بھیجی گئی آفت ہے۔ لیکن برطانوی عہد میں اس کی تعداد میں مسلسل اضافہ اور شرح اموات میں اضافہ نے برطانوی حکومت پر ایک سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔ مورخین یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ اگر حکومت نے قحط کے ممکنہ تباہ کاریوں کے پیش نظر ابتدائی طور پر اس کو بہتر طریقے سے منظم کرنے اور دفاعی اقدامات پر زور دیا ہوتا تو شائد شرح اموت کم جاتی اور قحط کے اتنے سنگین نتائج برآمد نہ ہوتے۔

11.12 کلیدی الفاظ (Keywords)

قحط کمیشن	:	قحط کے اثرات کے تجزیے اور اس کی روک تھام کے لیے مقرر کردہ تفتیشی کمیشن
عدم صنعتکاری	:	مقامی صنعتوں کی تباہی
سدرشن تالاب	:	گجرات کے گرنار میں ایک بند یا تالاب جسے موریہ دور میں چندر گپت کے ایک گورنر نے بنایا تھا۔ بعد میں شک حکمراں رودرامن نے اس کی مرمت کرائی اور اس پر اپنا کتبہ لکھوایا جو سنسکرت زبان کا پہلا چٹانی کتبہ تھا۔

11.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کسی دو قدیم تاریخی ماخذ کا نام بتائے جس میں قحط سے متعلق جانکاری ملتی ہے؟
2. دو غیر ملکی سیاحوں کا نام بتایئے جنھوں نے قحط کے بارے میں بتایا تھا۔

3. چندر گپت موریہ نے کون سا تالاب بنوایا تھا؟
4. عہد وسطیٰ کے کسی حکمراں کا نام بتایئے جس نے آبپاشی کے نظام کے لیے نہریں بنوائیں۔
5. مغلیہ عہد کے کسی دو تاریخی ماخذ کا نام بتایئے جس سے قحط کے بارے میں جانکاری ملتی ہے۔
6. ضیاءالدین برنی کے مطابق قحط کے دو وجوہات بتایئے۔
7. پہلا قحط کمیشن کب اور کس کی صدارت میں تشکیل دیا گیا تھا؟
8. قحط کوڈ کب نافذ ہوا؟
9. برطانوی عہد میں قحط کو انسانی وضع کردہ آفت کیوں کہا جاتا ہے؟
10. کرزن نے کب اور کس کے صدارت میں قحط کمیشن مقرر کیا؟

11.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. قحط سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے قدیم اور عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کے اقدامات پر روشنی ڈالتے۔
2. برطانوی عہد حکومت میں کچھ اہم قحط پر تبصرہ کیجیے۔
3. 1883 قحط کوڈ پر ایک مفصل نوٹ لکھیے۔
4. قحط کا ہندوستان کی معیشت پر کیا اثر پڑا؟
5. ہندوستانی معاشرے پر قحط اور بھکمری کا کیا نتیجہ اخذ ہوا۔ مدلل بحث کیجئے۔

11.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. برطانوی عہد حکومت میں قحط کے وجوہات کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔
2. قحط سے متعلق برطانوی حکومت کی رفاہی اور حفاظتی اقدامات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
3. قحط کے تباہ کن اور سنگین نتائج کے لیے برطانوی حکومت کس حد تک ذمہ دار تھی مدلل بحث کیجیے۔

11.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).

4. Chandra, Bipan, *History of Modern India*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2014 (first pub. 2009).
5. Dalrymple, William, *The Anarchy*: *The East India Company*, *Corporate Violence*, *and the Pillage of an Empire*, Bloomsbury Publishing, London, 2019.
6. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
7. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
8. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
9. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
10. Sarkar, Sumit, *Modern India, 1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
11. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
12. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 12۔ جدید صنعتوں کا ارتقا

(Growth of Modern Industries)

اکائی کے اجزا

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 برطانوی حکومت سے پہلے صنعت و حرفت کی نوعیت

12.3 ہندوستان میں برطانوی حکومت کا قیام اور اس کے مراحل

12.4 ہندوستان میں عدم صنعتکاری کے اثرات

12.5 جدید صنعتوں کی محدود ترقی اور اس کی نوعیت

12.6 جدید صنعتوں کی محدود ترقی کے وجوہات

12.7 سوتی کپڑے کی صنعت کی ابتدا

12.8 جوٹ کی کھیتی اور اس کی صنعت

12.9 ثانوی صنعتوں کی ابتدا اور ترقی

12.10 جنگ عظیم کی ابتدا اور معاشی زندگی پر اس کے اثرات

12.11 ہندوستان کی آزادی اور صنعتی ترقی کی منظم پالیسی

12.12 اکتسابی نتائج

12.13 کلیدی الفاظ

12.14 نمونہ امتحانی سوالات

12.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید (Introduction)

ہندوستان میں برطانوی حکومت سے قبل صنعت و حرفت اگرچہ روایتی تھی مگر بہت ترقی پذیر تھی۔ یہاں کے مصنوعات بالخصوص سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے، جوٹ کی بنی مصنوعات اور دستکاری میں بہت مقبول اور مشہور تھے۔ وہاں کی بازار میں اس کی بہت مانگ تھی جس کی وجہ سے ہندوستان کو ایک طرف تو زرمبادلہ کے طور پر کافی دولت حاصل ہوتی تھی تو دوسری طرف صنعتی ترقی بھی خوب ہو رہی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف میں برطانیہ میں صنعتی انقلاب رونما ہوا جس نے پیداوار کے نظام کو انقلابی حد تک تبدیل کر دیا اب وہاں کی بنی مصنوعات ہندوستان آنے لگیں جس سے یہاں کی صنعتی پیداوار کو مقابلہ کرنا پڑتا جو مشین سے بنی اشیا کے مقابلہ کمتر اور مہنگا ہونے کی وجہ سے مانگ میں کمی آگئی۔ زرعی بندوبست کی وجہ سے اور لوگوں کی آمدنی کم ہونے کے باعث لوگوں کی قوّتِ خرید کم ہونے لگی جس کی وجہ سے بازار میں خریدار کم ہو گئے۔ اس کے برعکس انگریزی مشین سے بنی مصنوعات سستی اور بہتر تھیں جسے لوگوں نے خریدنے کو ترجیح دی۔ اس کے نتیجے میں ہندوستان میں عدم صنعتکاری کا آغاز ہوا۔ جس کے منفی نتائج یہاں کی صنعت اور تجارت پر پڑے۔

انیسویں صدی کے آخری عشروں میں ہندوستان میں صنعتی ترقی کا اگرچہ سست رفتاری سے آغاز ہوا مگر ترقی کے امکانات روشن تھے۔ صنعتی ترقی محدود ہونے کے بھی کئی وجوہات تھے جس کا تفصیلی تجزیہ اس باب میں شامل ہے۔ قومی رہنماؤں نے یورپ کی صنعتی ترقی سے متاثر ہو کر ہندوستان میں جدید صنعتی ترقی کی پُرزور حمایت کی جس کے نتیجے میں ہندوستانی سرمایہ داروں اور صنعتکاروں نے مقامی سرمایہ اور موجودہ ٹیکنالوجی کی مدد سے جدید صنعت کی بنیاد ڈال کر ایک نئی پیش رفت کی۔ جس کی بدولت سوتی کپڑا اور جوٹ کی صنعت کے ساتھ ساتھ دیگر مقامی صنعتوں نے خوب ترقی کی۔ اگرچہ انگریز حکومت نے ایسے قوانین بھی پاس کئے جس سے ہندوستانی صنعتی ترقی میں رُکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس کے باوجود بھی صنعتی ترقی ہوئی۔ دو عظیم عالمی جنگوں کے درمیان اور 1828ء میں عالمی کساد بازاری نے دنیا کی معیشت پر منفی اثرات مرتب کئے اور صنعتی ترقی جیسے کے وقتی طور پر رک گئی لیکن جنگ کے بعد صنعتکاروں اور قومی رہنماؤں کی حوصلہ افزائی اور پُرزور حمایت سے پھر احیا ممکن ہو سکی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد جدید ہندوستان کے معماروں بالخصوص وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی دور اندیشی اور دوسرے رہنماؤں کی کاوشوں سے صنعتی ترقی کا ایک منظم منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل درآمد کر کے ہندوستان نے صنعتی ترقی کا ایک نیا باب مرتب کیا۔

12.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ان عوامل کا جائزہ لے سکیں گے کس طرح مقامی صنعتکاروں اور سرمایہ داروں نے جدید صنعتی ترقی کی ارتقامیں اہم کردار ادا کیا۔
- اس بات کا تجزیہ کر سکیں گے کہ انیسویں صدی کے آخری نصف میں صنعت کی محدود ترقی کے کیا وجوہات تھے۔
- مقامی صنعتوں مثلاً سوتی کپڑا اور جوٹ کی صنعت کی ابتدا اور اس کی ترقی کے وجوہات کو واضح طور پر سمجھ سکیں گے۔

- ہندوستان میں ثانوی صنعتوں کی اہمیت اور افادیت اور اس کی ابتدا کے بارے میں جان سکیں گے۔
- اس بات سے بخوبی واقفیت ہوسکے گی کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے ہندوستان میں صنعتی ترقی پر کیا اثرات مرتب ہوئے اور آزادی کے بعد صنعتی ترقی کے لیے کیسا منصوبہ تیار کیا گیا۔

12.2 برطانوی حکومت سے پہلے صنعت وحرفت کی نوعیت

(Nature of Craft and Industry before British Rule)

برطانوی حکومت کے قیام کے قبل دہلی سلاطین اور مغل حکمرانوں نے صنعت وحرفت کوفروغ دینے میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے علاقائی اور دیگر خود مختار ریاستوں نے اپنے حکومت میں صنعتی ترقی میں اہم خدمات انجام دیں۔ ماقبل برطانوی عہد حکومت ہندوستان کی صنعت ترقی یافتہ تھی۔ ہندوستان کی مصنوعات یورپی بازار میں بہت مشہور تھی۔ کوالیٹی مصنوعات کی وجہ سے اس کی مانگ بہت زیادہ تھی۔ شہرت کا یہ عالم تھا کہ برطانیہ سمیٹ کئی یورپی ممالک نے ان مصنوعات پر پابندی عائد کردی۔ اس کا خرید وفروخت پالیمانی قوانین کے ذریعہ قابل جُرم قرار دے دیا گیا۔ فرانس نے توپھانسی کی سزا تک عائد کردی۔ اس کے باوجود اپنی خصوصیات اور عمدہ صفات کے لیے ہندوستانی مصنوعات بالخصوص سوتی اور ریشمی اور اونی کپڑوں کی مانگ بدستور جاری رہا۔ یہاں تک کہ ان مصنوعات کو غیر قانونی طور پر اسمگلنگ کیا جانے لگا۔ کپڑے کی صنعت اور دوسری مصنوعات وقت اور عوامی ضروریات کی بنیاد پر ترقی کرتی ہے۔ عہد وسطیٰ میں سلاطین دہلی نے جس طرح زراعت اور تجارت کی ترقی پر توجہ مبذول کیا اور اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ٹھیک اسی طرح انہوں نے صنعتی ترقی پر زور دیا اور اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس عہد میں صنعت وحرفت کی ٹیکنالوجی میں کئی نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ مثلاً اس عہد میں سوتی کپڑے کی صنعت بہت ترقی پر تھی کپڑوں کی رنگائی کی نئی ٹیکنک کی ابتدا ہوئی جس سے کپڑے جاذب نظر لگنے لگے۔ پٹ لوم کا بھی آغاز ہوا جس سے بنائی کے شعبہ میں کافی بہتری آئی۔ اس عہد میں کاغذ بنانے کی صنعت کی ترقی ہوئی بعد میں پرنٹنگ پریس کی ایجاد کے ساتھ کاغذ کی صنعت سے مزید ترقی کی۔

عہد وسطیٰ میں دیہی اور مقامی صنعت وحرفت تھی۔ دستکاری عروج پر تھی۔ پرانے روایتی ٹیکنالوجی مستعمل تھی۔ بنائی اور کتائی سب سے اہم صنعت تھی۔ سلاطین دہلی نے ضروری اشیا کی پیداوار کے لیے کارخانے قائم کئے۔ دستکاروں کو سرکاری تحفظات فراہم تھیں۔ سوتی کپڑے کی صنعت سب سے بڑی صنعت تھی۔ عہد وسطیٰ کے مقابلہ مغل عہد میں صنعتی ترقی نے مزید رفتار پکڑی۔ معاشی سرگرمیاں بھی تیز ہوگئی تھیں۔ عہد وسطیٰ کے کارخانوں کے مقابلہ میں مغلیہ عہد کے کارخانے بہت منظم اور سرکاری تحویل میں تھے اور حکومت کے ذریعہ متعین کردہ افسر کی نگرانی میں چلتے تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ 1750ء تک ہندوستان دنیا کی صنعتی پیداوار کا کوئی 25 فیصد مصنوعات کی پیداوار کرتا تھا۔ غیر ملکی سیاحوں اور سفیروں کے دستاویز سے ہندوستان کی مصنوعات کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی تاریخی ماخذ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سوتی کپڑے کی صنعت سب سے اہم اور ترقی یافتہ تھی۔ مختلف اقسام کے کپڑوں اور ان کی رنگائی کا ذکر ملتا ہے۔ رنگائی کی تکنیک میں بہت ترقی ہوتی تھی جس سے بہترین پرنٹڈ کپڑے کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ سوتی کپڑوں کی بنائی کے لیے

بنگال بہت بڑا مرکز بن ابھرا یہاں کا ململ اور دوسرے سوتی کپڑے دنیا میں مشہور اور مطلوب تھے۔ اس کے علاوہ گجرات کا علاقہ بھی سوتی کپڑوں کے بنائی کے لیے مشہور و معروف تھا۔

12.3 ہندوستان میں برطانوی حکومت کا قیام اور اس کے مراحل

(Foundation of British Rule in India and Its Stages)

جغرافیائی اختراعات نے دنیا کی سیاست اور معیشت کو انقلابی حد تک تبدیل کر دیا۔ نئے ملکوں اور نئے راستوں کی تلاش نے تجارت کے امکانات کو بہت حد تک وسیع کر دیا جس سے سرمایہ دارانہ نظام کی ابتدا ہوئی۔ نشاطِ ثانیہ کی بدولت نئی دنیا وجود میں آئی۔ مطلق العنان شہنشاہیت کا آغاز ہوا۔ جس نے یورپ میں تجارتی انقلاب برپا کر دیا۔ پھر روشن خیالی کی تحریک نے سائنسی طرزِ فکر کو پروان چڑھایا۔ پھر یورپ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا صنعتی انقلاب کا مرکز بن گیا جس نے سامراجیت کو جنم دیا اور نوآبادیات کی تلاش میں سرگرداں یورپی ممالک ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی وجہ سے آپس میں برسرِ پیکار ہو گئے جس کے نتیجے میں دو تباہ کن عالمی جنگیں ہوئیں۔ تجارتی تقاضوں کے پیشِ نظر پرتگالیوں نے راس امید Cape of Good Hope کے راستے ہندوستان کا پہلے کے مقابلہ مختصر ترین راستہ دریافت کر لیا۔ ایشیائی تجارت کا آغاز دراصل واسکوڈی گاما کے کالی کٹ مئی 1498ء میں پہنچنے کے بعد ہوا اور تجارت پر ان کی بالادستی قائم ہو گئی۔ پھر 16ویں صدی میں دوسرے یورپی ممالک مثلاً ہالینڈ، برطانیہ، فرانس وغیرہ نے ہندوستان میں اپنی نوآبادیات قائم کر لیں۔ ان ملکوں کی تجارتی کمپنیوں نے اپنی فیکٹریاں قائم کرنے کے بعد بڑے پیمانے پر مصالحوں اور کپڑوں کی تجارت کرنا شروع کر دیا کیونکہ ان اشیا کی یورپ میں بہت مانگ تھی اس طرح یہ بہت منافع بخش تجارت ثابت ہوئی۔ جس نے یورپی ممالک میں آپسی رقابت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی تجارت پر اجارہ داری قائم کرنے کے لیے آمادہ کیا۔

مشرق بالخصوص ہندوستان کی منافع بخش تجارت نے یورپی ممالک کو اپنی طرف متوجہ کیا جس کی وجہ سے ان ممالک نے ہندوستان سے اپنا تجارتی تعلق شروع کر دیا۔ ابتدا میں پرتگالی کسی بھی یورپی ممالک کو اس خطہ میں تجارت کرنے کے مخالف تھے۔ لیکن برطانیہ اپنی بحری قوّت کی وجہ سے ہندوستان میں اپنی فیکٹری قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ملکہ برطانیہ الزابیتھ اول نے تاجروں کی ایک چارٹرڈ کمپنی جسے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ہندوستان سے تجارت کرنے کے لیے اجازت دے دی۔ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی ابتدا سے ہی اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتی تھی جس کے بدولت دوسری مخالف یورپی کمپنیوں سے جنگ کرنی پڑی۔ برطانوی حکومت کی سرپرستی اور بحری طاقت کی وجہ سے بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی دوسرے مخالف یورپی کمپنیوں کو اپنی ڈپلومیسی، پھر جنگوں کے ذریعہ اس خطہ سے تجارت کرنے سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی تجارتی بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

بحیثیت نواب مرشد قلی خاں اور علی وردی خاں نے بنگال کو معاشی اعتبار سے ایک خوشحال صوبہ بنا دیا تھا۔ زراعت، تجارت اور صنعت بہت ترقی یافتہ تھی۔ انگریز یہاں کی تجارت اور معیشت پر قبضہ کرنے میں 1757ء میں پلاسی کی جنگ میں یہاں کے نواب سراج

الدولہ کو شکست دے کر کامیاب ہوگئے۔ پھر 1864ء کی بکسر کی جنگ میں ہندوستان کی تین طاقتور حکمراں میر قاسم، شجاع الدولہ اور مغل حکمراں شاہ عالم ثانی کو شکست دی۔ایسی سر گرمی جس کے ذریعہ انسان دولت حاصل کرتا اس کو معاشی سر گرمی کہتے ہیں اور ایسی کوئی بھی معاشی سر گرمی جس کا تعلق مینو فیکچر نگ کے ذریعہ اشیا کی پیداوار سے ہو، اسے ہم صنعت کہتے ہیں۔ صنعت کو خام مال کے استعمال کی بنیاد پر کئی حصّوں میں درجہ بندی کی جاتی ہے مثلاً زراعت پر مبنی صنعت، معدنیاتی صنعت، معدنیاتی صنعت، حیاتیاتی صنعت یا پھر بحری صنعت وغیرہ اس کے علاوہ ماہر معاشیات نے اس کو بڑے اور چھوٹے پیانے کی صنعت پاور گھریلو صنعت کے زمرہ میں تقسیم کیا ہے۔ایک تیسری درجہ بندی ملکیت کی بنیاد پر دانشوروں نے کیا ہے۔ مثلاً پبلک شعبہ کی صنعت اور نجی شعبہ کی صنعت اور مشترکہ صنعت۔

انگریز براہِ راست اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ 1865ء میں مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی سے دیوانی اختیارات حاصل کرکے یہاں کی معیشت پر بھی قابض ہوگئے۔ برطانوی حکومت کے قیام عمل کو ہم تین مختلف اَدوار میں تقسیم کر سکتے ہیں جس سے ان کی ترجیحات اور مقاصد کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

اوّل : پہلا دور تجارتی نظریہ زر (Mercantilism)...کہا جاتا ہے۔ ستر ہویں اور اٹھارہویں صدی میں یورپی حکمرانوں نے اپنے ملکی تجارت کو غیر ملکی مقابلہ سے تحفظ فراہم کرنا شروع کر دیا تاکہ تجارت سے زیادہ سے زیادہ منافع کما سکیں۔اسی پالیسی کو تجارتی نظریہ زر کہا جاتا تھا۔ یہ ایک معاشی نظریہ اور عمل ہے جس کا بنیاد ان اصولوں پر قائم ہے۔ قومی اثاثہ کے لیے بلین(سوناچاندی) سب سے زیادہ ضروری ہے۔ حکومت کو تجارت کا سازگار توازن برقرار رکھنے کو یقینی بنانا چاہیئے تجارت کے سازگار توازن سے مراد برآمدات کی کھلی چھوٹ ہو لیکن درآمدات کی حوصلہ شکنی ہو۔ جس سے ملک کو زر مبادلہ حاصل ہو سکے اور ایسا کرنے کے لیے خام مال کی درآمد پر محصول Tariff کم سے کم ہو اور تیار شدہ مصنوعات کی درآمد پر محصول زیادہ ہو۔ نوآبادیات کو بازار کے طور پر استعمال کرنے اور وہاں کے خام مال کو برآمد کر کے ملک کی صنعت کو فروغ دینے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے برطانیہ نے بہت سے جہاز رانی کے قانون پاس کر کے اپنے تجارتی مفاد کو تحفظ فراہم کیا۔

دوم: ایڈم اسمتھ نے اپنی مشہور کتاب 'ویلتھ آف نیشنس' میں تجارتی نظریہ زر کی تنقید کرتے ہوئے اسے تجارت مخالف رویّہ بتایا اس نے اپنی کتاب میں آزاد تجارت (Open Door Policy) کی حمایت کی جس سے مراد درآمد اور برآمدات کی مکمل آزادی تھی۔ تجارت پر سرکار کا بے جا کنٹرول نہ ہو۔اس طرح 1813 میں چارٹر ایکٹ کے ذریعے ہندوستان میں آزاد تجارت کی حکت عملی کے تحت کمپنی کی اجارہ داری کو ختم کر دیا گیا اور ہر برطانوی کمپنی اور فرد کو ہندوستان سے تجارت کرنے کی کھلی چھوٹ مل گئی۔

سوم : تیسرا دور معاشی سرمایہ داری (Finance Capitalism) کا تھا اس دور میں تجارت کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ برطانیہ میں نوآبادیات سے حاصل شدہ دولت کی بہتات ہوگئی۔اس کو غیر ملکوں میں سرمایہ کاری کر کے منافع کمانے کی حکمت عملی کو بروئے کار لانے کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور برطانیہ سے سرمایہ کاری کی وجہ سے 1853ء میں ریلوے کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ ریلوے کی تعمیر کی مثبت اور منفی دونوں ہی نتائج برآمد ہوئے۔ مثبت اثرات میں آمد و رفت کے وسائل کی ترقی تھی اور منفی اثر کی وجہ یہاں کی مقامی صنعت روبہ زوال ہوگئی۔

جس کو مورخین نے عدم صنعتکاری کے عمل سے تعبیر کیا۔

12.4 ہندوستان میں عدم صنعتکاری اوراس کے اثرات

(De-industrialisation and Its Effects in India)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کی زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت بہت خوشحال تھی۔ یہاں کے حکمرانوں نے ان شعبوں کی ترقی میں ذاتی دلچسپی لی۔ جس کی بدولت یہ ترقی ممکن ہوئی۔ صنعت و حرفت میں ترقی اپنی مثال تھی کیونکہ یہاں کے پیداوار کی بین الاقوامی بازار میں بہت مانگ تہی۔ ہندوستان برآمد کرنے والا ملک تھا جس کی وجہ سے اس کو بڑی مقدار میں زرمبادلہ حاصل ہوتا تھا جو یقیناً ہندوستان کی خوشحالی کا ذریعہ تھا۔ لیکن صنعتی انقلاب نے سب کچھ تبدیل کردیا۔ ایک تخمینہ کے مطابق 1830ء میں ہندوستان کا دنیا کی صنعتی پیداوار میں 18 فیصد حصّہ تھا اور برطانیہ کا 10 فیصد لیکن صنعتی انقلاب کے بعد 1900ء میں ہندوستان کی عالمی پیداوار کی حصہ داری گھٹ کر محض 2 فیصد جبکہ برطانیہ کی حصہ داری بڑھ کر 19 فیصد ہوگئی جو ہندوستان کی صنعتی ترقی کے لیے باعث تشویش تھی۔ بقول گاڈگل: ''انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کی شہری صنعت خاص طور پر دستکاری کی شکل میں تہی۔ جو شرفا کے لیے عمدہ سوتی کپڑے اور تعیشاتی اشیا تیار کرتی تھی۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان کی شہری صنعت نے ان دستکاریوں میں نفاست کا اعلیٰ معیار حاصل کیا تھا۔ ہندوستانی مصنوعات کو عالمگیر شہرت مل گئی تھی۔'' مثال کے طور پر بنگال کا کالیکو اور کورا، ڈھاکہ کا ململ، لکھنو کا چھنٹ، احمد آباد کا دھوتی اور دوپٹہ، مدورا کے سوتی کپڑے، مرشدہ آباد، مالدہ کے ...اور بندنا، بنارس اور احمد آباد کے خوبصورت گلکاری سے مزیّن کپڑے، کشمیر، امرتسر اور لدھیانہ کے اونی کپڑے اور شال وغیرہ۔

کپڑوں کی صنعت کے علاوہ دھات کے کام کے لیے بنارس، بمبئی، ناسک، پونا، حیدرآباد ویزاگاپٹم اور تنجور مشہور تھے۔ راجپوتانہ نفیس کاریگری حصہ تھا قلعی شدہ زیورات اور پتھر پر نقاشی وغیرہ کے لیے شہرت رکھتا تھا۔'' اس کے علاوہ بقول گاڈگل کئی شہر اپنی فن دستکاری اور مخصوص مصنوعات کے لیے مشہور تھے۔ کمخواب اور پھول کاری بہت مشہور سوتی کپڑے تتے۔ ہندوستان کی شہری صنعت منظم تھی۔ خاص صنعت سے وابستہ دستکار فنی مہارت حاصل کرکے عمدہ کاریگری اور نفیس مصنوعات بنانے میں پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا استعمال کرکے کوالیٹی پروڈکٹ کے لے مشہور تھے۔ صنعتی انقلاب کا نوآبادیات کی معاشرتی اور معاشی زندگی پر منفی اثر رونما ہوا۔ ہندوستان ایک درآمد کرنے والا ملک تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد برطانیہ سے سوتی کپکپڑا اور دوسری مشینری برآمد کرنے والا بڑا ملک بن گیا۔ ہندوستان بطور برطانوی نوآبادیاتی ملک برطانیہ کی ایک بہت بڑی منڈی میں تبدیل ہوگیا۔ مینچسٹر اور لنکاشائر کے لیے کپڑوں کا ہندوستانی بازار میں مانو سیلاب آگیا۔ اس طرح انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستانی دستکاری پر مبنی صنعتی ترقی زوال پذیر ہونے لگی۔ مورخین نے اس کے مختلف وجوہات بیان کئے ہیں۔

1757ء کی پلاسی کی جنگ کے بعد بنگال اوراس کے بعد انگریزوں نے مختلف پالیسیاں اپنا کر ملک کی مقامی اور آزاد ریاستوں پر غلبہ

حاصل کرنا شروع کر دیا۔ بالآخر اودھ کے بعد پورے ملک پر انگریزوں کا غلبہ ہو گیا۔ مقامی ریاستوں کے خاتمہ کا ایک معاشی نتیجہ یہ نکلا کہ امرا اور درباری طبقہ جو ملک کی مصنوعات کا سب سے بڑا صاف تھا ختم ہو گیا لہٰذا مقامی طور پر تیار نفیس مصنوعات کا خریدار کے خاتمہ نے مقامی دستکاری اور صنعت کو نقصان پہنچایا۔ اس طرح نفیس اشیا اور تعیشاتی مصنوعات کی مانگ میں حد درجہ کی صنعتی زوال کا باعث بنتی چلی گئی۔

انگریزی سلطنت کے قیام نے ایک نیا جدید تعلیم یافتہ طبقے کو جنم دیا۔ ''یہ شہری اور پیشہ ورانہ طبقہ تھا جو مغرب کے بورژوا پیشہ ورانہ طبقہ سے مطابقت رکھتا تھا۔'' رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی تھا مگر ذوق و پسند کے لحاظ سے حقیقی معنوں میں انگریزی معاشرہ کا پیروکار تھا۔ اور گاڈگل کے مطابق یہ طبقہ ''یورپ کی فیشن کی تقلید کرنے کو روشن خیالی تصور کرتا تھا۔'' اور اس طبقہ نے غیر ملکی مصنوعات کو استعمال کو اپنا طرہ امتیاز سمجھنے لگا اور ملکی مصنوعات اس کی نظر میں قعر بن گئی۔ مغرب کی تقلید ان کی زندگی کی اٹوٹ حصّہ بن گئی۔ اس طرح مقامی صنعتوں کو پر زور جھٹکا لگا۔

انگریزوں نے ان تمام ہندوستانی اداروں کو ختم کر دیا جو مثالی پیداوار کے نگرانی کرتی تھیں اور معیار طے کرتی تھیں۔ اس سے ملاوٹ اور نفاست پرستی شروع ہو گئی جس کی وجہ سے مجموعی طور پر معیاری پیداوار پر اثر پڑا۔ صنعتی زوال کے وجوہات میں یہ بھی اہم مانا جاتا ہے۔ صنعتی انقلاب نے فیکٹری سسٹم کو جنم دیا۔ نظام پیداوار میں مشینوں کے استعمال سے بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ وقت کے ساتھ تیکنیکی تبدیلیوں کو سرمایہ داروں اور صنعتکاروں نے بلا تاخیر اپنایا جس کی بدولت ان کی مصنوعات مزید معیاری ہوتی چلی گئیں جس کی مانگ ہندوستان میں بڑھنے لگی۔ کیونکہ بازار میں یہ اشیا سستے داموں پر مہیا تھیں۔ مشینوں کے استعمال سے ان کو مزید چمکیلا اور پائیدار بنا دیا تھا۔ اسی لیے عام ہندوستانی کے لیے یہ مصنوعات باعثِ کشش تھیں اس کے مقابلہ میں ہندوستانی دستکاروں نے روایتی ٹیکنیک کو اپنائے رکھا۔ عالمی تیکنالوجیکل تبدیلیوں کو اختیار کرنے سے گریز کیا۔ جس کی وجہ سے ہاتھ سے بنے کپڑے اور دیگر مصنوعات فن دستکاری کے عمدہ نمونہ ہونے کے باوجود لوگوں کی پسند اور ترجیح نہیں تھی۔ مہنگا ہونا بھی لوگوں کے لیے پسند نہیں تھا۔ اس طرح ہندوستانی صنعت کا مقابلہ ایک ترقی یافتہ مشینی صنعت سے تھا۔ جس کا ہندوستانی دستکار مقابلہ نہیں کر سکے۔ اور یہاں صنعتی زوال شروع ہو گئی اور اس زوال کے لیے انگریزوں کی غیر منصفانہ پالیسی بھی بہت حد تک ذمہ دار تھی کیونکہ رومیش دت کے مطابق 'ایسٹ انڈیا کمپنی کی یہ پالیسی نہیں تھی کہ ہندوستانی صنعتوں کو ترقی دی جائے۔' انہوں نے قانون سازی کر کے ہندوستانی مصنوعات کو رفتہ رفتہ بین الاقوامی منڈی سے باہر کیا اور امتیازی محصول کی پالیسی کے ذریعہ ہندوستانی صنعتوں کی حوصلہ شکنی اور مصنوعات کی برآمدگی پر پابندی عائد کر کے رضاکارانہ طور پر ہندوستان کی صنعت کو زوال کی طرف دھکیلنے کا کام کیا۔ انگریزوں نے اپنے مصنوعات کی تشہیر کے لیے نمائش لگانا شروع کیا۔ جس سے ان اشیا کی خوب تشہیر ہوئی۔ نمائش کے ذریعہ پیداوار کی تشہیر کے تصور سے ہندوستانی تاجر اور صنعتکار نا آشنا تھے۔

برطانوی حکومت کے قیام کے بعد ہندوستان میں غربت بڑھنے لگی اس کے کئی وجوہات تھے مثلاً نیا مالگزاری کا نظام اور بندوبست اراضی نے ہندوستانی کسانوں کا استحصال کیا اور مال گذاری کے طور پر آدھی سے زیادہ ان کی کمائی ہڑپ کر لی جس کی وجہ سے یہ طبقہ حد درجہ غریب ہوتا چلا گیا۔ ہندوستانی تاجروں کے ہاتھ سے تجارت اپنے قبضہ میں لے کر ان کو دستبردار کر کے اپنی اجارہ داری قائم کر لی تاکہ بہت زیادہ

منافع کمایا جاسکے۔ زرعی پالیسی اور اقتصادی پالیسی کے تحت انگریزوں نے زراعت اور تجارت دونوں کو نقصان پہنچایا اور اس کا منفی اثر ہندوستانی معیشت اور اقتصادی زندگی پر مرتب ہو۔ نتیجتاً غریبی بڑھتی گئی۔ مزید برطانوی حکومت کے قیام کے بعد قدرتی آفت مثلاً سیلاب، قحط یا پھر دوسرے عوامل کی وجہ سے زرعی پیداوار متاثر ہوئی۔ کسانوں کی آمدنی ختم ہو گئی کسان بُھکمری کا شکار ہو کر مرنے لگے۔ لوگوں کی قوت مزید بالکل ختم ہو گئی جس کی وجہ سے ہندوستانی مصنوعات کے خریدار کم ہو گئے۔ ان سب عوامل کی وجہ سے عدم صنعتکاری کا عمل تیزی سے شروع ہوا اور دیکھتے دیکھتے ہندوستانی صنعت زوال کا شکار ہو گئی۔ جس نے غریبی اور بے روزگاری کو جنم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آر سی۔ دت نے 'اس کو ہندوستان کی تاریخ کا بدترین باب کہا ہے۔' عدم صنعتکاری کی وجہ سے زراعت پر دباؤ بڑھ گیا۔ جس کی وجہ سے ملک کی دیہ کاری بڑھ گئی۔ کسانوں پر قرض کا بوجھ بڑھ گیا جس کو مورخین 'دیہی قرض' کا نام دیتے ہیں۔ ہندوستانی قومی رہنماؤں نے انیسویں صدی کے آخری عشروں میں صنعتکاری کو فروغ دینے کی آواز اٹھائی اور یہ مانگ ملکی سطح پر عوام کی مانگ بن گئی اور پھر صنعتی ترقی کی نئی ابتدا ہوئی۔

12.5 جدید صنعتوں کی محدود ترقی اور اس کی نوعیت

(Limited Development of Modern Industries and Its Nature)

قومی رھنماؤں کی صنعتی ترقی کے مانگ کے نتیجے میں ہندوستان کے صنعتکاروں اور سرمایہ داروں نے صنعت کے قیام کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ دودئم یہ کہ برطانوی معاشی اور اقتصادی پالیسی کے نتیجے میں ملکی صنعت کی تباہی اور بربادی اور بڑھتی بے روزگاری اور غریبی نے ہندوستانیوں میں سیاسی اور سماجی شعور پیدا کر دیا۔ جس کے نتیجے میں قومی جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے بعد قومی رہنماؤں نے موجودہ معاشی صورتِ حال پر نہ صرف تشویش کا اظہار کیا بلکہ اس کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کی مانگ بھی اٹھائی۔ ابتدائی مرحلہ میں اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا لیکن جدید صنعت کی ترقی کا آغاز انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ہو گیا اگرچہ یہ محدود اور بہت سست رفتاری کا شکار تھا۔ اس کی وجہ غیر ملکی سرکار کی معاندانہ رویّہ تھا۔ برطانوی حکومت نے ہندوستانی صنعت کی نہ صرف حوصلہ شکنی کی بلکہ اس شعبہ میں سرمایہ کاری سے بہی گریز کیا۔ برطانوی سرمایہ کاری کا زیادہ حصہ ریلوے کی تعمیر میں صرف ہوا۔ جس کا بوجھ بھی ہندوستانی ٹیکس ادا کرنے والوں پر بھی پڑا۔ ریلوے کی شروعات سے کارل مارکس پُرامید تھا کہ ہندوستان میں صنعتی ترقی ممکن ہو سکے گی اور ملازمت کے نئے مواقع بہی ہندوستانیوں کو دستیاب ہو سکے گا۔ لیکن جب ریلوے میں استعمال ہونے والی ...فیصد مشینری برطانیہ سے درآمد کیا جانے لگا اور تمام اعلی عہدوں پر انگریزوں کو فائز کیا جانے لگا تو مارکس کے لیے یہ بات قابل تعجب تھی کیونکہ جس جدید صنعتی ترقی کے لیے وہ پرامید تھا۔ ٹھیک اس کے برعکس ثابت ہوا۔

انگریزوں نے ریلوے سے حاصل شدہ آمدنی اور صنعتی سرمایہ کاری کا ایک معمولی حصہ نخل کاری، معدنیات، بینک اور انسورنش، جہاز سازی یا پھر جوٹ مل پر خرچ کیا۔ 1914ء سے پہلے ایک اندازے کے مطابق 97 فیصد برطانوی سرمایہ ریلوے، سڑکوں، نخل کاری، بینک اور انسورنش وغیرہ پر خرچ کیا گیا۔ برطانوی بینکوں کا ہندوستانی دولت پر ایک طریقہ سے قبضہ تھا برطانوی بین الاقوامی کمپنیوں کا ملک کے ہر شعبہ میں دخل تھا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ برطانوی معاشی سرمایہ (Finance Capital) کا ہندوستانی معیشت پر بالادستی نے

یہاں کی صنعتی ترقی کو منفی طور پر اثر انداز کیا۔ جس کے نتیجے میں یہاں کی معیشت بھی پوری طرح متاثر ہوئی۔ ایشیا میں قومی تحریک نے برطانوی معاشی اور اقتصادی پالیسی کی مخالفت کرتے ہوئے ملک میں صنعتی ترقی کی پُرزور حمایت کی۔ جس کے نتیجے میں صنعتی ترقی کا آغاز ہوا۔ تقسیم بنگال کے بعد سودیشی تحریک نے مقامی اور دیہی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی جس نے صنعتی ترقی کی سرگرمیوں کو رفتار بخشی۔

12.6 جدید صنعتوں کی محدود ترقی کے وجوہات

(Reasons for Limited Development of Modern Industries)

اگرچہ جدید صنعتی ترقی کا آغاز انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں ہو چکا تھا لیکن اس کی رفتار سست روی کا شکار تھی اور محدود بھی تھی۔ مثلاً 1900ء سے لے کر 1904ء تک ملک کی کل آمدنی میں صنعتی آمدنی کا ایک روپیہ میں 13 پیسہ کی شراکت تھی۔ 1925ء سے لے کر 1929ء تک 16 پیسہ اور 1940ء سے لے کر 1944ء تک 17 پیسے سے بھی کم تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قومی آمدنی میں صنعتی آمدنی کی شراکت بہت کم تھی جس سے صنعتی ترقی کی سست روی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مورخین نے اس محدود ترقی کے وجوہات پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اہم وجوہات جن کا تجزیہ مورخین نے کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

اوّل: سرمایہ کا فقدان: صنعتی ترقی کے لیے سب سے اہم جزاُذخیرہ کا انبار(Capital Accumation) ہے۔ برطانیہ میں دولت کی فراوانی کی بدولت ہی صنعتی انقلاب رونما ہوا۔ ہندوستان اگرچہ امیر ملک تھا لیکن 1757ء کے بعد یہ ایک نوآبادیات میں تبدیل ہو گیا اور انگریز یہاں سے دولت اکٹھا کر کے برطانیہ درآمد کرنے لگے جسے مورخین نے دولت کی نکاسی کا نام دیا اور یہ سلسلہ ہندوستان کی آزادی تک بدستور جاری رہا۔ دولت کی نکاسی ہندوستان میں سرمایہ کے فقدان کی سب سے اہم وجہ ہے۔ برطانوی حکومت کے قیام کے بعد انگریزوں نے یہاں کی خوشحال زراعت پر بہت زیادہ لگان لگا دیا جس سے زراعت متاثر ہوئی۔ تجارت پر بھی انہوں نے قبضہ کر لیا اور اس کا منافع کے مالک بن بیٹھے۔ تجارت اور زراعت سے حاصل منافع برطانیہ کو درآمد کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے ہندوستان میں غربت بڑھنے لگی۔ ملک معاشی اعتبار سے خستہ حال ہو کر دیوالیہ کا شکار ہو گیا۔ صنعت و حرفت کو بھی انگریزوں نے اپنی پالیسیوں کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا۔ کسی بھی ملک کی آمدنی کے ذرائع زراعت، تجارت اور صنعت ہوتی ہے انگریز منصوبہ کے ان تینوں پر قبضہ کر کے منافع کو برطانیہ درآمد کرنا شروع کر دیا جس سے ملک میں کسی بھی تعمیری ترقی کے منصوبہ کے لیے سرمایہ کے فقدان نے ترقی کی رفتار کو یا تو بالکل پابند کر دیا پھر سست روی کا شکار ہو گیا۔ اس کے علاوہ ملک میں جو کچھ دولت تھی وہ منتشر تھی۔ کوئی ایسا معاشی ادارہ موجود نہیں تھا جو اس منتشر دولت کو اکٹھا کر کے ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کرتا۔ ہندوستانی سماج میں رسم و رواج پر بے جا خرچ کی وجہ سے بھی لوگوں کی بچت نہیں تھی۔

دوم۔ تکنیکی تعلیم کا فقدان: ہندوستان میں اگرچہ سائنسی ترقی ہوئی لیکن تیکنیکی تعلیم کا کوئی نظام نہیں تھا۔ لوگ انگریزی تعلیم سے بھی ناآشنا تھے راجہ رام موہن رائے کی اصلاحی تحریک اور جدید تعلیم کی پُرزور حمایت نے ایک فکری انقلاب برپا کر دیا جس کو ''بنگال کا نشاۃ ثانیہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس تحریک کے نتیجے میں بنگال اور پھر دوسری ریاستوں میں انگریزی اور جدید تعلیم کا آغاز ہوا۔ اسی تحریک کے زیر

اثراور انگریزوں نے اپنی تکنیکی ضروریات کے تحت ٹیکنکل تعلیمی ادارے قائم کئے۔اس طرح انیسویں صدی میں پہلے نصف میں تیکنیکل تعلیم کے لیے اسکول، کالج یا دوسرے ادارہ نہیں تھے۔ روایتی تعلیم کا نظام قائم تھا۔انگریز ٹیکنکل اسٹاف کی ضرورت کے لیے برطانیہ پر مکمل طور پر منحصر تھا۔ انیسویں صدی کے آخر میں تمام ٹیکنکل ضروریات کے پیش نظر چار انجینئرنگ کالج کا قیام عمل میں آیا جو پورے ملک کی آبادی اور ضرورت کے لحاظ سے ناکافی تھا۔ان کالجز میں بھی صرف معمولی نوعیت کی ٹریننگ فراہم کرائی جاتی تھی۔انگریزوں نے جان بوجھ کر اور سوچی سمجھی پالیسی کے تحت ٹیکنکل تعلیم کے اعلیٰ اور معیاری ادارے قائم نہیں کئے تاکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ٹیکنکل ماہرانہ اہمیت کے حامل پیشہ ور ملازمین برطانیہ سے بلائے جا سکیں۔ان کی خدمات اعلیٰ عہدوں کے لیے مخصوص تھیں۔ بڑی تنخواہ ہوتی تھی۔اس کے برعکس ہندوستانیوں کو معمولی اور غیر پیشہ ورانہ خدمات پر مامور کیا جاتا تھا۔اسی لیے صنعتی ترقی کے امکانات معدوم ہوتے چلے گئے اور موجودہ صنعتوں کو جدید ٹیکنالوجی سے متعارف نہیں کرانے کی وجہ سے یہ صنعتیں وقت کے ساتھ فرسودہ ہو گئیں۔

سوم۔ مورخین نے ہندوستان میں جدید صنعتی ترقی کے فقدان کے وجوہات کے تجزیہ میں دیگر اہم وجوہات کے علاوہ ہندوستانیوں میں کاروباری صلاحیتوں کے فقدان کو بھی نمایاں طور پر موردالزام ٹھہرایا۔ ہندوستان کے سرمایہ دار اور صنعتکاروں میں انگریزوں کی طرح حوصلہ، بہادری، جانبازی، مہم جوئی کا جذبہ کا فقدان تھا۔انگریز خطرہ مول لینے سے نہیں گھبراتا تھا جبکہ ہندوستانی سرمایہ داروں میں یہ کمی حددرجہ تھی۔ لٰہذا پست حوصلہ ان کو جان جوکھم کے مہم کو سر کرنے کا جذبہ نہیں کرتا تھا۔ زیادہ منافع کمانے کے لیے زیادہ خطرہ لینے کا سرمایہ دارانہ نظام ہندوستانیوں کو چیلنج قبول کرنے سے روک دیتا تھا۔ مورس ڈی مورس نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ ''جدید صنعت کی توسیع نجی کاروباری صلاحیتوں کے حامل افراد کے فیصلوں پر منحصر ہوتا ہے۔'' 'یہ بات کبھی ظاہر ہے کہ کوئی بھی سماجی اور معاشی خصوصیات جدید صنعت کی سست رفتاری کو بیان کرنے سے قاصر ہے'۔

جدید صنعتی ترقی میں سست رفتاری کا تذکرہ کرتے ہوئے مورس ڈی مورس اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان میں پیداوار کا عمل انسانی مہارت اور کاوش پر تھا۔اور بہت کم میکینیکل اوزار پیداوار کے عمل کو تیز کرنے کے لیے اپنایا گیا۔''اور ہندوستان میں صنعتی ترقی کی راہ میں بنیادی رکاوٹ ثابت ہوئی۔ مندرجہ بالا خامیوں کو ہی قومی مورخین بھی جدید صنعتی ترقی کے لیے اہم وجہ تسلیم کرتے ہیں ۔ یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان میں جدید صنعتی ترقی کو دانشور طبقہ ملک کی ترقی سے منسلک کر کے دیکھ رہا تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ جدید صنعتی ترقی کو ملک کے لیے ناگزیر سمجھ رہا تھا۔ان کا خیال تھا کہ جدید صنعتی ترقی سے ملک کی معیشت مستحکم ہو گی تو دوسری طرف عدم صنعتکاری کی وجہ سے زراعت پر پڑنے والا غیر ضروری دباؤ بھی کم ہو گا اور لوگوں کو روزگار کے مواقع میسر ہوں گے۔ مورس ڈی مورس کا ماننا ہے کہ تیز اور دیرپا صنعتی ترقی کے لیے نہ صرف سیاسی، سماجی اور معاشی ...حالات کا ہونا ضروری ہے بلکہ ادارہ جاتی صلاحیت کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ نئے چیلنجز اور مسائل کو حل کرنے میں آسانی ہو سکے۔

چہارم: ان مسائل کے علاوہ ایک دیگر مسئلہ جس نے صنعتی ترقی کو محدود کر دیا وہ تھا روایتی ٹیکنالوجی پر انحصار۔ مغلیہ عہد میں اگرچہ ٹیکنولوجی میں اہم تبدیلیاں ہوئیں تھیں جس کی مدد سے عمدہ قسم کی اشیا کی مانگ میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ہندوستانی اشیا کی مقبولیت کا اندازہ اس سے

لگایا جاسکتا ہے کہ یورپ کے کئی ممالک مثلاً برطانیہ اور فرانس کو قانون سازی کر کے ہندوستانی اشیا پر مکمل پابندی عائد کرنا پڑی۔ اسی اثنا میں برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے پیداوار کے نظام کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔ یہ انقلاب در حقیقت ٹیکنالوجی میں انقلابی تبدیلی کی بدولت رونما ہوا تھا۔ ہندوستان میں ریاستی یا تنظیمی سطح پر ایسی کوئی کوشش یا تحریک نہیں چلی کہ پیداوار کے نظام میں یوروپ میں آئی ٹیکنالوجیکل انقلاب کی روشنی میں ہندوستان کے دستکاروں اور صنعتکاری کے پیشہ سے منسلک افراد کو نئی ٹیکنالوجی متعارف کرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری ٹیکنالوجی فرسودہ، پسماندہ اور مکمل طور پر روایتی بن کر رہ گئی اور یورپ میں آئے صنعتی انقلاب سے پیدا شدہ تبدیلی کا مقابلہ نہیں کر سکی اور دم توڑ گئی۔ جس کے نتیجے میں غیر صنعتکاری کا آغاز لازمی ہو گیا۔

دانشوروں نے ہم عصر ادبی ماخذ کی بنیاد پر لے اور اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی ٹیکنالوجی کا منظر نامہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بہت ہی معمولی نوعیت کا تھا۔ اس ضمن میں مورس ڈی مورس کا ماننا ہے کہ ''ہندوستان میں پیداوارانہ نظام بالخصوص انسانی صلاحیتوں اور ان کی کوشش پر منحصر تھا۔ اور پیداوار کی صلاحیت کو بڑھانے، بہت کم مشینی اوزار کا استعمال ہوتا تھا۔'' لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستانی صنعتکاروں اور دستکاروں کا روایتی طرز کے استعمال نے جدید صنعتی ترقی کو بہت حد تک محدود کر دیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی فنی صلاحیتوں کو صنعتی ترقی اور بڑھتے مشینوں کے استعمال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیداوار کے نظام میں تبدیلی سے گریز کیا۔ اگر انہوں نے اس برق رفتاری سے رونما ہونے والی تبدیلی سے ہم آہنگ کیا ہوتا تو ہندوستانی صنعت بھی ترقی پذیر ہوتی۔ اس کے علاوہ جغرافیائی اور موسمیاتی حالات بھی جدید ٹیکنالوجی کو اپنانے میں رُکاوٹ ثابت ہوئے۔ مثلاً پن چکی یا پھر ہوائی چکی استعمال کر کے بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت کے فقدان کے بھی صنعتی ترقی کو کسی نہ کسی سطح پر متاثر کیا۔ ان کا استعمال کر کے یورپ نے صنعتی میدان میں بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کر کے معدنیات کی کھدائی میں یورپی ممالک نے ترقی کے نئے احکامات کو مزید آگے بڑھایا۔ قومی رہنماؤں نے یورپ کی صنعتی ترقی کے مطالعہ سے یہ اخذ کیا کہ ملک کی معاشی ترقی کے علاوہ صنعتی ترقی ملک کی تہذیبی، اخلاقی اور دیگر ترقی کے لیے بہت ضروری تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے اپنے پلیٹ فارم سے اس کی پُرزور وکالت کی۔ مہادیو گوند راناڈے نے ''مل اور فیکٹریوں کو قومی سرگرمیوں کے لیے تعلیمی ادارے مثلاً اسکول اور کالج سے زیادہ موثر بتایا تھا۔''

12.7 سوتی کپڑے کی صنعت کی ابتدا (Beginning of the Cotton Textile Industry)

سوتی کپڑے کی صنعت سے ہی صنعتی ترقی کا ازسرِ نو آغاز ہوا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں جدید سوتی کپڑے کی صنعت کے قیام کی کاوشیں تیز ہو گئیں کیونکہ اس صنعت کے لیے درکار سبھی ضروری عناصر اس وقت موجود تھے۔ اوّل۔ خام مال کی شکل میں کپاس کی کھیتی بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی۔ لہٰذا ضرورت کے لیے کپاس موجود تہا۔ دوم۔ صنعت قائم کرنے کے لیے سرمایہ بنیادی ضرورت تھی اس وقت مقامی سرمایہ بھی موجود تھا۔ تیسرا مزدوروں کی بہتات کی وجہ سے اس وقت سوتی کپڑے کی صنعت کے لیے درکار سستے مزدور بھی فراہم تھے۔ چہارم۔ صنعتی پیداوار کے لیے بازار کا ہونا لازمی جزا ہے۔ لہٰذا ہندوستان میں کثیر آبادی نے ایک بہت بڑا بازار فراہم کر دیا، جس کی وجہ سے سوتی کپڑے کی صنعت کی ترقی کا آغاز ممکن ہو سکا۔ اس کے برخلاف برطانیہ کو کپاس امریکا، پھر ہندوستان سے درآمد کرنا پڑتا تھا۔ پھر بھی

ہوئی اشیا کو بیرون ممالک برآمد کرنے کے اخراجات تھے۔ مہنگی مزدوری اور فیکٹری قوانین کی وجہ سے مصنوعات کی قیمت گراں ہو جاتی تھی۔

ہندوستان سب سے پہلے 1817ء میں فرگیوسن اینڈ کمپنی نے 2 لاکھ روپیہ کی لاگت سے پہلا کارخانہ کلکتہ میں قائم کیا۔ جو بوریانل (Bowreah Nill) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ مل ایک ناکام تجربہ ثابت ہوا۔ دوسرا تجربہ بھی کلکتہ میں پیٹرک نامی صنعت کار نے 1830ء میں کیا۔ اس مل کو فورٹ گلوسٹر مل کا نام دیا گیا۔ فرانسیسیوں نے پانڈیچری میں ایک کارخانہ قائم کیا۔ بدقسمتی سے یہ تینوں منصوبے ناکام ثابت ہوئے کیونکہ اس ذرائع وابلاغ کے وسائل یا تو مفقود تھے یا پھر بہت محدود تھے۔ غیر یقینی صورت حال بھی کافی حد تک اس ناکامی کے لیے ذمہ دار تھی۔ سب سے پہلا کامیاب تجربہ 1854ء میں بمبئی میں کوس جی ناناجی داور نے پہلا سوتی کپڑے کا کارخانہ قائم کرکے کیا۔ اور یہ پوری طرح ہندوستانی سرمایہ منیجر اور کاریگر کی مدد سے قائم ہوا۔ لیکن 1870ء کے بعد اس کی بڑے پیمانے پر توسیع ہوئی۔ اگرچہ بین الاقوامی سطح کی ترقی یافتہ برطانوی کمپنی سے مقابلہ ہونے کے باوجود کوس جی ناناجی کا منصوبہ بہت کامیاب ثابت ہوا اور 40 سال کے عرصہ میں دنیا کا ایک بڑا صنعتی منصوبہ یابت ہوا۔ ہندوستان ہی اس کا سب سے بڑا بازار تھا۔ ڈی آر گاڈگل کا خیال ہے کہ 1880ء کے بعد سوتی کپڑے کی صنعت میں کافی ترقی ہوئی۔ گراہم کلارک کے مطابق "1885ء سے لے کر 1890ء تک پانچ برسوں میں پچاس ملوں کا اضافہ ہوا اور یہ سب سے زیادہ توسیع کا زمانہ ہے۔ 1897ء تک بہت ہی اچھا کاروبار چلتا رہا اور صحت مند طریقے سے اس کی توسیع ہوئی۔"

1813ء اور 1833ء کے چارٹر ایکٹ کے منسوخی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی بالادستی ختم ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں ہندوستان نے چین سے تجارت کے نتیجہ میں بے پناہ منافع کمایا اور یہی دولت بنیادی طور پر سوتی کپڑے کے ملوں میں سرمایہ کاری کا جواز بنا۔ ہندوستان کا بین الاقوامی تجارت چارٹر ایکٹ کی منسوخی کے بعد 1834ء سے لے کر 1856ء کے مابین تین گنا ہوگیا۔ اس کی مالیت 12 ملین پاؤنڈ سے بڑھ کر 36 ملین پاؤنڈ ہو گیا تھا۔ سوتی کپڑے کی ملوں میں اضافہ اور منافع کی وجہ یورپ سے مشینوں کی درآمدات اور سوتی کپڑوں کی چین کو برآمدات تھی۔ 90-1973ء میں یورپ میں کساد بازاری آگئی جس کی وجہ سے کارخانہ بند ہونے لگے۔ ہندوستانی تاجر اور صنعتکار یورپ سے ان مشینوں کو خرید کر ہندوستان لائے اور نئے نئے مل قائم کئے۔

ہندوستان میں سوتی کپڑوں کی صنعت کے دو اہم مراکز تھے۔ پہلا کلکتہ اور دوسرا بمبئی۔ ان دونوں شہروں کی سماجی اور معاشی ساخت الگ الگ نوعیت تھا اس لیے بمبئی نے سوتی کپڑے کی صنعت میں قومیت حاصل کرلی۔ کیونکہ یہاں مقامی سطح پر کپاس کی کھیتی بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی۔ ہندوستان میں سوت کے مل اور ان کے بازار بھی کثرت سے موجود تھے۔ کلکتہ میں غیر ملکی تجارت پر یورپی باشندوں کی بالادستی تھی۔ بمبئی میں برطانوی تاجروں کی بالادستی تھی۔ مغربی اور مشرقی ایشیا کی تجارت غیر ملکی اور ہندوستانی باشندوں کے ہاتھ میں تھی اور ہندوستانی باشندوں کو تجارتی اور معاشی اداروں کا تجربہ بھی ہوا۔ ہندوستانی تاجروں نے یورپی تاجروں کے اشتراک سے بمبئی چیمبر آف کامرس قائم کیا جو صنعت اور تجارت کو منظم کرنے کی ایک کوشش تھی۔ 1850ء کے عشرے میں ہندوستانیوں نے بینک اور دخانی جہاز سازی کی مشروط بھی کر دیا۔ ہندوستانی صنعتکاروں، تاجروں اور دستکاروں نے بہت جلد یہ محسوس کرلیا کہ کتائی اور بنائی معاشی اعتبار سے بہت مفید اور منافع بخش کاروباری مہم ہے۔ سوت اور کپڑوں کا سب سے بڑا خریدار چین تھا۔ جاپان کے سوت بازار میں آنے اور چین میں سوت کے مل قائم ہونے کی

وجہ سے سوت اور سوتی کپڑے کی مانگ اگرچہ کم ہوا لیکن مقامی سطح پر سوت کی مانگ بڑھ جانے سے یہ ازالہ پورا ہو گیا۔ ''سوت کی صنعت'' تاراچند کے مطابق ''زیادہ سے زیادہ تر ایک ہندوستانی صنعت تھی پھر بھی بہت سے یورپی باشندے بطور منیجر اور فنی مہارت کے حامل ملازم رکھے جاتے تھے اگرچہ بعد میں ہندوستانی ان کی جگہ پر آ گئے۔'' 1889ء تک سوتی کپڑوں کی صنعت ترقی کرتی رہی لیکن انیسویں صدی کے قحط اور طاعون سے کچھ حد تک متاثر ہوئی لیکن پھر اس نے ترقی کی رفتار پکڑ لی۔ بمبئی کے تاجروں نے ہندوستانی کپاس جس کی برآمد اور برطانوی دھاگے کی تجارت سے یہ تاث : ر لیا کہ ہندوستان میں مل قائم کرنا ایک فائدہ مند منصوبہ ثابت ہو گا۔ کوس جی نانا بھائی کامیاب تجربہ کے بعد کئی ہندوستانی صنعتکاروں نے سوتی کپڑے کی صنعت میں سرمایہ کاری کا منصوبہ بنایا۔ جس کے نتیجے میں اورینٹل اسپیننگ اینڈ ویلیجھنگ کمپنی 1858ء میں مانیک جی پاٹل نے قائم کیا۔ 1861ء میں احمد آباد میں پہلا سوتی کپڑے کا کارخانہ......لال چھوٹالال نے قائم کیا۔ ٹھیک اسی وقت کا بھروچ کاٹن مل جیمس لندن نے قائم کیا۔ ابتدائی دور میں ہندوستان میں بنائی سے زیادہ سوت کتائی پر زور تھا کیونکہ چین اور دیگر ملکوں میں اس کی مانگ زیادہ تھی۔

امریکہ میں خانہ جنگی سے ہندوستانی سوتی کپڑے کی صنعت کی توسیع بند ہو گئی کیونکہ کپاس کی قیمت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ امریکہ سے برطانیہ کے لیے کپاس کی سپلائی منقطع ہو گئی۔ لہٰذا برطانیہ نے کپاس ہندوستان سے درآمد کرنا شروع کر دیا جس کی بدولت مقامی صنعتکاروں کو کپاس مہنگا خریدنا پڑتا اور دستیاب بھی کم ہوتا تھا۔ کپاس کی قیمت میں اضافہ کی وجہ سے تجارت میں بہت ترقی ہوئی لیکن خانہ جنگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی کپاس کی قیمت کم ہو گئی۔ خانہ جنگی کی وجہ سے برطانیہ میں سوتی کپڑے کی صنعت میں کپاس کی سپلائی کی کمی کے باعث پیداوار میں کمی آ گئی جس کی بدولت سوتی کپڑے کی ہندوستان میں درآمد کم ہو گئی اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہندوستانی سوتی کپڑے کی مانگ میں اضافہ ہو گیا اور ہندوستانی سوتی کپڑوں کے کارخانوں نے اس کا فائدہ اٹھایا۔

ہندوستان کے سوتی کپڑے کے کارخانوں کے تئیں برطانوی حکومت معاندانہ رویّہ رکھتی تھی اور ان کو ہمیشہ یہ اندیشہ لاحق رکھتا تھا کہ کہیں یہ مینچسٹر اور لنکاشائر کے کارخانوں کے مدّمقابل نہ کھڑے ہو جائیں۔ ابتدا میں ہندوستان میں کارخانوں کی تعداد اور پیداوار دونوں ہی محدود تھے۔ لہٰذا انگریزوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن 1870ء کے بعد مل اور پیداوار دونوں میں گراں قدر اضافہ دیکھنے کو ملا۔ 1878ء تک بمبئی اور اس کے باہر 80 سوتی کپڑے کے کارخانے قائم ہو چکے تھے۔ پیداوار میں بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ پیداوار میں بہت اضافہ ہو چکا تھا جو برطانوی صنعتکاروں کے لیے باعث تشویش تھی۔ لہٰذا جان رابرٹسن کی نگرانی میں ایک مہم ہندوستان بھیجا اس نے اپنی رپورٹ میں برطانوی محصول درآمدات پر چنگی ختم کرنے کی تجویز پیش کی کیونکہ چنگی کی ادائیگی براہِ راست ہندوستانی کارخانوں اور ان کے پیداوار کو تحفظ فراہم کر رہے تھے۔ کمپنی کی ابتدائی دور سے یہ چنگی 5 فیصد تھی جس کو بڑھا کر 10 فیصد کر دیا گیا۔ 1857ء کی جنگ آزادی اور سیاسی انتشار کے بعد 7.5 فیصد کر دیا گیا لیکن برطانوی حکومت کے لیے یہ مسلسل تشویش کا باعث رہا۔ بالآخر برطانوی حکومت نے 1875ء میں ایک ٹیریف کمیشن (Tariff Commission) مقرر کیا اور 1875 کا (Tariff Act) پاس ہوا اس محصول کا قائم شدہ موجود در جاری رکھا لیکن برطانوی سرمایہ دار طبقہ اس کو ختم کرنے کی مانگ مسلسل کرتا رہا بالآخر برطانیہ سے درآمد ہونے والے کپڑوں پر محصول کو

1882 میں بالکل ختم کر دیا گیا1882 میں برطانوی حکومت نے مانچسٹر کے سوتی کپڑوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ایک خاص چنگی جس کو (..............) کہا جاتا تھالوگ کر دیا۔ لیکن مورخین کا خیال ہے کہ اس پالیسی سے ہندوستانی کپڑوں کی تجارت اور پیداوار پر کوئی خاطر خواہ منفی اثر نہیں ہوا۔ اس کے برعکس گریش مشرا کے مطابق 1895 میں 38 مل تھے اور 1900 میں اضافہ کے ساتھ اس کی تعداد 190 ہو گئی۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں برطانوی کارخانوں کے برعکس ہندوستانی کارخانہ بنائی اور کتائی کی سہولیات کی وجہ سے بحران کی حالت میں بھی تشفی بخش کارکردگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں سوتی کپڑے کے کارخانوں کی توسیع اور ترقی میں ترقی اور زوال دیکھنے کو ملتا ہے مثلاً قحط کے دوران لوگوں کی قوت خرید کم ہونے کے باعث پیداوار پر اثر پڑا لیکن جلد ہی بحران سے ہندوستانی کارخانے نکل آئے۔ ہندوستان میں سوتی کپڑوں کے کارخانوں کی توسیع کے بدولت برطانیہ کی سوتی کارخانہ اور ان کے کل پرزے بنانے والی کمپنیوں کو فائدہ ہوا۔ بمبئی اور احمد آباد کے کامیاب اور منافع بخش تجربوں کے بعد سرمایہ کاروں نے ملک کے دیگر علاقوں میں مل قائم کئے مثلاً ناگپور میں ایک بڑا کارخانہ قائم کیا پھر شولاپور کانپور، اندور، مدورائی اور مدراس اہم سوتی کپڑوں کے مرکز بن کر ابھرے۔ لوگوں کے روزگار کے زیادہ مواقع میسر آئے۔ ٹریننگ کے مراکز قائم ہوئے۔ اسی وقت سوتی کپڑے کے کارخانوں میں بجلی کی سپلائی نے کوئلے پر انحصار کو ختم کر دیا۔ 1892 سے لیکر 1901 تک کپڑے کی صنعت کے لیے موزوں نہیں رہا کیونکہ بقول گریش مشرا 1893 میں کرنسی نظام میں خرابی آگئی تھی۔ جس کی وجہ سے چین اور جاپان کو دھاگے کی برآمد میں زبردست کمی آگئی 1894 میں ہندوستانی دھاگے پر محصول عائد کر دی گئی۔ دوسری اہم وجہ جس کی وجہ سے ہندوستانی کپڑے کی صنعت متاثر ہوئی وہ تھی جاپانی کپڑوں کی ایشائی بازار میں مقبولیت۔ چین ہندوستانی کپڑوں اور دھاگوں کا ایک بڑا خریدار تھا وہ اس وقت جاپانی کپڑوں کا خریدار بن گیا جس کی وجہ سے ہندوستانی کپڑے کی مانگ کم ہو گئی اور اس کی پیداوار متاثر ہو گئی۔ مثلاً 20 ویں صدی کے پہلے عشرے میں ہندوستان نے چین کو لگ بھگ 22 کروڑ ملکیت کا دھاگا برآمد کیا۔ لیکن دوسرے عشرے میں یہ کم ہو کر 17 کروڑ ہو گیا۔ سوتی کپڑوں کی صنعت میں کمی کے ان وجوہات کے علاوہ 1896 کا بمبئی کا طاعون اور اس کی تباہ کاریوں کا بھی ہاتھ تھا۔ اسی کے ساتھ مرکزی ہندوستان میں قحط اور اس سے پیدا شدہ معاشی حالات کی وجہ سے گھریلو بازار متاثر ہوا کیونکہ زراعت متاثر ہو گئی جس کی وجہ سے لوگوں کی آمدنی میں گرواٹ آئی اور لوگوں کی قوت خرید کم ہو گئی لہٰذا اس کا براہ راست اثر سوتی کپڑے کی پیداوار پر پڑا۔

1895 سے لیکر 1914 تک سوتی کپڑے کی صنعت کے لیے اچھا ثابت نہیں کیونکہ جاپانی سوتی کپڑوں نے ایشیائی بازار میں مقبولیت حاصل کر لیا۔ چین جو ہندوستانی سوتی کپڑوں کا ایک بڑا مرکز تھا وہ بھی جاپانی سوتی کپڑوں کا ایک بڑا اصاف بن گیا 20 ویں صدی کے پہلے عشرے میں ہندوستان نے 22 کروڑ ملکیت کا دھاگا چین کو برآمد کیا لیکن دوسرے عشرے میں یہ کم ہو 17 کروڑ ہو گیا بمبئی کا 1896 کا طاعون اور مرکزی ہندوستان میں قحط کی وجہ سے گھریلو بازار متاثر ہوا کیونکہ لوگوں کی قوت خرید کم ہو گئی لہٰذا اس کا براہ راست اثر سوتی کپڑے کی پیداوار پر ہوا۔ 1905 میں تقسیم بنگال کے بعد مقامی صنعت بالخصوص سوتی کپڑے کی صنعت کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سودیشی تحریک نے غیر ملکی کپڑوں کے بائکاٹ کا اعلان کر دیا تھا۔ اسی دوران جاپان اور روس کی جنگ شروع ہو گئی۔ جاپان چین کی بازار سے وقتی طور پر منقسم ہو گیا۔ اس نے ہندوستانی تاجروں کو بڑے پیمانے پر چین کو برآمدات کا موقع فراہم کر دیا۔ اور ملکی صنعت کے لیے یہ سنہرا موقع

تھا۔ 1907 میں پھر جاپان کا چین کی بازار میں اثر ور سوخ بڑھنے لگا اور ہندوستانی تاجروں کی جاپانیوں سے مقابلہ آرائی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی کے ساتھ قحط اور روپڑ کی گرتی ہوئی قیمت نے اس صنعت کو مزید نقصان پہنچایا۔ اور یہ کساد بازاری 1911 تک چلنا رہا پھر اس کے بعد اس صنعت کے ترقی شروع ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم 19181914 کے دوران سوتی کپڑے کی صنعت نے خوب ترقی کی۔ جنگ کی وجہ سے برطانیہ اور دوسرے ممالک سے ہندوستان کے لیے سپلائی مفقطع ہو گئی لہٰذا مقامی صنعتکاروں اور تاجروں کی بازار وقتی طور پر بالا دستی قائم ہو گئی۔ یورپی ممالک سے پرانے استعمال شدہ مشینری کی درآمد تھی رک جانے سے نئے کارخانہ نہیں نکل سکے جس کا فائدہ پرانے مل مالکوں نے اٹھایا۔ بمبئی کے صنعتکاروں نے کپڑے بنانے پر زور دیا نہ کہ دھاگا بنانے پر۔ حکومت نے بھی سوتی کپڑوں کے کارخانوں کی حوصلہ افزائی کی 1933 میں حکومت ہند نے جاپانی مصنوعات کی درآمد کی حوصلہ شکنی کے لیے 75 فیصد تک محصول عائد کر دیا۔ اس پالیسی کے بدولت سوتی کپڑوں کے کارخانہ کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق 1924 میں 258 کارخانہ تھے جو بڑھ کر 1939 میں 389 کارخانے قائم ہو چکے تھے۔ اس دوران سوتی دھاگا کی پیداوار میں 53 فیصد اور کپڑوں کی پیداوار میں 93 فیصد اضافہ دیکھنے کو ملا جو یقینا سوتی کپڑے کے صنعت کے لیے بہت موزوں ثابت ہوا۔

پہلی جنگ عظیم کے کاتمہ کے بعد ملیٹری اور سول سپلائی میں زبردست گراوٹ دیکھنے کو ملی جو یقینا سوتی کپڑے کی صنعت کے لیے غیر منافع بخش ثابت ہوا۔ دوسرے ہندوستانی سوتی کپڑے کی صنعت کو جاپانی پیداوار کا سامنا تھا۔ جاپانی سوتی کپڑے کی صنعت اور اسکا ہندوستانی بازار میں بالادستی کے کئی وجوہات تھے مثلاً جاپان کو سازگار جو سمیاتی ماحول حاصل تھا ذرائع وابلاغ کے بہترین وسائل تھے کیونکہ جہازرانی بہت ترقی یافتہ تھی۔ کپاس کی دستیابی اور اس صنعت میں عورتوں کی بڑے پیمانے پر شمولیت نے پیداوار کی خصوصیت کو بڑھادیا تھا اس کے علاوہ حکومت کی سرپرستی اور تعاون حاصل ہونے کا باعث جاپانی سوتی کپڑے کے کارخانے ترقی کے راستے پر گامزن تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد بین الاقوامی سطح پر آئی قدرتی آفت انفلوئنزا کی وجہ سے بہت بڑی آبادی خاں بحق ہو گئی۔ فانسون کی ناکامی کے سبب زراعت کی ناکامی کے سبب عوام کی آمدنی میں کمی آگئی۔ قوت خرید کم ہونے کے سبب لوگ کپڑا خریدنے کی استطاعت سے محروم ہو گئے۔ جس کے سبب سوتی کپڑے کی صنعتی وقتی طور پر متاثر ہو گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستان میں خلافت عدم تعاون تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک نے غیر ملکی بالخصوص برطانوی کپڑوں کے استعمال کے بائیکا کا اعلان کر دیا۔ اسی کا فائدہ یقینی طور پر ہندوستانی صنعت کو ملا۔ ہندوستانی صنعتکاروں کے دباؤ میں برطانوی حکومت نے درآمد کو ختم کر دیا۔

انگریزوں نے اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے وقتاً فوقتاً کئی قوانین بنائے مثلاً Cotton Textile Industry Protection Act 1930 میں نافذ کیا پھر 1932 میں اوتاوا معاہدہ کے ذریعہ نوآبادیات پر مختلف نوعیت کی شرائط نافذ کر دیں۔ دوسری جنگ عظیم 1945ئ-1939ئ) ہندوستان میں سوتی کپڑوں کی صنعت کے لیے مفید ثابت ہوا۔ جاپان اور برطانیہ جو ہندوستانی

سوتی کپڑے کی صنعت کے اہم مقابل تھے جنگ مہمات میں مصروف تھے اور اتحادی ممالک ہندوستان سے کپڑا درآمد کر رہے تھے جس سے ہندوستانی سوتی کپڑے کی صنعت کو خوب فائدہ ہوا۔ اور مقامی بازار پر ان کی بالادستی بھی قائم رہی۔ کساد بازاری (1933ئ-1992ئ) سے ہندوستانی کل کارخانہ اور ان کا پیداوار اور معیشت بھی متاثر ہوئی بغیر نہیں رہ سکی۔ کچھ صنعت مثلاً چینی اسٹیل سوتی کپڑا وغیرہ نے کساد بازاری کے دوران بھی بہتر حالات میں تھیں کیونکہ مقامی بازار میں ان کی مانگ قائم رہی۔ کساد بازاری کی وجہ سے اشیائے خورد ونوش کی برآمد کم ہوگئی۔ جس کی وجہ سے یہ چیزیں سستی ہوگئیں عوام کا اشیائے خورد نوش پر صرفہ کم ہوگیا اس لیے ان کی قوت خرید بڑھ گئی۔ اور لوگوں میں صنعتی مصنوعات خریدنے کی استطاعات زیادہ بڑھ گئی۔ جو صنعتی ترقی کے لیے خوش آئند تھا کساد بازاری سے یورپ کی کمپنیاں بند ہو رہی تھیں ان کی مشین ہندوستانی صنعتکاروں نے سستے دام خرید کر درآمد کرنا شروع دیا جس کے بدولت صنعتی ترقی کی رفتار مزید تیز ہوگئی اور اس دوران برطانوی حکومت نے قانون سازی کر کے جاپان کے مقابلہ میں ہندوستانی صنعتوں کو تحفظ فراہم کیا۔

12.8 جوٹ کی کھیتی اور اس کی صنعت (Jute Cultivation and Its Industry)

جدید صنعت کے زمرے میں جوٹ کی صنعت نے انیسویں صدی کے آخری عشروں میں سوتی کپڑے کی صنعت کے ساتھ ساتھ خوب ترقی کی۔ ہندوستان کی دو ریاستیں بنگال اور بہار جوٹ کی کھیتی کے لیے مثالی تھیں۔ یہاں جوٹ کی کھیتی کثرت سے ہوتی تھی۔ جوٹ کا استعمال رسی، تھیلا، بورا، ہاتھ سے بنا بندوق وتھنے کا تھیلا اور کپڑا بنانے میں کثرت سے ہوتا تھا۔ اس کی مضبوطی اور دیگر خوبیوں کی وجہ سے ماہر ملکوں کو برآمد بھی کیا جاتا تھا۔ پٹسن نکالنے کے بعد اسکا تنا جلاون اور گھر بنانے میں بھی ہوتا تھا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کی تجارت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی کیونکہ اسکاٹ لینڈ میں واقع ڈنڈی میں اس کا کارخانہ ٹکنولوجیکل خامی کو ختم کر کے جوٹ کی صنعت میں خرید سرمایہ کاری کر کے جوٹ کی بنی چیزوں کا پیداوار شروع کر دیا اس کے لیے ان کو ہندوستانی خام جوٹ کی ضرورت پڑی کیونکہ پر روسی اور سن کے مقابلہ کافی سستا تھا۔ 1840 کے بعد جوٹ کی بنی چیزوں کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ دوسرا یہ کہ 1854 کی کریمیا کی جنگ کی وجہ سے روسی سن ور بٹ سن کی سپلائی منقطع ہوگئی جو خام جوٹ کا متبادل تھا۔ لہٰذا اس ضرورت کے پیش نظر ہندوستانی خام جوٹ کی مانگ بہت بڑھ گئی اور ہندوستان بڑے پیمانے پر جوٹ برآمد کرنے لگا۔

1850 کے بعد سیاسی افق پر بین الاقوامی سطح پر کئی اہم تبدیلیاں ہوئی جس نے معاشی سرگرمیوں کو مزید تقویت بخشی تجارتی سرگرمیاں بھی بڑھ گئیں۔ جدید صنعتی ترقی کے لیے ہندوستان میں ماحول سازگار ہوگیا۔ آزاد تجارت کے نظریہ کے غلبہ کا خاتمہ، سوئز ہر کا بین الاقوامی برادری اور تجارت کے لیے کھلنا، نئے بازار کا دنیا میں مقام، جہاز رانی کی ترقی مال برداری کی پالیسی میں تبدیلی اور اس کی شرح ہی گراوٹ کی وجہ سے بین الاقوامی تجارت کا حجم بہت بڑھ گیا جس کی وجہ سے اشیا کی مانگ بڑھ گئی اور مصنوعات کو پیک کرنے کے لیے جوٹ کے بورے اور بستوں کی ضرورت نے جوٹ کی صنعت کو خوب فروغ دیا۔ جوٹ بنی مصنوعات کی مانگ کے پیش نظر انگریز سرمایہ داروں نے ہندوستان نے ہندوستان میں جوٹ کی فیکٹریاں قائم کرنے کی شروعات کیں۔ جارج آکلینڈ نے سب سے پہلے رجسٹرار میں 1855 میں دریائے ہگلی کے کنارے جوٹ مل قائم کیا۔ اس کو بہت سی سہولیات مہیا تھیں پاس کے علاقوں سے خام جوٹ مہیا تھا، ضرورت کے لیے پانی

تھا۔مزدوروں کی شبہات تھی مزدوری کے قانون نہیں ہونے کا بھی اس نے خوب فائدہ اٹھایا1859میں بورنیو مل جوٹ بنانے کا سب سے بڑا پہلا کارخانہ قائم ہوا۔1873تک کل5کارخانے قائم ہوئے جوٹ کی بنی ہوئی چیزوں بالخصوص پورے، بیگ وغیرہ کی مانگ آسٹریلیا، امریکہ، مصر اور برطانیہ میں بڑھ گئی لہٰذا جوٹ کے کپڑوں کی مانگ کے پیش نظر پیداوار میں کافی اضافہ ہوااور یہ برون ملک برآمد کیا جانے لگا۔اس کی وجہ سے سرمایہ داروں نے جوٹ کی صنعت میں سرمایہ کاری بڑھادیااور پہلے کے مقابلہ کی تعداد5ہزار سے بڑھ کر15ہزار ہوگئی۔1880 میں اس صنعت سے وابستہ لوگوں کی تعداد بڑھ کر50ہزار ہوگئی ہم کہہ سکتے ہیں کہ سوتی کپڑے کے صنعت کے بعد جوٹ کی صنعت نے لوگوں کو روزگار فراہم کرنے میں دوسرے مقابل پر تھی۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران ٹھیک سوتی کپڑے کی صنعت کی طرح جوٹ کی صنعت نے بھی خوب ترقی کی ایک اندازے کے مطابق 1900سے لیکر1913کے دوران جوٹ کی صنعت میں تقریباً135فیصد اضافہ ہوا۔اضافہ کی خاص وجہ یہ تھی کہ ہندوستان سے برطانیہ کو آٹا، شکر نمک کے علاوہ دیگر اشیا کو برآمد کرنے کے لیے بوروں کی ضرورت بڑھ گئی جس کا مثبت اثر جوٹ کی صنعت پر پڑا۔1775سے لیکر 1914تک خام جوٹ کی برآمد میں تقریباً95فیصد کا اضافہ ہوا۔جوٹ کے کپڑوں کے برآمدات میں سب سے زیادہ اضافہ دیکھنے کو ملا۔یہ 272فیصد تاک بڑھ گیا۔جوٹ کی دستیابی اور سستے مزدور کی فراہمی نے اس صنعت کی ترقی میں نمایاں کردار اداکای اور ہندوستان جوٹ اور جوٹ سے بنی چیزوں کا سب سے بڑا برآمد کرنے والا ملک بن گیا۔1897سے لیکر1913تک امریکہ کے لیے آمدات میں9گنا اضافہ ہو گیا۔ 1913میں ہندوستان نے امریکہ کو تقریباً7ملین پاؤنڈ کا جوٹ کی چیزیں برآمد کیں۔

ہندوستان میں جوٹ سے وابستہ صنعت اور تجارتی مسائل کو حل کرنے کے لیے انڈین جوٹ مل ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ جس نے سرمایہ کاروں اور مل مزدوروں کے مسائل اور پیداوار سے متعلق دیگر مسائل کو حل کرنے میں اہم خدمت انجام دیا پہلی جنگ عظیم کے دوران اگرچہ ان ممالک سے تجارتی رابطہ منقطع ہوگیا جہاں ہندوستان برآمد کرتا تھا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کے جوٹ کی بنی چیزوں کی مانگ کم ہوگئی جنگ سازوسامان، اشیائی خوردنوش کی سپلائی اور دیگر ضروریات کے لیے جنگی مہاز پر ضرورت کی وجہ سے جوٹ کے بوروں اور بستوں کی مانگ اضافہ ہو گیا۔

جوٹ کی صنعت کی ترقی سے سرمایہ داروں اور صنعتکاروں کو خوب منافع ہوا لیکن کسانوں کو جوٹ کی کھیتی سے خواطر خواہ فائدہ نہیں ہوا کیونکہ خام جوٹ کی قیمت حکومت کے کنٹرول میں تھا۔یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ تک جوٹ کی صنعت زیادہ تر غیر ملکی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں تھی۔آمیا کمار باگچی کے مطابق پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستانیوں نے جوٹ مل کے سرمایہ پر قابض ہو سکے۔جنگ کے خاتمہ کے بد ہندوستانی صنعتکار برلا جوٹ فیکٹری اور احکم چند جوٹ مل لمیٹیڈ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے بیرون ملک مثلاً نیوزی لینڈ، ارجینٹینا اور کیوبا میں بھی جوٹ کی چیزوں کی مانگ بڑے سے ملک میں اس صنعت کی ترقی ممکن ہو سکی 1921 جہاں 81 فیکٹریاں تھیں ان کی تعداد بڑھ کر1930میں98ہو گیں اور اس دوران برآمدات30کروڑ روپلے سے بڑھ کر52کروڑ ہو گیا۔1922 میں3لاکھ20ہزار مزدور کام کرتے تھے جنکی تعداد1928میں3لاکھ50ہزار ہوگئی۔کساد بازاری کی وجہ سے وقتی طور پر جوٹ کی صنعت

زوال پذیر ہوئی لیکن پھر دوسری جنگ عظیم کے دوران جوٹ کی چیزوں کی مانگ بین الاقوامی بازار میں بڑھ گئی۔ لٰہذا جوٹ کی صنعت پھر ترقی کے راستے پر گامزن ہو گئی۔ پھر ملک کی آزادی اور تقسیم ہند جوٹ کی صنعت کے لیے ناقابل تلافی حد تک تباہ کن ثابت ہوا کیونکہ جوٹ کی کھیتی والا علاقہ مشرقی بنگال یعنی پاکستان کے حصہ میں چلا گیا جبکہ کارخانہ ہندوستان میں رہ گئے۔ دونوں ملکوں کے رشتہ چونکہ اچھے نہیں تھے لٰہذا جوٹ کی صنعت بہت متاثر ہوئی۔

12.9 ثانوی صنعتوں کی ابتدااور ترقی (Origin and Development of Secondary Industries)

1-لوہااور اسٹیل کی صنعت

زمانہ قدیم سے ہندوستان میں لوگ لوہا بنانے کی تکنیک سے واقف تھے ہندوستان میں خام لوہا کے معدنیات موجود تھااور لوہا پگھلا کر فوجی ساز وسامان ور دیگر استعمال کی چیزیں بنائی جاتی تھیں۔ قطب مینار کے نزدیک لوہے کا ستون قدیم ہندوستان کی دستکاری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ برطانوی حکومت کے دوران برطانیہ سے لوہااور اسٹیل درآمد کیا جانے لگا۔ جس کی وجہ سے موجودہ لوہے کی صنعت ختم ہونے لگی۔ انیسویں صدی جو لوہے اور اسٹیل بنانے کے کارخانے قائم کرنے کی کوشش ہوئی لیکن حکومت کی بے توجہی اور معاندانہ رویہ کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکا۔

ہندوستان میں لوہا بنانے کا کارخانہ قائم کرنے کا خیال سب سے پہلے جے ایم ہیتھ کو آیا اس نے مدراس کے قریب پورٹو نوو میں 1830 میں لوہا بنانے کا پہلا کارخانہ قائم کیا۔ 1833 میں یہ کمپنی پورٹو نووا اسٹیل اور آئرن کمپنی کے نام سے مشہور ہوئی۔ 18853 میں ایسٹ انڈیا آئرن کمپنی قائم ہوئی۔ 1860 میں کمپنی حکومت نے بروائی آئرن ورکس مرکزی ہندوستان میں قائم کیا۔ بنگال میں بھی آئرن اسٹیل کارخانہ قائم کرنے کی کوشش تیز ہو گئی اور 1855 میں بیر بھوم میں میکے اینڈ کمپنی قائم ہوئی لیکن یہ تجزیہ ناکام ثابت ہوا۔ برکار آئرن ورکس کمپنی کچھ حد تک کامیاب ہوئی لیکن امید نے مطابق یہ بھی بہت کامیاب تجربہ نہیں ہو سکا۔ بعد میں حکومت نے یہ کمپنی خرید لی اور پھر بنگال آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی کو فروخت کر دیا گورنر جنرل لارڈ رپن نے آئرن اور اسٹیل کی صنعت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1904 میں بنگال آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی میں لوہے کی پیداوار شروع ہوئی لیکن کچھ انتظامی اور تکنیکی وجوہات کی بنا پر کمپنی بند ہو گئی۔

آئرن اور اسٹیل کی صنعتی ترقی میں ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی (TISCO) نے 1907 میں اپنے قیام سے ہی بہت نمایا کردار ادا کیا۔ جمشید جی نوشیر واں جی کی کاوشوں اور انتظامی صلاحیتوں کے بدولت کمپنی بہت مشہور ہوئی۔ 1905 میں سودیشی تحریک نے اس کی مزید حوصلہ افزائی کی۔ ملکی اثاثہ اور ہندوستانی سرمایہ کاروں کے تعاون سے اس کمپنی نے خوب ترقی کی۔ اس طرح TISCO ہندوستان کی پہلی کمپنی بن گئی جسے مقامی سرمایہ کی مدد سے کمپنی کی تعمیر شروع کیا۔ لیکن ٹاٹا کے سامنے اب بھی کئی مسائل تھے مثلاً برطانوی صنعتکاروں کا عدم تعاون مشین، اوزار اور بمبئی کی سپلائی کرنے میں ان کی عدم دلچسپی، تکنیکی صلاحیتوں کے حامل افراد کی فراہمی نہ کرنا وغیرہ لیکن ٹاٹا خاندان نے جرمنی اور امریکہ کی طرف توجہ کیا اور وہاں کے صنعتکاروں سے مدد مانگی جرمنی نے مشین کے فراہمی کے ساتھ تکنیکی جانکاری بھی فراہم کیا اور

بالآخر TISCO آنے کامیابی کے ساتھ 1912 میں لوہا کا پیداوار شروع کردیا TISCO کی کامیابی کے کئی وجوہات تھے مثلاً 1- جغرافیائی اعتبار سے جمشید پور بہت مناسب جگہ پر تھا۔ لوہے کی صنعت کے لیے درکار خام تال کالوہااور کوئلہ اس پاس کے علاقوں میں وافر حقدار میں موجود تھا۔ 2- ریلوے کی تعمیر کے بعد رسائل کے بہتر ذرائع موجود تھے۔ 3- برطانوی حکومت کا رویہ بھی موافق تھا کیونکہ برطانیہ میں اکرٹن اسٹیل کی صنعت زوال کا شکار تھی لٰہذا مقامی پیداوار کو بڑھانا ضروری تھا تاکہ مقامی ضرورت کو پورا کیا جاسکے۔ 4- حکومت ہند نے پہلی جنگ عظیم اور آئندہ کی جنگوں کے پیش نظر اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس کو سبھی تحفظات فراہم کئے جو اس صنعت کی ترقی کے لیے ضروری تھا۔ زمین فراہم کرنے کے ساتھ ریلوے لائن کی تعمیر کرکے کاگانگر کو کئی شہروں کو جوڑا تاکہ کچالوہا اور کوئلہ کی سپلائی کو یقینی بنایا جاسکے۔ ریلوے بورڈ نے ایک کیمیکل تجربہ گاہ جمشید پور میں قائم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ TISCO نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی حکومت نے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی بھرپور تعاون دیا۔ اور حکومت کا بھی مکمل انحصار TISCO پر تھا کیونکہ اس کی پیداوار مثالی تھی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد آئرن اسٹیل کی مانگ میں کمی آئی اور کساد بازاری نے بھی اس کے پیداوار کو متاثر کیا۔ اور کمپنی کے سامنے مختلف مسائل ابھر کر آئے ان کو حل کرنے کے لیے حکومت نے Ladian Tariff Board کو انکوائری کی ذمہ داری سونپی اس کی سفارشات کی بناپر 1927 میں اسٹیل کی صنعت پروٹیکشن ایکٹ پاس ہوا جس نے محصول کی شرح کو تبدیل کرتے TISCO کو قوار کی اقدامات اور تحفظات فراہم کیا۔ TISCO کے علاوہ دو کمپنیاں اور بھی قائم ہوئیں انڈین آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی TISCO اور میسور آئرن اینڈ اسٹیل ورکس۔ پہلی کمپنی بنگال میں قائم ہوئی جبکہ دوسری کمپنی میسور کے حکمراں نے میسور مین قائم کیا تھا۔ آزادی کے بعد حکومت ہند نے جواہر لال نہرو کی رہنمائی میں صنعتی ترقی کا ایک جامع منصوبہ بنا کر آئرن اسٹیل کی کئی کمپنیاں غیر ملکی تکنیکی تعاون سے قائم کیا جو آج بھی ملک کی ضرورت کو پورا کررہا ہے۔ برطانوی حکومت کی معاندانہ رویہ اور ہندوستان کی جدید صنعتوں کی حوصلہ شکنی کے باوجود 29 ویں صدی کے آخری عشرے میں جدید صنعت نے مقامی سرمایہ اور مقامی صنعتکاروں کی تعاون سے ترقی کی۔ انگریزوں کی حوصلہ افزائی نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان برطانوی مصنوعات کے لیے ایک بازار کے طور پر قائم رہے اور دوسرے یہ کہ صنعتی برطانیہ کو خام مال مہیا کرانے کا ایک اہم ذریعہ بنا رہے۔ سوم برطانیہ کے اضافی سرمایہ کی سرمایہ کاری کرکے منافع کمایا جاسکے جیسا کہ ریلوے کی تعمیر کے ذریعہ برطانیہ نے منافع کمایا۔

2- مندرجہ بالا صنعتوں کے علاوہ جدید صنعت کے زمرے میں نخل کاری بھی آئی تھی انگریزوں نے ابتدا سے ہی شجر کاری (Planation Industry) کو فروغ دیا بقول ڈی۔ آر۔ گاڈگل ابتدا ہی سے یہ صنعت پورے طور پر یورپی صنعت تھی۔ یورپ والوں کے ہاتھوں ہندوستانی وسائل کے استحصال کا یہ آغاز تھا۔ اس زمرے میں جائے کی قہوہ، فیل وغیرہ کی کھیتی آتی تھی مصنوعی رنگ کے ایجاد کے قبل تیل ہی کپڑوں کی رنگائی میں استعمال ہوتا تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد اس کی مانگ میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ 1850 تک بقول ڈی آر گاڈگل 'تیل ہندوستان کی اہم ترین برآمدات میں شمار ہونے لگا۔' کسانوں کو پیشگی رقم دے کر نیل کی کھیتی کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا اور من مانی قیمت پر کمپنی خرید کر درآمد کرتی

تھی۔ سارا منافع کمپنی کو جاتا تھا کسانوں کا خوب استحصال ہوا۔ اسی لیے جگہ نیل غدر ہوا۔ چائے کی کھیتی بطور صنعت بعد میں شروع ہوئی چائے کے پودے سب سے پہلے اسام میں دریافت ہوا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1835 میں چائے کا باغ تجرباتی طور پر لگایا پھر آسام کمپنی کے حوالے کر دیا جو ملک میں چائے کی اولین کمپنی تھی چائے کی کھیتی کو پنجاب کے کانگڑا اور فیل گیری علاقوں میں کمپنی نے فروغ دینا شروع کیا تاکہ بڑھتی مانگ کو پورا کیا جاسکے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے قہوہ عربی وافریقی نسل کے مسلمان تاجروں کے ذریعہ سترہویں صدی میں لایا گیا۔ اور جنوبی ہندوستان میں اس کی کھ یتی کو فروغ دیا گیا تاکہ مقامی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکے۔ قہوہ کا سب سے پہلا باغ 1840 میں ایک یورپی صنعتکار نے لگوایا تھا اور جنوبی ہندوستان کے کئی علاقوں میں اس کی منظم طور پر کھیتی ہونے لگی۔ 1870 کے قہوہ کی برآمد تقریباً دس گنا بڑھ گئی جو تجارتی پہلو سے بہت مفید اور اہم تھا۔

12.10 جنگ عظیم کی ابتدا اور معاشی زندگی پر اس کے اثرات

(Beginning of the World Wars and Its Effects on Economic Life)

پہلی جنگ عظیم (1918ئ-1914) جس میں پوری دنیا براہ راست بلاواسطہ شریک ہوئی۔ اس جنگ نے دنیا کے ہر ملک کی معیشت کو اثرانداز کیا۔ پوری دنیا کی معیشت تباہ و برباد ہو گئی اور تمام ممالک نے اپنی معیشت کو جنگی ضرورتوں سے منسلک کر دیا۔ جنگ نے معیشت کے سبھی شعبوں مثلاً زراعت، تجارت اور صنعت پر منفی اثرات مرتب کئے ہندوستان کی معیشت بھی پوری طرح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ پہلی جنگ عظیم نے ہندوستان کی صنعت کو بری طرح متاثر کیا اگرچہ ہندوستان براہ راست جنگ میں شامل نہیں تھا۔ برطانوی نو آبادیات نے ہونے کی پوری قیمت چکانی پڑی۔ جنگ کے دوران اور بعد میں صنعتی پالیسی میں بہت سی تبدیلیاں کی گئی جس نے صنعتی ترقی کو منفی طور پر متاثر کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستان کی دو صنعتوں کے بارے میں کہا جاسکتا تھا کہ ترقی یافتہ تھیں وہ سوتی اور جوٹ کے کپڑے اور مصنوعات تھیں جنگ کی وجہ سے ہندوستان کا رابطہ اور درآمدات دوسرے ملکوں سے منقطع ہو گیا۔ لہٰذا ہندوستان کو دوسرے غیر ممالک پر انحصار کرنا پڑا۔ جس سے ملک میں مشینری اور کپڑوں کی درآمد رک گئی۔ جس سے بازار میں اشیا کی کمی ہو گئی۔ چیزیں مہنگی ہو گئیں۔ اس نے ہندوستانی صنعتکاروں اور حسرہ پرداروں کو موقع فراہم کیا کہ ملکی وسائل کا استعمال کر کے صنعتی ترقی کو فروغ دیا جائے جس سے ملک میں بڑھتی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکے۔

جنگ کے دوران یورپی ممالک سے رابطہ اور درآمدات منقسم ہوئے اور بڑھتی مانگ کے پیش نظر حکومت ہند نے ہندوستان میں صنعتی ترقی کو فروغ دینے کی غرض سے 1916 میں صنعتی کمیشن (Industrail Comossion) قائم تاکہ ہندوستان میں صنعتی ترقی کو از سر نو فروغ دینے کے منصوبے اور ممکنات غور و خوض کیا جاسکے۔ کمیشن نے اپنا رپورٹ 1918 میں جمع کر دیا اور اس میں کمیشن نے واضح طور پر دو بنیادی سفارش کیں۔ اول کہ حکومت صنعتی ترقی کے لیے وصول وضع کر لے تاکہ صنعتی ترقی کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ترقی کے خدوخال واضح طور پر تیار کیا جاسکے۔ دوم یہ کہ سفارش میں واضح طور پر اس بات پر زور تھا کہ حکومت مکمل طور پر صنعتی ترقی کے منصوبے کو

اس وقت تک فروغ دینے سے قاصر تھی جب تک اس کے پاس انتظامی صلاحیت اور تکنیکی اور سائنسی مشورہ دینے والے موثر ادارے نہ ہوں اسی کے ساتھ ساتھ جنگی/ محصولات اور تکنیکی تعلیم پر بھی کمیشن نے اپنی سفارشات میں پرزور وکالت کی تھی سفارشات کے نتیجے میں حکومت نے صنعتی ترقی کی حوصلہ افزائی اور فروغ دینے کے لیے مرکزی اور صوبائی صنعتی اور کمرشیل سروسز (Imperial and Provincial Industrial and Commercial Services) قائم کرنے اور کلکتہ میں امپیریئل ڈیپارٹمنٹ آف اسٹور قائم کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ صنعتی ترقی کو منظم طریقے سے فروغ دیا جاسکے۔اس کے ساتھ ساتھ مرکزی اور علاقائی ڈیپارٹمنٹ آف صنعت ز قائم کرنے کی تجویز بھی شامل تھی تاکہ فیکٹری میں مزدوروں کو بہتر سہولیات فراہم ہوں رسائل کا بہتر انتظام ہو سکے اور ساوان کی ڈھلائی کو بہتر بنایا جاسکے۔

1917 میں صنعتی ضروریات اور ترقی کے پیش نظر حکومت ہند نے Indian Munition Board قائم کیا اس کے قیام کا مقصد ہندوستان میں موجود وسائل کو صنعتی ترقی کے لیے بہتر طریقے سے نظم کرنا تھا۔ بالخصوص جنگی ضروریات کو۔اس بورڈ کی اہم ذمہ داریوں میں ریلوے، سول ڈیپارٹمنٹ اور جنگی ضرورت کی مصنوعات کو خرید کر جمع کرنا اور حکومت کو مہیا کرانا تھا صنعتکاروں کی نئ صنعت قائم کرنے میں تعاون دنیا بھی اس بورڈ کی اہم ذمہ داری تھی غیر ملکوں سے تکنیکی صلاحیتوں کے حامل افراد کی فراہمی اور مشینری وغیرہ کی وصولیابی بھی اس کی ذمہ داری کا حصہ تھی۔اس بورڈ نے اہم صنعتوں کی ترقی کے لیے اہم کارنامہ انجام دیئے بورڈ نے ان صنعتوں کی ترقی اور حوصلہ افزائی کی جس کے لیے ہندوستان دوسرے ملکوں پر انحصار کرتا تھا اس بورڈ نے ہندوستان قدرتی وسائل کو بڑے کار لا کر صنعتی اور پیداوارانہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

پہلی جنگ عظیم کی طرح دوسری جنگ عظیم کا بھی ہندوستان کی صنعت پر گہرا اثر پڑا دوسری جنگ عظیم کا جنگی لحاظ سے دائرہ بہتر وسیع تھا جنگ کی وجہ سے صنعتی پیداوار یورپ میں بالکل منقطع ہو گیا جس کی وجہ سے زرعی اور صنعتی پیداوار کے لیے دوسرے ملکوں پر انحصار کرنا پڑا۔ جنگی ساز و سامان اور دیگر مصنوعات کے بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر ہندوستان میں صنعتی ترقی نے پیش رفت کی۔ برطانیہ اور جاپان کی جنگ میں شمولیت کی وجہ سے سوتی کپڑے کی پیداوار متاثر ہوئی لہٰذا ہندوستان کے صنعتکاروں کے لیے اپنی پیداوار بڑھا کر یورپی ممالک کی مانگ پورا کرنے کا یہ بہتر موقع تھا اور سوتی کپڑے کی صنعتی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ جنگی مہمات کی وجہ سے اگرچہ یورپ سے مشینری درآمد کرنے میں ہندوستان کو مشکلات کرنا پڑا پھر بھی موجودہ کل کارخانوں سے اضافی پیداوار کے ذریعہ بین الاقوامی مانگ کو پورا کیا۔

عالمی جنگ کی وجہ سے آئرن اور اسٹیل کی صنعت نے خوب ترقی کی کیونکہ حکومت اور ریلوے کے شعبہ کی لوہے اور اسٹیل کی مانگ جنگی سرگرمیوں سے بہت بڑھ گئی تھی ریلوے اور اسپات کی صنعت کے علاوہ دیگر صنعت و حرفت نے بھی جنگ کے دوران ترقی کی۔ عالمی جنگ کے خاتمہ کے بعد جو مصنوعات کی مانگ میں کمی آگئی تو ہندوستان کی صنعت غیر ملکی مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر سکنے کی صورت میں زوال پذیر ہونے لگی جسے 1947 میں آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندوستان نے از سر نو صنعتی ترقی کا خاکہ وضع کیا۔

12.11 ہندوستان کی آزادی اور صنعتی ترقی کی منظم پالیسی
(India's Independence and Organised Policy of Industrial Development)

دوسری جنگ عظیم کے بعد فوجی اور غیر فوجی صنعتی پیداوار کی مانگ میں بہت حد تک کمی آگئی۔ جنگ عظیم کے دوران اور اس کے بعد ہندوستان کی جنگ آزادی کی تحریک نے شدت اختیار کر لیا۔ اور آزادی کی مانگ نے زور دیکر لیا جس کے نتیجے مین نہ تو قومی رہنماؤں نے اور نہ ہی انگریزوں نے ملک کی خستہ حال معیشت کو بہتر بنانے کی طرف کوئی توجہ دی۔ بالآخری 15 اگست 1947 کو ہندوستان کو آزادی ملک کی تقسیم کی شکل میں ملی۔ جس نے ملک کی معیشت کو بری طرح متاثر کر دیا۔ کیونکہ تقسیم ہند کی وجہ سے بہت بڑا زرخیز علاقہ مشرقی پاکستان کو چلا گیا اور بہت سی صنعتیں پاکستان کو چلی گئیں جس سے ہندوستان کو ناتلافی نقصان ہوا۔ مثلاً جوٹ کے کارخانہ ہندوستان میں رہ گئے جبکہ مشرقی بنگال 80 فیصد جوٹ پیدا کرتا تھا وہ پاکستان کو چلا گیا۔ اسی کے ساتھ بنگال سب سے زیادہ چاول پیدا کرنے والا علاقہ پاکستان کے حصہ میں چلا گیا جس سے اشیائے خوردونوش کی قلت ہندوستان میں پیدا ہوگئی۔ آزاد ہندوستان نے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی قیادت اور رہنمائی میں ترقی کی منزلیں کرتا ہوا ایک عظیم ملک بن گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس نے 1938 میں نیشنل پلاننگ کمیٹی کی تشکیل جواہر لال نہرو کی سربراہی میں کی۔ وسرا کے بعد ملک کے چنندہ صنعتکاروں نے ترقی کے لیے ایک پلان وضع کیا جسے ''بمبئی پلان'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ شریمن نارامتن نے گاندھین پلان اور ایم این رائے نے پیوپلس پلان تیار کیا اگرچہ یہ پلان عملی طور پر نافذ نہیں ہو سکا پھر بھی اس کی تاریخی اہمیت مسلم ہے۔

12.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کا قیام اور اس کے مختلف مراحل کے بارے میں پڑھا۔ اور نوآبادیاتی نظام کے مختلف مراحل اور اس میں ہونے والی سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا اس اکائی میں برطانوی عہد حکومت سے قبل صنعت و حرفت کی نوعیت پر بھی مدلل بحث کی گئی ہے اسی کے ساتھ صنعتی انقلاب کے نتائج کے طور پر عدم صنعتکاری کے عمل پر بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ انیسویں صدی آخری نصف میں ہندوستان میں ہونے والی محدود صنعتی ترقی کے عوامل اور سوتی کپڑے اور جوٹ کی صنعت کی ترقی کے وجوہات کا تفصیلی جائزہ اس اکائی میں پیش کیا گیا ہے۔ اہم صنعتوں کے علاوہ دیگر ذیلی اور ثانوی نوعیت کی صنعت و حرفت کی ترقی کے اسباب اور افادیت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ 20ویں صدی میں دو عظیم جنگیں ہوئیں ان کا مقامی صنعت و حرفت بہت تیز پا نتائج مرتب ہوئے۔ اس اکائی میں جنگوں کی وجہ سے ہونے والے معاشی نقصانات اور صنعتی تباہی کا ذکر بھی شامل ہے۔ 1947 میں ہندوستان کی آزادی کے بعد معاشی ور صنعتی اصلاحات کے نتیجے میں صنعتی ترقی پر بھی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

12.12 کلیدی الفاظ (Keywords)

عدم صنعتکاری : صنعتی زوال

ثانوی صنعت : اہم صنعتوں کے علاوہ دیگر صنعت

عوامی/پبلک شعبہ	:	سرکار کے زیر نگرانی چلنے والی صنعت/کمپنیاں
نجی شعبہ	:	ذاتی سرمایہ سے چلنے والی ذاتی صنعتی کمپنیاں
جاذب نظر	:	نظر کو اچھے لگنے والی چیزیں
حصہ داری	:	شراکت
بورژوا	:	متوسط طبقہ
منافع	:	فائدہ
اجارہ داری	:	بالادستی
فراوانی	:	کثرت، زیادتی
مہارت	:	صلاحیت
محصول	:	ٹیکس، چنگی
معاہدہ	:	سمجھوتہ

12.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے تجارت کرنے کے لیے چارٹر کس نے جاری کیا تھا؟
2. پلاسی کی جنگ کب ہوئی تھی؟
3. بکسر کی جنگ میں انگریزوں نے کس کو شکست دیا تھا؟
4. کس مغل حکمراں نے انگریزوں کو دیوانی اختیار دیا تھا؟
5. 1830 میں ہندوستان کا دنیا کی صنعتی پیداوار میں کل کتنا فیصد حصہ تھا؟
6. ململ سب سے زیادہ کہاں کا مشہور تھا؟
7. صنعتی شہروں کا نام بتائیے؟
8. ہندوستان میں سب سے پہلے سوتی کپڑے کا کارخانہ کب اور کہاں قائم ہوا؟
9. سب سے پہلا ہندوستانی کون تھا جس نے سوتی کپڑے کا کارخانہ قائم کیا؟
10. اوتاوا معاہدہ کب ہوا تھا؟

12.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں جدید صنعتوں کی محدود ترقی کے کیا وجوہات تھے؟
2. ہندوستان میں جوٹ کی صنعت کی ابتدا اور ترقی پر نوٹ لکھیے۔
3. جدید صنعتی ترقی کے عوامل اور مورخین کے خیالات پر تبصرہ کیجیے۔
4. برطانوی صنعتی قانون سازی کا ہندوستان کی صنعت پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیجئے۔
5. تقسیم ہند کا صنعتی پر کیا اثرات مرتب ہوئے نوٹ لکھئیے۔

12.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ہندوستان میں سوتی کپڑے کی صنعت کی ابتدا اور ترقی پر ایک جامع نوٹ لکھئیے۔
2. ہندوستان میں صنعتی ترقی کے مختلف مراحل کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔
3. عالمی جنگوں کا ہندوستان کی صنعت و حرفت پر ہونے والے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیجیے۔

12.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Farooqui, Amar, *The Colonial Subjugation of India*, Aleph, New Delhi, 2022.
5. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
6. Matthews, Roderick, *Peace, Poverty and Betrayal*: *A New History of British India*, HarperCollins, Noida, 2021.
7. Metcalf, Barbara D., and Thomas R. Metcalf, *A Concise History of Modern India*, Cambridge University Press, Delhi, 2012 (first pub. 2001).
8. Sarkar, Sumit, *Modern India*, *1885–1947*, Macmillan, Madras, 1983.
9. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
10. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 13۔ کاشتکاری قوانین

(Tenancy Acts)

اکائی کے اجزا

13.0 تمہید
13.1 مقاصد
13.2 کاشتکاری قوانین کا تاریخی پس منظر
13.3 1822 کا کاشتکاری قانون
13.4 1859 کا بنگال کرایہ داری قانون
13.5 بنگال کاشتکاری قانون 1885 اور اس کی ترمیمات
13.6 بنگال کرایہ داری (ترمیمی) قانون
13.7 1876 کا سنتھال پرگنہ کاشتکاری قانون
13.8 1908 چھوٹا ناگپور کاشتکاری قانون
13.9 اکتسابی نتائج
13.10 کلیدی الفاظ
13.11 نمونہ امتحانی سوالات
13.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
13.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
13.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
13.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید (Introduction)

1757 سے لے کر 1964 تک ہندوستان میں زمینی اصلاحات کی تاریخ ایک پیچیدہ داستان ہے جو نوآبادیاتی استحصال، زرعی پالیسیوں اور آزادی کے بعد کی سماجی و اقتصادی تبدیلی کی کوششوں کا احاطہ کرتی ہے۔اس مدت کے دوران، زمین کی ملکیت، زرعی پیداواری صلاحیت اور دیہی غربت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے زمین کی مدت اور زمینی اصلاحات کے کئی نظام متعارف کروائے گئے۔ یہ کوششیں ہندوستان کی دیہی معیشت میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں، جس نے لاکھوں کسانوں اور بے زمین کھیت مزدوروں کی زندگیوں کو متاثر کیا۔ ہندوستان میں کاشتکاری قوانین زرعی نظام میں عدم مساوات کو دور کرنے اور کسانوں کے حالات بہتر بنانے کے لیے زمین کی اصلاحات کا ایک اہم حصہ تھے۔ان قوانین کا مقصد مالک اور کاشتکار کے تعلقات کو منظم کرنا، مناسب کرایہ کی ضمانت دینا، کاشتکار کو تحفظ فراہم کرنا اور بے دخلی سے بچاؤ یقینی بنانا تھا۔ دیہی ہندوستان کے سماجی و اقتصادی مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ قوانین مختلف ریاستوں میں زمین کی ملکیت کے طرز اور زرعی طریقوں کے حساب سے مختلف تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ، ان قوانین نے کاشتکاروں کو بااختیار بنانے، استحصال کو کم کرنے اور زرعی ترقی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم، ان قوانین کے نفاذ میں عدم مساوات، قانونی خامیوں اور سماجی و سیاسی رکاوٹوں نے ان کی کارکردگی کو متاثر کیا۔اس اکائی میں ہندوستان میں کاشتکاری قوانین کے تاریخی پس منظر، اہم نکات، اور اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی کامیابیوں اور باقی چنوتیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

13.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- کاشتکاری قوانین کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لے سکیں گے۔
- کاشتکاری قوانین کی تشکیل کے سماجی، سیاسی اور قانونی حالات کو سمجھ سکیں گے۔
- قانونی دستاویزوں کے اندر موجود اہم شقوں اور ان کے مقاصد کو نمایاں کر سکیں گے۔
- ان قوانین کے معاشرے، معیشت اور حکمرانی پر پڑنے والے اثرات کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- کاشتکاری قوانین کا دیگر علاقوں یا ادوار کے اسی نوعیت کے قوانین کے ساتھ موازنہ کر سکیں گے۔

13.2 کاشتکاری قوانین کا تاریخی پس منظر (Historical Background of the Tenancy Acts)

ہندوستان میں کاشتکاری قوانین کی تاریخ نوآبادیاتی دور کے دوران ہونے والی سماجی و معاشی تبدیلیوں سے جڑی ہوئی ہے۔ برطانوی حکومت نے 1793 میں مستقل بندوبست متعارف کروایا، جس نے زمینداروں کو زمین کا مکمل مالک بنا دیا اور کسانوں کو کرایہ دار کی حیثیت دی۔اس نظام نے وسیع پیمانے پر استحصال کو جنم دیا، جہاں زمینداروں نے بھاری محصول عائد کیے، جس سے کسان قرضوں اور زمین سے محرومی کا شکار ہو گئے۔ کرایہ دار کسانوں میں بڑھتی ہوئی ناراضگی نے سنتھال بغاوت (1855-56) اور منڈا بغاوت (1899-1900) جیسی

زرعی تحریکوں کو جنم دیا، جنہوں نے نوآبادیاتی زمین کے نظام کے تحت کسانوں کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا۔ان مسائل کے حل کے لیے، برطانوی حکومت نے کئی کاشتکاری قوانین متعارف کروائے، جن میں 1859 کا بنگال کرایہ داری قانون شامل ہے، جو کاشتکاروں کے حقوق کو واضح کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اس میں کئی خامیاں موجود تھیں۔اس کے بعد 1885 کا بنگال کاشتکاری قانون اور 1908 کا چھوٹا ناگپور کاشتکاری قانون جیسے قوانین نافذ کیے گئے، جو زمینداروں اور کاشتکاروں کے مفادات میں توازن قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اکثر ناکام رہے۔ان قوانین کا مقصد زمین کی منتقلی کو محدود کرنا، کرایے میں اضافے کو منظم کرنا،اور کرایہ داروں کے روایتی حقوق کا تحفظ تھا۔تاہم، ان پر عمل درآمد غیر مؤثر رہا،اور کئی کرایہ دار استحصال اور بے دخلی کا شکار رہے۔یہ قوانین آزادی کے بعد ہندوستان میں زمین کی اصلاحات پر اثرانداز ہوئے،اور جدید کاشتکاری قوانین کی بنیاد بنے، جن کا مقصد زمین کی منصفانہ تقسیم اور کرایہ داروں کے حقوق کا تحفظ ہے۔

13.3 1822 کا کاشتکاری قانون (Tenancy Act of 1822)

1822 کا کاشتکاری قانون برطانوی راج کے دوران نافذ ہونے والی ایک اہم قانون تھا جس کا مقصد زمینداروں اور کسانوں کے تعلقات کو منظم کرنا تھا۔لارڈ ہیسٹنگز کے ذریعے نافذ کردہ یہ قانون، زرعی زمین کے کرایہ داری نظام اور محصول کی وصولی کے قانونی ڈھانچے کو ترتیب دینے کی پہلی کوششوں میں سے ایک تھا۔اس قانون نے نوآبادیاتی ہندوستان کے زرعی ڈھانچے پر دیرپا اثرات مرتب کیے۔1822 کا کاشتکاری قانون، بنگال اور شمالی ہندوستان کے کچھ حصوں میں نافذ ہوا، جہاں 1793 کے مستقل بندوبست نے زمینداری نظام قائم کیا تھا۔اس نظام کے تحت زمینداروں کو زمین کے مالکانہ حقوق دیے گئے، جب کہ کسان کرایہ دار کے طور پر کام کرتے تھے۔کاشتکاروں کے حقوق کے بارے میں واضح ہدایات کی کمی نے استحصال اور تنازعات کو جنم دیا۔ان مسائل کو کم کرنے کے لیے کاشتکاری قانون متعارف کرایا گیا۔

قانون کی اہم شقیں (Important Provisions of the Law)

کاشتکاری حقوق کا اندراج: اس قانون کے تحت کرایہ داروں کے حقوق اور ذمہ داریوں کو محصول کے ریکارڈ میں درج کرنا لازمی قرار دیا گیا، تاکہ ان کے حقوق کو قانونی تحفظ حاصل ہو۔

کرایہ میں اضافے کی حدبندی: زمینداروں کو کرایہ داروں کا کرایہ غیر ضروری طور پر بڑھانے سے روکا گیا،تاکہ استحصال کو روکا جا سکے اور زرعی پیداوار میں استحکام برقرار رکھا جا سکے۔

تنازعات کے حل کے لیے طریقہ کار: اس قانون نے زمینداروں اور کرایہ داروں کے درمیان تنازعات کو حل کرنے کا ایک فریم ورک فراہم کیا،تاکہ غیر قانونی بے دخلی یا تشدد کو کم کیا جا سکے۔

بے دخلی سے تحفظ: قانون میں ایسی شقیں شامل تھیں جو کرایہ داروں کو بے دخلی سے تحفظ فراہم کرتی تھیں، بشرطیکہ وہ اپنی معاہداتی ذمہ داریوں، بشمول کرایہ کی بروقت ادائیگی، کو پورا کریں۔

اثرات اور تنقید (Effects and Critique)

1822 کا کرایہ داری قانون، زمین کے حقوق کو رسمی بنانے کی جانب ایک ابتدائی قدم تھا۔ اس نے زمینداروں اور کرایہ داروں کے مفادات میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس قانون کو اپنی نیت کے باوجود محدود کامیابی ملی۔ بہت سے زمینداروں نے دفعات کو نظر انداز کیا اور اپنے غلبے کو برقرار رکھنے کے لیے قانونی کمزوریوں کا فائدہ اٹھایا۔ مزید یہ کہ برطانوی انتظامیہ اکثر محصول وصولی کو کرایہ داروں کی فلاح و بہبود پر ترجیح دیتی تھی۔ 1822 کا کرایہ داری قانون نوآبادیاتی ہندوستان میں کرایہ داری اصلاحات کی بنیاد بن گیا۔ اس نے مضبوط کرایہ دار تحفظات کی ضرورت کو اجاگر کیا، جس کے نتیجے میں بعد کے سالوں میں مزید جامع قانون سازی ہوئی، جیسے کہ 1859 کا بنگال کاشتکاری قانون۔

13.4 1859 کا بنگال کرایہ داری قانون (Bengal Rent Act of 1859)

1859 کا بنگال کرایہ داری قانون، برطانوی ہندوستان میں نافذ ہونے والا ایک اہم قانون تھا۔ اس کا مقصد بنگال پریزیڈنسی میں زمین کی ملکیت اور کرایہ داری سے متعلق مسائل کو حل کرنا تھا۔ اس قانون کے ذریعے کرایہ داروں کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا، تاکہ زمینداروں کے استحصال کو کم کیا جا سکے اور زرعی استحکام کو یقینی بنایا جا سکے۔ 1793 میں لارڈ کارنوالس کے تحت متعارف کرائے گئے مستقل بندوبست نے بنگال میں زمین کی ملکیت کے حقوق زمینداروں کے حوالے کر دیے۔ تاہم، اس نظام میں کرایہ داروں کے حقوق کے تحفظ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کرایہ داروں کو بے دخلی، جبری مشقت، اور کرایے میں من مانی اضافے کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کسانوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی اور زرعی بدامنی کے پیش نظر برطانوی حکومت نے 1859 کا بنگال کرایہ داری قانون نافذ کیا۔

قانون کی اہم خصوصیات (Important Features of the Law)

بے دخلی سے تحفظ: اس قانون میں کرایہ داروں کو کرایہ کی بروقت ادائیگی کے بدلے بے دخلی سے بچانے کے اقدامات شامل تھے۔

کرایے میں اضافے کا ضابطہ: زمیندار کرایہ میں من مانی اضافہ نہیں کر سکتے تھے۔ کسی بھی اضافے کے لیے قانونی عمل کی پابندی ضروری تھی۔

کرایہ داروں کے حقوق کا اعتراف: طویل المدتی کرایہ داروں کو وراثتی اور قابل منتقلی حقوق دیے گئے، جو کسانوں کو تحفظ فراہم کرتے تھے۔

تنازعات کے لیے قانونی نظام: اس قانون نے زمینداروں اور کرایہ داروں کے درمیان تنازعات کو عدالتوں کے ذریعے حل کرنے کا انتظام کیا، جس سے استحصال کے واقعات میں کمی واقع ہوئی۔

اثرات اور اہمیت (Effects and Significance)

کرایہ داروں کو اختیارات کی فراہمی: کرایہ داروں کے حقوق کو تسلیم کر کے اور قانونی تحفظ فراہم کر کے اس قانون نے دیہی آبادی کے ایک بڑے حصے کو بااختیار بنایا۔

زرعی بدامنی میں کمی: اس قانون نے کسانوں کی بغاوتوں کو کم کرنے میں مدد دی، جو نوآبادیاتی انتظامیہ کے لیے ایک سنگین مسئلہ بن رہی تھیں۔

حدود: اس قانون کے ترقی پسندانہ اقدامات کے باوجود اس میں کئی خامیاں تھیں۔ بہت سے زمیندار قانونی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر اپنی برتری برقرار رکھتے رہے۔ مزید یہ کہ قانون کا نفاذ اکثر غیر منصفانہ ہوتا تھا۔ تاہم، 1859 کا بنگال کرایہ داری قانون ہندوستان میں مستقبل کی کرایہ داری اصلاحات کی بنیاد بن گیا، جیسے کہ 1885 کا بنگال کرایہ داری قانون۔ ان اصلاحات نے نوآبادیاتی اور مابعد نوآبادیاتی ہندوستان کے زرعی ڈھانچے کو تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

13.5 بنگال کاشتکاری قانون 1885 اور اس کی ترمیمات

(Bengal Tenancy Act of 1885 and Its Amendments)

بنگال کرایہ داری قانون 1885 بنگال حکومت کی جانب سے ایک اہم قانون تھا، جو زمینداروں اور کرایہ داروں کے قدرتی حقوق اور ذمہ داریوں کو واضح کرنے کے لیے نافذ کیا گیا تھا۔ اس قانون کا مقصد کسانوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو کم کرنا تھا، جو نوآبادیاتی حکومتی نظام کے استحکام کے لیے خطرہ بنتی جا رہی تھی۔ مستقل بندوبست نے زمین داروں کو مکمل ملکیتی حقوق دے دیے، لیکن کرایہ داروں کے حقوق کے بارے میں کوئی واضح اصول وضع نہیں کیے، اگرچہ ان کے روایتی حقوق کو مبہم طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔ انیسویں صدی میں آبادی میں اضافے اور زرعی پیداوار کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے زمین کی مانگ میں اضافہ ہوا۔ اس کے نتیجے میں زمینداروں نے کرایہ بڑھانے کی کوشش کی۔ کسانوں (رعیتوں) نے زمینداروں کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ کرایہ صرف 'پرگنہ نرخ' (علاقائی معیار) کے مطابق ہی بڑھایا جا سکتا ہے، جو روایتی طور پر طے شدہ تھا۔ لیکن زمیندار، جو زمین کے مکمل مالک سمجھے جاتے تھے، ان روایتی حقوق کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

زمینی تنازعات کی وجوہات (Causes of Land Disputes)

ایک اور اہم مسئلہ جو زمینداروں اور کرایہ داروں کے درمیان تعلقات کو خراب کر رہا تھا، وہ زمین پر ایک درمیانی طبقے کی موجودگی تھی، جو مستقل بندوبست کے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہا تھا۔ یہ درمیانی طبقہ زمین کی خریداری کے ذریعے اپنے حقوق حاصل کرتا تھا۔ قانونی طور پر یہ "مدھیستھ واس" (درمیانی مالکانہ حقوق) تسلیم شدہ نہیں تھے۔ اس کے علاوہ، عدالتیں ان کے حقوق اور ذمہ داریوں کے حوالے سے متضاد فیصلے دے رہی تھیں، جس سے کسانوں کے حقوق پر بھی اثر پڑ رہا تھا۔ مستقل بندوبست اور تجارتی فصلوں کی پیداوار نے ایک امیر کسان طبقے کو جنم دیا، جو سماجی اور مالی لحاظ سے زمینداروں کے قریب تھا، لیکن ان کے حقوق واضح نہیں تھے۔ حکومت نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے 1859 کا کرایہ قانون نافذ کیا، لیکن اس کے باوجود کسانوں کی بے چینی ختم نہیں ہوئی۔

کسانوں کی مزاحمت اور کرایہ داری اصلاحات (Peasant Resistance and Tenancy Reforms)

انیسویں صدی کے وسط سے کسانوں کی مزاحمت میں اضافہ ہوا۔ 1870 کی دہائی میں، خاص طور پر مشرقی بنگال کے جوٹ پیدا کرنے والے علاقوں میں، زمینداروں کے خلاف کسانوں نے اپنے روایتی حقوق کے تحفظ کے لیے اجتماعی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس بڑھتی ہوئی بے چینی کو قابو کرنے اور زمینداروں اور کرایہ داروں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے حکومت نے 1880 میں ایک کاشتکاری کمیشن (Tenancy Commission) قائم کیا۔ کاشتکاری کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں، بنگال قانون ساز کونسل نے 1885 میں قانونِ سوم (III) نافذ کیا، جو قانونی حلقوں میں 'بنگال کاشتکاری قانون' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

1885 کے بنگال کاشتکاری قانون کی دفعات (The Provisions of the Bengal Tenancy Act, 1885)

درمیانی اور رعیتی حقوق کی تعریف: قانون نے درمیانی درجے کی کرایہ داری اور رعیتی کرایہ داری کے حقوق اور ذمہ داریوں کو واضح کیا، لیکن کمتر کرایہ داری، جیسے کرفا، برگا، چکران، نانکار، کرشا وغیرہ کو نظر انداز کیا۔

زمین کے حقوق کا ریکارڈ: قانون نے زمین کے تمام مالکان اور کرایہ داروں کا مکمل سروے اور ریکارڈ تیار کرنے کا حکم دیا، تاکہ زمین پر مختلف مفادات کے حقوق کی وضاحت کی جا سکے۔

13.6 بنگال کرایہ داری (ترمیمی) قانون (Bengal Tenancy [Amendment] Act of 1928)

1928 میں بنگال قانون ساز کونسل نے کرایہ داروں کے دباؤ میں آکر بنگال کرایہ داری (ترمیمی) قانون نافذ کیا۔ 1885 کے قانون میں اگرچہ مستحکم رعیتی حقوق کی وضاحت کی گئی تھی، لیکن کمتر رعیتوں کے حقوق غیر واضح رہ گئے تھے۔ یہ ذیلی رعیتیں (Under-Raiyats)، جیسے برگ دار (bargadars)، کرش دار (karshadars)، دھن کراری (dhankarari) اور کرفا (kurfa) وغیرہ عموماً عارضی اور مسابقتی بنیادوں پر زمین کاشت کرتی تھیں۔ ان کے لیے حالات تب تک بہتر تھے، جب تک زمین کی فراہمی زیادہ تھی۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں آبادی میں اضافے اور زمین کی قلت کے باعث ان کی معاشی حالت بگڑتی چلی گئی۔

1928 کے ترمیمی قانون کی خصوصیات (Features of the 1928 Amendment Act)

ذیلی رعیتوں کے حقوق: اس بل میں ان کرایہ داروں کو زمین کے حقوق دینے کی تجویز دی گئی، جو مسلسل بارہ سال سے زمین پر قابض تھے۔

شراکتی کرایہ داری کے حقوق: بل میں شراکتی کرایہ داروں کے لیے بھی زمین کے حقوق کی سفارش کی گئی۔

زمینداروں کی مخالفت: زمیندار طبقے نے اس بل کی سخت مخالفت کی، جبکہ کسانوں کے حامی سیاسی جماعتوں، بشمول مسلم اراکین، نے اس کی حمایت کی۔ بل میں متعدد ترامیم کے بعد اسے منظور کر لیا گیا، لیکن ان ترامیم نے اس کے اصل مقصد کو تقریباً ناکام کر دیا۔ اس قانون کے تحت بارہ سال تک زمین پر قابض کرایہ داروں کو زمین رکھنے کا حق تو دیا گیا، لیکن زمینداروں کو کرایہ بڑھانے اور عدم ادائیگی کی صورت میں بے دخلی کا حق برقرار رکھا گیا۔ نتیجتاً، یہ قانون کسانوں کے لیے کوئی مادی فائدہ فراہم نہیں کر سکا۔

اثرات اور تنقید (Impacts and Critique)

بنگال کرایہ داری قانون 1885 اور اس کی 1928 کی ترمیم کسانوں کے حقوق کے تحفظ کی ناکام کوششیں تھیں۔ اگرچہ ان قوانین نے کچھ حد تک زمین کے حقوق کو واضح کیا، لیکن ان کے نفاذ میں زمینداروں کے مفادات کو زیادہ ترجیح دی گئی۔ یہ قوانین کسانوں کی حالت بہتر کرنے کے بجائے، نوآبادیاتی حکومت کے مالی مفادات کو تحفظ دینے کا ذریعہ بنے رہے۔

13.7 1876 کا سنتھال پرگنہ کاشتکاری قانون (Santhal Pargana Tenancy Act of 1876)

1876 کا سنتھال پرگنہ کاشتکاری قانون برطانوی حکومت کی جانب سے ایک اہم قانون تھا، جس کا مقصد سنتھال قبیلے کی زمینوں کی حفاظت اور ان کے روایتی سماجی و معاشی ڈھانچے کو برقرار رکھنا تھا۔ اگرچہ اس قانون کو قبیلے کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک اہم اقدام سمجھا جاتا ہے، لیکن اس پر عمل درآمد اور اس کے اثرات کے حوالے سے کئی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ سنتھال پرگنہ 1855 میں سنتھال بغاوت کے بعد ایک علیحدہ انتظامی یونٹ کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا۔ یہ بغاوت زمینداروں اور کالونی حکام کے مظالم کے خلاف تھی، جنہوں نے زمین کی بے دخلی، زیادہ کرایے، اور سودی قرضوں کے ذریعے قبائلی افراد کا استحصال کیا تھا۔ 1876 کے کرایہ داری قانون کا مقصد ان مسائل کو حل کرنا اور غیر قبائلی آبادکاروں کی آمد کو روکنا تھا۔

قانون کی اہم دفعات (Important Provisions of the Law)

1. **قبائلی زمین کی حفاظت:** قانون نے غیر قبائلی افراد کو قبائلی زمین خریدنے سے روک دیا۔
2. **زمین کی بے دخلی کی روک تھام:** زمین کی ضبطی یا دھوکہ دہی کے ذریعے ہونے والے معاہدوں کو ختم کرنے کے لیے قوانین متعارف کیے گئے۔
3. **روایتی طریقوں کا تحفظ:** سنتھال قبیلے کی زمین داری اور تنازعات کے حل کے روایتی طریقوں کو تسلیم کیا گیا۔
4. **سادہ تنازعات کا حل:** قبیلے کے اندر رہنما یا پنچایت کے ذریعے تنازعات کو حل کرنے کا نظام وضع کیا گیا۔

قانون کی خامیاں (Disadvantages of the Law)

1. **کمزور عمل درآمد:** قانون کی شقوں کو سختی سے نافذ نہیں کیا گیا، جس کے باعث غیر قبائلی افراد زمین حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔
2. **دیگر قبائل کی نظر اندازی:** یہ قانون صرف سنتھال قبیلے پر مرکوز تھا، جس نے دیگر قبائلی گروہوں کے ساتھ ناانصافی کی۔
3. **نوآبادیاتی حکام پر انحصار:** تنازعات کے حل کے لیے نوآبادیاتی حکام پر انحصار نے قبائلی خود مختاری کو کمزور کر دیا۔
4. **معاشی جمود:** زمین کی منتقلی پر پابندی نے ترقی کے مواقع کو محدود کر دیا، جس سے قبیلے کے افراد کو معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔
5. **استحصال کی موجودگی:** قانون کے باوجود سودی قرضوں اور بیگار جیسی استحصالی روایتیں نئے طریقوں سے جاری رہیں۔

اثرات (Effects)

سنتھال پرگنہ کاشتکاری قانون 1876 قبائلی زمین کے حقوق کو تسلیم کرنے کی ایک اہم کوشش تھی، لیکن عمل درآمد کی خامیوں اور شمولیت کی کمی نے اس کی تاثیر کو محدود کردیا۔ یہ قانون ثقافتی تحفظ اور معاشی ترقی کے درمیان توازن قائم کرنے کی پیچیدگیوں کو اجاگر کرتا ہے اور قبائلی حقوق کی حفاظت کے لیے مزید مضبوط پالیسیوں کی ضرورت پر زور دیتا ہے

13.8 1908 چھوٹاناگپور کاشتکاری قانون (Chota Nagpur Cultivation Act, 1908)

چھوٹاناگپور کرایہ داری (سی این ٹی) قانون 1908 برطانوی حکومت کے دور میں قبائلی زمینوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نافذ کیا گیا ایک اہم قانون تھا۔ یہ قانون قبائلی شکایات کو دور کرنے کی ایک کوشش تھی، لیکن اس کے نفاذ اور طویل مدتی اثرات پر تنقید کی جاتی رہی ہے۔ اس مضمون میں چھوٹاناگپور کاشتکاری قانون کے تاریخی پس منظر، دفعات، کامیابیوں، خامیوں اور ورثے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چھوٹاناگپور کا علاقہ، جو معدنی وسائل سے مالا مال اور زیادہ تر قبائلی برادریوں پر مشتمل تھا، انیسویں صدی میں شدید سماجی و اقتصادی مسائل کا شکار ہوا۔ برطانوی حکمرانی کے دوران زمینداری نظام کے نفاذ سے زمین کی بے دخلی عام ہو گئی۔ قبائل، جن میں منڈا (Mundas)، اوراؤن (Oraons) اور ہو (Hos) شامل تھے، دھوکہ دہی سے زمینوں کی فروخت، زیادہ کرایوں، اور بیگار جیسے استحصالی ہتھکنڈوں کا شکار تھے۔ ان مظالم کے خلاف 1899-1900 کی منڈا ابغاوت جیسی مزاحمتوں نے برطانوی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ قبائلی زمینوں کی حفاظت کے لیے چھوٹاناگپور کاشتکاری قانون جیسے قوانین نافذ کرے۔

قانون کی اہم دفعات (Important Provisions of the Law)

1. **قبائلی زمین کا تحفظ:**
   - قانون نے غیر قبائلیوں کو قبائلی زمینوں کی خرید و فروخت، لیز، رہن یا تحفے کے ذریعے حصول پر پابندی عائد کی۔
   - زمین کی منتقلی صرف ڈپٹی کمشنر کی اجازت سے ممکن تھی، اور وہ بھی سخت قانونی تقاضوں کے تحت۔
2. **زمین کی واپسی کا حق:**
   - قبائلی افراد غیر قانونی یا استحصالی منتقلی کی صورت میں اپنی زمین واپس حاصل کر سکتے تھے۔
3. **روایتی قبائلی نظام کا اعتراف:**
   - قانون نے قبائلی زمین داری نظام، جیسے کھونٹ کٹی (اجتماعی ملکیت) اور بھوئنہری (اصل آبادکاروں کے حقوق) کو تسلیم کیا۔
4. **تنازعات کا حل:**
   - قبائلی افراد کے لیے تنازعات کو عدالتوں کے بجائے مقامی انتظامیہ کے ذریعے حل کرنے کے طریقے متعارف کروائے گئے۔

قانون کی کامیابیاں (Achievements of the Law)

شناخت کا تحفظ: قانون نے قبائلی زمین اور ثقافتی ورثے کے تعلق کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی شناخت کے تحفظ میں مدد کی۔

استحصال پر روک تھام: غیر قبائلی آبادکاروں، زمینداروں، اور ساہوکاروں کے ذریعے ہونے والے استحصال پر قابو پانے کے لیے قانونی تحفظ فراہم کیا گیا۔

زمین کی واپسی کا نظام: زمین کی واپسی کے حق نے قبائلی افراد کو اپنی زمین واپس حاصل کرنے کا قانونی موقع فراہم کیا۔

قانون کی خامیاں (Disadvantages of the Law)

1. **عمل درآمد کی خامیاں:** قانون پر عمل درآمد کے لیے انتظامی نظام پر انحصار کے باعث بدعنوانی اور خامیاں موجود رہیں، اور غیر قانونی زمین منتقلی جاری رہی۔
2. **معاشی ترقی میں رکاوٹ:** زمین کی منتقلی پر پابندیوں نے صنعتی اور زرعی ترقی کے مواقع کو محدود کر دیا، جس سے خطے کی معاشی ترقی متاثر ہوئی۔
3. **تنازعات کا تسلسل:** زمین کے حقوق کے حوالے سے قبائلی اور انتظامی تشریحات کے درمیان اختلافات کے باعث تنازعات حل نہ ہو سکے۔

اثرات (Effects)

چھوٹاناگپور کرایہ داری قانون 1908 قبائلی زمین کے حقوق کے تحفظ کی ایک اہم کوشش تھی، لیکن اس کے نفاذ میں موجود خامیاں اور معاشی ترقی میں رکاوٹ نے اس کے اثرات کو محدود کر دیا۔ یہ قانون قبائلی حقوق اور ترقی کے درمیان توازن قائم کرنے کی مشکلات کو اجاگر کرتا ہے اور اس بات کی یاد دہانی کراتا ہے کہ مضبوط اور شمولیتی پالیسیاں قبائلی برادریوں کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔

13.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

ہندوستان میں کاشتکاری قوانین، ملک کی معاشی تاریخ کا ایک اہم مرحلہ ہیں، جو نوآبادیاتی پالیسیوں، سماجی و اقتصادی حقائق، اور کسانوں کی مزاحمت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اگرچہ یہ قوانین ابتدائی طور پر کاشتکاروں کے استحصال کو روکنے اور زمیندار-کسان تعلقات کو منظم کرنے کے لیے متعارف کروائے گئے تھے، لیکن ان کا محدود دائرہ کار اور غیر مستقل عمل درآمد اکثر ان کے مقاصد کو نقصان پہنچاتا رہا۔ 1885 کا بنگال کاشتکاری قانون اور 1908 کا چھوٹاناگپور کاشتکاری قانون جیسے قوانین نے کاشتکاروں کو بے دخلی سے بچانے، محصول کو منظم کرنے اور روایتی زمین کے حقوق کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی، لیکن یہ زیادہ تر زمینداروں کے حق میں رہے اور زمین کی کمی اور عدم مساوات کے گہرے مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہے۔ ان خامیوں کے باوجود، کاشتکاری قوانین نے آزاد ہندوستان میں زیادہ جامع زمینی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ آزادی کے بعد، زمینداری خاتمہ قوانین اور کاشتکاری اصلاحات کے ذریعے زمین کی دوبارہ تقسیم، کسانوں کے حقوق کو محفوظ بنانے

اور دیہی غربت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ تاہم، افسر شاہی نااہلی، قانونی خامیوں اور سماجی و سیاسی مزاحمت جیسی چنوتیوں نے مساوی زمین کی ملکیت کے حصول میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ کاشتکاری قوانین ایک متنوع اور طبقاتی معاشرے میں زرعی اصلاحات کی پیچیدگیوں کی گواہی دیتے ہیں اور دیہی ترقی اور سماجی انصاف کے حصول کے لیے مسلسل سیاسی عزم اور شمولیتی پالیسی بنانے کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہیں۔

13.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

قبضہ کے حقوق : (Occupancy Rights) طویل مدتی کاشتکار، خاص طور پر وہ جو 12 سال یا اس سے زیادہ عرصے تک زمین کاشت کرتے رہے، کو قبضہ کے حقوق، جس کا مطلب یہ تھا کہ جب تک وہ کرایہ ادا کرتے رہیں گے، انہیں بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔

کاشتکار : (tenant) جو زمین پر کھیتی کرتا ہو۔

سنتھال بغاوت : سنتھال بغاوت، جسے سنتھال ہل کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، 1855-1856 میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور زمینداری نظام کے خلاف سنتھل لوگوں کی طرف سے مسلح بغاوت تھی۔

چھوٹا ناگپور : ہندوستان کے مشرقی علاقے میں واقع ایک پٹھار جو صوبہ جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ کے علاقے میں پڑتا ہے۔

13.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

13.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. 1822 کا قانون کس نے نافذ کیا؟
2. مستقل بندوبست کے تحت زمین کے مالکانہ حقوق کسے دیے گئے؟
3. لارڈ کارنوالس نے کون سا بندوبست لاگو کیا؟
4. 'پرگنہ نرخ' سے کیا مراد ہے؟
5. کاشتکاری کمیشن کیوں قائم کیا گیا؟
6. بنگال کرایہ داری (ترمیمی) قانون کس سال پاس ہوا؟
7. بنگال قانون ساز کونسل نے 1885 میں کون سا قانون نافذ کیا، جو قانونی حلقوں میں 'بنگال کاشتکاری قانون' کے نام سے جانا گیا؟
8. برگ دار، کرش دار، دھن کراری اور کرفا وغیرہ کون تھے؟
9. سنتھال پرگنے کو کب ایک اکائی بنایا گیا؟
10. 1876 کے قانون سے کس کی زمینوں کی حفاظت کی گئی؟

13.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کاشتکاری قوانین کے تاریخی پس منظر پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. 1822 کے کاشتکاری قانون کی اہم شقوں پر نوٹ لکھیے۔
3. 1859 کے بنگال کرایہ داری قانون پر نوٹ لکھیے۔
4. 1928 کے بنگال کرایہ داری (ترمیمی) قانون پر نوٹ لکھیے۔
5. 1876 کے سنتھال پرگنہ کاشتکاری قانون کی اہم دفعات اور خامیوں پر نوٹ لکھیے۔

13.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. بنگال کاشتکاری قانون 1885 اور اس کی ترمیمات پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. 1876 کے سنتھال پرگنہ کاشتکاری قانون پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
3. 1908 کے چھوٹا ناگپور کاشتکاری قانون پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔

13.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Bhattacharya, Sabyasachi, *Aadhinik Bhaarat kaa Aarthik Itihaas*, *1850–1947* (Hindi), Rajkamal Prakashan, New Delhi, 2022 (first published in 1990).
4. Chandra, Bipan et al., *India after Independence*, *1947–2000*, Penguin, New Delhi, 1999.
5. Frankel, Francine R., *India's Political Economy*, *1947–2004*: *The Gradual Revolution*, Oxford University Press, 2005.
6. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
7. Subramanian, Lakshmi, *History of India*, *1707–1857*, Orient BlackSwan, New Delhi, 2010.
8. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 14۔اراضی اصلاحات

(Land Reforms)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 اراضی اصلاحات

14.3 زمین داری نظام

14.4 محل واڑی

14.5 رعیت واڑی

14.5 اکتسابی نتائج

14.6 کلیدی الفاظ

14.7 نمونہ امتحانی سوالات

14.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

14.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

14.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

14.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید (Introduction)

1757 سے 1964 تک ہندوستان میں زمینی اصلاحات کی تاریخ ایک پیچیدہ داستان ہے جو نوآبادیاتی استحصال، زرعی پالیسیوں، اور آزادی کے بعد کی سماجی و اقتصادی تبدیلی کی کوششوں سے گزرتی ہے۔ اس مدت کے دوران، زمین کی ملکیت، زرعی پیداواری صلاحیت، اور دیہی غربت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے زمین کی مدت اور زمینی اصلاحات کے کئی نظام متعارف کروائے گئے۔ یہ کوششیں ہندوستان کی دیہی معیشت میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں، جس نے لاکھوں کسانوں اور بے زمین کسانوں کی زندگیوں کو متاثر کیا۔

14.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ہندوستان میں زمینی اصلاحات کے تاریخی تناظر اور ضرورت کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- زمینی اصلاحات کے تحت متعارف کردہ اہم مقاصد اور پالیسیوں کا جائزہ لے سکیں گے
- زمینی اصلاحات کے دیہی ترقی، زراعت، اور سماجی و اقتصادی برابری پر اثرات کا اندازہ لگانا۔
- زمینی اصلاحات کے نفاذ کے دوران درپیش چیلنجز پر بات کرنا۔
- ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں زمینی اصلاحات کا تقابلی تجزیہ فراہم کرنا۔

14.2 اراضی اصلاحات (Land Reforms)

زرعی ڈھانچے میں دو طریقوں سے تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں یا تو سماجی و اقتصادی قوتوں ذریعے یا پھر زرعی ڈھانچے میں براہِ راست مداخلت کے نتیجے میں۔ براہِ راست مداخلت کے ذریعے زرعی ڈھانچے میں جو تبدیلیاں لائی جاتی ہیں، ان کو اراضی اصلاحات (land reforms) کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اراضی اصلاحات کی ضرورت آزادی سے پہلے کے دور میں موجود زمین کے مالکانہ نظام کی استحصالی نوعیت سے پیدا ہوئی تھی۔ اس باب میں، ہم درج ذیل مسائل پر بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں: آزادی سے پہلے ہندوستان میں موجود زمین کے مالکانہ نظام اور ان کی استحصالی نوعیت آزادی کے بعد ہندوستانی حکومت کی جانب سے متعارف کرائی جانے والی اراضی اصلاحات کے مقاصد مداخلت کرنے والوں کا خاتمہ کرایہ داری اصلاحات اور اراضی کی حدوں پر پابندیاں عائد کرنے کے لیے کیے جانے والے پروگرامز اراضی کے چھوٹے حصوں کی تقسیم اور ٹوٹ پھوٹ کے مسئلے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے تدابیر جیسے کہ تعاون پر مبنی زراعت اور زمینوں کا یکجا کرنا ہندوستان میں اراضی اصلاحات کا جائزہ۔ آزادی کے وقت ملک میں زمین کی ملکیت اور محصول وصول کرنے کے تین نظام رائج تھے: زمینداری نظام، مہال واری نظام، اور رعیت واری نظام۔ ان نظاموں کے درمیان بنیادی فرق زمین کے محصول کی ادائیگی کے طریقہ کار میں تھا۔ زمینداری نظام، اس نظام میں زمین کا محصول کسانوں سے زمنداروں کے ذریعے وصول کیا جاتا تھا۔ مہال واری نظام، اس نظام میں

زمین کا محصول پورے گاؤں کی طرف سے گاؤں کے نمبر دار کے ذریعے جمع کیا جاتا تھا۔ رعیت واری نظام، اس نظام میں کسان خود براہ راست ریاست کو زمین کا محصول ادا کرتے تھے۔ تینوں نظاموں میں عام طور پر زمین کی کاشت مزارعوں کے ذریعے کی جاتی تھی۔

مزارعین خود تین اقسام کے ہوتے تھے، قابض مزارعین(Occupancy Tenants)، مرضی کے مزارعین (Tenants-at-will)ذیلی مزارعین(Sub-tenants) قابض مزارعین، قابض مزارعین کو زمین پر مستقل اور وراثتی حقوق حاصل ہوتے تھے۔ انہیں زمین پر قبضے کی ضمانت حاصل ہوتی تھی اور اگر انہوں نے زمین پر کوئی بہتری کی ہوتی، تو وہ مالک سے اس کا معاوضہ طلب کر سکتے تھے۔ مرضی کے مزارعین، ان کے پاس زمین پر قبضے کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی تھی۔ مالک جب چاہتا، انہیں زمین سے بے دخل کر سکتا تھا۔ ذیلی مزارعین، ان کا درجہ بھی مرضی کے مزارعین جیسا تھا، لیکن فرق یہ تھا کہ مرضی کے مزارعین کو براہ راست مالک زمین مقرر کرتا تھا، جبکہ ذیلی مزارعین کو قابض مزارعین مقرر کرتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ، ایک بڑی تعداد زرعی مزدوروں کی بھی موجود تھی۔ ان لوگوں کے پاس اپنی زمین بالکل نہیں ہوتی تھی۔ یہ دوسروں کی زمین پر مزدوری کرتے تھے اور اس کے بدلے میں اجرت وصول کرتے تھے۔

زمینداری نظام (Zamindari System)

یہ نظام ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1793 میں اس وقت متعارف کرایا جب لارڈ کارنوالس نے کمپنی کی آمدنی بڑھانے کی غرض سے جاگیر داروں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، جسے 'مستقل بندوبست (Permanent Settlement) ' کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت جاگیر داروں (جنہیں زمندار کہا جاتا تھا) کو بڑی زمینوں کا مکمل مالک قرار دیا گیا۔ زمینداروں کو کسانوں سے کرایہ وصول کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ اس طرح زمندار کسانوں اور ریاست کے درمیان ایک واسطہ بن گئے۔ کرایے کی تقسیم حکومت کا حصہ کل کرایے کا 10/11واں مقرر کیا گیا۔ باقی 11/1واں حصہ زمنداروں کو بطور معاوضہ دیا جاتا تھا۔ آزادی کے وقت نظام کی موجودگی، یہ نظام مغربی بنگال، بہار، اڑیسہ، اترپردیش، آندھراپردیش، اور مدھیہ پردیش میں رائج تھا۔

زمینداری نظام میں کئی خامیاں موجود تھیں، جنہوں نے دیہی علاقوں میں ایک منفرد زرعی ڈھانچہ پیدا کیا۔ اس ڈھانچے میں زمین کی پیداوار کا حصہ حاصل کرنے کا حق تو دیا گیا لیکن پیداواری عمل میں عملی طور پر کوئی شرکت نہیں تھی۔ خامیاں، استحصالی نظام، یہ نظام مکمل طور پر استحصال پر مبنی تھا، کیونکہ زمنداروں کو یہ غیر محدود حق حاصل تھا کہ وہ جتنا چاہیں کرایہ وصول کریں۔ بھوانی سین کے مطابق، زمندار اور دیگر درمیانی طبقے زمین کی پیداوار کا تقریباً 25 فیصد بطور کرایہ لے لیتے تھے۔ مثال کے طور پر، 1949-50 میں زراعت سے ہونے والی کل آمدنی ₹4,800 کروڑ تھی، جس میں سے ₹1,200 کروڑ درمیانی طبقے کے حصے میں گئے۔ معاشی ترقی میں رکاوٹ، یہ نظام سماجی طور پر ناانصافی پر مبنی تھا اور معاشی ترقی کے لیے نقصان دہ تھا۔ کسان کے پاس بہتر آلات، بیج، یا کھاد میں سرمایہ کاری کے لیے کوئی اضافی رقم نہیں بچتی تھی۔ نتیجتاً، کسانوں کے پاس پیداوار بڑھانے یا زراعت کی پیداواریت میں اضافے کی کوئی تحریک نہیں تھی۔ زرعی جمود، تھورنر کے مطابق، دیہی علاقوں میں 'ڈپریسر (Depressor)' کے طور پر کام کرتا رہا، جو کم سرمایہ کاری اور پرانے طریقوں کی وجہ بنا۔ کسان زراعت کی جدید

کاری یا زمین کی تقسیم جیسے مسائل کے حل میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ نتیجتاً، 1880 کی دہائی سے 1940 کی دہائی تک زرعی پیداوار کی رفتار اتنی سست تھی کہ اسے تقریباً جمود کہا جا سکتا ہے۔ زمینداری نظام نے زراعت کی پیداواریت اور ترقی کو بری طرح متاثر کیا، جس سے کسانوں کی حالت زار خراب ہوئی اور ملک کی مجموعی معاشی ترقی رکی رہی۔

صرف یہی نہیں، زیادہ تر زمینداری علاقوں میں زمین کے حقوق کے ریکارڈ بھی باقاعدہ طور پر نہیں رکھے گئے تھے۔ اس کی وجہ سے زمین کو رہن رکھنے یا بیچنے میں مشکل پیش آتی تھی۔ نتیجتاً، زمینداری علاقوں میں قرض دینے والے ادارے آہستہ آہستہ ترقی کرتے تھے۔ یہ علاقے زرعی شعبے میں عوامی سرمایہ کاری کے حوالے سے بھی پیچھے تھے۔ گزر گاہوں، جنگلات وغیرہ میں مذہبی حقوق پر قبضہ کر لیا گیا تھا اور کسانوں کو ان تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اضافی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ، زیادہ کرایے اور غیر قانونی وصولیوں کے ساتھ، زمندار کسانوں کو بیگار (مجبوری کی محنت) کرواتے اور مختلف تحفے یا نذرانے دینے پر مجبور کرتے تھے۔

محال واری نظام (Mahalwari System)

یہ نظام ولیم بینٹنک نے آگرہ اور اودھ میں متعارف کرایا تھا، اور بعد میں مدھیہ پردیش اور پنجاب تک بھی پھیلایا گیا۔ اس نظام کے تحت، زمین کے محصول کی ادائیگی کے حوالے سے پورے گاؤں کو ایک اکائی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ گاؤں کے نمبردار (یا اس مقصد کے لیے منتخب کیے گئے کسی شریک مالک) کی ذمہ داری تھی کہ وہ زمین کا محصول وصول کرے اور اسے خزانے میں جمع کرائے۔ کانگریس لینڈ ریفارمز کمیٹی کے مطابق، اس نظام میں زمین کی ملکیت اجتماعی تھی۔ مختلف مہال واری علاقوں میں "سیٹلمنٹ" کی مدت، زمین کے محصول کی تعیین وغیرہ مختلف تھی۔

رعیت واری نظام (Ryotwari System)

یہ نظام ابتدا میں تمل ناڈو میں متعارف کرایا گیا تھا اور بعد میں مہاراشٹر، برار، مشرقی پنجاب، آسام اور کُورگ تک پھیلایا گیا۔ اس نظام کے تحت، زرعی محصول حکومت کو ادا کرنے کی ذمہ داری خود کسان) یا انفرادی رعیت (کی تھی اور اس کے اور ریاست کے درمیان کوئی درمیانی فرد نہیں ہوتا تھا۔ رعیت کو زمین کی فروخت، منتقلی اور کرایہ پر دینے کے مکمل حقوق حاصل تھے، اور جب تک وہ زمین کا محصول ادا کرتا رہتا، اسے زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ حقوق زمینداری نظام کے تحت مزارعین کو حاصل نہیں تھے۔ رعیت واری نظام کے تحت زمین کے محصول کا تعین عارضی بنیادوں پر کیا جاتا تھا۔ مدھیہ پردیش میں یہ عارضی سیٹلمنٹ ہر 20 سال بعد کی جاتی تھی، بمبئی (مہاراشٹر) میں ہر 30 سال بعد، اور مدراس (تمل نادو) اور یونائیٹڈ پروونسز (اتر پردیش) میں ہر 40 سال بعد کی جاتی تھی۔

اگرچہ رعیت واری نظام پہلی نظر میں اطمینان بخش نظر آتا ہے، لیکن اس میں بھی کئی مسائل پیدا ہوئے۔ ان علاقوں میں سود خور اور مہاجن کسانوں کو قرض دیتے تھے اور زمین کو رہن رکھ کر قرض دیتے تھے۔ اس کے نتیجے میں، زمین کا ایک بڑا حصہ کسانوں کے قبضے سے نکل کر سود خوروں اور مہاجنوں کی ملکیت بن گیا۔ یہ لوگ زمینوں کو کاشت کے لیے کرائے پر دینے لگے اور جلد ہی ایک نیا زمندار طبقہ (تمام

استحصالی طریقوں کے ساتھ) ترقی پانے لگا۔ آزادی کے آغاز کے وقت، رعیت واری علاقوں میں بھی کم از کم پانچواں حصہ زمین کا کھلی اجارہ داری میں چلا گیا تھا، اور ایک غیر متعین مگر اہم حصہ زمین ایسی فصلوں کی صورت میں کاشت کی جارہی تھی جو دراصل مزارعت سے مختلف نہیں تھیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، زمینداری استحصال پر مبنی تھا۔ اس نے ایک ایسا طفیلی طبقہ پیدا کیا جو زمین پر کوئی کام نہیں کرتا تھا لیکن کسانوں سے جو بھی اضافی پیداوار ہوتی، وہ چھین لیتا تھا۔ کسانوں کو اپنی روزمرہ کی ضروریات سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے غلامی اور محرومی کی حالت میں زندگی گزارنی پڑتی تھی۔ ریاٹ واری اور مہال واری نظاموں میں بھی زمین کی کاشت مزارعین کے ذریعے کی جاتی تھی، اور انہیں بھی کئی طریقوں سے استحصال کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ خاص طور پر مرضی کے مزارعین اور ذیلی مزارعین کی حالت انتہائی خراب تھی۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں زمین کے اصلاحات کا مقصد بنیادی طور پر زمین کے اصل کسانوں کے استحصال کو روکنا اور زمین کی ملکیت انہیں منتقل کرنا تھا۔ حکومت نے زمین کے اصلاحات کے مقاصد کو درج ذیل طور پر بیان کیا:

1. زراعت کی پیداوار میں اضافے میں رکاوٹ ڈالنے والے ماضی کے زرعی ڈھانچے سے پیدا ہونے والی مشکلات کو دور کرنا۔
2. زرعی نظام میں تمام قسم کے استحصال اور سماجی ناانصافی کو ختم کرنا، زمین کے کسان کو تحفظ فراہم کرنا اور دیہی آبادی کے تمام طبقات کو مساوی حیثیت اور مواقع فراہم کرنا۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے گئے:

1. درمیانی افراد کا خاتمہ
2. مزارعتی اصلاحات
3. زرعی تنظیم نو

زراعتی اصلاحات میں یہ اقدامات شامل تھے، (i) کرائے کا ضابطہ، (ii) زمین کی ملکیت کا تحفظ، (iii) مزارعین کے لیے ملکیت کے حقوق۔ زرعی تنظیم نو میں درج ذیل پالیسیاں شامل تھیں، (i) زمین کی تقسیم، (ii) اراضی کا انضمام، (iii) زرعی تعاون۔

آزادی سے پہلے ہی یہ بات وسیع پیمانے پر تسلیم کی جاچکی تھی کہ معیشت کی جمود کی سب سے بڑی وجہ زرعی شعبے کا جمود تھا، اور یہ جمود بڑی حد تک استحصالی زرعی تعلقات کی وجہ سے تھا۔ استحصال کا بنیادی آلہ زمندار تھا، جسے غیر ملکی حکومت نے پشت پناہی اور فروغ دیا تھا۔ اسی وجہ سے نہ صرف زرعی تعلقات میں تبدیلی کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا بلکہ اسے زمین کے اصلاحات کی پالیسی کا مرکزی نقطہ بھی بنایا گیا۔ آزادی کے قریب تقریباً 57 فیصد رقبہ زمینداری کے تحت تھا۔ کچھ ریاستوں میں 1951 سے پہلے اس کے خاتمے کے لیے قوانین منظور کیے گئے تھے۔ تاہم، زیادہ تر کام قوانین کے نفاذ اور اراضی کے حصول کا عمل پہلے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران مکمل ہوا۔ عارضی طور پر سیٹلڈ علاقوں جیسے اتر پردیش اور مدھیہ پردیش میں یہ کام نسبتاً آسان تھا کیونکہ وہاں پہلے سے مناسب زمین کے ریکارڈ اور انتظامی مشینری موجود

تھی۔ تاہم، مستقل طور پر سیٹلڈ علاقوں جیسے بہار، اڑیسہ، مغربی بنگال اور جاگیر داری سیٹلمنٹس والے علاقوں جیسے راجستھان اور سوراشٹر میں زمین کے ریکارڈ اور انتظامی مشینری کو تقریباً صفر سے دوبارہ قائم کرنا پڑا۔ پھر بھی، سرکاری دستاویزات کا دعویٰ تھا کہ پہلے پانچ سالہ منصوبے کے اختتام تک مداخلت کرنے والوں کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا، سوائے چند چھوٹے حصوں کے جو کچھ مخصوص علاقوں میں باقی رہ گئے۔ اندازے کے مطابق 173 ملین ایکڑ زمین مداخلت کرنے والوں سے حاصل کی گئی، اور اس کے نتیجے میں تقریباً دو سو لاکھ مزارعین کو براہ راست ریاست کے ساتھ تعلق میں لایا گیا۔

زمنداری کی منسوخی کے بل کی ابتدائی تیاری، بحث، ترمیم اور آخر کار منظور ہونے کا عمل عموماً بہت طویل وقت لیتا تھا۔ مثال کے طور پر، اتر پردیش میں زمنداری منسوخی ایکٹ کو قانون بننے میں چار اور آدھ سال لگے۔ تاہم، یہ حکومت کا کارنامہ ہے کہ بیشتر ریاستوں نے پہلے پانچ سالہ منصوبے کے اختتام سے پہلے اس طرح کے قوانین منظور کر لیے تھے۔ یہ شاید زمنداروں اور ان کے استحصالی طریقوں کے خلاف عوامی جذبات کی عکاسی کرتا تھا۔ ایک بار جب قانون سازی کا مرحلہ مکمل ہوا اور نفاذ کا مرحلہ شروع ہوا، تو نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ زمندار اپنے حقوق اور مراعات دینے کو تیار نہیں تھے اور انہوں نے عدالتوں کا سہارا لیا۔ جیسا کہ توقع کی جا رہی تھی، زمنداروں اور ریاستی حکومتوں کے درمیان قانونی لڑائی بہت طویل وقت تک جاری رہی۔ جب زمندار آخر کار ہار گئے، تو انہوں نے زمین کے ریکارڈ اور دیگر متعلقہ دستاویزات دینے سے انکار کر کے مزید تاخیر کے حربے اختیار کیے۔

یہ تاخیر کے حربے اپنی جگہ، لیکن جو قوانین منظور ہوئے وہ بھی کئی خامیوں سے بھرے ہوئے تھے اور زمنداروں نے جلد ہی ان قوانین کی خامیاں تلاش کر لیں۔ شاید سب سے بڑی خامی وہ تھی جو زمین کو ذاتی کاشت کے لیے حاصل کرنے کی اجازت سے متعلق تھی۔ زمندار اس مقصد کے لیے مزارعین کو بے دخل بھی کر سکتے تھے۔ "ذاتی کاشت" کی تعریف اتنی لچکدار تھی کہ اس میں زمندار یا ان کے خاندان کے افراد کا ذاتی نگرانی کرنا بھی شامل تھا۔ پہلے پانچ سالہ منصوبے میں یہ پالیسی رکھی گئی تھی کہ زمندار اپنی زمین کی حد تک ذاتی کاشت کے لیے زمین حاصل کر سکتے ہیں اور مزارعین صرف چھت کی حد سے زیادہ زمین پر مستقل اور وراثتی حقوق حاصل کر سکتے تھے۔ مختلف ریاستوں میں ذاتی کاشت کی تعریف میں ہم آہنگی لانے کے لیے دوسرے پانچ سالہ منصوبے نے وضاحت کی کہ ذاتی کاشت میں تین عناصر ہونے چاہئیں (i) کاشت کا خطرہ، (ii) ذاتی نگرانی، اور (iii) محنت۔

اگرچہ سرکاری دستاویزات کا دعویٰ ہے کہ زمینداری کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اپنے لباس کو تبدیل کر چکا ہے۔ سابقہ زمنداروں نے ذاتی کاشت کے لیے بڑی زمینیں حاصل کر لی ہیں، جن پر کرایے کے زرعی محنت کشوں کی مدد سے کاشت کی جاتی ہے۔ اب انہیں 'بڑے زمیندار' کے طور پر جانا جاتا ہے اور یہ امیر کسانوں کے ساتھ مل کر 'دیہی سرمایہ داروں کا ایک نیا اور غالب طبقہ' تشکیل دے چکے ہیں۔ جن ریاستوں میں سابقہ زمنداروں کے پاس رکھنے والی زمین کی حد مقرر کی گئی ہے، وہاں یہ حد اتنی زیادہ رکھی گئی ہے کہ بہت کم زمندار متاثر ہوئے ہیں۔ قانون میں موجود خامیوں نے انہیں اپنی زمین دوسرے خاندان کے افراد کے نام منتقل کرنے

کاموقع دیاہےاوراس طرح وہ چھت کے قانون سے بچنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔مثال کے طور پر،ڈینیئل تھورنر نے پایا کہ بعدازاصلاحات بہار میں500، 700 یا یہاں تک کہ 1000 ایکڑ زمینوں کے جاگیر موجود تھیں اور زمین دار، مزارع، غیر مزارع، ذیلی مزارع، اور بٹائی دار (محصول کا حصہ دار) کے درمیان پرانی ساخت برقرار رہی، حتیٰ کہ اس کے بعد بھی جو "زمنداری کا خاتمہ" کہا گیا تھا۔ بہار بڑے زمین داروں اور طبقاتی ملکیتی حقوق کا مضبوط گڑھ بنا رہا، جہاں "کرایہ داری، سب کرایہ داری اور بے دخلی سب عام تھیں۔"

ان مشاہدات کے باوجود، یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے کہ آزادی کے بعد مزارعین اور زمین کے اصل کاشتکاروں کا استحصال اور ظلم میں تیزی سے کمی آئی ہے اور جاگیردارانہ دیہی ساخت تقریباً ٹوٹ کر رہ گئی ہے۔ مداخلت کرنے والوں کے خاتمے کے نتیجے میں، بڑے absentee زمنداروں کی اوپر کی سطح ختم ہو چکی ہے۔اس سیاق میں خاص طور پر ان زمین اصلاحات کا ذکر ضروری ہے جو کمیونسٹ حکومتوں نے کیرالہ(1959 میں)اور مغربی بنگال(1967 میں) میں شروع کیں۔ کیرالہ میں حکومت نے اپنے اقتدار سنبھالنے کے 48 گھنٹے کے اندر ہی بے دخلی کو غیر قانونی قرار دیا۔مزید برآں، بٹائی داروں کو زمین خریدنے کا حق دیا گیا۔ زمندار کو ذاتی کاشت کے لیے 10 ایکڑ سے زیادہ زمین رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مغربی بنگال کی یونائیٹڈ فرنٹ حکومت نے بارگاداروں اور زرعی مزدوروں کے حق میں فیصلہ کن اقدامات کیے اور زمنداروں اور امیر کسانوں کے خلاف۔ چھت سے زیادہ زمین)چاہے وہ بنامی ہو یا نہیں) کی شناخت کی گئی اور اسے کسانوں میں تقسیم کیا گیا۔بٹائی داروں کے حق کو ان کی زمین حاصل کرنے کا رسمی طور پر تسلیم کیا گیا۔

ہم نے ہندوستان میں متعارف کرائی گئی مختلف زمینی اصلاحات کے اقدامات پر گفتگو کی ہے اور اس اکائی میں متعلقہ مقامات پر ان کی ناکامی کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔اس سیکشن میں ہم، اہم تنقیدات کو مندرجہ ذیل زمرے میں خلاصہ کر سکتے ہیں:(1) قانون سازی میں خامیاں،(2)سیاسی عزم کی کمی،اور(3)افسر شاہی کی لاپرواہی۔

1. **'ذاتی کاشت' کی تعریف** :جیسا کہ 'زمینداری کے خاتمے کے جائزے' کے سیکشن میں ذکر کیا گیا ہے، ذاتی کاشت کی تعریف بہت غیر تسلی بخش تھی۔ کہیں بھی اس کا مطلب وہ نہیں تھا جو اسے حقیقتاً ہونا چاہیے تھا، یعنی ذاتی محنت سے کاشت کرنا۔ زیادہ تر ریاستوں میں، ذاتی نگرانی کو ذاتی کاشت کا حصہ سمجھا گیا اور یہاں تک کہ اس میں بھی زمین دار کی ذاتی نگرانی کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر زمین دار کے خاندان کے کسی رکن کی نگرانی ہو جاتی تو یہی کافی سمجھا جاتا۔ گاؤں میں زمین دار کی موجودگی کو بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ذاتی کاشت کی تعریف میں یہ خامیاں مزارعین کی بڑے پیمانے پر بے دخلی کا ایک اہم سبب بنی ہیں۔

2. ذاتی کاشت کے لیے زمین رکھنے کی حد :نہ صرف ذاتی کاشت کی تعریف میں خامی تھی، بلکہ مداخلت کرنے والوں کو ذاتی کاشت کے لیے بڑی زمین رکھنے کی اجازت بھی دی گئی تھی۔اس سے زمنداروں کو زمینوں کی بڑی مقدار واپس حاصل کرنے کا موقع ملا، جس سے زمنداری کے خاتمے کا اصل مقصد ناکام ہو گیا۔ صرف ان کا نام بدل گیا ہے۔ پہلے انہیں زمندار کہا جاتا تھا، اب انہیں "غیر حاضر مالکان" کے طور پر جانا جاتا ہے۔

3. زمین کو خاندان کے اراکین کے نام منتقل کرنا : زمین کی حد بندی کے قوانین سے بچنے کے لیے زمنداروں نے زمینوں کو اپنے خاندان کے اراکین کے نام منتقل کرنے میں بڑی مقدار میں مشغول ہو گئے۔ کافی عرصے تک کچھ ریاستوں میں ایسی منتقلی کو روکنے کے لیے کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ جن ریاستوں میں ایسے قوانین موجود تھے، وہاں ذاتی کاشت کی تعریف میں اس قدر لچک تھی کہ زمنداران قوانین سے بچنے کے لیے انہیں بآسانی نظرانداز کر سکتے تھے۔ اس نے حد بندی کے قوانین کی مؤثر عملداری کو کافی حد تک کم کر دیا۔

4. مزارعین کی غیر مناسب تعریف : کچھ ریاستوں میں، بٹائی داروں کو مزارعین کا درجہ نہیں دیا گیا حالانکہ وہ زمین کا ایک بڑا حصہ کاشت کرتے تھے۔ اس کے نتیجے میں، مزارعہ اصلاحات سے متعلق قوانین ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے استعمال نہیں کیے جا سکے۔ یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستان میں مزارعت کی ایک بڑی تعداد زبانی اور غیر رسمی ہے۔ ایسے زمینوں پر کاشت کرنے والے مزارعین کے لیے یہ ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ زمین کے اصل کاشتکار ہیں کیونکہ ان کے نام زمین کے ریکارڈ میں نہیں ہوتے۔

5. 'خودارادی حوالے' کا مسئلہ : زمین دار اکثر اپنے مزارعین کو زمین خودارادیت سے واپس کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے مزارعین کو اکثر دھمکیاں دی جاتی تھیں اور بعض اوقات مارا پیٹا بھی جاتا تھا۔ غریب مزارعین کے پاس زمین داروں کے زور کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی، اور وہ اکثر اس دباؤ کے تحت خود ہی زمین چھوڑ دیتے تھے۔ جیسا کہ ظاہر ہے، قانون مزارعین کی مدد نہیں کر سکتا اگر وہ اپنی مرضی سے زمین چھوڑ دیں۔ ریاستی حکومتوں کے ذریعہ اختیار کیے گئے قوانین طویل عرصے تک اس عمل کو روکنے میں ناکام رہے۔ صرف چوتھے پانچ سالہ منصوبے میں یہ سفارش کی گئی کہ خودارادی حوالے صرف ریاست کے حق میں کیے جا سکتے ہیں اور زمین داروں کو حوالے کی گئی زمین پر قبضہ کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ تاہم، یہ سفارش چند ریاستوں میں ہی قانون کی شکل اختیار کر سکی۔

6. زمین کی حد بندی کے قوانین میں خامیاں : جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، مختلف ریاستوں اور ایک ہی ریاست کے مختلف علاقوں میں زمین کی حد بندی کے معیار میں کافی فرق تھا۔ اس نے بہت زیادہ الجھن اور تنازعات کو جنم دیا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے جولائی 1972 میں ریاستی وزراء کی کانفرنس بلائی گئی تاکہ حد بندی قوانین میں یکسانیت لائی جا سکے۔ تاہم، اس وقت تک کافی نقصان ہو چکا تھا، اور زمین کے مختلف قسم کے انتقالات اور دیگر خفیہ معاملات کے نتیجے میں صرف تھوڑی سی زمین اضافی رہ گئی تھی۔ مزید یہ کہ، حد بندی قوانین سے مستثنیات کی فہرست بھی غیر ضروری طور پر طویل تھی۔

سیاسی عزم کی کمی

کسی بھی قانون کے مؤثر نفاذ کے لیے حکام کی جانب سے سیاسی عزم اور مضبوط ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زمین اصلاحات جیسے انقلابی قوانین، جن کا مقصد دیہی علاقوں میں جائیداد کے تمام تعلقات کو تبدیل کرنا ہے، ان کے نفاذ کے لیے کافی ہمت اور عزم درکار ہوتا ہے۔ زمین اصلاحات کی سست پیش رفت کو دیکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومتیں ان قوانین کے نفاذ میں واقعی دلچسپی نہیں رکھتی تھیں۔ ان کا مقصد صرف ظاہری طور پر ترقی پسند اور سوشلسٹ نظر آنا تھا، جبکہ عملی طور پر وہ بڑے زمینداروں کے دباؤ اور ہدایات کے تحت کام کر رہی تھیں۔ غریبوں سے ہمدردی ظاہر کرنے اور امیروں کے ساتھ اتحاد رکھنے کی اس دوغلی پالیسی کے سیاسی فائدے دیگر تمام امور پر غالب رہے، اور اس نے زمین اصلاحات کے اقدامات کو محض ایک دکھاوا بنا دیا۔ اس حوالے سے زرعی تعلقات پر قائم ٹاسک فورس کی رپورٹ میں بھی یہی بات کہی گئی۔

"زمینی اصلاحات کے ترقی پسند اقدامات کو نافذ کرنے اور ان کے مؤثر نفاذ کے لیے سخت سیاسی فیصلوں اور مؤثر سیاسی حمایت، رہنمائی اور کنٹرول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملک کے دیہی علاقوں میں موجود سماجی و اقتصادی حالات کے تناظر میں، زمین اصلاحات کے میدان میں مطلوبہ سیاسی عزم کے بغیر کوئی حقیقی پیش رفت ممکن نہیں ہے۔ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ یہ اہم عنصر ہمیشہ مفقود رہا ہے۔ سیاسی عزم کی کمی اس بات سے واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ پالیسی اور قانون سازی کے درمیان، اور قانون اور اس کے نفاذ کے درمیان بہت بڑا خلا موجود ہے۔ آزادی کے بعد ملک میں عوامی سرگرمی کے کسی بھی شعبے میں، اصول اور عمل، پالیسی کے اعلانات اور ان کے حقیقی نفاذ کے درمیان اتنا بڑا فرق کہیں نہیں دیکھا گیا جتنا کہ زمین اصلاحات کے میدان میں۔ اگر مضبوط اور غیر مبہم سیاسی عزم موجود ہوتا، تو دیگر تمام خامیوں اور مشکلات پر قابو پایا جا سکتا تھا؛ لیکن ایسے عزم کی غیر موجودگی میں معمولی رکاوٹیں بھی زمین اصلاحات کے راستے میں بڑی دیوار بن گئیں۔ ملک میں موجودہ سیاسی طاقت کے ڈھانچے کے کردار کو مد نظر رکھتے ہوئے، یہ بالکل فطری تھا کہ مطلوبہ سیاسی عزم فراہم نہ ہو سکا۔" ٹاسک فورس کی رپورٹ کی یہ صاف اور بے لاگ تشخیص ایک آنکھ کھولنے والے سبق کے طور پر کام کرنی چاہیے۔ یہ واضح طور پر بتاتی ہے کہ زمین اصلاحات کا مؤثر نفاذ صرف اسی صورت ممکن ہے جب مطلوبہ سیاسی عزم موجود ہو۔ اس کے بغیر، تمام زمین اصلاحات کی قانون سازی محض کاغذی کارروائی بن کر رہ جاتی ہیں۔

افسر شاہی کی بے حسی

سیاسی عزم کی کمی کے ساتھ ساتھ، زمین اصلاحات کے نفاذ میں افسر شاہی کی بے حسی بھی ایک بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ حقیقت میں، یہ دونوں عوامل آپس میں گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں، اور افسر شاہی کی بے عملی سیاسی عزم کی کمی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ جہاں کہیں جوش و جذبے والے منتظمین نے زمین اصلاحات کو سختی سے نافذ کرنے کی کوشش کی، انہیں فوراً سیاسی رہنماؤں نے کسی اور جگہ تبادلہ کر دیا۔ اس عمل نے افسر شاہی کے متحرک منتظمین کی حوصلہ شکنی کی اور مجموعی طور پر ایک مایوس کن اثر ڈالا۔ مزید یہ کہ اعلیٰ انتظامیہ کے کئی افراد خود بڑے زمین دار ہیں، اور دیہی سطح کے افسران جیسے پٹواری بھی چھوٹے زمین دار ہونے کی وجہ سے قوانین کے نفاذ میں

پورے دل سے تعاون نہیں کرتے۔ افسر شاہی کا زمین اصلاحات کے حوالے سے رویہ عمومی طور پر سرد مہری کا رہا ہے، اور اس نے بڑے زمین داروں کا ساتھ دے کر محفوظ رہنے کی کوشش کی، جو کہ حکمران جماعت کے وفادار ووٹ فراہم کرنے والے تھے۔ سیاسی، بیورو کریٹک اور بڑے کسانوں کے درمیان موجود کرپٹ گٹھ جوڑ نے ان تمام فریقین کے مفادات کو خوب تحفظ دیا، اور یہ سب اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ انتظامیہ نے سیاست دانوں کے ساتھ مل کر اضافی زمین پر قبضہ کیا، جو بے زمین اور دیہی غریبوں میں تقسیم کی جانی تھی۔ 1973 میں پنجاب کے بارے میں ہرچرن سنگھ کمیٹی کی رپورٹ میں یہ انکشاف کیا گیا کہ کس طرح بے زمین افراد اور ہریجن طبقے کے لیے مختص زمین کو نمایاں سیاست دانوں اور سرکاری اہلکاروں نے انتہائی کم قیمتوں پر ہتھیا لیا۔

یہ ظاہر کرتا ہے کہ زمین اصلاحات کے نفاذ کے لیے استعمال ہونے والے آلات خود زمین اصلاحات کو سبوتاژ کرنے کے آلات میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ سیاست دانوں، منتظمین اور بڑے زمین داروں کے درمیان جو گٹھ جوڑ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، اس نے "امیر کسان طاقت" کو اجاگر کیا ہے۔ یہ امیر کسان طاقت ریاستی حکومتوں، علاقائی اور مقامی انتظامیہ پر غالب آتی ہے اور زمین پر قبضے کے اہم آلے کے طور پر کام کرتی ہے، نیز زمین اصلاحات کے نفاذ میں ایک مضبوط رکاوٹ بن کر سامنے آتی ہے

14.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

ہندوستان میں نوآبادیاتی دور اور اس کے بعد میں زمینی اصلاحات کے مطالعے سے سماجی و اقتصادی ڈھانچے پر زمین کی پالیسیوں کے گہرے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ نوآبادیاتی دور میں، برطانوی حکمرانوں نے زمینداری، رعیت واری، اور محل واری جیسے نظام متعارف کروائے، جن کا بنیادی مقصد محصولات کی وصولی کو زیادہ سے زیادہ کرنا تھا۔ ان نظاموں نے اکثر کسانوں کے استحصال اور زمین کی ملکیت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرنے کو بڑھاوا دیا۔ آزادی کے بعد، حکومت نے ان عدم مساوات کو ختم کرنے کے لیے زمینی اصلاحات کی پالیسیوں پر عمل کیا، جن میں درمیانی طبقوں کا خاتمہ، زمین کی دوبارہ تقسیم، کرایہ داری کی اصلاحات، اور حد بندی قوانین شامل تھے۔ ان اصلاحات نے جاگیردارانہ نظام کو کم کرنے اور دیہی برادریوں کو بااختیار بنانے میں نمایاں پیش رفت کی، لیکن ناقص عملدرآمد، سیاسی مزاحمت، اور قانون سازی میں موجود کمزوریوں جیسے مسائل نے ان کی کامیابی کو محدود کر دیا۔ مجموعی طور پر، ہندوستان میں زمینی اصلاحات کی جدوجہد، مساوات اور زمین کی تقسیم میں انصاف حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کی عکاسی کرتی ہے، جو سماجی انصاف اور پائیدار اقتصادی ترقی کو یقینی بنانے کے لیے ایک اہم عنصر ہے۔

14.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

کاشتکار	:	کسان
پٹہ دار	:	جس کو زمین کا قبولیت نامہ حاصل ہو

14.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

14.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کس سال میں مستقل تصفیہ ایکٹ متعارف کرایا گیا تھا۔
2. کس سال میں بکسر کی جنگ لڑی گئی۔
3. جسے رعیتواری نظام کا علمبر دار قرار دیا جاتا ہے۔
4. جس نظام میں ریونیو کی وصولی گاؤں کی سطح پر ہوتی تھی۔
5. کن صوبوں میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے رعیتواری نظام نافذ کیا۔
6. جن صوبوں میں محلواری نظام متعارف کرایا گیا۔
7. ایک سماجی مصلح جس نے 1951 میں بھودان (زمین کا تحفہ) شروع کیا
8. کس سال میں مدراس اسٹیٹ لینڈ ایکٹ متعارف کرایا گیا۔
9. زمینداری کے خاتمے کا ایکٹ کس سال میں متعارف کرایا گیا۔
10. کس سال میں بمبئی کرایہ داری اور زرعی زمین ایکٹ پاس ہوا؟

14.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. زمینداری نظام پر ایک نوٹ لکھیں۔
2. رعیتواری سسٹم پر ایک نوٹ لکھیں۔
3. محلواری سسٹم پر ایک نوٹ لکھیں۔
4. بھودان (زمین کا تحفہ) پر ایک نوٹ لکھیں
5. مدراس اسٹیٹ لینڈ ایکٹ پر ایک نوٹ لکھیں۔

14.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. زمینداری نظام کی خصوصیات کیا ہیں؟ تفصیلی وضاحت کیجیے۔
2. رعیتواری نظام کی خصوصیات کا تجزیہ کیجیے۔
3. محلواری نظام کی خصوصیات کیا ہیں؟ تفصیلی روشنی ڈالیے۔

14.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Chandra, Bipan et al., *India after Independence*, *1947–2000*, Penguin, New Delhi, 1999.
4. Frankel, Francine R., *India's Political Economy*, *1947–2004*: *The Gradual Revolution*, Oxford University Press, 2005.
5. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
6. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

اکائی 15۔ پلاننگ کمیشن اور پانچ سالہ منصوبے

(Planning Commission and Five-Year Plans)

اکائی کے اجزا

15.0 تمہید
15.1 مقاصد
15.2 آزادی کے وقت کا معاشی پس منظر
15.3 پلاننگ کمیشن
15.3.1 پلاننگ کمیشن کے فرائض/افعال
15.4 ہندوستان میں منصوبہ بندی کے مقاصد
15.5 پانچ سالہ منصوبے
15.5.1 پہلا پانچ سالہ منصوبہ
15.5.2 دوسرا پانچ سالہ منصوبہ
15.5.3 تیسرا پانچ سالہ منصوبہ
15.6 اکتسابی نتائج
15.7 کلیدی الفاظ
15.8 نمونہ امتحانی سوالات
15.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
15.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
15.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
15.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید (Introduction)

استعماری حکومت کے بعد، ہندوستان کو اپنی معیشت کی تعمیر نو اور تجدید کی فوری ضرورت تھی۔ استعماری استحصال کے نتیجے میں ملک میں غربت، علاقائی تفاوت، محدود صنعتی بنیاد، اور پس ماندہ زرعی شعبہ جیسے مسائل پیدا ہوئے۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کے تحت ہندوستانی قیادت نے ان مسائل سے نمٹنے کے لیے مرکزی منصوبہ بندی کو ایک اہم ذریعہ سمجھا۔ منصوبہ بندی کا مقصد ترجیحی شعبوں (Priority Sectors) میں سرمایہ کاری کے فروغ اور متوازن علاقائی ترقی (Balanced Regional Development) کے حصول کے لیے ریاست کو ایک رہنما قوت کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ ہندوستان کو منصوبہ بندی کی تحریک دیگر ممالک، خاص طور پر سوویت یونین میں دیکھے گئے معاشی ترقی کے ماڈلز سے حاصل ہوئی، لیکن اسے ہندوستان کے منفرد سماجی و معاشی حالات اور جمہوری ڈھانچے کے مطابق ڈھالا گیا۔ منصوبہ بندی کی ذمہ داری پلاننگ کمیشن کے سپرد کی گئی۔

پلاننگ کمیشن کا قیام 1950 میں عمل میں آیا۔ اس کے بنیادی مقاصد میں ہندوستان کی ترقی کے لیے جامع منصوبے تیار کرنا تھا تاکہ یہ نو آزاد ملک خود انحصاری اور اعلیٰ نمو حاصل کر سکے۔ پلاننگ کمیشن (Planning Commission) نے ملک کی معاشی حکمت عملی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے فرائض میں ملک کے وسائل کا جائزہ لینا، ان کے موثر استعمال کے لیے حکمت عملی کی تشکیل کرنا اور معاشی ترقی کے حصول کے لیے ترجیحات اور اہداف کا تعین کرنا تھا۔ اس نے اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی کہ معاشی ترقی کے ثمرات معاشرے کے تمام طبقات تک پہنچیں، اور سماجی مساوات اور معاشی کارکردگی دونوں کا فروغ ہو۔

2017 میں اپنے خاتمے تک پلاننگ کمیشن نے بارہ پانچ سالہ منصوبے وضع کیے اور ان پر عمل درآمد کیا، جن میں سے ہر ایک کے مخصوص مقاصد، حکمت عملی، اور ترجیحی شعبے تھے۔ ان منصوبوں نے صنعتی اور زرعی ترقی کے فروغ کے ساتھ ہندوستان کی معاشی ترقی کی بنیاد رکھی۔ پلاننگ کمیشن کے ابتدائی منصوبوں میں غذائی تحفظ(Food Security) ، روزگار کی فراہمی، اور بنیادی ڈھانچے کی ترقی جیسے آزادی کے بعد کے فوری چیلنجوں سے نمٹنے کی کوشش کی گئی تھی، ساتھ ہی ساتھ ایک خود کفیل معیشت کے لیے ایک طویل مدتی وژن بھی ترتیب دیا گیا تھا۔ اس اکائی میں پلاننگ کمیشن کے قیام، اس کے مقاصد، اور پہلے تین پانچ سالہ منصوبوں کے مقاصد و اہداف کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

15.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- پلاننگ کمیشن، اس کے قیام اور مقاصد کی وضاحت کر سکیں گے۔
- پہلے 3 پانچ سالہ منصوبوں کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- منصوبوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر روشنی ڈال سکیں گے۔
- منصوبوں کے نتائج سے آگہی حاصل کر سکیں گے۔

15.2 آزادی کے وقت کا معاشی پس منظر (Economic Context at the Eve of Independence)

1947 میں ہندوستان کی آزادی کے وقت ہندوستانی معیشت بدحالی کا شکار تھی۔ دیگر استعماری معیشتوں کی ہی طرح، ہندوستان بھی اپنے لیے نہیں بلکہ دوسرے ملک یعنی برطانیہ کی معاشی ترقی کے لیے کام کر رہا تھا۔ زراعت اور صنعت دونوں ہی ساختی بگاڑ کا شکار تھے۔ تقریباً دو صدیوں کی برطانوی استعماری حکومت سے ملی وراثت نے ہندوستان کو معاشی طور پر پسماندہ اور زراعت پر بہت زیادہ منحصر کر دیا تھا۔ ذیل میں اس وقت کے معاشی حالات کی مختصر عکاسی کی گئی ہے۔

1. زرعی معیشت اور کم زرعی پیداوریت (Agrarian Economy and Less Agricultural Fertility)

ہندوستانی معیشت بنیادی طور پر زرعی تھی، جس میں تقریباً 70%-75% آبادی زراعت اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں میں برسر روزگار تھی۔ زراعت زیادہ تر ہندوستانیوں کے لیے روزی روٹی کا بنیادی ذریعہ تھی، پھر بھی یہ کم پیداواریت اور فرسودہ تکنیک جیسے مسائل کا شکار تھی۔ زیادہ تر زرعی طریقے قدیم تھے، فصلوں کا بارش پر بہت زیادہ انحصار تھا، زراعت کی جدید تکنیک، کھاد اور آبپاشی کے جدید آلات کی کمی تھی۔ نتیجتاً زرعی پیداواریت انتہائی کم تھی۔ مثال کے طور پر، 1947 میں ہندوستان میں غذائی اجناس کی پیداوار تقریباً 700-600 کلو گرام فی ہیکٹر تھی، جو جاپان اور امریکہ جیسے ممالک کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم تھی، جہاں پیداوار دو سے تین گنا زیادہ تھی۔ پھر انگریزوں کے ذریعہ متعارف کردہ زمینداری نظام کسانوں کے استحصال کا باعث بنا۔ زمیندار زمین کی بہتری میں سرمایہ کاری کیے بغیر کسانوں سے زیادہ لگان وصول کرتے تھے۔ اس نظام نے وسیع پیمانے پر دیہی غربت اور کسانوں کے عدم تحفظ میں اضافہ کیا، جس سے زرعی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔

2. صنعتی بنیاد کی کمی (Lack of the Economic Foundation)

ہندوستان کی صنعت کاری کو بھی استعماریت نے نظر انداز کیا۔ برطانوی حکومت نے جو بھی انفراسٹرکچر کھڑا کیا وہ ہندوستان کو صنعتی معیشت بنانے کے لیے نہیں تھا بلکہ اس کے خام مال کے استحصال کے لیے کھڑا کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں آزادی کے وقت، ہندوستان کی صنعتی بنیاد انتہائی کمزور تھی۔ زیادہ تر صنعتی سرگرمیاں بمبئی (ممبئی)، کلکتہ (کولکاتہ) اور مدراس (چنئی) جیسے چند شہری مراکز میں مرکوز تھیں۔ انگریزوں نے ان صنعتوں کی ترقی پر توجہ مرکوز کی تھی جو ان کے مفادات میں تھیں، جیسے کہ جوٹ، چائے اور کاٹن ٹیکسٹائل، لیکن بھاری صنعتوں کے قیام کو نظر انداز کیا۔ 1947 میں ہندوستان کی جی ڈی پی میں صنعتی شعبے کا حصہ کافی کم اور تقریباً 7-10 فیصد تھا۔ زیادہ تر صنعتی اکائیاں چھوٹے پیمانے کی اکائیاں تھیں اور قومی آمدنی یا روزگار میں ان کی کچھ خاص نمایاں شراکت نہیں تھی۔ اسٹیل، مشینری اور کیمیکل جیسی بھاری صنعتیں انتہائی پسماندہ تھیں، جس کی وجہ سے ہندوستان اشیائے سرمایہ (Capital Goods) کی درآمدات پر منحصر تھا۔

3. جمود کا شکار اور پسماندہ معیشت (Stagnant and Underdevloped Economy)

آزادی کے وقت ہندوستان کی فی کس آمدنی انتہائی کم (ایک تخمینے کے مطابق تقریباً 230 روپے سالانہ) تھی۔ آمدنی کی یہ ادنی سطح ہندوستانیوں کی غربت اور ان کے کم معیار زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان کی 70% سے زیادہ آبادی 1947 میں خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی تھی، اور غذا، لباس اور رہائش جیسی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔ قحط، جیسے کہ 1943 کا بنگال قحط، لاکھوں لوگوں کی موت کا باعث بنا۔ بے روزگاری کی شرح زیادہ تھی، اور دیہی علاقوں میں بے روزگاری عام تھی۔ زرعی شعبہ، آبادی کی اکثریت کو روزگار فراہم کرنے کے باوجود، مناسب آمدنی یا روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے قابل نہیں تھا۔ صنعتی روزگار بھی محدود تھا، جس سے مزدور قوت کے صرف ایک چھوٹے سے حصے کو روزگار مل رہا تھا۔

4. علاقائی تفاوت (Regional Variations)

آزادی کے وقت مختلف خطوں کی معاشی حالت بہت مختلف تھی۔ کچھ علاقے، جیسے بنگال اور بمبئی پریزیڈنسی کے کچھ حصوں میں، نسبتاً بہتر بنیادی ڈھانچہ اور صنعتیں تھیں، جب کہ شمالی اور وسطی ہندوستان کے بڑے حصے پسماندہ تھے۔ صنعتی سرگرمیاں چند شہری مراکز میں مرکوز تھیں۔ مثال کے طور پر، بمبئی اور کلکتہ بالترتیب ٹیکسٹائل اور جوٹ کی صنعتوں کے مرکز تھے، جبکہ دیگر علاقوں میں صنعتی اداروں کی کمی تھی۔ اس ارتکاز نے علاقائی عدم توازن اور معاشی تفاوت میں اہم کردار ادا کیا۔

5. غیر ملکی تجارت پر انحصار (Dependence on the Foreign Trade)

برطانوی استعماری پالیسیوں نے ہندوستان کو خام مال کا فراہم کنندہ اور برطانوی تیار کردہ اشیا کے بازار میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہندوستان کی برآمدات میں بنیادی طور پر کچی کپاس، جوٹ، چائے، مصالحہ جات اور افیون شامل تھیں، جب کہ وہ تیار شدہ مصنوعات جیسے مشینری، ٹیکسٹائل اور اشیائے سرمایہ (Capital Goods) درآمد کرتا تھا۔ اس سے تجارت کا ایک ناموافق توازن پیدا ہوا۔ کم قیمت کے خام مال کی برآمد اور زیادہ قیمت کے تیار کردہ اشیا کی درآمد نے ہندوستان کے معاشی وسائل پر برا اثر ڈالا۔ تجارتی فصلوں/نقدی فصلوں (Cash Crops) پر زور نے بھی ہندوستانی زراعت کو متاثر کیا۔

6. پسماندہ مالیاتی شعبہ (Underdeveloped Financial Sector)

آزادی کے وقت، بینکنگ کا نظام پسماندہ تھا اور بنیادی طور پر شہری علاقوں تک محدود تھا۔ دیہی علاقوں میں، جہاں زیادہ تر آبادی رہتی تھی، بینکنگ کی سہولیات محدود تھی، جس کی وجہ سے وہ ساہوکاروں پر انحصار کرتے تھے جو حد سے زیادہ شرح سود وصول کرتے تھے۔ وسیع پیمانے پر غربت کی وجہ سے، معیشت میں بچت کی شرح انتہائی کم تھی۔ سرمایہ کاری کی شرح بھی کم تھی جس سے تشکیل سرمایہ میں رکاوٹ آئی۔ سرمائے کی کمی صنعت اور انفراسٹرکچر کی ترقی میں بڑی رکاوٹ تھی۔

7. سماجی اشاریے اور انسانی سرمایہ (Social Indicators and Human Capital)

برطانوی حکمرانوں نے سماجی شعبے کو نظر انداز کیا جس کے معیشت کی پیداوار اور پیداواری صلاحیت پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ آزادی کے وقت ہندوستان میں مجموعی خواندگی کی شرح بہت کم (تقریباً 17 فیصد) تھی۔ خواتین میں، خواندگی کی شرح اس سے بھی کم (تقریباً 8 فیصد) تھی۔ طبّی خدمات ناکافی تھیں، خاص طور پر دیہی علاقوں میں مناسب طبّی سہولیات کی کمی تھی۔ وسیع پیمانے پر غذائی قلت، پینے کے صاف پانی کی کمی اور ملیریا، تپ دق اور ہیضے جیسی بیماریوں کے پھیلاؤ کی وجہ سے 1947 میں متوقع عمر تقریباً 32 سال تھی۔ نوزائیدہ بچوں کی اموات کی شرح تقریباً 146 فی 1,000 پیدائش تھی جو صحت کی خراب صورت حال کی عکاسی کرتی ہیں۔

8. دولت کا نکاس/اخراج اور معاشی استحصال (Drain of Wealth and the Economic Exploitation)

برطانوی حکومت کے دوران، ہندوستان کی دولت کا ایک اہم حصہ مختلف استحصالی طریقوں، جیسے کہ زیادہ ٹیکس، برطانوی صنعتوں کے حق میں تجارتی پالیسیوں، اور منافع کی منتقلی کے ذریعے برطانیہ منتقل کر دیا گیا۔ اس "دولت کے نکاس" سے ہندوستان کے پاس اپنی ترقی کے فروغ کے لیے سرمائے کی کمی پیدا ہوئی اور غربت کا تسلسل جیسے مسائل پیدا ہوئے۔ استعماری ٹیکس نظام نے ہندوستانی کسانوں پر بھاری لگان عائد کیا۔ نقدی فصلوں جیسے کہ انڈگو اور کپاس کی بالجبر کاشت نے دیہی آبادی کو مزید غریب کر دیا۔

15.3 پلاننگ کمیشن (Planning Commission)

آزادی سے پہلے ہی اس وقت کے ہندوستانی سیاسی رہنما اور صنعت کار دونوں اس معاشی وراثت سے بخوبی واقف تھے جو آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کو وراثت میں ملنے والی تھی۔ آزادی سے پہلے بھی، یہ بااثر شخصیات -جو آزاد ہندوستانی معیشت کی بنیادوں کے معمار بننے والے تھے- کئی اہم کلیدی معاملات پر تقریباً متفقہ رائے رکھتے تھے۔ ان میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ ہندوستان کی تیز معاشی نمو کے لیے معاشی منصوبہ بندی ضروری تھی۔ آزادی کے بعد، ملک کی سیاسی قیادت پر معیشت کو منظم کرنے اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی ذمہ داری آئی۔ اس وقت کی معاشی صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ ذمہ داری ادا کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پھر نئی آزاد قوم کے قوم پرستی کے جذبات سے پیدا توقعات اور امنگوں کی بنا پر نمو و ترقی حاصل کرنے کا دباؤ بھی بہت زیادہ تھا۔ اس دوران سیاسی قیادت نے جو فیصلے لینے تھے ان کا ہندوستان کے مستقبل پر دیرپا اثر پڑنے والا تھا۔

نئی آزاد قوم کو معاشی ترقی اور استحکام کی طرف لے جانے کی اہم ذمہ داری کا سامنا کرتے ہوئے، سیاسی قیادت نے ترقی کے لیے ایک منظم نقطہ نظر کی ضرورت کو تسلیم کیا۔ زرعی معیشت، صنعت کاری کی کم سطح، اور بنیادی ڈھانچے کی کمی کی وجہ سے، ہندوستان کی ایک باقاعدہ اور منظم انداز میں نمو و ترقی کو یقینی بنانے کے لیے ایک واضح حکمت عملی کی ضرورت تھی۔ سوویت یونین جیسے دنیا کے دیگر حصوں میں منصوبہ بند معیشتوں کی کامیابی سے تحریک حاصل کرتے ہوئے اور ہندوستانی تناظر کو تسلیم کرتے ہوئے، جواہر لعل نہرو جیسے قائدین نے معاشی منصوبہ بندی کے لیے مرکزی طریقہ کار کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کا ماننا تھا کہ ریاست کو معیشت کی رہنمائی میں فعال کردار ادا کرنے کی

ضرورت ہے تاکہ وسائل کو مؤثر طریقے سے مختص کیا جاسکے اور مختلف خطوں اور شعبوں میں متوازن ترقی کا حصول ہو سکے۔ یہ نقطہ نظر ہندوستانی آئین میں 'معاشی اور سماجی منصوبہ بندی' کی ضرورت کو باضابطہ طور پر شامل کرنے کا باعث بنا۔ منصوبہ بندی فطری طور پر تکنیکی عمل ہے جو قوم کی ترقی کے لیے مہارت اور طویل مدتی وژن کا تقاضہ کرتی ہے۔ لہذا ہندوستان کو ایک وقف ماہر باڈی کی ضرورت تھی جو منصوبہ بندی کے تمام پہلوؤں کی نگرانی کر سکے۔

نتیجتاً مارچ 1950 میں حکومت کی طرف سے کابینہ کی قرارداد کے ذریعے نئی قانون سازی کی ضرورت کے بغیر پلاننگ کمیشن قائم کیا گیا۔ اس ادارے کا مقصد ملک کی ترقی کے عمل کو منظم کرنا اور رہنمائی کرنا، اور ایک ایسی خود کفیل معیشت کی تعمیر تھا جو عوام کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ چونکہ پلاننگ کمیشن کا قیام بنا نئی قانون سازی کے ہوا اس لیے کمیشن ایک برون آئین اور غیر آئینی ادارہ تھا۔ اگرچہ منصوبہ بندی کا تصور آئین سے اخذ کیا گیا تھا، خود پلاننگ کمیشن کا اس میں براہ راست ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا کردار بنیادی طور پر مشاورتی تھا، اور معاشی ترقی کے مختلف معاملات پر حکومت ہند کی رہنمائی کرنا تھا۔ کمیشن نے ایک ایسے "تھنک ٹینک/ادارہ فکر" کے فرائض سرانجام دیے جو ترقیاتی امور پر مہارت اور حکمت کی رہنمائی کرتا ہے۔ وزیراعظم پلاننگ کمیشن کے چیئرمین کے فرائض انجام دیتا تھا جبکہ ڈپٹی چیئرمین کمیشن کا کل وقتی سربراہ ہوتا تھا۔

دیگر سرکاری اداروں کے برعکس پلاننگ کمیشن کی رکنیت لچک دار تھی۔ اس میں ایک مقررہ مدت کے منصوبے کی ضرورت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ماہرین شامل ہو سکتے تھے۔ اس لچک نے کمیشن کو معاشیات، زراعت اور صنعت جیسے مختلف شعبوں سے ماہرین کو لانے کی اجازت دی، جس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ منصوبہ بندی کا عمل معیشت کو درپیش مخصوص مسائل کو حل کرنے کے قابل ہو سکے۔ ان ماہرین کے ساتھ ساتھ، مرکزی کابینہ کے چھ وزراء ایک ممبر سکریٹری کے ساتھ، حکومت کے وسیع تر اہداف کے ساتھ ہم آہنگی کو یقینی بناتے ہوئے، بطور آفیشیو ممبران خدمات انجام دیتے تھے۔ کمیشن کو اعلیٰ درجہ کی خود مختاری دی گئی تھی۔ اس خود مختاری نے کمیشن کو غیر جانبدارانہ، تکنیکی طور پر درست مشاورت فراہم کرنے کے قابل بنایا۔ اپنی خود مختاری کے باوجود پلاننگ کمیشن مرکزی کابینہ سے قریبی طور پر جڑا رہا۔ اسے کابینہ کے ڈھانچے میں ضم کیا گیا، اور اس کی فنڈنگ کو کابینہ سکرٹریٹ کے بجٹ میں شامل کیا گیا۔ اس تعلق نے اس بات کو یقینی بنایا کہ کمیشن کی سرگرمیاں حکومت کے پالیسی اہداف کے ساتھ ہم آہنگ ہوں اور منصوبہ بندی کی کوششوں اور پالیسی کے نفاذ کے درمیان ہم آہنگی کو آسان بنا جا سکے۔

ایک مشاورتی ادارہ ہونے کے علاوہ، پلاننگ کمیشن کے پاس انتظامی اختیارات بھی تھے، جس سے وہ اپنے تیار کردہ منصوبوں کے نفاذ کی نگرانی میں فعال کردار ادا کر سکتا تھا۔ کمیشن نے مختلف منصوبوں اور پروگراموں کی پیش رفت کی نگرانی کی، اس بات کو یقینی بنایا کہ وسائل کا موثر استعمال کیا گیا ہو اور ترقیاتی اہداف کو پورا کیا گیا ہو۔ نفاذ کے عمل میں عملی شرکت سے پلاننگ کمیشن نے آزادی کے بعد کے سالوں میں ہندوستان کی معاشی نمو و ترقی کے حصول میں اہم کردار ادا کیا۔

15.3.1 پلاننگ کمیشن کے فرائض/افعال (Functions of Planning Commission)

حکومت کے اُسی حکم نامے کے ذریعے پلاننگ کمیشن کے فرائض کا اعلان کیا گیا جس کی بنا پر کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ ان فرائض کو ذیل میں ذکر کیا گیا:

1. قومی وسائل کی تشخیص (Assessment of National Resources)

ملک کے تمام وسائل بشمول قدرتی وسائل، سرمایہ، افرادی قوت اور انفراسٹرکچر کا جائزہ لینا۔ اس میں ان وسائل کی دستیابی، صلاحیت اور حدود کو سمجھنا شامل تھا تاکہ ترقیاتی مقاصد کے لیے کیا دستیاب تھا اس کی واضح تصویر تیار کی جا سکے۔

2. معاشی ترقی کے منصوبوں کی تشکیل (Formulation of Plans for Economic Development)

وسائل کے انتہائی موثر اور متوازن استعمال کے لیے منصوبہ تیار کرنا۔ کمیشن کے ذمے ایسے تفصیلی پانچ سالہ منصوبے تیار کرنا تھا جو مختلف معاشی شعبوں جیسے زراعت، صنعت، سماجی خدمات وغیرہ کے لیے اہداف و مقاصد کا تعین کرتے ہیں۔

3. ترجیحات کا تعین (Determination of Priorities)

ان مراحل کی وضاحت کرنا جن میں منصوبے کو نافذ کیا جانا چاہیے اور ہر مرحلے کی تکمیل کے لیے وسائل کی تخصیص کرنا۔ اس کا مطلب ہے کہ پلاننگ کمیشن ملک کی ضروریات اور دستیاب وسائل کی بنیاد پر ان اہم شعبوں کا تعین کرنے کا ذمہ دار تھا جن پر فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ ان ترجیحات کی نشاندہی کے بعد، کمیشن منصوبے کو مراحل میں ترتیب دیتا تھا اور منصوبے کے ہر مرحلے کی مؤثر اور بروقت تکمیل کو یقینی بنانے کے لیے وسائل — جیسے کہ فنڈز، افرادی قوت اور مواد — کی تخصیص کرتا تھا۔

4. معاشی ترقی میں رکاوٹ بننے والے عوامل کی نشاندہی

(Identification of Factors Hindering Economic Growth)

ان رکاوٹوں (چاہے وہ بنیادی ڈھانچے کی خرابیاں ہوں، پالیسی میں رکاوٹیں ہوں یا وسائل کی حدود ہوں) کی نشاندہی کرنا جو معاشی ترقی میں رکاوٹ ڈال رہے ہوں، اور موجودہ سماجی اور سیاسی صورت حال کے پیش نظر ان حالات کا تعین کرنا جو منصوبے کی کامیاب تکمیل کے لیے ضروری ہوں گے۔

5. عمل درآمد کے لیے مشینری کا تعین (Determine the Machinery for Implementation)

منصوبے کے ہر مرحلے کو اس کے تمام پہلوؤں میں کامیاب طریقے سے انجام دینے کے لیے درکار مشینری کی قسم کا تعین کرنا۔

6. منصوبوں کی پیش رفت کا جائزہ (Review of the Progress in Projects)

وقتاً فوقتاً منصوبے کے ہر مرحلے کی عملدرآمد میں حاصل کردہ پیش رفت کا جائزہ لینا، اور اس جائزے کی روشنی میں پالیسی اور

اقدامات میں ضروری تبدیلیوں کے لیے مشورے دینا۔ منصوبے کے تمام مراحل کے نفاذ میں حاصل پیش رفت کا باقاعدگی سے جائزہ لینا اور اوراس جائزے کی بناپر پالیسی اور اقدامات میں (اگر ضروری ہو تو) تبدیلیوں کے مشورے دینا۔

7. پالیسی فریم ورک پر حکومت کو مشورہ دینا (Advising the Government On Policy Frameworks)

ایسی عبوری یا ضمنی مشورے دینا جو یا تو اس کے تفویض کردہ فرائض کی انجام دہی کو ممکن بنانے کے لیے ہوں، یا موجودہ معاشی حالات، موجودہ پالیسیوں، اقدامات اور ترقیاتی پروگرام پر غور کرنے کے بعد ہوں، یا ایسے مخصوص مسائل کا مطالعہ کرنے کے بعد ہوں جن پر مرکزی یا صوبائی حکومتیں اس سے رہنمائی چاہتی ہوں۔

15.4 ہندوستان میں منصوبہ بندی کے مقاصد (Objectives of Planning in India)

پلاننگ کمیشن کو منظم منصوبہ بندی کے ذریعے ملک کی معاشی نمو کو فروغ دینے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ آزادی کے بعد کے ہندوستان کو درپیش مسائل جس میں غربت، خوراک کی کمی، علاقائی تفاوت، اور کمزور صنعتی بنیاد شامل ہیں کی بناپر منصوبہ بندی کی ضرورت پیش آئی تاکہ وسائل کو مؤثر طریقے سے مختص کیا جاسکے اور معاشی نمو کو تیز کیا جاسکے۔ منصوبہ بندی کے بنیادی مقاصد میں ہندوستان کو ایک خود کفیل، خوش حال اور مساوی معاشرے میں تبدیل کرنا شامل تھا۔ ان مقاصد نے پانچ سالہ منصوبوں کی ترجیحات اور ترقیاتی اہداف کا تعین کیا جنہیں ایک مقررہ مدت کے اندر حاصل کرنا مقصود تھا۔ ذیل میں ان پانچ سالہ منصوبوں کے طویل مدتی مقاصد کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ محل نظر رہے کہ تمام منصوبوں نے ان مقاصد پر یکساں زور نہیں دیا۔ مثال کے طور ابتدائی منصوبوں نے معاشی نمو پر زیادہ زور دیا، پانچویں اور چھٹے منصوبوں میں خود انحصاری، روزگار کی فراہمی اور غربت کے خاتمے کو بہت اہمیت دی گئی۔ ساتویں پلان میں جدید کاری پر زور دیا گیا۔ گیارھویں منصوبے میں جامع ترقی نمو (Inclusive Growth) پر توجہ مرکوز کی گئی جب کہ بارھویں اور آخری منصوبے میں متدام جامع نمو کی بات کی گئی۔

1. معاشی نمو (Economic Growth)

پیداوار کی سطح میں مسلسل اضافہ جسے معاشی نمو کہتے ہیں ہندوستان میں منصوبہ بندی کے اولین مقاصد میں سے ایک مقصد رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض پانچ سالہ منصوبوں میں دیگر مقاصد پر زیادہ زور دینے کے باوجود بھی معاشی نمو کی حیثیت برقرار رہی ہے۔ ہندوستانی منصوبوں میں معاشی نمو کو زیادہ ترجیح دینا جائز بھی معلوم پڑتا بالخصوص اگر ہم اسے انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں طویل جمود کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ہندوستان سے دولت کے بڑے پیمانے پر اخراج کی وجہ سے ملک کی معیشت کو انگریزوں کے دور میں شدید دھچکا لگا تھا۔ اس دور میں جب یورپی ممالک ترقی کررہے تھے، ہندوستان پسماندگی کا شکار تھا۔ لہذا، ایک بار جب اس ملک کو آزادی ملی، فیصلہ سازوں کا واضح انتخاب معاشی نمو تھا۔ ہندوستان کی منصوبہ بندی کا بنیادی مقصد معاشی نمو کی رفتار کو تیز کرنا اور مجموعی قومی آمدنی میں اضافہ کرنا تھا۔ آزادی کے وقت، ہندوستان کی فی کس آمدنی بہت کم تھی، اور معیار زندگی کو بلند کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ معاشی نمو کو پیداوار کی اعلیٰ سطح حاصل

کرنے کے ایک ذریعے کے طور پر دیکھا گیا، تاکہ عوام کی زندگی کے بہتر حالات اور بنیادی سہولیات تک رسائی ممکن ہو سکے۔ پانچ سالہ منصوبے زراعت، صنعت اور بنیادی ڈھانچے جیسے اہم شعبوں میں سرمایہ کاری کے ذریعے معاشی نمو کو فروغ دینے پر مرکوز تھے۔

2. خود انحصاری (Self-Reliance)

آزادی کے وقت ہندوستان کم از کم تین معاملات میں بیرونی ممالک پر منحصر تھا۔ سب سے پہلے، اس حقیقت کے باوجود کہ ہندوستانی معیشت بنیادی طور پر زرعی تھی، غذائی اجناس کی پیداوار وافر مقدار میں نہیں ہوتی تھی اور لہذا ہندوستان کو دیگر ممالک سے بڑی مقدار میں اناج برآمد کرنا پڑتا تھا۔ دوسرا، بنیادی صنعتوں کے نہ کے برابر ہونے کی وجہ سے، نقل و حمل کے آلات، مشینی اوزار، بھاری انجینئرنگ اشیا، الیکٹریکل پلانٹ اور مشینیں اور بہت سے دیگر اشیائے سرمایہ کو ترقی یافتہ ممالک سے حاصل کرنا پڑتا تھا۔ تیسرا، بچت کی شرح بہت کم ہونے کی وجہ سے ملک میں سرمایہ کاری کی شرح کو بڑھانے کے لیے غیر ملکی امداد حاصل کرنی پڑی تھی۔ یہ بات درست ہے کہ دو مساوی شراکت داروں کے درمیان خالصتاً تجارتی شرائط پر تجارت دونوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے۔ تاہم، یہ بات غیر ترقی یافتہ ممالک کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ غیر ترقی یافتہ ممالک ترقی یافتہ ممالک سے برابر کی پوزیشن سے تجارت نہیں کر پاتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور دور حاضر کے لیے بھی یہ بات درست ہے کہ بہت سے معاملات میں ترقی یافتہ ممالک اپنی مضبوط سودے بازی کی پوزیشن کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اشیائے ضروریہ جیسے غذائی اجناس، مشینری اور دیگر سرمایہ کاری کے آلات کی پسماندہ ممالک سے زیادہ قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اکثر ان اور دیگر ضروری اشیا کی برآمدات کو تیسری دنیا کے ممالک کو بلیک میل کرنے کے لیے سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا، اگر کوئی بھی پسماندہ ملک سنجیدگی سے اپنی ترقیاتی سرگرمیوں کو دوسرے ممالک کے سیاسی دباؤ سے آزاد رکھنا چاہتا ہے، تو اس کے پاس غذا اور لوازمات سرمایہ میں مکمل طور پر خود کفیل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اسے دوسرے ممالک اور آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے اداروں سے امداد کے سلسلے میں اپنا انحصار بھی کم کرنا ہوگا۔ موٹے طور پر یہ وہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے اس ملک میں معاشی منصوبہ بندی کے ایک اہم مقصد کے طور پر خود انحصاری کو اپنایا گیا۔

3. بے روزگاری کا خاتمہ (Removal of Unemployment)

روزگار کے کافی مواقع پیدا کرنا ہندوستان کی منصوبہ بندی کی کوششوں کا ایک اور اہم مقصد تھا۔ ایک بڑی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ، ہندوستان کو خاص طور پر دیہی علاقوں میں بے روزگاری اور بے روزگاری سے متعلق اہم چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ منصوبہ سازوں نے تسلیم کیا کہ محض معاشی نمو کافی نہیں ہے۔ عوام کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے نمو کے ساتھ روزگار پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ یہ مقصد خاص طور پر اس لیے اہم تھا کیونکہ افرادی قوت کا ایک بڑا حصہ کم پیداواری زرعی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ روزگار کے مواقع پیدا کرنے پر زور محنت پر مبنی صنعتوں کے فروغ، چھوٹی صنعتوں کی توسیع اور دیہی ترقی کے پروگراموں کے ذریعے مختلف منصوبوں میں جھلکتا ہے۔

4. آمدنی میں عدم مساوات میں کمی (Reduction of Inequality in Income)

معاشی اور سماجی عدم مساوات کو دور کرنا ہندوستان کی منصوبہ بندی کا ایک اور مقصد تھا۔ منصوبہ سازوں کا مقصد مختلف خطوں اور سماجی و معاشی گروہوں کے درمیان آمدنی کے تفاوت کو کم کرنا تھا۔ اس میں نہ صرف معاشی نمو کو فروغ دینا شامل تھا بلکہ اس بات کو بھی یقینی بنانا تھا کہ نمو کے عمل سے معاشرے کے تمام طبقات کو فائدہ پہنچے، خاص طور پر وہ لوگ جو تاریخی طور پر پسماندہ تھے، جیسے دیہی غریب، بے زمین مزدور، اور سماجی طور پر پسماندہ طبقات۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ابتدائی منصوبوں میں اراضی کی ملکیت کی باز تقسیم اور زرعی پیداوار کا بہتر ڈھانچہ فراہم کرنا جیسے اقدامات متعارف کرائے گئے۔ بعد کے منصوبوں میں متزائد ٹیکس، غریبوں کے لیے سبسڈی، اور سماجی بہبود کے پروگراموں پر توجہ مرکوز کی گئی تاکہ آمدنی کی تقسیم کو مزید مساوی بنایا جاسکے۔ حالانکہ آمدنی کی عدم مساوات میں کمی کو معاشی منصوبہ بندی کے مقاصد میں شامل کیا گیا۔ تاہم، ترجیح کے لحاظ سے اسے ہمیشہ بہت کم مقام ملا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نہ تو منصوبے کے دستاویزات اور نہ ہی پلاننگ کمیشن کی کسی دوسری اشاعت نے کبھی آمدنی اور دولت کی تقسیم میں عدم مساوات کا تخمینہ فراہم نہیں کیا۔

5. غربت کا خاتمہ (Eradication of Poverty)

آزادی کے بعد ملی وسیع پیمانے پر غربت کو مد نظر رکھتے ہوئے غربت کا خاتمہ ہندوستانی منصوبہ بندی کا ایک بنیادی مقصد رہا ہے۔ اس بات کو یقینی بنانے پر توجہ مرکوز کی گئی کہ معاشی نمو کے فوائد معاشرے کے مختلف طبقات بالخصوص غریب طبقات کے درمیان زیادہ مساوی طور پر تقسیم ہوں۔ ابتدائی منصوبے دیہی آبادیوں کی ترقی کے لیے زرعی پیداواری صلاحیت میں اضافے اور دیہی ترقی پر مرکوز تھے۔ تاہم، چوتھے اور پانچویں پانچ سالہ منصوبوں کے ساتھ، غربت کے خاتمے پر زیادہ واضح توجہ مرکوز کی گئی تھی، اور ایسے پروگراموں کی تشکیل کی گئی جن کا مقصد براہ راست غریبوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانا تھا۔ بعد کے سالوں میں جامع نمو پر زور نے لوگوں کو متدام طریقے سے غربت سے نکالنے کے لیے وسیع تر معاشی ترقی کے لیے حکمت عملیوں کے ساتھ براہ راست انسدادِ غربت کے اقدامات پر زور دیا۔

6. جدید کاری (Modernisation)

منصوبہ بندی کے پورے عرصے میں پلاننگ کمیشن نے ہمیشہ ملکی ترقی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے کردار کو تسلیم کیا۔ تاہم، چھٹے پانچ سالہ منصوبے تک جدید کاری کسی منصوبے کے ایجنڈے میں شامل نہیں تھی۔ چھٹے پلان میں پہلی بار جدید کاری کے مقصد کو واضح طور پر ذکر کیا گیا۔ جدید کاری میں نئی ٹیکنالوجی کو اپنانے، پیداواری صلاحیت کو بہتر بنانے اور سماجی اور معاشی ڈھانچے کو اپ ڈیٹ کرنے جیسے اقدامات شامل تھے۔ اس میں کاشت کے نئے طریقوں، کھادوں، اور بیجوں کی اعلیٰ پیداوار دینے والی اقسام کو اپنا کر زراعت کو جدید بنانا شامل تھا، جیسا کہ سبز انقلاب کے دوران دیکھا گیا تھا۔ اس میں عالمی سطح پر تکنیکی پیش رفت کے ساتھ رفتار برقرار رکھنے کے لیے صنعتوں، بنیادی ڈھانچے اور خدمات کی ترقی کو بھی شامل کیا گیا۔ تعلیم، سائنسی تحقیق، اور مواصلاتی نظام کی جدید کاری بھی معیشت کی جدید کاری کا اہم حصہ ہیں۔ مزید برآں، جدید کاری میں سماجی اصلاحات جیسے تعلیم اور طبّی نگہداشت کو بہتر بنانا، صنفی مساوات کو فروغ دینا، اور سماجی عدم مساوات کو دور کرنا وغیرہ بھی شامل ہیں۔

15.5 پانچ سالہ منصوبے (Five Year Plans)

15.5.1 پہلا پانچ سالہ منصوبہ(56-1951)

جولائی 1951 میں، پلاننگ کمیشن نے اپریل 1951 سے مارچ 1956 کی مدت کے لیے پہلے پانچ سالہ منصوبے کا خاکہ جاری کیا اور دسمبر 1952 میں پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ پہلے پانچ سالہ منصوبے کے وقت ہندوستان مہاجرین کی آمد، غذا کی شدید قلت اور بڑھتی مہنگائی جیسے مسائل کا سامنا کر رہا تھا۔ غذائی بحران کے مسئلے کو حل کرنے اور مہنگائی پر قابو پانے کے لیے شعبہ زراعت کو سب سے زیادہ ترجیح دی گئی۔
پہلے پانچ سالہ منصوبے کے اہم مقاصد تھے:

- **زرعی ترقی**: پہلے منصوبے کا بنیادی مقصد غذائی اجناس میں خود کفالت حاصل کرنا تھا۔ اس میں آبپاشی کو فروغ دینا، زرعی طریقوں کو بہتر بنانا، اور کسانوں کو بہتر بیج، کھاد، اور قرض تک رسائی فراہم کرنا شامل تھا۔ اس منصوبے کے دوران بھاکڑا۔ننگل اور ہیراکڈ ڈیم جیسے اہم آبپاشی کے منصوبے شروع کیے گئے تھے۔
- **آبادکاری اور بنیادی ڈھانچہ**: اس منصوبے میں تقسیم ہند کے بعد بے گھر ہوئے مہاجرین کی آبادکاری اور زرعی اور دیہی ترقی میں معاونت کے لیے سڑکوں، ریلوے اور بجلی کی پیداوار جیسے ضروری بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کے لیے وسائل مختص کیے گئے۔
- **کمیونٹی ڈویلپمنٹ پروگرام**: اس منصوبے میں کمیونٹی ڈویلپمنٹ پروگرام متعارف کرائے گئے جن کا مقصد دیہی ترقی، تعلیم، طبّی نگہداشت اور مقامی خود حکومتی اقدامات پر توجہ مرکوز کرنا تھا۔ ان پروگراموں کا مقصد دیہی برادریوں کو ان کی اپنی ترقی میں شامل کرنا اور ان کے معیار زندگی کو بہتر بنانا تھا۔

پہلے پانچ سالہ منصوبے کے کل مجوزہ اخراجات 2070 کروڑ روپے (اصل اخراجات 2378 کروڑ روپے) روپے تھے۔ عوامی شعبے کو اس بجٹ میں کافی اہمیت دی گئی اور لہذا؛ بجٹ کا تقریباً 44% عوامی شعبے کے اداروں کے لیے وقف کیا گیا۔ پہلے پانچ سالہ منصوبے کو ایک کامیاب منصوبہ تصور کیا جاتا ہے خاص طور پر زراعت میں، جہاں اناج کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اس سے خوراک کی درآمدات پر ہندوستان کا انحصار کم ہوا اور افراط زر میں بھی کمی آئی۔ اس منصوبے کی بعض کامیابیاں درج ذیل ہیں:

(a) پہلے منصوبے میں قومی آمدنی نے 3.6 فیصد سالانہ شرح نمو حاصل کی جو مستہدف 2.1 فیصد کے مقابلے میں کافی زیادہ تھی۔ قومی آمدنی 8850 کروڑ روپے سے بڑھ کر منصوبے کے اختتام تک 10,480 کروڑ روپے ہو گئی۔ فی کس آمدنی میں 11% کا اضافہ ہوا۔

(b) خوراک کی پیداوار 52-1951 میں 52.2 ملین ٹن سے بڑھ کر 56-1955 میں 65.8 ملین ٹن ہو گئی، جو منصوبے کے ہدف 61.6 ملین ٹن سے زیادہ تھی۔ کپاس، جوٹ، گنے اور تیل کے بیجوں میں کامیابیاں اہداف کے قریب تھیں۔

(c) منصوبے کی مدت کے دوران صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ مل کے تیار کردہ کپڑے اور انجنوں کی پیداوار منصوبے کے اہداف سے زیادہ تھی۔ منصوبے کے دوران آئل ریفائنری، جہاز سازی، ہوائی جہاز، ریلوے جیسی بہت سی نئی صنعتیں قائم کی گئیں۔

(d) منصوبے کی مدت کے دوران، پرائمری سکولوں میں جانے والے طلبا کی تعداد میں تقریباً 33 فیصد اضافہ ہوا۔ صحت کی خدمات پر 101

کروڑ روپے خرچ کیے گئے، اور بڑی تعداد میں اسپتال اور دواخانے قائم کیے گئے۔

15.5.2 دوسرا پانچ سالہ منصوبہ (Second Five Year Plan)

ہندوستان کا دوسرا پانچ سالہ منصوبہ، جو 1956 میں شروع ہوا اور 1961 تک چلا، ہندوستان کی معاشی حکمت عملی میں ایک اہم تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے۔ جہاں پہلے پانچ سالہ منصوبے نے فوری طور پر غذائی تحفظ کے مسائل کو دور کرنے کے لیے زراعت اور دیہی ترقی پر زور دیا، دوسرے منصوبے نے معاشی ترقی کے بنیادی انجن کے طور پر صنعت کاری کو زیادہ اہمیت دی۔ اس تبدیلی نے اگلی کئی دہائیوں تک کی ہندوستان کی ترقی کی رفتار کی بنیاد رکھی۔ دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے پیچھے رہنما قوت ماہر معاشیات پی سی مہالانوبس تھے جنہیں اکثر اس منصوبے کا معمار تصور کیا جاتا ہے۔ اس منصوبے کا نقطہ نظر، جسے مہالانوبس ماڈل کے نام سے جانا جاتا ہے، نے بھاری صنعتوں جیسے اسٹیل، مشینری اور کیمیائی پلانٹس کو ترجیح دی۔ اس کا مقصد ہندوستان کو صنعتی پیداوار میں خود کفیل بنانا اور غیر ملکی درآمدات پر انحصار کم کرنا تھا۔

اس منصوبے کے بنیادی مقاصد تھے:

- **تیز صنعت کاری:** اس منصوبے میں اشیائے سرمایہ کے شعبے پر زیادہ زور دیا گیا۔ اس میں اسٹیل، بھاری مشینری اور انجینئرنگ جیسی صنعتیں شامل تھیں۔ یہ زور اس خیال کی بنا پر تھا کہ ان صنعتوں کا معیشت پر ضارب اثر (Multiplier Effect) پڑے گا۔
- **درآمدی انحصار میں کمی:** اس منصوبے کا مقصد مشینری اور آلات کی ملکی مینوفیکچرنگ کو فروغ دے کر درآمدات پر انحصار کو کم کرنا تھا۔ اس سے ہندوستان کے ادائیگیوں کے توازن کو تقویت ملے گی اور خود انحصاری میں مدد ملے گی۔
- **عوامی شعبے کا فروغ:** اشتراکی طرز عمل سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے اس منصوبے میں عوامی شعبے کو فروغ دیا گیا۔ خیال یہ تھا کہ عوامی شعبہ کلیدی صنعتوں اور بنیادی ڈھانچے کے فروغ میں اہم کردار ادا کرے گا تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ صنعت کاری کے فوائد معاشرے کے ایک وسیع تر حصے تک پہنچیں۔
- **متوازن علاقائی ترقی:** علاقائی تفاوت کے مسئلے کو تسلیم کرتے ہوئے، منصوبے میں کم ترقی یافتہ خطوں میں صنعتوں کے قیام پر زور دیا گیا تاکہ ملک بھر میں متوازن معاشی ترقی کو یقینی بنایا جا سکے۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کا بجٹ پہلے کے مقابلے میں نمایاں طور پر بڑا تھا، جس کا تخمینہ تقریباً 4,800 کروڑ روپے تھا۔ صنعتی شعبے کے لیے زیادہ مالیاتی وسائل مختص کیے گئے۔ صنعتی انفراسٹرکچر کو سپورٹ کرنے کے لیے نقل و حمل اور مواصلات پر بھی خاصی توجہ دی گئی۔ زراعت نے اب بھی اپنی اہمیت برقرار رکھی، حالانکہ پہلے منصوبے کے مقابلے مجموعی اخراجات میں اس کا حصہ کم ہو گیا۔

اس منصوبے کے اہم دفعات اور اقدامات تھے:

- **سٹیل پلانٹس کا قیام:** دوسرے پلان میں بڑے پیمانے پر سٹیل پلانٹس لگانے پر توجہ مرکوز کی گئی جن میں بھلائی اسٹیل پلانٹ

(مدھیہ پردیش)، رورکیلا اسٹیل پلانٹ (اڈیشہ) اور درگاپور سٹیل پلانٹ (مغربی بنگال) شامل ہیں۔

- **بنیادی صنعتوں کی ترقی:** سٹیل کے علاوہ کوئلہ، سیمنٹ، اور ہیوی الیکٹریکل جیسے دیگر شعبوں میں قابل قدر سرمایہ کاری ہوئی۔ اس کا مقصد ایک وسیع صنعتی بنیاد کی حمایت کرنا تھا جو مزید صنعتی ترقی کے لیے درکار اشیائے سرمایہ تیار کر سکے۔
- **ٹرانسپورٹ انفراسٹرکچر کی توسیع:** اس منصوبے میں ریلوے، سڑکوں کے نیٹ ورک اور بندرگاہ کی سہولیات کو وسعت دینے میں سرمایہ کاری کی گئی تاکہ اشیا اور خام مال کی نقل و حرکت کو آسان بنایا جاسکے۔
- **اعلیٰ تعلیم اور تکنیکی تربیت:** اس منصوبے میں تکنیکی تعلیمی اداروں کی تعمیر پر بھی توجہ مرکوز کی گئی ہے تاکہ ایک ہنر مند افرادی قوت تیار کی جا سکے جو صنعتی ترقی میں معاونت کرنے کے قابل ہو۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے نے ہندوستان کے صنعتی شعبے کی بنیاد رکھنے میں قابل ذکر پیش رفت کی۔ اس کی کچھ کامیابیاں تھیں:

- **صنعتی پیداوار میں اضافہ:** اسٹیل، سیمنٹ اور کیمیکل جیسی بنیادی صنعتوں کی پیداوار میں نمایاں اضافے کے ساتھ صنعتی پیداوار کی شرح نمو میں تیزی آئی۔
- **عوامی شعبے رکی توسیع:** PSUs کے قیام نے ایک متنوع صنعتی بنیاد بنانے میں مدد کی، جس میں ریاستی اداروں نے اسٹریٹجک شعبوں میں کلیدی کردار ادا کیا۔
- **تکنیکی پیش رفت:** اعلیٰ تعلیم اور تکنیکی تربیت میں سرمایہ کاری سے ایک تکنیکی طور پر ہنر مند افرادی قوت پیدا ہونے لگی، جس سے سائنس اور انجینئرنگ میں ہندوستان کی مستقبل کی صلاحیتوں میں مدد ملی۔
- **قومی آمدنی:** دوسرے منصوبے کا مقصد 4.5% کی مجموعی شرح نمو حاصل کرنا تھا، لیکن اصل مجموعی شرح نمو تقریباً 2.27% سالانہ حاصل ہوئی۔ آبادی میں بڑے اضافے کی وجہ سے، فی کس آمدنی میں بھی محض 7 فیصد کا اضافہ ہوا۔ فی کس آمدنی 1955-56 میں 306 روپے سے بڑھ کر 1960-61 میں 330 روپے ہو گئی۔

15.5.3 تیسرا پانچ سالہ منصوبہ (Third Five Year Plan)

ہندوستان کا تیسرا پانچ سالہ منصوبہ (1961-66) ملک کی معاشی منصوبہ بندی کی تاریخ میں ایک اہم دور کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس منصوبے کا مقصد پہلے دو منصوبوں کے ذریعے رکھی گئی بنیادوں کو وسعت دینا اور مختلف شعبوں میں خود کفالت حاصل کرنا تھا، جس میں زراعت اور صنعت دونوں پر خصوصی توجہ دینا شامل تھا۔ جب ہندوستان نے تیسرا پانچ سالہ منصوبہ شروع کیا، تب تک ملک اپنے ترقیاتی عمل میں زیادہ پر اعتماد ہو چکا تھا۔ پہلے منصوبے کا مقصد بنیادی طور پر خوراک کی کمی کو دور کرنا تھا، جبکہ دوسرے منصوبے میں صنعتی ترقی پر زور دیا گیا۔ تیسرے منصوبے کا مقصد زراعت اور صنعت کے درمیان متوازن معاشی نمو حاصل کرنا تھا تاکہ مستدام ترقی کو یقینی بنایا جاسکے۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے مقاصد میں تھے

- زرعی اور اور غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافہ کر کے خود کفالت حاصل کرنا۔
- زرعی اور صنعتی دونوں شعبوں میں مواقع بڑھا کر بے روزگاری اور ناقص روزگار کو کم کرنا۔
- قومی آمدنی میں 5.6% سالانہ کا اضافہ خاص طور پر زراعت میں 5 فیصد سے زیادہ کا اضافہ حاصل کرنا۔
- بنیادی صنعتوں کی توسیع اور عوامی شعبے کو مضبوط کرنا۔

ان اہداف کو حاصل کرنے کے لیے، منصوبے کے لیے حکومت نے 7,500 کروڑ روپے تجویز کیے۔ نجی شعبے کی طرف سے سرمایہ کاری کا تخمینہ 4,100 کروڑ روپے لگایا گیا۔ اس طرح مجموعی طور پر اس منصوبے پر 10,400 کروڑ روپے کے اخراجات تجویز کیے گئے۔ تاہم عوامی شعبے کے اصل اخراجات 8,576.5 کروڑ روپے تھے۔

تیسرے منصوبے کو ابتدا سے ہی غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مثال کے طور پر:

- **شدید خشک سالی (1965-1966)**: ہندوستان نے تیسرے منصوبے کے آخری دو سالوں کے دوران بڑے پیمانے پر خشک سالی کا سامنا کیا، جس کا زرعی پیداوار پر تباہ کن اثر پڑا۔ اس کی وجہ سے خوراک کی قلت پیدا ہوئی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے PL-480 خوراک کی امداد پر انحصار میں اضافہ ہوا، اور اشیائے ضروریہ کی قلت کی وجہ سے افراط زر کا دباؤ بڑھا۔ حالات مزید خراب ہو گئے جب ملک کے لیے غیر ملکی امداد کو روک دیا گیا۔
- **چین ہندوستان جنگ (1962)**: 1962 میں چین کے ساتھ سرحدی تنازعے نے ہندوستان کے وسائل پر خاصا دباؤ ڈالا۔ جنگ کے باعث دفاعی اخراجات میں اضافے کی ضرورت پڑی، اور فنڈز کو ترقیاتی منصوبوں سے ہٹا دیا گیا۔
- **ہند-پاکستان جنگ (1965)**: 1965 میں پاکستان کے ساتھ تنازعہ نے ہندوستان کے معاشی وسائل کو مزید تنگ کر دیا، جس کے نتیجے میں دفاعی اخراجات میں اضافہ ہوا۔ اس سے نہ صرف فنڈز کی تقسیم متاثر ہوئی بلکہ سیاسی غیر یقینی حالات بھی پیدا ہوئے۔
- اس طرح، مون سون کی بے ترتیبیوں نے ہماری زراعت کو اور بیرونی امداد کی بے ترتیبی نے ہماری صنعت کو نقصان پہنچایا۔ مہنگائی نے صورت حال کو مزید بدتر بنا دیا۔ نتیجے کے طور پر، اس منصوبے کی حقیقی ترقی اہداف سے کم رہی، خاص طور پر زراعت، آبپاشی، بجلی، منظم صنعت، اور ہاؤسنگ کے شعبے زیادہ متاثر ہوئے۔
- **ترقی کے اہداف کی کم کامیابی**: تیسرے منصوبے کا مقصد 5.6 فیصد شرح نمو حاصل کرنا تھا لیکن مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے صرف 2.8 فیصد شرح نمو حاصل ہو سکی۔ زراعت کا شعبہ، خاص طور پر، اپنے اہداف سے کم رہا، جو سالانہ 2 فیصد سے بھی کم شرح سے بڑھا، جس کی وجہ سے غذائی عدم تحفظ کا سلسلہ جاری رہا۔ زرعی پیداوار کی شرح نمو میں کمی نے نہ صرف معیشت کی شرح نمو کو متاثر کیا بلکہ غذائی اجناس اور دیگر زرعی اجناس کی درآمدات پر انحصار میں خطرناک حد تک اضافے کا باعث بنی۔ تیسرے منصوبے کے دوران ملک نے 25 ملین ٹن غذائی اجناس، 3.9 ملین گانٹھ کپاس اور 1.5 ملین گانٹھ جوٹ درآمد کیے۔
- **ادائیگیوں کا بگڑتا ہوا توازن**: خوراک اور دفاعی لوازمات کی بڑھتی ہوئی درآمدات کے ساتھ مل کر معاشی رکاوٹیں ادائیگیوں کے

توازن میں مشکلات کا باعث بنیں۔اس نے غیر ملکی ذخائر کو برقرار رکھنے میں مسائل پیدا کیے۔

- **عوامی شعبے کی جدوجہد:** پہلے کے منصوبوں میں قائم کئی عوامی شعبے کے اداروں (PSUs) کو آپریشنل چیلنجز اور ناکارہیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

تیسرے پانچ سالہ منصوبے کی ناکامی کی وجہ سے ہندوستان کی معاشی حکمت عملی کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ مختلف معاشی مسائل کی وجہ سے، ہندوستان نے فوری طور پر چوتھے پانچ سالہ منصوبے کو آگے نہیں بڑھایا۔اس کے بجائے، حکومت نے 1966 سے 1969 تک تین سالانہ منصوبے شروع کیے۔ان سالوں میں، جنہیں پلان ہالیڈے کہا جاتا ہے، طویل مدتی اہداف کو دوبارہ حاصل کرنے سے پہلے معیشت کو مستحکم کرنے پر توجہ مرکوز کی گئی۔ تیسرے منصوبے کے دوران زرعی پیداوار میں ناکامیوں نے زرعی پیداوار پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا جو بالآخر 1960 کی دہائی کے آخر میں سبز انقلاب کا باعث بنا، جس سے ہندوستان کے زرعی شعبے میں انقلابی تبدیلی آئی۔اس کے علاوہ اس منصوبے کے دوران پیش آنے والی مشکلات نے مرکزی منصوبہ بندی اور ریاستی کنٹرول کے کردار کے بارے میں بحث کا آغاز کیا۔

15.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبا اس قابل ہیں کہ :

- پلاننگ کمیشن، اس کے مقاصد اور مقام کی وضاحت کر سکیں۔
- ہندوستان کے پہلے تین پنج سالہ منصوبوں کا تجزیہ کر سکیں۔
- سولو ماڈل میں آبادی کی نمو کے اثر کا تجزیہ کر سکیں۔
- سولو ماڈل میں پیداواریت اور تکنیکی پیش رفت کے اثر کا تجزیہ کر سکیں۔
- مفروضہ ارتکاز کی وضاحت کر سکیں۔
-

15.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

ترجیحی شعبے : Priority Sectors- حکومت کی جانب سے معاشی اور سماجی ترقی کے لیے اہمیت کے حامل کے طور پر شناخت کیے گئے شعبے، جن کے لیے خصوصی تعاون اور سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

جامع نمو : Inclusive Growth- معاشی نمو جو معاشرے کے تمام طبقات کو فائدہ پہنچاتی ہے، عدم مساوات کو کم کرتی ہے اور مساوی مواقع کو یقینی بناتی ہے۔

جدید کاری : Modernization- پیداواری صلاحیت اور معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی، بنیادی ڈھانچے اور

سماجی نظام کو اپنانے کا عمل۔

خط غربت	:Poverty Line- زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آمدنی یا صرف کی کم سے کم ضروری سطح، جو غربت کی پیمائش کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

ضارب اثر	:Multiplier Effect- مظہر جس کے تحت کسی خاص متغیر میں دی گئی تبدیلی دوسرے متغیر میں کئی گنا تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ جیسے عوامی اخراجات میں اضافہ قومی آمدنی میں کئی گنا اضافے کا سبب بنتی ہے۔

غذائی تحفظ	:Food Security- اس بات کو یقینی بنانا کہ تمام افراد کو ایک فعال اور صحت مند زندگی کے لیے اپنی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی، محفوظ اور غذائیت سے بھرپور خوراک تک رسائی حاصل ہو۔

لیبر فورس	:Labor Force- آبادی کا وہ حصہ جو کام کرنے کی عمر کا ہے اور فعال طور پر روزگار کی تلاش میں مصروف ہے۔

مستدام ترقی	:Sustainable Development- وہ ترقی جو آنے والی نسلوں کی اپنی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت پر سمجھوتہ کیے بغیر موجودہ ضروریات کو پورا کرتی ہے۔

معاشی منصوبہ بندی	:Economic Planning- ملک یا خطے کی مجموعی معیشت کو کنٹرول کرنے اور اس کا انتظام کرنے کا عمل۔ حکومت کی طرف سے ایک مقررہ مدت کے اندر مخصوص معاشی اور سماجی مقاصد کے حصول کے لیے وسائل کی منظم تقسیم۔

معاشی نمو	:Economic Growth- ملک کی اشیا اور خدمات کی پیداوار میں اضافہ، جس کی پیمائش مجموعی ملکی پیداوار (GDP) میں اضافے سے کی جاتی ہے۔

نقد فصل	:Cash Crop- فصل جو بنیادی طور پر ذاتی صرف کے بجائے فروخت اور منافع کے لیے اگائی جاتی ہے۔

15.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

15.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. پلاننگ کمیشن کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a) 1947	(b) 1950	(c) 1952	(d) 1955

2. پہلے پانچ سالہ منصوبے نے کس شعبے کو سب سے زیادہ اہمیت دی؟

(a) صنعت کاری	(b) زراعت و آب پاشی	(c) دفاعی شعبہ	(d) انفارمیشن ٹیکنالوجی

3. پہلے پانچ سالہ منصوبے کے لیے کتنا بجٹ مختص کیا گیا؟

(a) 1060 کروڑ روپے	(b) 2069 کروڑ روپے	(c) 2378 کروڑ روپے	(d) 2500 کروڑ روپے

4. کس ماہر معاشیات کو دوسرے پانچ سالہ منصوبے کا معمار کہا جاتا ہے؟

(a) امرتیہ سین (b) بی آر امبیڈکر (c) پی سی مہالانوبس (d) وی کے آر وی راؤ

5. دوسرے پانچ سالہ منصوبے نے اس کو زیادہ اہمیت دی:

(a) زراعت (b) بھاری صنعتیں (c) دفاع (d) تعلیم

6. تیسرے پانچ سالہ منصوبے کا بنیادی فوکس کیا تھا؟

(a) زراعت اور خود انحصاری (b) بنیادی ڈھانچے کی ترقی (c) انسداد غربت (d) علاقائی ترقی

7. تیسرے پانچ سالہ منصوبے میں حاصل کی گئی حقیقی شرح نمو بیرونی دباؤ کی وجہ سے ہدف سے بہت کم تھی۔ حاصل شدہ شرح نمو کیا تھی؟

(a) 2.5% (b) 2.8% (c) 3.1% (d) 3.2%

8. تیسرے پانچ سالہ منصوبے کی ناکامی کی وجوہات میں سے نہیں تھی:

(a) پڑوسی ممالک کے ساتھ دو جنگیں (b) سخت خشک سالی

(c) اہداف سے زیادہ زرعی کامیابیاں (d) دفاع پر بھاری اخراجات

9. تیسرے منصوبے کے بعد 'پلان ہالیڈے' مدت کا بنیادی مقصد مندرجہ ذیل میں سے کون سا تھا؟

(a) تیز رفتار صنعت کاری (b) معیشت کا استحکام (c) خارجی تجارت کا فروغ (d) جوہری ترقی

10. پہلے پانچ سالہ منصوبے کا چیئر مین کون تھا؟

(a) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر (b) لال بہادر شاستری (c) جواہر لعل نہرو (d) ڈاکٹر منموہن سنگھ

15.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ہندوستان میں پہلے پانچ سالہ منصوبہ (1951-1956) کے مقاصد اور کامیابیوں مختصر بیان کریں۔
2. تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے بنیادی مقاصد کیا تھے اور یہ اپنے اہداف کیوں حاصل نہ کر سکا؟
3. ہندوستان کے لیے خود انحصاری کا حصول کیوں ضروری تھا؟
4. آزادی کے وقت ہندوستان کو درپیش کسی معاشی مسئلے کو بیان کریں۔
5. دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے کیا مقاصد تھے؟

15.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. آزادی کے وقت کے ہندوستان کے معاشی پس منظر کو بالتفصیل بیان کریں۔
2. پلاننگ کمیشن پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

3. ہندوستان میں منصوبہ بندی کے طویل مدتی مقاصد کیا ہیں؟

15.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Bagchi, Amiya Kumar, *Colonialism and Indian Economy*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Bhattacharya, Sabyasachi ed., *Essays in Modern Indian Economic History*, Indian History Congress in association with Primus Books, Delhi, 2015.
3. Chandra, Bipan et al., *India after Independence*, *1947–2000*, Penguin, New Delhi, 1999.
4. Frankel, Francine R., *India's Political Economy*, *1947–2004*: *The Gradual Revolution*, Oxford University Press, 2005.
5. Kumar, Dharma ed., *The Cambridge Economic History of India*, *Volume II, c. 1757–2003*, Orient Longman in association with Cambridge University Press, New Delhi, 2005 (first published in 1983).
6. Tomlinson, B.R., *The Economy of Modern India*, *1860–1970*, Cambridge University Press, New Delhi, 1998.

نمونہ امتحانی پرچہ

Centre for Distance and Online Education مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم

Master of Arts ماسٹر آف آرٹس

Subject Code: MAHS302CCT

Paper: Economic History of India, 1757-1964

پرچہ: ہندوستان کی معاشی تاریخ

4th Semester Examination ، چوتھا سمسٹر امتحان

Time : 3 hours ۳ گھنٹے : وقت | Marks : 70 ۷۰ : نشانات

ہدایات

یہ پرچہ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

1۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔
(1 0 x 1 =10 Marks)

2۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دوسو (200) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختص ہیں۔ (5x6=30 Marks)

3۔ حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (3x10=30Marks)

حصہ اول

سوال : 1

i. واسکوڈی گاما کب ہندوستان پہنچا؟

ii. بمبئی برطانیہ کے کس بادشاہ کو پرتگالیوں نے جہیز میں دیا تھا؟

iii. کلکتہ میں انگریزوں نے اپنے صدر مقام کا کیانام رکھا تھا؟

iv. آسٹریا کی جانشینی کے بدولت ہندوستان میں کس جنگ کا آغاز ہوا؟

v. وینڈی واش کی جنگ کن کے درمیان ہوئی۔

vi. دولت کی نکاسی کی ابتدا کب ہوئی؟

vii. گھریلو اخراجات سے کیا مراد ہے؟

viii. انڈین نیشنل کانگریس نے دولت کی نکاسی کو کب اپنے ایجنڈے میں شامل کیا؟

ix. دولت کی نکاسی کے دو نقصانات بتایئے۔

x. دادابھائی نے سب سے پہلے کس مضمون میں دولت کی نکاسی پر تبصرہ کیا تھا؟

حصہ دوم

2. کرناٹک جنگ کے اسباب اور نتائج پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. تاریخ میں پلاسی کی جنگ کی اہمیت اور اس کے نتائج کا تذکرہ کیجیے۔
4. دولت کی نکاسی کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔
5. دولت کی نکاسی کے طریقہ کار پر تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
6. بندوبست استمراری کی خصوصیات بیان کیجیے۔
7. بندوبست استمراری کے اغراض ومقاصد پر تفصیلی نوٹ لکھئے۔
8. محال واری بندوبست کا دیہی طبقہ پر پر کیا اثر پڑا اور دیہی طبقہ سے کیا مراد ہے؟
9. ولیم بنٹینک کے زرعی اصلاحات کا تجزیہ کیجیے۔

حصہ سوم

10. یورپی کمپنیوں کی ہندوستان میں آمد کا تفصیلی جائزہ لیجئے۔
11. دولت کی نکاسی پر جامع اور مدلل نوٹ لکھیئے۔
12. استمراری بندوبست پر ایک مفصل نوٹ لکھئے۔
13. محل واری بندوبست کی ابتدا اور اغراض ومقاصد پر مفصل نوٹ لکھیے۔
14. زراعت کی تجارت کاری کے نتائج پر مدلل بحث کیجیے۔